تفسیر سروری

جلد پنجم

تفسیر سروری

(جلد پنجم)

Tafsīr-e-Sarwarī — Vol. 5 (Urdu)
A Commentary of the Holy Quran
by
Ḥaḍrat Syed Muhammad Sarwar Shah[ra]

First Published in the UK in 2026

© **Islam International Publications Ltd.**

Published by:
Islam International Publications Limited
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

For more information, please visit
www.alislam.org

Cover design by: Asifah Wahab Mirza

ISBN: 978-1-83596-004-2
(*Tafsīr-e-Sarwarī – 5 volume set*)

مضمون	صفحہ
سورۃ المائدۃ	1
آیت2تا6:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ..... مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔	1
حلت وحرمت	7
شعائر اللہ اور محرمات	9
اضطراری کیفیت کا بیان	15
آیت7تا12:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ ..... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔	20
وضو کے مسائل	23
آیت13تا20:وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ .....وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔	31
عفو ودرگزر	37
سبل السلام سے مراد	39
اھلک سے مراد	42
آپؐ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان نبی	44
آیت21تا27:وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا ..... الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔	46
ملوکیت سے مراد	48
ارض مقدسہ میں داخلے کا حکم	49
آیت28تا35:وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ ..... اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔	53
قابیل اور ہابیل کے واقعہ کے متعلق مفسرین کا خیال اور سرور شاہ صاحب کا معانی	58

مضمون	صفحہ
آیت36تا44:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ..... وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔	61
وسیلہ سے مراد	64
سمّٰعون سے کون مراد ہیں	68
فتنہ کے مختلف معانی از مفسرین	70
آیت45تا51:اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى..... لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔	72
مفسرین کی مشکل	78
آیت52تا57:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ..... هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔	81
دائرہ سے مراد	85
گیارہ مرتد اقوام	88
شیعوں کا عقیدہ بلا فصل	91
آیت58تا67:يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا .....سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ۔	95
سؤر اور بندر بننے کی حقیقت	102
آیت68تا78:يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ..... عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔	107
تبلیغ کا فرض اور شیعہ حضرات کی منطق	112
خطبہ غدیر خم کا اصل محرک	115
قتل انبیاء	124
آیت79تا87:لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ..... اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔	133

مضمون	صفحہ
آیت88تا94:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا .....وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔	140
آیت95تا101:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ.....لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔	146
خدا تعالیٰ کے علم کی دو اقسام	149
آیت102تا109:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا ..... الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔	153
آیت110تا116:یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ..... مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔	168
آیت117تا121:وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ..... عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔	175
سورۃ الانعام	188
آیت1تا11: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ...مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۔	188
سورۃ الانعام کا تعارف اور پچھلی سورۃ سے تعلق	190
سب محامد اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں ہیں؟	193
مفرد اور جمع کے صیغے لانے میں حکمت	196
اصل مقصد روحانیت کی طرف توجہ کرنا	196
خدا تعالیٰ کی عظمت کا اظہار	197
اَجَلٌ سے مفسرین کی مراد اور اصل مطلب	197
سیاق وسباق کے لحاظ سے آیت کریمہ کا مطلب	198
خدا ہی ربّ ہے	199
خدا کے نشانوں سے اعراض	200

مضمون	صفحہ
رسول کریم ﷺ کا اپنی قوم کے لئے تڑپ	201
کفار کا نشانوں کا انکاری ہونا	202
مفسرین کا عجیب نکتہ	203
شوخی کی وجہ سے کفار پر عذاب	204
آیت12تا21: قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا.....فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔	206
کفار کے معذب ہونے کا ثبوت	208
حق کو ماننا ضروری امر ہے	209
خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہونے کی وجہ سے مہلت دیتا ہے	210
انسانوں کی دو اقسام۔ نور وظلمت والے	210
غیر اللہ کو والی بنانے کی تردید	211
خدا تعالیٰ کا اوّل فرمانبردار	212
ربّ کی نافرمانی کا انجام	212
خدا کے عذاب سے بچنے میں اشارہ	213
خوف کا امید سے تعلق	213
سب سے بڑی شہادت والی چیز	214
رسول کریم ﷺ کا رسول ہونا	215
شہادت کس کی قبول ہو سکتی ہے	216
آیت22تا31: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا.....بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔	218
اللہ تعالیٰ کی رسولوں کے حق میں شہادت	220
واؤ کی بجائے اَوْ لانے کی حکمت	222

مضمون	صفحہ
فریقین میں غالب آنے والے کا فیصلہ	222
قیامت اور دوبارہ زندہ ہونا	223
آیت 32تا42: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ.....وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ۔	225
لقاءاللہ کی وضاحت	228
فِيْهَا سے کیا مراد ہے	228
دنیاوی واخروی حالتوں میں فرق	229
قیامت کی خیر وشر کی عظمت	230
ہادی کی محبت وشوق	230
نشانوں سے اعراض کی حقیقت	231
ہدایت دینے کا خدائی قانون	232
کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ	232
روحانی مردہ کا علاج	233
بیّن نشانات سے انکار کی وجہ	233
نشان دکھانے میں ایمان بالغیب کی حد ضرور ملحوظ ہوتی ہے	234
اَكْثَرَهُمْ کہنے کی وجہ	234
کفار کو مال واسباب اور آرام وآسائش ملنے کی وجہ	234
رحیمیت اور ربوبیت میں فرق	235
روحانی زندوں اور مردوں میں فرق	235
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا.... کی ایک اور تفسیر	236
آیت 43تا51: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ.....وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۔	237

مضمون	صفحہ
استہزاء کے عذاب کی حقیقت	239
دَابِرَ الْقَوْمِ کی تفسیر	240
خدا تعالیٰ رب العالمین ہے	241
عذاب الٰہی کا رڈ اور بچاؤ ممکن نہیں	241
عذاب الٰہی سے کون لوگ ہلاک ہوتے ہیں	241
آیت52تا56: وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ..... سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔	243
سیاق سے تعلق	244
ڈرتے وہی ہیں جنہیں کچھ خدا کا خوف ہو	244
کفار کے عذر	245
ظالموں کا گروہ	247
غرباء وضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت اور کفار کا طعن	247
مؤمنین میں ترجیح کی بنیاد ان کی شکر گزاری پر ہے	249
انسان پر مصیبت اس کی اپنی کوتاہی سے آتی ہے	249
وَلِتَسْتَبِيْنَ کی تفسیر	251
آیت57تا61: قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ..... ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔	252
مشرکین کی آرزو پر خدا تعالیٰ کا اطلاع دینا	254
رسول اللہؐ خود ہادی ہیں	255
عذاب جلدی نہیں آتا	256
عذاب جلد مانگنا بلحاظ بشر ہونے کے ہے	257
خدا کا مہلت دینا حکمت کی وجہ سے ہے	257

مضمون	صفحہ
کامل علم صرف خدا کے پاس ہے	258
حَبَّۃٌ۔ رَطْبٌ وَّیَابِسٌ۔ وَرَقَۃٌ۔ کِتَابٌ مُّبِیْنٍ کی مختلف تفاسیر	259
بعث بعد الموت کی مثال	260
قبض روح میں فرق	261
آیت 62 تا 71: وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ..... بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ۔	263
سیاق کے ساتھ تعلق	266
خدا کی خلاف ورزی کا پوشیدہ رہنا	267
آخرت اور حساب	268
شرک کی نفی کی ایک طبعی دلیل	268
ضرر اور دکھ سے نجات واقعہ کے لحاظ سے	268
تین قسموں کے عذاب	269
کَذَّبَ بِہٖ میں بِہٖ سے مراد	270
نبی کا کام ڈرانا ہے عذاب لانا نہیں	271
سمجھانا اس وقت تک ہے جب تک تکذیب کی حد کو نہ پہنچے	271
آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بطریق اولیٰ کیوں روکا	272
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کیوں فرمایا	273
کافروں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے	273
مفسرین کے بیان کردہ معانی	274
آیت 72 تا 83: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ..... وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔	276

مضمون	صفحہ
سیاق کے ساتھ تعلق	281
نُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا کہنے کی حکمت	281
گزشتہ مفسرین کی بیان شدہ روایات اور مفسرین کے تکلّفات کے جوابات	282
اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے	285
نماز قائم نہ کرنے پر سزا	286
حشر اجسام کا ثبوت کُنْ فَیَکُوْنُ	286
مفسرین کی غلط رائے	287
مشرکین کی شرک پر دلیل اور اس کا جواب	288
ابراہیمؑ کو مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیوں دکھائی	289
ابراہیمی صفات والوں کو مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دکھانے کا وعدہ	290
کیا ابراہیمؑ کی دلیل سے مخالفین مان گئے	291
ٹھاکروں کی پکڑ سے ڈرانے کا جواب	292
حضرت ابراہیمؑ کا الزامی جواب	294
اصول مذہب میں تقلید آباء کچھ قابل اعتبار چیز نہیں	294
کیا آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد تھے؟	295
حضرت مسیح موعودؑ کا فرمان آزر کے متعلق	296
ستارہ اور چاند و سورج کو ھٰذَا رَبِّیْ کہنا	296
اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ کی تشریح	297
آیت 84 تا 91: وَ تِلْکَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰھَآ اِبْرٰھِیْمَ..... اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ۔	299

مضمون	صفحہ
سیاق کے ساتھ تعلق	301
خدا کی عطا کردہ شرک کے خلاف دلیل	302
خدا تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بلندیٔ درجات عطا کرتا ہے	302
ہدایت ابراہیمؑ پر ختم نہیں	303
مِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ میں ہ کی ضمیر	304
حضرت ابراہیمؑ کو اولاد عنایت کرنے کا ذکر	304
انبیاءؑ کے تین گروہ	305
مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ کی تفسیر	306
انبیاءؑ کی کامیابی اللہ کی ہدایت کا ثمر ہے نہ کہ شرک کا	307
آیات 92 تا95: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ.....مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ۔	309
قدر کا فاعل کون ہے	312
اسباب نزول وربط آیت کے لحاظ سے حل	313
مخصوص افراد کا ذکر قومی طور پر کیا جانا	314
عنادی مخالفین رسول نزول ہدایت کے بعد بھی انکاری	315
قراطیس کے معنی	315
تخفون اور علمتم سے مراد	315
کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت	317
مِنۡ حَوۡلِهٖ سے مراد	318
مفتری علی اللہ کا انجام	319
مفترین کی تین اقسام	320
مفترین کی حالت کا اظہار	321

مضمون	صفحہ
آیت96 تا 101: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَ النَّوٰى.....سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ۔	322
سیاق سے تعلق	325
يُخۡرِجُ اور مُّخۡرِجُ کے مختلف استعمال	326
صبح، رات اور سورج چاند کی مثال سے مراد	327
انبیاء کی طرح روحانی ستارے بھی موجب ہدایت	327
قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ میں اشارہ	328
ایک جان سے پیدا ہونے والوں میں فرق اور اختلاف	329
مُّسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ کے معنی	329
لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ اور لِقَوۡمٍ يَّفۡقَهُوۡنَ فرمانے میں حکمت	331
آسمان سے پانی اتارے جانے کی تفسیر	331
روحانی پھلوں میں اختلاف انواع	332
تردید شرک کے مضمون کا اعادہ	333
آیت102 تا 111: بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ.....فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ۔	335
ابطال شرک اور ابطال ولد کے دلائل	338
اگر خدا بیٹا پیدا کرتا تو وہ بھی مخلوق ہوتا	339
مجرد پیدا کرنے سے ولد قرار نہیں پاتا	340
فَاعۡبُدُوۡهُ کے معنی	341
خلاصہ مطلب	342
بت پرستوں کے نزدیک بت پرستی کا حیلہ	342
احسان کیا ہے؟	343

مضمون	صفحہ
جمہور اہل اسلام خدا کے دیدار کے قائل	343
کوئی آنکھ خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی	344
ادراک کے معنی	345
رجم بالغیب	346
خداوند تعالیٰ بصر نہیں بصیرت سے نظر آتا ہے	347
اندھا بننے اور حق کو نہ دیکھنے کے نقصان	347
کثرت کی طرف اشارہ کے لیے واؤ عاطفہ	348
خدا تعالیٰ کا متصرف فی الامور ہونا	349
لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ میں الَّذِيْنَ سے مراد	350
سبّ اللہ سے سبّ رسول اللہؐ مراد	351
اعمال کا خوبصورت ہونا دنیا کے ساتھ ہی مخصوص ہے	352
منکرین کا قسمیں کھانا	353
مفسرین کا نقطہ نظر	354
عیسائیوں اور آریوں کا اس آیت کو پیش کرنا	355
آیت112 تا122: وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ...انکم لمشرکون	356
کفار کے ایمان سے بھاگنے کے لئے عذر	359
کفار کے نفی ایمان کی علت پر بحث	361
مفسرین کے معنی	362
نبیوں کے دشمن بنانے میں حکمت	363
شیاطین الانس والجنّ کی ایک دوسرے کو مزخرفات وحی کرنے کی علت	364

مضمون	صفحہ
مزخرفات کو کلام الٰہی کے برابر قرار دینا	365
مخالفین کا رسول اللہؐ کو حکم اور ثالث بنانے کی دعوت	365
قرآن مجید کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں کرتا	366
مفسرین کی بحث	368
مذہب میں اخبار وحکام کا پایا جانا	368
سیالکوٹ کے ایک پادری کا واقعہ	370
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ کے معنی از روئے مفسرین	371
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ سے دو باتیں مراد	372
حلال اور حرام کے متعلق آپ ﷺ کا مکالمہ	372
مفسرین کی بحث	374
آیت123 تا130: اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ.....كانوا يكسبون	375
مومن اور کافر کا حال	379
مفسرین کا نقطہ نظر	380
ریاست کے اہل اخص الخواص	382
شرح صدر کا طریق	383
مفسرین کے معنی	383
رب العالمین اور احکم الحاکمین کی راہ کا اختیار کرنا	384
ھذا کی بحث	385
اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کا حال	385
مفسرین کا کفار کے لئے ابدی جہنم کا قائل ہونا	385
اس جہاں کی سزا کی اصل غرض	386

مضمون	صفحہ
آیات 131 تا 141: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ ... كانوا مهتدين	388
مفسرین کا طرز تفسیر	392
فطرت اور حالت کو سوال وجواب کے ساتھ تعبیر کرنا	393
شَهِدْنَا کی تفسیر	394
بِظُلْمٍ کے معنی	394
ذٰلِكَ کا اشارہ	395
معترضین کے لئے خدا تعالیٰ کا جواب	395
مامور پر لفظی ایمان کافی نہیں	396
مَنْ کی جگہ مَا لانے میں حکمت	396
قوم آخرین سے مراد	396
عذاب سے لاپرواہ لوگوں کے لئے وحید	397
ظلم کے معنی	397
مفسرین کی روایات	398
مشرکین کی خرابیوں کا بیان	400
آیت 142 تا 145: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ ..... لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔	401
خدا کے احکامات کو مانو	403
مفسرین کے نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ کے دو معنی	404
اللہ پر جھوٹ باندھنا	405
حضرت خلیفۃ المسیح اول کا نکتہ	406
آیت 146 تا 151: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ ..... وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۔	407

مضمون	صفحہ
حرمتوں والی اشیاء کا اِلَّا طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ کے ساتھ حل	410
مفسرین کا چار حرمتوں والی چیزوں میں حصر کے متعلق قاصر رہنا	411
خلاصہ مطلب	413
مشرکین کو جواب	416
مشرکین کا عذاب سے بچے رہنے کی وجہ	417
مکذبین کے متعلق مفسرین کا اختلاف	417
خیالی استدلال کا جواب	418
دین الٰہی رضامندی کے قواعد کا نام ہے	419
غلط استدلال کا دو باتوں سے مرکب ہونا	420
خلاصہ کلام	420
آیت 152 تا 155: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ ..... بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ۔	422
سیاق سے تعلق، مفسرین کا معنے	424
والدین کے حقوق کے متعلق تورات اور قرآن کا بیان	425
تحریم سے مراد	426
آئمہ کے نزدیک حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ سے مراد	427
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ کی وجہ	427
آیت 156 تا 166: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ..... وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔	430
توریت کے باوجود قرآن کریم کے نزول میں حکمت	433
مفسرین کی اَنْ تَقُوْلُوْا کی نسبت بحث	435
قرآن عظیم کو نہ ماننے والوں کا بیان	436

مضمون	صفحہ
فتح بدر کی پیشین گوئی	437
اتیان ملائکہ سے مراد	437
آیات سے مراد	438
اَلَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا سے مراد	441
لَسۡتَ مِنۡہُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ کے معنے	442
سورۃ الاعراف	444
آیت 1 تا 11: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ الٓمّٓصٓ..... مَعَایِشَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ۔	444
سورت کا مکی یا مدنی ہونا اور پہلی سورت سے ربط کا بیان	446
سورت کا خاص دعویٰ کا گزشتہ سورت کے آخر میں موجود ہونا	448
الٓمّٓصٓ کے مختلف معنی	449
سورت کا اصل دعویٰ	449
تَذَکَّرُوۡنَ کا لفظ رکھنے کی وجہ	450
فَجَآءَہَا میں مفسرین کا فَا سے مراد	451
بَیَاتًا اور ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ سے مراد	452
دعویٰ کے معنی	453
مُرۡسَلٌ اِلَیۡہِمۡ اور مُرۡسَلِیۡنَ سے کیا مراد	453
لَا یُسۡئَلُ عَنۡ ذَنۡۢبِہٖۤ اِنۡسٌ وَّ لَا جَآنٌّ سے مراد	454
اعمال اور میزان کی تحقیق	456
آیت 12 تا 26: وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ ..... فِیۡہَا تَمُوۡتُوۡنَ وَ مِنۡہَا تُخۡرَجُوۡنَ۔	457
خدائی انعام اور احسان	463

مضمون	صفحہ
خَلَقۡنٰکُمۡ اور صَوَّرۡنٰکُمۡ کے معنی	464
فرشتے انسان کے مُمِدّ و مُعاون	465
آدم کے لئے سجدہ کرنے کے معنے	465
مفسرین کے معنی	466
اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ کے مطالب	468
اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ سے مراد	470
اِغۡوَآءٌ کے معنی	470
صِرَاطٌ سے مراد	471
شٰکِرِیۡنَ اور مُطِیۡعِیۡنَ کے معنی	474
مِنۡہَا میں سے ھَا سے مراد	475
ابلیس کے بہکانے پر اکثریت کا مبتلا ہونا	476
شجرہ سے مراد اور ظلم کی حقیقت	477
شیطان کے وسوسہ کی حقیقت	478
ایک بزرگ کا واقعہ	480
دَلّٰی سے مفسرین کی مراد	482
طَفِقَا سے مراد	483
حضرت آدم علیہ السلام کے ھبوط سے مراد	485
آیت 27 تا 32: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا ..... اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ۔	487
سیاق کے ساتھ تعلق	493
لباس اور ریش کی حقیقت	494
غفلت اور ہوشیاری کی وجہ سے شیطان کا حملہ آور ہونا	497

مضمون	صفحہ
مضامینِ سورت	498
مفسرین کی بحث	499
خلاصہ جواب	501
مشرکین کی بڑی بدیاں اور خرابیاں	502
تفاسیر میں بیان	503
كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ الخ کا ماقبل سے ربط	503
وَيَحْسَبُوْنَ الخ کی یہاں پر لانے کی وجہ	504
كَمَا بَدَأَكُمْ کے وہ معنے جو کہ مفسرین نے لکھے ہیں	505
آیت 33 تا 40: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ..... بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔	508
سیاق کے ساتھ تعلق	514
حلت کی وجوہات واسباب	516
مفسرین کی آراء	516
وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ الخ کا اپنے ماقبل کے ساتھ لطیف ربط	517
بنی آدم کو رسولوں کی تصدیق کی ہدایت	519
يَابَنِيْ آدَمَ کے متعلق مفسرین کا اختلاف	520

سورۃ المائدۃ

آیت 1 تا 6: بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۔ حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃُ وَ الدَّمُ وَ لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ وَ مَاۤ اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ وَ الۡمُنۡخَنِقَۃُ وَ الۡمَوۡقُوۡذَۃُ وَ الۡمُتَرَدِّیَۃُ وَ النَّطِیۡحَۃُ وَ مَاۤ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیۡتُمۡ ؕ وَ مَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ وَ اَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِکُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡہُمۡ وَ اخۡشَوۡنِ ؕ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا ؕ فَمَنِ اضۡطُرَّ فِیۡ مَخۡمَصَۃٍ غَیۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَہُمۡ ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ ۙ وَ مَا عَلَّمۡتُمۡ مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُکَلِّبِیۡنَ تُعَلِّمُوۡنَہُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ ۫ فَکُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَکۡنَ عَلَیۡکُمۡ وَ اذۡکُرُوا اسۡمَ اللّٰہِ عَلَیۡہِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ

الْحِسَابِ۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَ لَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

اَوْفُوْا۔ اِیْفَاءٌ سے ہے جو کہ وَفَاءٌ سے بنا ہے دونوں کے معنے پورا کرنے کے ہیں اور وفاء عقد کے معنے ہوتے ہیں اس کی حفاظت کرنا جس کو عقد چاہتا ہو اور اس کے مقتضی پر قائم رہنا۔

عُقُوْدٌ۔ عَقْدٌ کی جمع ہے جس کے اصل معنے مضبوط باندھنے کے تھے اور پھر ہر ایک پختہ عہد پر بولا جاتا ہے اور عہد میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ اس میں وثوق اور پختگی عہد کی نسبت زیادہ ہے دوم عقد کم از کم دو کے درمیان ہوتا ہے اور عہد اکیلے شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔

بَهِيْمَةٌ۔ ذی روح چیزوں سے جو بے عقل ہیں ان پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اصل معنے ابہام اور پوشیدگی کے ہیں اور ان جانوروں پر یا ان کا کلام دوسروں پر چونکہ مبہم اور پوشیدہ رہتا ہے ان کو بہیمہ اور بہائم کہا گیا اور اکثروں نے تخصیص کر کے کہا ہے کہ خشکی اور تری کے جو چار پائے جانور ہیں انہی کو بہیمہ بولا جاتا ہے۔

اَنْعَامٌ۔ نَعَمٌ کی جمع ہے، دودھ کے چار قسم کے جانور، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری۔

صَيْدٌ۔ شکار کرنا اور شکار کیا ہوا۔

مُحِلِّيْ۔ اصل میں مُحِلِّيْنَ تھا جس سے نون گرا ہوا ہے اور یہ اِحْلَالٌ سے ہے جس کے معنی حلال کرنے، حلال جاننے، احرام سے نکلنے کے ہیں۔

حُرُمٌ۔ حَرَامٌ کی جمع ہے، احرام والا۔

شَعَائِرُ۔ شَعِیْرَۃٌ[1] کی جمع ہے اور شَعِیْرَۃٌ[2] اس چیز کو کہتے ہیں جو کہ عبادت حج وغیرہ کے لئے شعار اور علامت قرار دی جائے۔ جیسا کہ صَفٰی وَمَرْوَۃُ کو شَعَائِرُ اللّٰہِ قرار دیا گیا ہے۔

حَرَامٌ۔ محترم اور عزت والا۔

ھَدْیٌ۔ ھَدْیَۃٌ کی جمع ہے اور ھَدْیَۃٌ اس اونٹ اور گائے اور بھیڑ، بکری کو کہتے ہیں جو کہ کعبۃ اللہ کی طرف چلائی جائے۔

قَلَائِدُ۔ قِلَادَۃٌ کی جمع ہے۔ وہ چیز جو کہ ھَدْیَۃٌ کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ ھَدْیَۃٌ ہے اور پھر اس کو کوئی نہ چھیڑے اور کبھی قَلَائِدُ سے قِلَادَۃٌ والی ھَدْیٌ مراد ہوتی ہیں۔

اٰمِّیْنَ۔ اَمٌّ کی جمع ہے جو کہ اَمٌّ سے بنا ہوا ہے، جو بمعنے ارادہ اور قصد کرنے کے ہے۔

اِصْطَادُوْا۔ اِصْطِیَادٌ سے ہے، شکار کرنا۔

لَایَجْرِمَنَّ۔ جَرْمٌ سے ہے، جس کے اصل معنے تو کاٹنے کے ہیں اور بمعنے بدی اور برائی کمانے اور برائی پر برانگیختہ کرنے کے استعمال ہوتا ہے۔

شَنَئَانٌ۔ سخت بغض یا سخت بغض والا۔ عُدْوَانٌ۔ ظلم و تعدّی۔ مَیْتَۃٌ۔ مردار۔

اُھِلَّ۔ اِھْلَالٌ سے ہے، آواز کا بلند کرنا۔

مُنْخَنِقَۃٌ۔ اِنْخِنَاقٌ سے ہے اور وہ خَنِقٌ سے بنایا ہوا ہے، گلے کا گھنٹ جانا۔

مَوْقُوْذَۃٌ۔ وَقْذٌ سے ہے جس کے معنے لاٹھی وغیرہ چوٹ لگانے والی چیز کے ساتھ مارنے کے ہیں اور مَوْقُوْذَۃٌ وہ ہوئی جو کہ ایسی مار کے ساتھ مر جائے۔

مُتَرَدِّیَۃٌ۔ رَدْیٌ سے ہے، اوپر سے نیچے گرنا۔ تو مُتَرَدِّیَۃٌ وہ جو اوپر سے گرنے سے مر جائے۔

نَطِیْحَۃٌ۔ نَطْحٌ سے ہے، سینگ مارنا اور سینگ مارنے سے مری ہوئی چیز کو نَطِیْحَۃٌ کہتے ہیں۔

سَبُعٌ۔ درندہ۔ ذَکَّیْتُمْ۔ ذَکَاۃٌ سے ہے، زندہ پانا اور ذبح کرنا۔

---

[1] رسالہ میں شَعْرَۃٌ لکھا ہے۔ (از مرتب)

[2] رسالہ میں شَعْرَۃٌ لکھا ہے۔ (از مرتب)

نُصُبٌ بعض کے نزدیک یہ نِصَابٌ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک اَنْصَابٌ کا یہ مفرد ہے۔ اصلی معنے تو اس کے کھڑے کئے ہوئے پتھروں وغیرہ کے ہیں اور اب بتوں پر بھی بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں کعبہ کے پاس تین سو ساٹھ پتھر نصب کیا ہوا تھا کہ جن کو نُصُبٌ کہا کرتے تھے اور لوگ ان پر جانور چڑھایا کرتے تھے۔

تَسْتَقْسِمُوْا۔ اِسْتِقْسَامٌ سے ہے جس کے معنے بانٹنے اور مقسوم چاہنے اور نصیب اور قسمت دریافت کرنے کے ہیں۔

اَزْلَامٌ۔ زَلَمٌ یا زُلَمٌ کی جمع ہے جس کے معنے قسمت آزمائی اور جوئے کے تیر کے ہیں۔

یَئِسَ۔ یَأْسٌ سے ہے، ناامید ہونا۔

اِخْشَوْنِ۔ اصل میں اِخْشَوْنِیْ تھا یاء کو مقدر کیا گیا ہے اور نون کو باقی رکھا گیا ہے۔

مَخْمَصَةٌ کے اصل معنے ہیں پتلا اور باریک ہونا، تو چونکہ بھوک میں یہی حالت پیش آجاتی ہے اس لئے فاقہ کشی اور بھوک کو مَخْمَصَةٌ کہہ دیتے ہیں بشرطیکہ اس میں جان کا خطرہ ہو۔

مُتَجَانِفٌ۔ تَجَانُفٌ سے ہے کسی طرف مائل ہونا اور جھکنا۔

جَوَارِحُ۔ جَارِحَةٌ کی جمع ہے، شکاری جانور۔

مُكَلِّبِيْنَ۔ تَكْلِيْبٌ سے ہے، شکاری جانوروں کو شکار کرنا سکھلانا اور ان کو ہلانا اور پڑھانا۔

مُحْصَنَاتٌ۔ مُحْصَنَةٌ کی جمع ہے اور وہ اِحْصَانٌ سے ہے، اِحْصَانٌ کے ایک معنے تو یہ بیان ہوئے تھے کہ خاوند کی قید میں لایا جانا اور دوسرے یہ ہیں کہ شریف اور آزاد ہونا جو کہ رق اور غلامی کے مقابلہ میں ہے اور تیسرے معنے عفیف اور پاک دامن ہونے کے ہیں۔

مُسَافِحِيْنَ۔ مُسَافِحٌ کی جمع ہے اور وہ سِفَاحٌ سے ہے جس کے معنے جانوروں کی جفتی کے ہیں۔

اَخْدَانٌ۔ خِدْنٌ کی جمع ہے، دوست اور یار، خواہ مرد ہو یا عورت۔

حَبِطَ۔ عمل اور کام کے ضائع اور بے ثمر اور بے اثر ہونے کو کہتے ہیں۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم اپنے عقدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے کھر دار جانور حلال کئے گئے ہیں جبکہ تم محرم ہونے کی حالت میں شکار کو حلال سمجھنے والے نہ ہو۔ بجز ان کے جو تم پر پڑھے جاویں گے۔ بیشک اللہ جو ارادہ کرتا ہے وہی حکم دیتا ہے۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو تم الٰہی نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ (کعبہ کے) تحفوں کی اور نہ ہارڈالی ہوئی (قربانیوں) کی اور نہ عزت والے گھر کے قصد کرنے والوں کی جو کہ اپنے رب سے فضل اور رضامندی (یاجنت رضوان) چاہتے ہیں۔ توجب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو اور لوگوں کی سخت عداوت تم کو تعدّی پر نہ آمادہ کرے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا ہے اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی امداد کرو اور گناہ اور تعدّی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو اور اللہ سے بچو یقیناً اللہ سخت سزا والا ہے۔ تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ (بھی) جس پر غیر اللہ کے لئے آواز دی گئی ہے اور گلا گھٹ کر مری ہوئی اور چوٹ سے مری ہوئی اور گر کر مری ہوئی اور سینگ لگ کر مری ہوئی اور وہ کہ جس کو درندہ نے کھایا ہو۔ مگر جس کو تم زندہ پالو (یاذبح کرلو) اور جو کہ تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو اور یہ کہ تم تیروں کے ساتھ بانٹو (یاقسمت دریافت کرو) یہ حکم عدولی ہے۔ آج وہ لوگ تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں جو کہ کافر بنے ہیں۔ سو تم ان سے نہ ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا ہے اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے دین کے لئے اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ توجو شخص سوائے گناہ کی طرف جھکنے کے بھوک میں مجبور ہو جائے تو یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لئے کیا کچھ حلال کیا گیا ہے۔ تم کہو کہ تمہارے لئے سب ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم شکار پر سدھاتے ہوئے اس سے ان کو سکھاتے ہوئے جو کہ اللہ نے تم کو سکھایا ہے پڑھالو تو تم اس (شکار) سے کھاؤ جس کو وہ تم پر روکیں اور اس پر اللہ کا نام یاد کرلو اور اللہ سے بچو۔ یقیناً اللہ جلد

حساب والا ہے۔ آج تمہارے لئے سب ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں اوران کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے جن کو وہ کتاب دی گئی ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتوں سے اور ان میں سے پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جبکہ تم ان کو ان کے اجر دو۔ قید میں لاتے ہوئے نہ کھلے زنا کرتے ہوئے اور نہ یار پکڑتے ہوئے اور جس نے ایمان کا انکار کیا تو اس کے عمل برباد ہوگئے اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں سے ہو گا۔

تفسیر:

سورہ مائدہ کا نام ہی صاف بتاتا ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے حالات بیان ہوں گے اور اس کے پڑھنے سے بھی یقین ہو جاتا ہے کہ اس میں اہل کتاب کے دونوں گروہوں کے جدا اور مفصل حالات بیان ہوئے ہیں اور میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ قرآن مجید کے نظام ترتیب کے لوازم میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ جس مضمون پر پہلی سورۃ ختم ہوتی ہے اسی مضمون کے ساتھ دوسری سورۃ شروع ہوا کرتی ہے اور یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ پہلی سورۃ کے خاتمہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ پہلے مباحثہ سے کچھ سعید لوگ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور وہ کچھ فتوے دریافت کرتے ہیں اور فوراً ان کے جوابات شروع کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ نو مسلموں کی تعلیم دین کا ایسا ہی خیال رکھنا چاہیئے جیسا کہ ہم نے عین مباحثہ کے مسلسل بیان میں ان کے استفتاؤں کے جواب شروع کر دیئے ہیں اور نوعیت جوابات ایسی بتائی ہے کہ جس سے ان کو اہل کتاب کے غلط عقاید کی تردید کے متعلق اوراور زائد معلومات حاصل ہوتے رہیں اور جو لوگ کہ باوجود اتمام حجت ہو جانے کے اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور وہی اکثر ہیں ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اصل بات کو چھوڑ کر دوسرے مسائل دریافت کرتے ہیں۔

تو ان کو بھی ایسے ہی جوابات دینے چاہیئے اور يَسْتَفْتُوْنَكَ میں ان کا استفتاء مطلق ذکر کر کے یہ بتایا تھا کہ بہت اور مختلف فتویٰ دریافت کرتے ہیں اور قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ[1] (النساء:177) فرما کر ان کے استفتاؤں میں سے ایک کا جواب دیا تھا اور اسی پر سورۃ ختم ہو

[1] تو کہہ دے اللہ تمہیں (ایسے) کلالہ کے متعلق حکم سناتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

گئی تھی اوراب اس دوسری سورۃ میں پہلے ایسے ہی چند فتوے بتائے جائیں گے اوران میں بھی وہ بات ملحوظ ہوگی جو کہ کلالہ کے فتویٰ میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ)ہاں اے وہ لوگو جو کہ ایمان لائے ہو تم اپنے عہدوں کو پورا کرو(یہ وہ اصل ہے کہ جس پر قائم ہونے سے اہل کتاب درحقیقت اہل کتاب ہوجاتے ہیں اور جس کی خلاف ورزی اختیار کرنے سے وہ اس بدترین حالت تک پہنچے ہیں۔

توریت اورانجیل کانام ہی عہدنامہ، عہد کی کتاب، عہد عتیق اور عہد جدید وغیرہ اس لئے رکھا گیاہے کہ بنی اسرائیل سے ان کی اتباع کاعہد لیا گیاتھااورآنحضرتؐ کی نسبت بھی ان سے یہ عہد لیا گیاتھا کہ جب یہ موعود اوران نشانیوں والارسول آئے گاتوہم ضرور ہی اس پر ایمان لائیں گے اور پھر حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے کا بھی ان سے عہد لیا گیاہوا تھااورانہی کے توڑنے سے ان پر سب آفتیں آئی ہیں۔ توان میں سے ایمان لانے والوں کو بتایاجاتاہے کہ اس ایمان لانے سے اس عہد کاایفاء ہے اور جو نہیں لاتے وہ اس عہد کو توڑتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایاجاتاہے کہ یہ ایمان لانا بھی ایک عہد ہے لہٰذا تم کو اس کے ایفاء کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔ نیز اس کے مومنوں کو وہ عقد بھی یاددلایاجاتاہے جو کہ ایمان کے ضمن میں خداوندتعالیٰ کے ساتھ واقع ہواہے جس کو قرآن مجید نے اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ[1] الخ(التوبۃ:111) کے ساتھ بیان فرمایاہے۔

حلّت وحرمت:

اس کے بعدانہیں عقدوں میں سے حلت وحرمت کاعقد ذکرکرکے ان کو سمجھایاجاتاہے کہ اہل کتاب اس عقد کے کہاں تک پابند ہیں تاکہ معلوم ہو کہ جب حلت و حرمت جیسے ضروری اوراہم ترین عقد میں ان کی یہ حالت ہے تودوسرے عقود میں ان کی پابندی اورایفاء کاکس طرح کوئی یقین کرسکتاہے تو فرمایا کہ) تمہارے لئے چارپائے مویشی ان کے سوا حلال کئے گئے ہیں جو کہ تم پر پڑھے جاویں گے (جبکہ تم) محرم ہونے کی حالت میں شکار کی حرمت توڑنے والے نہ ہو (اہل کتاب کو بھی حکم تھا لیکن ایک طرف توانہوں

[1] اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اوران کے مالوں کو(اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیاہے کہ ان کو جنت ملے گی۔(تفسیر صغیر)

نے اونٹ کی حرمت از خود محرمات میں داخل کرلی تھی دوسری طرف ایک فریق نے سب حرام چیزوں کو حتّٰی کہ خنزیر جیسے متفق علیہ حرام کو بھی حلال قرار دے دیا تھا۔

اونٹ کی حلّت کی طرف کھلا اشارہ کرنے کے لئے یہاں پر انعام لفظ اختیار کیا ہے کیونکہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ النَّعَمُ وَاحِدُ الْاَنْعَامِ وَهِيَ الْمَالُ الرَّاعِيَةُ وَاَكْثَرُ مَا يَقَعُ هٰذَا الْاِسْمُ عَلَى الْاِبِلِ۔ نیز لکھا ہے کہ النَّعَمُ اَلْاِبِلُ وَالْبَقَرُ وَالشَّاءُ وَزَادَ الزَّمَخْشَرِيُّ وَالْمَعِزُ وَالضَّأْنُ وَنَقَلَ الوَاحِدِيُّ اِجْمَاعَ اَهْلِ اللُّغَةِ عَلَيْهِ اَوْ خَاصٌّ بِالْاِبِلِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْاَعْرَابِيِّ وَقِيْلَ اِنَّ الْعَرَبَ اِذَا اَفْرَدَتِ النَّعَمَ لَمْ يُرِيْدُوْا بِهَا اِلَّا الْاِبِلَ فَاِذَا قَالُوْا الْاَنْعَامَ اَرَادُوْا بِهَا الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَنُقِلَ ذٰلِكَ عَنِ الْفَرَّاءِ قَالَ الرَّاغِبُ لٰكِنْ لَا يُقَالُ لَهَا اَنْعَامٌ حَتّٰى تَكُوْنَ فِيْهَا الْاِبِلُ۔[1]

پر چونکہ اندیشہ تھا کہ کوئی اس کو اِبِلٌ ہی کے ساتھ مخصوص نہ سمجھ لے جیسا کہ اہل لغت نے اس کا استعمال لکھا ہے لہٰذا اس تخصیص کے دفع کرنے کے لئے اس پر لفظ بَهِيْمَةٌ بڑھا دیا جیسا کہ شَجَرُ الْاَرَاكِ[2] میں لفظ شَجَرٌ بڑھایا گیا ہے اور چونکہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے والے عموماً اپنے خیال کے لئے کوئی وجہ پیش کرتے ہیں اور اس کا نام پھر حکمت رکھا کرتے ہیں اور جب شرعی حلال و حرام سادہ رنگ میں ان کے آگے پیش کئے جاتے ہیں تو ان کو غیر حکمت پر مبنی قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں۔

تو خداوند تعالیٰ نے اس غلطی میں ڈالنے والے خوشنما طریق سے روکنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً اللہ جو چاہتا ہے وہی حکم کرتا ہے (یعنی گو وہ اللہ (سب نقائص سے پاک اور سب کمالات سے متصف) ہونے کی وجہ سے جو ارادہ کرے گا وہ نہایت عمدہ اور پر حکمت ہو گا اور

---

[1] الْاَنْعَامِ کی واحد النَّعَم ہے۔ اور یہ چرائے جانے والے جانور ہیں اور اکثر یہ نام اونٹوں پر بولا جاتا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ النَّعَم: اونٹ اور گائے اور بکری۔ اور زمخشری نے بکری اور بھیڑ کا اضافہ کیا ہے۔ واحدی نے نقل کیا ہے کہ اہل لغت کا اس پر اجماع ہے اور خاص کر اونٹوں کے ساتھ، اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل عرب صرف نَعَم کہیں تو ان کی مراد صرف اونٹوں سے ہوتی ہے اور جب وہ انعام کہیں تو ان کی مراد اونٹ اور گائے اور بکریوں سے ہوتی ہے۔ اور فراء سے نقل کیا گیا ہے کہ راغب نے کہا ہے کہ انعام کا لفظ نہیں بولا جاتا جب کہ ان جانوں میں اونٹ شامل نہ ہوں۔ (از مرتب)

[2] پیلو کے درخت۔ (از مرتب)

نیز جو حکم دے گا وہ ارادہ کے مطابق دے گا نہ بے ارادہ اور مجبورانہ طور پر اس لئے اس کا ہر ایک حکم نہایت مفید اور عمدہ اور پر حکمت ہو گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ خداوند تعالیٰ وہی حکم صادر کرے جس کو زید و عمر ابتداءً سنتے ہی نہایت پر حکمت یقین کر سکیں اور وہ اس کی حکمت کو فوراً ہی سمجھ جائیں بلکہ چونکہ وہ احکم الحاکمین ہے اس لئے وہ جو چاہے حکم کر سکتا ہے خواہ اس کی حکمت فوراً کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور ہر حالت میں اس پر عملدرآمد رکھنا واجب ہو گا اور چونکہ مذہب میں حلال و حرام کا سب باتوں سے زیادہ عموماً خیال رکھا جاتا ہے اور یہاں پر حلال و حرام کے ذکر میں ایک دوسرے تحلیل و تحریم کا ذکر بھی آ گیا تھا جو بمعنے حرمت و عزت دینے اور بے حرمتی اور بے عزتی کرنے کے ہے جیسا کہ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ سے صاف ظاہر ہے تو یہ بتانے کے لئے کہ جس طرح حرام سے اجتناب ضروری ہے اور اسی طرح حرمات کی تحلیل اور ہتک سے بھی بچنا ضروری ہے اس کے بعد فرمایا کہ) ہاں اے وے لوگو! جو کہ ایمان لائے ہو تم اللہ کے علامات کی بے حرمتی نہ کرو۔

شعائر اللہ اور محرمات:

(شعائر اللہ کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے کہ مفسرین یہاں پر دین کا لفظ مقدّر نکال کر شَعَآئِرُ دِيْنِ اللّٰهِ[1] لیتے ہیں اور میں نے بتایا تھا کہ اس تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ایک تو وہ شعائر اللہ ہیں کہ جن کو خداوند تعالیٰ نے کسی امر کے لئے مثلاً مخلص بندوں کی شناخت کے لئے علامت مقرر کر دیا ہوا ہے سو یہ تو ان معنوں سے شعائر اللہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو شعائر اور علامت اور نشان مقرر کیا ہوا ہے اور دوسرے وہ کہ خداوند تعالیٰ کے کسی فعل یا صفت کو یاد دلاتے ہوں جیسے کہ حج کے اکثر افعال بتاتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی ایک عاشق شیدا بندی نے کسی اضطراب کے وقت میں یہ افعال کئے تھے اور ان کے بعد خداوند تعالیٰ اس عاشقہ کو ملا تھا اور اس نے اس کی بڑی تائید فرمائی تھی اور اس پر اپنے بڑے فضل اور انعام نازل کئے تھے اور اسی وجہ سے یہ افعال ہر ایک عاشق کے لئے محبوب حقیقی کے پانے کا مظنہِ اور محل

[1] اللہ تعالیٰ کے دین کے شعائر۔ (از مرتب)

ہیں اوراس صورت میں وہ در حقیقت خداوند تعالیٰ کی علامت ہیں کہ ان سے اس کی معرفت اوراس کا وصال ہوتا ہے اور حرمات کو شعائر اللہ کے عنوان کے ساتھ ذکر کر کے ان کی حرمت کی وجہ اور عظمت ظاہر کی ہے کیونکہ بادشاہوں کے مقرر کردہ امتیازات کو جو توڑا کرتا ہے وہ باغی قرار پاکر بدترین سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ حجاج کے کھڑے ہونے اور طواف کرنے اور کنکر مارنے اور سعی کرنے کے لئے جو جو مقام مقرر کئے گئے ہیں یا جو جو افعال کہ حجاج حج میں ادا کرتے ہیں وہ سب شعائر اللہ ہیں۔

لیکن اصل بات یہی ہے کہ شعائر اللہ میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی) اور نہ عزت والے مہینے کی (یعنی عزت والے مہینے میں تم نہ لڑو اور پہلے میں لکھ آیا ہوں کہ اشہر حرم چار ہیں ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم، رجب مضر جس کو آج کل رجب کہا جاتا ہے اور بنی کنانہ بجائے اس کے رمضان کو حرام قرار دیتے اور رجب نام رکھتے تھے اوران میں سے ہر ایک میں قتال حرام ہے اور یہاں پر مطلق شہر حرام مراد ہے جو کہ چاروں میں سے ہر ایک کو شامل ہے اور مفرد اس لئے ذکر کیا کہ عرب لوگ ایک سال میں کسی ایک ہی کو حلال قرار دے کر اس کے عوض کسی اور مہینہ کو از خود حرام شمار کرتے تھے جسے نسیئ کہتے ہیں بلکہ بعض نے اس کے معنے یہی کئے ہیں کہ تم نسیئ نہ کرو اور نیز جب ایک کا حلال قرار دینا منع ہوا تو سب کا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا اور بعض نے اس سے خاص ماہ رجب یا خاص ذوالقعدہ لیا ہے۔ پر یہ صحیح نہیں ہے) اور نہ هَدْیَ کو (یعنی جو قربانیاں کعبۃ اللہ کے مذبح عظیم پر ذبح کرنے کے لئے چلائی جاتی ہیں ان کو نہ چھینو اور نہ وہاں لے جانے سے روکو اور نہ ایسی بدامنی پھیلاؤ کہ اس سے لوگ ان کو نہ لے جا سکیں) اور نہ ہارون والی قربانیوں کو (عرب لوگ اپنی ان قربانیوں میں سے جو کہ کعبہ میں بھیجتے یا لے جاتے تھے بعض کے گلوں میں اون وغیرہ کا ہار یا کنڈھی بنا کر ڈال دیا کرتے تھے جو کہ ان کی ہدی ہونے کی علامت ہوتی تھی اور گو ہدی میں ان کا ذکر بھی ہو گیا تھا لیکن ان کی حرمت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے دو عنوانوں کے ساتھ ان کو ذکر کر دیا ہے تا کہ ہر ایک عنوان سے ان کی حرمت کی جدا جدا وجہ ظاہر ہو۔

مفسرین میں سے بعض قَلَآئِدُ سے نفس ہار ہی لیتے ہیں۔ پھر یہ معنے لے کر بعض نے تو ان کی تحلیل سے انہی ہاروں والیوں کی تحلیل لی ہے اور بعض نے کہا کہ ان کی تحلیل کا یہ مطلب ہے کہ اگر قیمت والے ہوں تو ان کو صدقہ میں نہ دینا اور اپنے مصرف میں لے آنا اور بعض نے قَلَآئِدُ سے قربانیوں والے مراد لئے ہیں اور کہا ہے کہ عرب لوگ جب مکہ میں آتے تو بعض اوقات وہاں پر ہی حرم مہینے گذار دیتے اور جب بعد میں واپس ہوتے تو مکہ کے درختوں کی چھال کا گلے میں ہار ڈال دیتے تا کہ لوگ ان کو امن دیں اور بعض نے کہا ہے کہ مومنوں کو اس سے منع کیا گیا ہے کہ اہل جاہلیت کی طرح زمین حرم کی چھال اور گھاس کو گلوں میں ڈالنے کے لئے اکھاڑیں۔ لیکن صحیح معنے وہ پہلے ہی ہیں۔) اور نہ عزت والے گھر کے قصد کرنے والوں کو جو کہ اپنے رب کی طرف سے فضل اور رضامندی (یا جنت رضوان) چاہتے ہیں (یعنی جو لوگ بیت الحرام کی زیارت کے لئے یہ امید رکھ کر کہ اس سے فضل اور رضاء الٰہی حاصل ہو گی جاتے ہیں تو تم ان کی جان و مال کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرو اور چونکہ شکار کی ممانعت کا اصل موجب محرم ہونا بتایا تھا لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو پھر شکار کرو (یعنی پھر ان کے لئے ان کے شکار کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے) اور نہ کسی قسم کی عداوت تم کو تعدّی پر آمادہ کرے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا ہے اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی امداد کرو اور بدی اور تعدّی پر ایک دوسرے کی امداد نہ کرو اور اللہ سے بچو یقیناً اللہ سخت سزا والا ہے (یعنی جب تعدّی ہر ایک صورت میں منع ہے تو پھر زمین حرم کے لوگوں پر تو تعدّی بطریق اولیٰ ممنوع ہے اور سخت سزا کی مستوجب ہے اور ان لوگوں کا تم کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیت الحرام سے روکنا گو تم کو ان پر دست درازی کرنے پر آمادہ کرے گا لیکن تم کو اس پر آمادہ نہ ہونا چاہیئے اور اگر بعض جوشیلے آدمی اس پر آمادہ ہوں تو تم انتصار اور تعاون کے ضروری حکم کے خیال سے ان کی امداد و معاونت پر آمادہ ہو گے پر چونکہ تم کو عام قاعدہ بتایا جا چکا ہے کہ تعاون نیکی اور تقویٰ پر ضروری ہوتا ہے اور بدی اور تعدّی پر قطعاً ناجائز ہوتا ہے اور یہ تعاون چونکہ بدی اور تعدّی پر تعاون ہے لہٰذا تم کو اس سے بچنا چاہیئے اور اس سے بچنا چونکہ تقویٰ اللہ ہے لہٰذا تم کو متقیوں والا اجر ملے گا اور اس

کا ارتکاب چونکہ ارتکاب بدی و تعدّی ہے لہٰذا اس پر سخت سزا کا خطرہ ہے اور جب حرمات کی تحلیل کا بیان ختم ہو گیا جو کہ بالتبع شروع ہوا تھا تو اصل حلال و حرام کے متعلق جس کے اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ کے ساتھ بیان کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اس کے ایفاء کے لئے فرمایا کہ) تم پر مردار حرام کیا گیا ہے (جو چیز بن ذبح مر جائے اس کو مردار کہتے ہیں۔ نیز میرے نزدیک مَیْتَۃٌ میں وہ غیر طیب جانور بھی داخل ہیں جو کہ مہذب اور متمدن اقوام میں کھائے نہیں جاتے کہ وہ ذبح ہوں۔

چنانچہ ہماری زبان میں بھی جس طرح بن ذبح مرے ہوئے حلال جانور کو مردار کہا جاتا ہے اسی طرح ایسے حرام جانوروں کو بھی مردار ہی کہا جاتا ہے اور یہی وجہ اس کے جامع ہونے کی ہے اور یہی سچا جواب ہے اس اعتراض کا جو کہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ[1] الخ (البقرۃ:174) پر اور قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَۃً[2] الخ (الانعام:146) وارد کیا گیا ہے کہ اہل اسلام بعض اور درندے اور پرندے حرام مانتے ہیں پس یا وہ حرام نہیں یا یہ حصر درست نہیں اور اسلام نے اس کا کھانا ممنوع فرمایا ہے اور بعض شکار گو بظاہر ذبح نہیں ہوتے اور یونہی کھائے جاتے ہیں لیکن آگے آئے گا کہ وہ مردار نہیں بلکہ خاص شرائط پر ان کا کھانا جائز ہے۔ شرعی محرمات کے محرمات تسلیم کرنے میں گو شارع کا ارشاد کافی ہے اور اس کے بعد کسی عقلی وجہ کے دریافت کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں لیکن حقیقت میں ضرور ان کے لئے کوئی وجہ ہوتی ہے اور علماء نے ان سب کا فلسفہ اور عقلی وجوہات مفصل بیان کی ہیں اور میں بھی ان کی وجوہات پہلے لکھ آیا ہوں) اور خون (یعنی وہ خون جو کہ بہایا جاتا ہے بخلاف اور خونوں کے کہ وہ حرام نہیں۔

ہاں امامیہ نے کبد کی حرمت پر اتفاق کیا ہوا ہے اور حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ سے ایک روایت میں کراہت مروی ہے) اور سؤر کا گوشت (پہلے میں بتا چکا ہوں کہ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ میں لَحْمٌ کا لفظ کیوں لایا گیا ہے اور داؤد ظاہری نے ظاہر ہی لیا ہے اور کہا ہے کہ گوشت

[1] اس نے تم پر صرف مردار حرام کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] تو ان سے کہہ کہ جو کچھ میری طرف نازل کیا گیا ہے میں تو اس میں اس شخص پر جو کسی چیز کو کھانا چاہے سوائے مردہ کے کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (تفسیر صغیر)

تو حرام ہے اور باقی سب کچھ حلال ہے) اور جس کو اللہ کے سوا اور کے لئے پکارا گیا۔ علماء نے اس میں یہ قید لگائی ہے کہ ذبح کے وقت اس کو غیر اللہ کے نام پر پکارا جائے لیکن قرآن مجید میں یہ قید نہیں ہے اور گلا گھونٹے ہوئے (جانور۔ حقیقت میں یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ مَیْتَۃ ہی میں یہ اور اس کے بعد کے جانور داخل ہیں لیکن چونکہ بظاہر یہ خطرہ تھا کہ کوئی ان کو اس میں داخل نہ سمجھے اور اس وجہ سے ان کو حلال شمار کرلے لہٰذا ایسے چند قسم کے جانوروں کو اخیر میں علیحدہ ذکر فرمادیا) اور چوٹ سے مرے ہوئے اور گر کر مرے ہوئے اور سینگ لگ کر مرے ہوئے اور وہ جن کو درندہ نے (پھاڑ) کھایا ہو مگر جس کو تم زندہ پالو (یا جس کو تم ذبح کرلو۔ تو اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ زندہ پاکر ذبح کرلو کیونکہ مرنے کے بعد کے ذبح کا تو نہ کچھ اعتبار ہو سکتا ہے اور نہ حقیقت میں وہ ذبح کہلا سکتا ہے۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے بعض تو مَاذَكَّيْتُمْ کو مَآ اَكَلَ السَّبُعُ سے استثناء کہتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ اَلْمُنْخَنِقَةُ سے ورے جو مذکور ہیں یہ سب سے استثناء ہے اور حقیقت میں یہ سب کے ساتھ لگ سکتی ہے اور تخصیص کی کوئی خاص وجہ نہیں ہاں یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ بعض لوگ شیر اور چیتے وغیرہ کے زخمی کئے ہوئے جانور کو تھوڑی مدت زندہ رہنے کی حالت میں باوجود ذبح کے حلال نہیں سمجھتے۔ چنانچہ کشمیر کی طرف بہت سے علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ یہ جانور چونکہ رگوں کو اندر سے کاٹ دیتے ہیں لہٰذا ان کا زخمی جب تک ان زخموں سے اچھا نہ ہو جائے یا اس پر کئی ماہ اور بعض کے نزدیک کئی دن نہ گذر جاویں تب تک اس کو ذبح کر کے کھانا جائز نہیں ہے۔

تو خداوند تعالیٰ نے بطور پیش بندی ان کے خیال کو رد فرمادیا کہ یہ غلط ہے بلکہ جب زندہ پالو تو پھر تم اس کو ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔) اور جو تھانوں (یا بتوں یا ان نصب کئے ہوئے پتھروں) پر ذبح کیا جائے (یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ نصب کے نام کے ساتھ وہ ذبح کیا جائے یا کسی اور کے نام کے ساتھ بہر حال وہ حرام ہی ہو گا) اور یہ کہ تم تیروں کے ساتھ بانٹو (پیچھے میں بتا آیا ہوں کہ عرب میں یہ رسم تھی کہ اونٹنی کے دس حصے مقرر کر کے تیروں کے ساتھ اس پر جوا کھیلتے تو جس قدر حصوں والا تیر کسی کے ہاتھ آتا وہ اتنے ہی حصوں

کا مالک ہو جاتا تھا اور جس کے ہاتھ بے حصہ تیر آتا تھا وہ خالی رہتا تھا تو خداوند تعالیٰ نے اس قمار بازی کے ساتھ جانور کے بانٹنے سے منع فرمادیا۔

یہ تو اس کے اصل معنے ہیں اور دوسرے محرمات کے ساتھ ان کی مناسبت بھی ظاہر ہے اور مفسرین نے اس کے دوسرے معنے یہ لئے ہیں بلکہ عموماً وہی لیتے ہیں کہ تم تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کرو۔ تو میں یہ بھی بتا چکا ہوں کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی کام کرتے تھے تو پہلے قسمت آزمائی کے تیروں کے ساتھ یوں قسمت آزمائی کرتے کہ ان کے مجموعہ سے ایک نکالتے اگر اس پر اِفْعَلْ کا لفظ لکھا ہوا ہوتا تب تو اس کو کرتے اور اگر اس پر لَاتَفْعَلْ ہوتا تو نہ کرتے اور اگر خالی آتا تو پھر دوبارہ نکالتے تو یہاں پر اس مقسوم دریافت کرنے کے طریق سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان معنوں کو ماقبل سے کچھ مناسبت نہیں ہے اور پھر اس کی ممانعت کی عظمت اور تاکید کے لئے فرمایا کہ) یہ حکم عدولی ہے (ظاہر میں یہی ہے کہ ذٰلِكَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوْا کی طرف اشارہ ہے اور مفسرین نے بھی یہی پسند کیا ہے اور ابن عباسؓ کے ایک قول میں سب مذکورہ محرمات کی طرف اشارہ ہے اور جب یہ چیزیں حرام ہیں اور کھانے پینے کے حراموں سے طبعاً نفرت ہوا کرتی ہے تو پھر لوگ ضرور یہ کہیں گے کہ پہلے ہی سے کیوں نہ منع کر دیا کہ اس قدر مدت ہم ان میں مبتلا رہے اور بہت سے ہمارے بھائی ان کے استعمال ہی کی حالت میں فوت ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ بتانے کیلئے فرمایا کہ) اب کافر لوگ تمہارے دین سے ناامید ہو چکے ہیں لہٰذا تم ان سے اور مجھ سے ڈرو۔ اب میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا ہے (یعنی پہلے ہی سے اگر ایسے امتیازی احکام دیئے جاتے تو اعداء کا جوش زیادہ بھڑکتا اور ان کا خطرہ تمہاری تعمیل میں حارج ہوتا اور پھر جوں جوں وہ دیکھتے کہ ہمارے تشدد سے یہ لوگ اپنے دین کے ضروری اور نہایت ضروری احکام کی تعمیل سے رکتے ہیں تو وہ تمہارے دین سے واپس ہونے کی امید میں اور بڑھتے اور پختہ ہوتے جاتے لیکن اب ایک طرف تو کفار تمہارے دین سے ناامید ہو چکے اور ان کو خوب معلوم ہو چکا ہے کہ نہ ہم ان کو اس دین سے پھیر سکتے ہیں اور نہ ہم اس دین ہی کو تباہ یا مغلوب کر سکتے ہیں۔

علاوہ بریں پہلے اس وجہ سے بھی وہ طمع رکھتے تھے کہ بعض امور میں اگر تم ان سے علاحدہ تھے تو بہت سے امور میں تم ان کے ساتھ شریک بھی تھے تو وہ اس شرکت سے امید رکھتے تھے کہ شاید اتحاد ہو جائے پر اب تو ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور ہر ایک دینی پہلو میں ہم نے تجدید اور تشریع کر دی ہے جس سے پورا پورا امتیاز ہو گیا ہے اور دوسری طرف سے ہم نے تم پر اپنی وہ نعمت پوری کر دی ہے جس کا ہم نے انبیاءؑ اور پھر خصوصاً اسرائیلی انبیاءؑ کے حالات کے ضمن میں اور صراحۃً بھی وعدہ دیا ہوا تھا کہ تم کو ہم مظفر و منصور کریں گے اور قیامت سے ورے پہلے اسی دنیا میں بڑے بڑے فضل اور انعام تم پر کریں گے جیسا کہ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1] (البقرۃ:6) هُمُ الْفَائِزُوْنَ[2] (التوبۃ:20) هُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ[3] (الصافات:173) وغیرھا سے صاف ظاہر ہے اور مذکورہ بالا منشاء کو بخوبی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے اسلام یعنی فرمانبرداری کو دین پسند کیا ہے یعنی چونکہ میں نے تمہارے لئے یہ پسند کیا تھا کہ تمہارا دین فرمانبرداری ہو لہٰذا ہر ایک امر اور ہر ایک حالت میں فرمانبرداری حاصل کرنے کے لئے ہم نے اس کے متعلق کچھ حکم دیئے ہیں جس سے تکمیل دین اور تمہارا ہر امر میں اور ہر حالت میں امتیاز حاصل ہوا ہے اور جب فرمانبرداری منظور تھی تو اسی وجہ سے ہم نے ہر ایک حکم کو اس وقت نازل فرمایا ہے کہ جس وقت تم اس کی تعمیل بخوبی کر سکو۔

اضطراری کیفیت کا بیان:

اور اس کے بعد مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو بھوک میں مجبور ہو جائے (پر) اس حالت میں کہ وہ کسی گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو بے شک اللہ مغفرت والا اور اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

(یعنی ایسی مجبوری کی حالت میں اگر کوئی ان چیزوں کو کھائے گا تو اللہ اس پر اس کو

[1] یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(از تفسیر صغیر)
[2] وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔(از تفسیر صغیر)
[3] ان کی مدد کی جائے گی۔(از تفسیر صغیر)

مؤاخذہ نہ کرے گا اور اگر باوجود اس حالت کے وہ احکام اللہ کی عظمت مد نظر رکھ کر ان کو نہ کھائے گا تو اللہ اس کو اچھا بدلہ دینے والا ہے اور یہ جو قید لگائی ہے کہ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ تو اس کے مفسرین نے مختلف مطلب لئے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ بقدر ضرورت اور سدرمق سے زائد اور پیٹ بھر کر نہ ہو چنانچہ ابن عباسؓ اور مجاہد و قتادہ اور اہل عراق نے یہی پسند کیا ہے۔ مگر اہل مدینہ نے کہا ہے کہ پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے اور اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ شخص نہ باغی خلیفہ ہو اور نہ وہ دوسرے مضطر پر تعدّی کرنے والا ہو۔ لیکن حق یہی ہے کہ جو جو صورتیں ہمیشہ گناہ ہوتی ہیں وہ سب یہاں پر مراد ہیں مثلاً حقیقت میں مضطر نہ ہو اور محض حرام خوری کے لئے اپنے آپ کو مضطر ظاہر کرتا ہو اسی طرح اہل ذمہ وغیرہ جو کہ خنزیر رکھ سکتے ہیں ان کے خنزیر کو چوری یا زبردستی کھالینا اور زیادہ توضیح کے لئے اور نیز اس کے بتانے کے لئے کہ باوجودیکہ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ کے ساتھ حلال کا بیان ہو چکا تھا لیکن پھر بھی لوگ حلت و حرمت کے متعلق سوال کرنے سے باز نہیں آتے حالانکہ وہ ان کے لئے اچھا نہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ [1] (المائدۃ:102) فرمایا کہ) تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا کچھ حلال کیا گیا ہے۔ (اور چونکہ اسباب النزول میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریمؐ نے مدینہ کے کتوں کے مارنے کا حکم دیا تھا تو جب وہ مارے جا رہے تھے اس وقت چند آدمی حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اس مخلوق سے کیا حلال ہے جس کے مارنے کا آپ نے حکم دیا ہے؟ تو تب یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر ہے کہ ان کے اس سوال کے دو منشاء ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان کا گوشت وغیرہ حلال ہے یا نہ۔

دوم یہ کہ ان سے ہم کیا کیا کام لے سکتے ہیں اور کس مقصد کے لئے ان کو پال اور رکھ سکتے ہیں لہٰذا جواب میں ارشاد ہوا کہ) تم کہو سب ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی

[1] ان باتوں کے متعلق سوال نہ (کیا) کرو (جو) اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہارے لئے تکلیف کا موجب بن جائیں۔ (تفسیر صغیر)

ہیں (طیب کے عام طور پر یہی معنے لئے گئے ہیں کہ جس کو سلیم طبائع برا نہ خیال کریں اور بعض نے کہا ہے کہ جس کی خداوند تعالیٰ نے اجازت دی ہو اور کچھ کہتے ہیں کہ جس کی حرمت وارد نہ ہوئی ہو۔

لیکن اصل معنے وہی ہیں جو ہم لکھ آئے ہیں۔ یہ تو پہلے منشاء کے مطابق جواب ہوا اور دوسرے منشاء کے موافق یہ فرمایا کہ) جن شکاری جانوروں کو تم شکار سکھاتے اور وہ طریق پڑھاتے ہوئے جو کہ اللہ نے تم کو سکھایا ہے پڑھا لیتے ہو تو تم (ان کے) اس شکار سے کھاؤ جو کہ وہ تم پر روکیں اور تم ان پر اللہ کا نام لے لو اور اللہ سے بچو۔ یقیناً اللہ جلد حساب والا ہے (یعنی شکاری جانوروں کو جب شکار پر چھوڑو تو اللہ کا نام لے کر چھوڑو جیسا کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا کرتے ہو اور پھر اگر وہ شکار کو پکڑ کر خود نہ کھائیں تب تم اس شکار کو کھالو۔ خواہ تمہارے پانے سے پہلے ہی وہ مر چکا ہو اور ذبح نہ کیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی زندہ پایا جاوے گا تو اس کا ذبح کرنا ضروری ہو گا اور اگر وہ شکار کو پکڑ کر خود کھانے لگیں تو جو ان سے باقی تمہارے ہاتھ لگے وہ تمہارے لئے کھانا درست نہیں ہے اور تقویٰ اور حساب کی یاددہانی اس لئے کی ہے کہ شکاری لوگ شکار کے حلال بنانے میں ناجائز کوشش اور ناپسندیدہ جرأت دکھایا کرتے ہیں۔

تو جب باوجود تصریح حلال کے پھر بھی حلال کا سوال کیا گیا تو آئندہ کے لئے ایسے سوال قطع کرنے کے لئے پھر دوبارہ قاعدۂ حلت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اب (پھر ہم تصریح کرتے ہیں کہ) سب ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں (اور پھر یہ بتانے کیلئے کہ جب ان قواعد حلت کے مطابق کھانا ہو تو وہ تمہارے لئے حلال ہے خواہ وہ کسی ایسے شخص نے تیار کیا ہو جو کہ تمہارے مذہب کا نہیں پر وہ ان قواعد کا پابند ہے تو تم بے شک اس کھانے کو کھاسکتے ہو اور نیز اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ جس طرح حلت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ طیّبات سے ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ جاندار ہے تو اللہ کے نام پر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرنے کے اعتقاد والے نے اس کو ذبح بھی کیا ہو۔

توجب یہ دونوں باتیں موجود ہوں تو پھر تمہارے لئے کھانا جائز ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا تم ہی میں سے ہو۔ فرمایا کہ) جن کو کتاب دی گئی ہے ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے (لیکن اس میں سے گو اس قدر تو معلوم ہوا کہ ان کا حلال کیا ہوا بھی درست ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی تو شبہ گذرتا ہے کہ ان کے عام کھانے حلال ہوئے تو ان میں بعض غیر طیب بھی ہیں جیسے عیسائی خنزیر کھاتے ہیں تو اس کے دفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) تمہارے کھانے ان کے لئے حلال ہیں (یعنی ان کے وہی کھانے تم کھاسکتے ہو جو کہ تمہارے کھانے ہیں اور تمہاری شریعت نے تم کو ان کے کھانے کے لئے اجازت دی ہوئی ہے۔ ان معنوں کو توجہ سے یاد رکھیں ورنہ دوسرے معنوں سے یہ اعتراض کسی طرح رفع نہیں ہوتا کہ جب اہل کتاب ہماری شریعت کے پابند ہی نہیں اور نہ ایسا کوئی حکم ہے کہ جس سے یہ شبہ گذرتا ہو کہ اہل اسلام کو اہل کتاب کو کھانا نہ دینا چاہیئے تو پھر طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ کا فائدہ کیا ہے لیکن ہمارے معنوں میں یہ اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ اس جملہ کا یہ فائدہ ہے کہ اہل کتاب کے وہی کھانے تمہارے لئے حلال ہیں جو کہ تمہارے کھانے ہیں۔ تو بتایا کہ جو جو تمہارے کھانے ہیں وہ سب ہی اہل کتاب کے مذہب میں حلال ہیں اسلئے ان میں سے جو وہ ذبح کر کے تم کو دیں وہ کھالو ورنہ نہ کھاؤ۔

ایک یہ نزاع بھی علماء میں ہوئی ہے کہ اہل کتاب اگر عزیر یا مسیحؑ کے نام پر یا کسی اور کے نام پر ذبح کریں تو کیا اس کا کھانا بھی جائز ہے یا کہ وہ ناجائز ہے تو ابن عمر نے تو فرمایا ہے کہ وہ ناجائز ہے اور اکثر علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا مطلقاً حلال فرمایا ہے حالانکہ وہ ان کے حال کو خوب جانتا ہے تو پھر ہم اس کو کیوں جائز نہ کہیں۔ حسن کہتے ہیں اگر تم غیر کا نام خود سنو تب تو نہ کھاؤ پر جب خود نہ سنو تو کھالو۔ لیکن بات بالکل ظاہر ہے کہ اہل اسلام کا کھانا تو یقیناً حلال ہے پر اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کرے گا تو یقیناً وہ حرام ہو جائے گا تو پھر اہل کتاب میں کونسی بڑائی ہے جس سے ان کا غیر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا ہوا حلال طیب رہے بلکہ وہ یقیناً حرام ہے۔ نیز وہ طَعَامُكُمْ سے نہیں اور ہمارے لئے طَعَامُكُمْ سے باہر حلال

نہیں اور جب طعام اہل کتاب کی حلت کا ذکر آیا تو اس کی مناسبت سے ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کا حکم بھی ساتھ ہی بیان کرنے کیلئے فرمایا کہ) پاک دامن مومن عورتوں سے اور پاک دامن عورتیں ان سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی (یعنی یہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔

مُحْصَنَاتٌ کے مختلف معنے بیان ہو چکے ہیں کسی نے ان سے یہاں پر کوئی لیا ہے اور کسی نے کوئی۔ پر مُسَافِحِيْنَ اور اَخْدَانٌ کا قرینہ اور اہل کتاب کی گندی حالت اور الزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَّ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ [1] (النور:4) کا حکم پاک دامن کو ترجیح بلکہ اس کی تعیین کرتا ہے اور چونکہ پاک دامن ہونے کی شرط بہت اہم اور بہت ضروری تھی لہٰذا فرمایا) جبکہ تم ان کو ان کے اجر (مہر) دے دو۔ قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے ہوئے اور نہ یار بناتے ہوئے (اور چونکہ اہل کتاب کا رشتہ پہلے آزادی اور جب وہ حد سے بڑھ جائے تو پھر کفر تک پہنچانے والا ہوتا ہے لہٰذا مُحْصِنِيْنَ کے ساتھ تو آزادی کے خلاف الٹا ان کے قابو کرنے کا حکم دیا اور کفر کی نسبت متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو باایمان ہو کر کافر بنا تو یقیناً اس کا ہر ایک عمل باطل ہو گیا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں سے ہو گا (اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب گذشتہ احکام کی نسبت فرمایا ہو کہ جو شخص باوجود پہلے باایمان ہونے کے ان احکام میں سے کسی کا منکر ہو گا الخ اور مفسرین نے يَكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ کو يَكْفُرْ بِاللّٰهِ [2] کے مطابق قرار دیا ہے اور پھر ایمان کے کفر کے چونکہ کچھ معنے نہ بنتے تھے اس لئے ایمان سے مُؤْمِنٌ بِهٖ [3] لیا یعنی سب شرع اور معنے یہ کئے ہیں کہ جو مُؤْمِنٌ بِهٖ کا انکار کرے گا الخ۔

[1] نہ زانیہ زانی یا مشرک کے سوا کسی سے ہم صحبت ہوتی ہے اور مومنوں پر یہ (بات) حرام کی گئی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] وہ اللہ کا انکار کرتا ہے۔ (از مرتب)

[3] (اللہ تعالیٰ) پر ایمان لانے والا ہے۔ (از مرتب)

آیت 7 تا 12: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا قُمۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوةِ فَاغۡسِلُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ وَ اَیۡدِیَكُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ وَ امۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ وَ اَرۡجُلَكُمۡ اِلَی الۡكَعۡبَیۡنِ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوۡا وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَ اَیۡدِیۡكُمۡ مِّنۡهُ مَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡكُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّ لٰكِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَهِّرَكُمۡ وَ لِیُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَیۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ۔ وَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ وَ مِیۡثَاقَهُ الَّذِیۡ وَاثَقَكُمۡ بِهٖۤ اِذۡ قُلۡتُمۡ سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا یَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ۔ وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ یَّبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡكُمۡ اَیۡدِیَهُمۡ فَكَفَّ اَیۡدِیَهُمۡ عَنۡكُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ عَلَی اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔

تشریح:

وُجُوۡهٌ۔ وَجۡهٌ کی جمع ہے، منہ۔

اَیۡدِیۡ۔ یَدٌ کی جمع ہے، ہاتھ انگلیوں کے سروں سے شانہ تک۔

مَرَافِقُ۔ مِرْفَقٌ کی جمع ہے، کونی۔
اِمْسَحُوْا۔ مَسْحٌ سے ہے، ہاتھ لگانا اور ملنا۔
کَعْبَیْنِ۔ کَعْبٌ کا تثنیہ ہے، ٹخنا۔
جُنُبٌ۔ جَنَابَۃٌ سے ہے، جنابت والا۔
اِطَّھَّرُوْا۔ تَطَھَّرٌ سے ہے، ادغام کی وجہ سے ہمزہ زائد کیا ہوا ہے جس کے معنے ہیں بہت پاکیزگی حاصل کرنا۔
مَرْضٰی۔ مَرِیْضٌ کی جمع ہے۔
غَائِطٌ اور لَامَسْتُمْ اور تَیَمَّمُوْا اور صَعِیْدٌ کی تشریح سورہ نساء میں گذر چکی ہے۔
وَاثَقَ۔ مَوَاثَقَۃٌ سے ہے جو کہ میثاق ہے، پختہ عہد کرنا۔
قَوَّامِیْنَ، شُھَدَاءُ، قِسْطٌ، یَجْرِمَنَّ، شَنَاٰنٌ کی تشریح ہو چکی ہے۔
یَبْسُطُوْا۔ بَسْطٌ سے ہے، پھیلانا۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو جب تم نماز کی طرف اٹھو تو اپنے مونہوں کو دھو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو اور اپنے سروں پر مسح کر اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کو (دھو) اور اگر تم جنابت والے ہو تو پوری طہارت کر لو اور اگر تم مریض یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے یا تم عورتوں سے ملے ہو اور پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاکیزہ مٹی کا قصد کرو سو اس سے اپنے مونہوں اور اپنے ہاتھوں کو ملو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالے ولیکن وہ چاہتا ہے تا کہ وہ تم کو پاک کرے اور تا کہ وہ اپنی نعمت کو تم پر پورا کرے۔ تو ہو کہ تم شکر گذار بن جاؤ اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو کہ تم پر کی ہے اور اس کے اس پختہ عہد کو جس کو اس نے تم سے پختہ کرایا تھا جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے تابعداری کی اور تم اللہ سے بچو۔ یقیناً اللہ سینوں والی (باتوں) کو خوب جاننے والا ہے۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو۔ تم اللہ کے لئے بہت کھڑے ہونے والے انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ اور تم کو کسی قوم کی سخت عداوت ناانصافی پر آمادہ نہ

کرے۔ تم عدل کرو کہ وہی تقویٰ کے بہت قریب ہے اور تم اللہ سے بچو۔ یقیناً اللہ ان کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ اللہ نے ان کو وعدہ دیا ہے جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے سنوار والے کام کئے ہیں کہ ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے اور جو کافر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتوں (اور نشانوں) کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہو اللہ کی جو تم پر نعمت (نازل) ہوئی تھی اس کو تم یاد کرو جبکہ ایک قوم نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھانے کا پختہ قصد کیا تو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ سے بچو۔ سو مومن تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

تفسیر:

جب کھانے اور نکاح کی نسبت طیبات بیان فرمائے تو اب ان کی نسبت یہ بتانے کے لئے کہ یہ طیبات حقیقۃً روحانی طہارت کے لئے ایسے ہیں جیسے کہ نجاست حکمی اور بدنی کے لئے وضو اور غسل ہیں اور نیز یہ بتانے کے لئے کہ ذبح سے اسی طرح طہارت حاصل ہوتی ہے جیسی کہ وضو اور غسل سے اور جہاں ذبح متعذر ہو جائے وہاں پر اللہ کا نام یاد کرنا اس کے لئے ایسا ہی مطہر ہوتا ہے جیسا کہ وضو اور غسل کے متعذر ہونے کے وقت تیمم مطہر ہوتا ہے اور جس طرح مٹی کا ملنا بظاہر بدن کو اور بھی ملوث کرنا ہوتا ہے پر حقیقت میں وہ تطہیر ہے اسی طرح شکاری جانوروں اور کتوں کا پکڑنا اور کاٹنا اور مارنا بھی اگرچہ بظاہر زیادہ ملوث کرنا ہے پر حقیقت میں جب ان کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا جاتا ہے تو وہ بھی تطہیر ہی ہوتا ہے۔ فرمایا کہ) ہاں ایمان والو جب تم (سوئے ہوئے) نماز کی طرف اٹھو (کیونکہ اٹھنا یا بیٹھنے سے یا لیٹنے سے یا سونے سے ہوتا ہے۔

لیکن اس کے بعد دوسری شق وَاِنۡ كُنۡتُمۡ جُنُبًا رکھی ہے جو کہ صاف صاف اس کا قرینہ ہے کہ یہ اٹھنا سونے سے ہے۔ نیز اس کے سوا دوسری صورتوں میں یا مضمون غلط بنتا ہے اور یا از خود ایک قید کو مقدّر ماننا پڑتا ہے اس لئے کہ اگر یوں رہنے دیں تو مضمون یہ بنتا ہے کہ جب تم بیٹھے ہوئے نماز کو اٹھو تو ضرور وضو کر لو۔ عام اس سے کہ بے وضو ہو یا نہ ہو اور جمہور امت اس کے خلاف ہے اور یا قید لگائیں گے کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو اور تم بے وضو ہو تو وضو کر لو۔ تو اس صورت میں

اپنی طرف سے بے وضو ہونے کی قید بڑھانا لازم آتا ہے بخلاف سونے کے بعد اٹھنے کے۔ کیونکہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اس سے وضو کا سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نیند کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اس لئے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے کہ مقعد ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 767،766 حدیث 17003 عالم الکتب بیروت 1998ء)

تو معلوم ہوا کہ اصل حدث ہوا وغیرہ کا نکلنا ہے نہ نیند تو جب اس نیند سے وضو لازم ہوتا ہے جس میں ہوا وغیرہ کے نکلنے کا غالب گمان ہے تو جب ہوا وغیرہ یقیناً نکلیں پھر تو بطریق اولیٰ وضو لازم ہو گا تو اب وضو کا سارا مسئلہ اسی آیت سے حل ہو گیا اور کسی قید وغیرہ کی ضرورت نہ رہی اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے زید بن اسلم سے یہی تفسیر نقل کی ہے کہ اِذَا قُمْتُمْ مِّنَ الْمَضَاجِعِ یَعْنِیْ اَلنَّوْمِ اِلَی الصَّلٰوۃِ[1] تو تم اپنے مونہوں کو دھو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو اور تم اپنے سروں پر مسح کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں کو (دھو)۔

وضو کے مسائل:

وضو کے مسائل عام طور پر مشہور ہیں چنداں تفصیل کی ضرورت نہیں اور کَعْبَیْنِ اور مَرَافِقُ کے داخل اور خارج ہونے کے متعلق جو علماء میں اختلاف اور بحث ہے وہ بھی مشہور ہے اور میرے نزدیک حق یہی ہے کہ یہ داخل ہیں اور جو بڑا اختلاف ہے وہ وَاَرْجُلَکُمْ میں ہے۔ کیونکہ اس میں تین قرأتیں آئی ہیں جن میں سے ایک تو شاذ ہے اور وہ اَرْجُلُ پر رفع یعنی ضمہ پڑھنا ہے جو کہ حسن قاری سے مروی ہے اور دوسری اس کی نصب کی یعنی فتح کی ہے جو کہ نافع اور ابن عامر اور حفص اور کسائی اور یعقوب کی ہے اور تیسری جر یعنی کسرہ کی ہے جو کہ ابن کثیر، حمزہ، ابی عمرو، عاصم کی طرف منسوب ہے اور یہ دونوں متواتر ہیں اور انہی دو قرأتوں کی بنا پر یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں جیسا کہ نصب کی قرأت پر لازم آتا ہے کیونکہ اس وقت اس کا عطف وُجُوْھَکُمْ یا اَیْدِیَکُمْ پر ہو گا جو کہ اِغْسِلُوْا کے مفعول ہیں یا ان پر سر کی طرح مسح کرنا چاہیئے جیسا کہ جر کی قرأت سے لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں بِرُءُوْسِکُمْ پر عطف ہو گا جو کہ حرف باء کے ساتھ مجرور ہے۔

[1] جب تم بستروں سے اُٹھو یعنی نیند سے نماز کیلئے۔ (از مرتب)

سوا امامیہ مسح کو واجب کہتے ہیں اور قفال نے ابن عباس، انس، عکرمہ، شعبی اور امام باقر کی طرف اس کو منسوب کیا ہے اور جمہور علماء وفقہاء اور مفسرین پاؤں کا دھونا ضروری کہتے ہیں اور داؤد ظاہری نے کہا ہے کہ دونوں میں جمع کیا جائے اور حسن بصری اور محمدؒ بن جریر طبری کا یہ قول ہے کہ انسان کو اختیار ہے کہ پاؤں کو دھولے یا ان پر مسح کرلے۔

اصل میں ایسے مواقع میں بڑی آسانی سے فیصلہ ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا نہ کوئی اعتراض باقی رہتا ہے اور نہ کسی قرأت یا آیت یا حدیث اور تعامل کے ساتھ اختلاف رہتا ہے۔ لیکن لوگ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ[1] (الحجر:92) کی پیشین گوئی کے مطابق تقسیم کرلیتے ہیں اور پھر ہر ایک اپنے حصہ کے قائم کرنے اور دوسرے کے گرانے کے لئے زمین وآسمان کے قلابے ملانے لگتے ہیں تو اس میں اختلاف بڑھ جاتا ہے اور حق ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور قیامت تک فیصلہ کبھی نہیں ہوتا۔ مثلاً حدیثوں سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے رفع یدین کیا۔ اور ہاتھ سینہ پر باندھے۔ اور آمین بلند کہی اور اسی طرح بعض صحابہ نے بھی۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع حدیث نمبر 736)

(سنن الترمذی ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ حدیث نمبر 252)

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا باب الجہر بآمین حدیث نمبر 853)

اور یہ بھی آتا ہے کہ رفع یدین نہیں کیا۔ اور ہاتھ نیچے باندھے۔ اور آمین آہستہ کہی یا کہ ایسا حکم دیا۔

(سنن ابی داؤد أبواب تفریع استفتاح الصلاۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع حدیث نمبر 749)

(سنن الترمذی ابواب الصلاۃ باب ماجاء في وضع الیمین... حدیث 252، باب ماجاء فی التامین حدیث 248)

تو اگر دونوں باتوں کو حق سمجھ کر ہر ایک کو اپنے اپنے محل پر رکھتے تو حق بھی ہاتھ آتا اور اختلاف بھی کوئی نہ ہوتا۔ پر تقسیم ہوگئی اور سینہ زوری شروع ہوگئی تو اب نزاع فیصل ہونے میں نہیں آتا۔ یہاں پر دونوں گروہ دونوں قرأتوں کے تواتر پر متفق ہیں اور پھر دونوں کا اس اصل پر اتفاق ہے کہ جب دو آیتیں یا دو قرأتیں ایک دوسرے کے

[1] جنہوں نے قرآن کو جھوٹی باتوں کا مجموعہ قرار دیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

بظاہر مخالف ہوں تو جہاں تک ممکن ہو ان میں جمع اور توفیق کرنی چاہیئے اور جب کسی طرح توفیق نہ ہو تو پھر ایک کو ترجیح دینی چاہیئے اور جب ترجیح کی بھی کوئی وجہ نہ ملے تو پھر ان کو ویسا ہی رہنے دیں اور ان کے بعد کے دلائل کی طرف رجوع کرکے ان سے فیصلہ کرنا چاہیئے یعنی اگر دو آیتوں میں نہ توفیق اور نہ ترجیح ہو تو پھر حدیث کی طرف رجوع کرکے اس سے فیصلہ لینا چاہیئے۔

تو اب اس متفق علیہ اصل کے مطابق پہلے ان دو متواتر قرأتوں میں جو کہ دو آیتوں کے حکم میں ہیں توفیق اور تطبیق کرنی چاہیئے اور وہ بڑی آسانی سے ہو سکتی تھی کیونکہ تعامل سے بھی ہم کو معلوم ہے کہ بعض حالتوں میں پاؤں پر مسح کیا جاتا ہے جیسا کہ موزا اور جراب پہنے ہوئے اور بعض اوقات وہ دھوئے جاتے ہیں جیسے ننگے ہونے کی حالت میں۔ پس یوں کہا جائے کہ ان دونوں حکموں کے بیان کرنے کے لئے جدا جدا دو قرأتیں رکھی ہیں جو کہ جدا جدا دو حکم بیان کرتی ہیں اور ان حالتوں کی تعیین سنت نے کر دی ہے اور اس کے سوا ایک اور بھی طریق جمع ہے گو وہ پہلے سے کم ہے کیونکہ پہلے میں تو غسل و مسح کا پورا مسئلہ قرآن مجید ہی سے تصفیہ ہو جاتا ہے اور یہ مشکل بھی رفع ہو جاتی ہے کہ حدیث مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ یا عَلَى الْجَوْرَبَيْنِ۔[1]

(سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المسح علی الجورین حدیث نمبر 159)

کے ساتھ وہ غسل رِجْلَيْنِ کیوں ترک کیا جاتا ہے جو کہ قرآن مجید سے ثابت ہے اور علاوہ اس کے قرآن مجید کے طرز بیان کا ایک اعلیٰ کمال معلوم ہوتا ہے اور دراصل قرآن مجید کے ایسے جامع بیان ہی اس تفصیل کا منبع ہیں جو کہ حدیثوں میں آتی ہے۔

جیسا کہ میں نے اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ میں یا یہاں پر بتایا ہے اور وہ دوسرا طریق یہ ہے کہ مسح کے دو معنے ہیں ایک مشہور اور دوم غسل خفیف جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ تَمَسَّحْتُ بمعنے تَوَضَّأْتُ یا تَغَسَّلْتُ کے آتا ہے اور مَسَحَ الْاَرْضَ الْمَطَرُ بولا جاتا ہے جبکہ بارش زمین کو دھووے اور امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ میں چونکہ اس کا کوئی قرینہ نہ تھا کہ مسح کے

[1] آنحضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے دونوں موزوں پر مسح کیا یا جورابوں پر مسح کیا۔ (از مرتب)

اصل معنے مراد نہیں بلکہ بمعنے غسل خفیف ہے لہٰذا وہاں پر تو مسح اپنے مشہور معنوں پر رکھا گیا اور سنت نے بھی ایسا ہی رکھا اور بر تقدیر جر امْسَحُوْا بِاَرْجُلِكُمْ میں مسح مقدر ہے اس کے ساتھ چونکہ اِلَى الْكَعْبَيْنِ کا صریح قرینہ لگا ہوا ہے جو کہ صاف بتاتا ہے کہ اس میں مسح سے مشہور معنے مراد نہیں ہیں اس لئے کہ مسح بمعنے مشہور کبھی کسی غایت یعنی الیٰ کے ساتھ مقیّد نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ باوجود یکہ تیمم وضو کا بدل ہے اور وضو میں نہایت بیان ہے پر تیمم میں اَيْدِيَكُمْ وغیرہ کے ساتھ کوئی غایت بیان نہیں کی اور مسح بمعنے غسل ایسا ہی مقیّد ہو سکتا ہے جیسا کہ غسل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں مسح سے غسل ضعیف مراد ہے اور سر کا صاف بچا رہنا اور پاؤں کا محل تلوث میں ہونا بھی اسی کا قرینہ ہیں کہ اوّل میں مسح بمعنے مشہور اور دوم میں بمعنے غسل ہو اور جو ابن عباسؓ وغیرہ کی طرف مسح رجلین منسوب کیا گیا ہے یہ محض غلط ہے اور حسن بصری اور جریر طبری پر محض افتراء ہے کہ انہوں نے دونوں کا اختیار دیا ہے۔

جریر طبری کی تو بڑی بھاری تفسیر موجود ہے جس میں وہ غسل رجلین کا صاف قائل ہے رہی ائمہ اطہار یا نبی کریم کی حدیث تو اہل سنت کی کتابوں میں تو اس میں بڑی کثرت کے ساتھ غسل رجلین کی حدیثیں مروی ہیں اور اہل شیعہ کی معتبر کتابوں میں بڑی کافی مقدار ان حدیثوں کی موجود ہے۔ چنانچہ عیاشی نے بواسطہ ابی علی حمزہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابوہریرہ سے پاؤں کی نسبت دریافت کیا تو اس نے کہا کہ یقیناً دھوئے جائیں۔ پھر اسی نے ابو بصیر کے واسطہ سے حضرت ابی عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ جب تو سر کا مسح بھول جائے یہاں تک کہ پاؤں دھولے تو پھر اپنے سر کا مسح کر اور پھر پاؤں دھو اور اس حدیث کو کلبی اور ابو جعفر طوسی نے بھی صحیح سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر محمدؐ بن الحسن الصفار نے حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ میں وضو کر رہا تھا تو نبی کریمؐ تشریف لائے تو جب میں نے پاؤں دھوئے تو آپ نے فرمایا کہ انگلیوں میں خلال کر۔

(تفسیر القرآن الحکیم المشہور بتفسیر المنار جلد 6 صفحہ 192 دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان طبع 2005ء)

اسی طرح شریف رضی نے نہج البلاغہ میں آنحضرتؐ کے وضو کا حال لکھا ہے اور اس میں بھی پاؤں دھونے کا ذکر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین امامیہ نے غسل ضروری قرار دیا ہے اور احتیاطاً ساتھ مسح کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ تو اس وقت ہے جبکہ تم سونے کے بعد نماز کے لئے اٹھو۔ پر) اگر تم جنب وار ہو تو پورے پورے پاک ہو (یعنی جنابت دار ہونے کی حالت میں جب تم نماز کے لئے جانا چاہو تو پھر غسل کر لیا کرو اور وضو کے عوض یا غسل کے عوض تیمم کرنے کے لئے فرمایا) اور اگر تم مریض ہو یا سفر پر یا تم میں سے کوئی پست جگہ (پاخانہ) سے آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو تو پھر پانی نہ پاؤ تو پھر ستھری مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے مونہوں اور ہاتھوں کو ملو (اس کی مفصل تفسیر سورۂ نساء پ5 ع7 میں گذر چکی ہے اور پھر وضو اور غسل اور تیمم کے حکموں کی حکمت بتانے کے لئے فرمایا کہ) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی ڈالدے ولیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے (کیونکہ ظاہری طہارت کے علاوہ جو کہ وضو اور غسل کے ساتھ حاصل ہوتی ہے خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت ان کا کرنا خاص طور پر روحانی تزکیہ کا موجب ہے اور پھر اس روحانی تزکیہ کا ثمرہ بیان کرنے کے لئے فرمایا) اور تا کہ وہ اپنی نعمت تم پر پوری کرے (یعنی اس تزکیہ کی وجہ سے خداوند تعالیٰ تم پر اپنے خاص انعام کرے اور پھر ان انعاموں کا بڑا بھاری ثمرہ یہ ہو) تا کہ تم شکر گذار بنو (اور جب شکر کیا تو چونکہ وعدہ ہے کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ [1] (ابراہیم:8) لہٰذا ضروری ہے کہ پھر وہ تم پر اور انعام کرے یہاں تک کہ ان انعاموں کی نوبت آئے کہ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ۔ [2]

(صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ وانھا مخلوقۃ حدیث نمبر 3244)

اور جب یہ احکام بیان ہو گئے تو اب ان پر پابند ہونے کی ترغیب کے لئے فرمایا کہ) تم اپنے پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو (جو کہ ہو چکی ہے اور جس کا وعدہ ہے) اور اس کے اس وعدہ کو جو کہ اس نے تم سے پختہ طور پر لیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی

[1] اگر تم شکر گزار بنے تو میں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں (ان کا) خیال گزرا۔ (از مرتب)

(یعنی جب ہم نے تم سے سچی اتباع کا عہد لیا اور تم نے بسر و چشم کہا ہے اور اس وعدہ کے ایفاء پر ہم نے ایک بڑے انعام کا وعدہ دیا تھا سو تم اس عہد اور انعام کو یاد کرتے رہو تا کہ تم کو تعمیل احکام کا شوق اور جوش پیدا ہو۔) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (کیونکہ) اللہ سینوں والی (نیتوں اور ارادوں اور اعتقادوں وغیرھا) کو خوب جاننے والا ہے۔

(اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ تم خصوصیت کے ساتھ ان احکام کی پابندی کے زیادہ ذمہ وار ہو فرمایا کہ) ہاں اے ایمان والو تم اللہ کے لئے بہت قائم رہنے والے عدل (انصاف و اعتدال) میں نمونہ ہو جاؤ (یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تم دنیا پر ثابت کر دو کہ ہم اپنی زندگی کو اللہ کے لئے صرف کرنے والے ہیں اور یہ بھی کہ تم آنے والی قوموں اور نسلوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور نیک نمونہ اور تعلیم اسلام اور اتباع رسول اللہ کے معجزانہ اثر کے لئے دنیا پر گواہ ہو جاؤ اور قسط میں جس طرح اعتدال اور میانہ روی کی ترغیب تھی اسی طرح انصاف کی بھی تھی اور انصاف کا زیادہ تر تعلق ان حقوق میں ہوا کرتا ہے جو دوسرے لوگوں کے متعلق ہوتے ہیں لہٰذا اس کے بعد ایسے حقوق میں انصاف کی تاکید کرنے کے لئے فرمایا کہ) کسی قوم کی سخت عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ (چونکہ سخت عداوت ہی سب سے زیادہ ظلم اور بے انصافی کی موجب ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا اس کو لیا تا کہ یہ بتائے کہ جب ایسے وقت میں بھی بے انصافی جائز نہیں تو پھر کسی دوسرے وقت میں کب جائز ہو سکتی ہے اور ان مومنوں کے شُھَدَاءُ ہونے کے بعد اس کو ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ جب تم اور لوگوں کے لئے نمونہ بنائے گئے ہو اور پھر بھی تم سے بے انصافی ہوئی تو پھر دوسری قومیں تو تمہارے عمل سے اس کو درست بنالیں گی یا اس پر بہت دلیر ہو جاویں گی) تم عدل کرو کہ وہی تقویٰ کے لئے قریب ہے۔

(اَقْرَبُ کے بعد بجائے مِنْ اور اِلیٰ کے لام کو لا کر یہ بتایا ہے کہ عدل بچاؤ کا اور تقویٰ اللہ کے ثبوت کا بہت قریب سبب اور باعث اور علت ہے اور اس میں شک نہیں کہ عدل جس طرح سے غضب اور عذاب الٰہی سے بچاتا ہے اسی طرح اور اور آفتوں سے بھی بوجہ فضل الٰہی شامل حال ہو جانے کے بچاتا ہے اور اسی طرح بہ نسبت اور عملوں کے عدل کے

ساتھ اور خصوصاً دشمن پر قابو پاکر پھر عدل کرنے کے ساتھ انسان کا متقی ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور جس تقویٰ کا یہ قریب سبب ہے اس کی اشد ضرورت بتانے کے لئے فرمایا کہ) اللہ سے بچو یقیناً اللہ ان کاموں سے خوب خبر دار ہے جو کہ تم کرتے ہو (یعنی ظاہری متقی بننا یا خالی ایمان لانا گو تم کو کسی اور سے بچائے پر اللہ سے ہر گز نہیں بچا سکتا جب تک کہ تم اعمال صالحہ بجانہ لاؤ اور بدیوں سے اجتناب نہ کرو اسی وجہ سے فرمایا کہ) اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہوا ہے جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے سنوار والے کام کئے کہ ان کے لئے مغفرت ہے (پہلے قصوروں کے بد نتائج سے بچانا اور آئندہ کے لئے ان قصوروں سے بچنے کی توفیق عنایت کرنا) اور بڑا اجر ہے اور جو کافر ہوئے اور انہوں نے ہماری آیتوں (یا نشانوں) کی تکذیب کی وہی دوزخ والے ہیں۔ (اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ عدل جس طرح تقویٰ اللہ کا سبب اور مثبت قریب ہے اسی طرح آفات ارضی و سماوی سے بچانے کا بھی باعث ہے اور نیز عدل کے باعث بچاؤ حاصل ہونے کی کھلی کھلی مثال بتانے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے ایمان والو تم اپنے پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ ایک قوم نے عزم کر لیا تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلائیں تو اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا تھا۔

(مفسرین نے مختلف واقعات کو اس کا مصداق بنایا ہے۔ اکثروں نے تو صحیح مسلم کی اس حدیث کو لیا ہے جو کہ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے جب عسفان میں نماز ظہر پڑھی تو کفار نے افسوس کیا کہ ہم کیوں نماز میں ان پر نہ ٹوٹ پڑے کہ یہ بہت عمدہ موقع تھا اور پھر پختہ عزم کر لیا کہ جب عصر کی نماز شروع کریں گے تو ضرور ہم ان پر حملہ کر دیں گے تو خداوند کریم نے صلوٰۃ خوف کا حکم دے کر ان کی تدبیر کو تباہ کر دیا۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب صلاۃ الخوف حدیث نمبر 1946)

اور بعض نے کہا ہے کہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب عمرو بن امیہ نے بیر معونہ سے واپس ہوتے ہوئے راستہ میں دو کلابی آدمیوں کو بے خبری سے قتل کر دیا تھا حالانکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امن دیا ہوا تھا تو آپ نے ان دونوں کی دیت دینے کی اور آپ ابو بکر و عمر اور علی رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لے کر بنی نضیر کے پاس امداد لینے کیلئے گئے اور وہ بڑی خوشی سے ملے اور حال دریافت کیا اور آپ نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ اس مال دیت کے ادا کرنے میں تم بھی ہماری کچھ مدد کرو تو انہوں نے کہا بہت اچھا اور آپ کو ایک قلعہ کی دیوار کے نیچے بٹھا کر یہ مشورہ کیا کہ اوپر سے ایک پتھر پھینک کر آپ کو قتل کر دیں لیکن خداوند تعالیٰ نے بذریعہ جبرائیلؑ خبر دے کر بچالیا۔

اسی طرح اور بھی واقعات ہیں اور اس مثال کے بعد پھر فرمایا کہ) اللہ سے بچو (یعنی تقویٰ اللہ سے یہ امداد الٰہی حاصل ہوئی تھی سو تم آئندہ بھی تقویٰ اختیار کرو تا کہ الٰہی امداد شامل حال رہے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) مومن اللہ ہی پر بھروسہ کریں (یعنی حقیقت میں وہی بچاتا ہے لہٰذا ناجائز کوششوں سے مجتنب ہو کر تقویٰ اللہ پر اور خداوند تعالیٰ کی بتائی ہوئی سعی پر کاربند ہو جائیں۔)

آیت 13 تا 20: وَ لَقَدۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ بَعَثۡنَا مِنۡہُمُ اثۡنَیۡ عَشَرَ نَقِیۡبًا وَ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مَعَکُمۡ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَیۡتُمُ الزَّکٰوۃَ وَ اٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَ عَزَّرۡتُمُوۡہُمۡ وَ اَقۡرَضۡتُمُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ لَاُدۡخِلَنَّکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ فَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ۔ فَبِمَا نَقۡضِہِمۡ مِّیۡثَاقَہُمۡ لَعَنّٰہُمۡ وَ جَعَلۡنَا قُلُوۡبَہُمۡ قٰسِیَۃً یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ وَ نَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ وَ لَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ فَاعۡفُ عَنۡہُمۡ وَ اصۡفَحۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰۤی اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَہُمۡ فَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَہُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ سَوۡفَ یُنَبِّئُہُمُ اللّٰہُ بِمَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ۔ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ قَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمۡ کَثِیۡرًا مِّمَّا کُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ۔ یَّہۡدِیۡ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ۔ لَقَدۡ کَفَرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ مَرۡیَمَ قُلۡ فَمَنۡ یَّمۡلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ یُّہۡلِکَ الۡمَسِیۡحَ ابۡنَ مَرۡیَمَ وَ اُمَّہٗ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا وَ لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَہُمَا یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ

قَدِيْرٌ۔ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

تشریح:

نَقِيْبٌ۔ نَقْبٌ سے، اگر بمعنے فاعل ہو اتب اس کے معنے ہوں گے تفتیش کرنے والے کے اور اگر بمعنے مفعول ہو اتب اس کے معنے ہوں گے تفتیش کیا گیا ہو اور بہر حال مراد اس سے سردار ہے جو کہ ایسا کرنے والا یا جس کی نسبت قوم اور مقرر کرنے والوں نے ایسا کیا ہوتا ہے۔

عَزَّرْتُمْ۔ تَعْزِيْرٌ سے ہے، نصرت و امداد مع تعظیم اور نفس نصرت یا نفس تعظیم۔

قَاسِيَةٌ۔ قَسْوَةٌ اور قَسَاوَةٌ سے ہے، سخت ہونا۔

نَسُوْا۔ نِسْيَانٌ سے ہے، چھوڑنا اور بھولنا۔

خَائِنَةٌ۔ خَيَانَةٌ یا مصدر ہے كَاذِبَةٌ اور لَاغِيَةٌ کی طرح بمعنے خیانت اور یا خَيَانَةٌ سے یہ اسم فاعل ہے جس کے معنے ہوں گے خیانت کرنے والی۔

اِصْفَحْ۔ صَفْحٌ سے ہے، پہلو پھیرنا اور در گذر کرنا۔

اَغْرَيْنَا۔ اِغْرَاءٌ سے ہے اور وہ غَرْيٌ اور غِرَاءٌ[1] سے بنایا ہوا ہے، جس کے معنے چمٹنے کے تھے اور اِغْرَاءٌ کے معنے چمٹانے اور لازم کرنے کے ہیں۔

بَغْضَاءُ۔ بغض۔ رِضْوَانٌ۔ رضاء۔ سُبُلٌ۔ سَبِيْلٌ کی جمع ہے۔

[1] رسالہ میں غِرْيَاءٌ لکھا ہے۔ (از مرتب)

فَتْرَۃٌ۔ اصل میں اس سکون اور انقطاع کو کہتے ہیں جو کہ کسی کام کے درمیان میں واقع ہو اور مفسرین کے نزدیک بالاتفاق وہ انقطاع مراد ہے جو کہ دو رسولوں کے درمیان واقع ہو۔

ترجمہ:

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ہم نے ان سے بارہ سردار (یا جاسوس) بھیجے (یا اٹھائے) اور اللہ نے فرمایا کہ یقیناً میں تمہارا مددگار ہوں۔ واللہ اگر تم نماز کو قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور تم ان کی تعظیم اور امداد کرتے رہے اور اچھے طور پر (اپنے مالوں کو) کاٹ کر اللہ کو دیتے رہے تو ضرور میں تم سے تمہاری بدیوں کو دور کر دوں گا (یا ڈھانپ دوں گا) اور ضرور میں تم کو ان باغوں میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ سو اگر کوئی تم میں سے اس کے بعد کافر بنا تو وہ سیدھے راستہ (یا راستہ کے درمیان) سے بہک گیا۔ تو ان کے اپنے وعدے توڑنے کے سبب سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ حکموں کو اپنی جگہ سے پھیرتے ہیں اور انہوں نے اس سے اپنا حصہ چھوڑ دیا (یا بھلا دیا) جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اور تم ہمیشہ ان سے کسی خیانت والی بات (یا خیانت) پر مطلع ہوتے رہو گے سوائے ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے۔ سو تم ان سے اور پہلو تہی کرتے رہو۔ یقیناً اللہ اخلاص رکھنے والوں (یا بھلائی کرنے والوں) کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان کا عہد لیا۔ تو انہوں نے (بھی اس سے (بہت بڑا) حصہ چھوڑ دیا (یا بھلا دیا) جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو قیامت تک لازم کر دیا اور اللہ ان کو ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو کہ وہ کر رہے ہیں۔ اے کتاب والو تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو کہ تمہارے لئے بہت کچھ ان باتوں سے بیان کرتا ہے جو کہ تم کتاب سے چھپاتے تھے اور وہ بہت سی باتوں سے درگذر کرتا ہے۔ یقیناً اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب آئی ہے جس کے ساتھ اللہ سلامتی کی راہوں کی طرف اس کو ہدایت دیتا ہے جو کہ اس کی رضامندی کی پیروی کرتا ہے اور ان کو اندھیروں سے نور کی

طرف اپنی اجازت کے ساتھ نکالتا ہے اور وہ ان کو سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے۔ واللہ یقیناً وہ لوگ کافر ہوئے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ وہ مسیح بن مریم ہی ہے۔ تم کہو کہ اللہ کے مقابلہ میں کون کسی چیز پر قدرت رکھتا ہے اگر وہ چاہے کہ مسیحؑ بن مریم اور اس کی ماں اور ان سب لوگوں کو ہلاک کر دے جو کہ زمین میں ہیں اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور اس کی سلطنت ہے جو کہ ان کے درمیان ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ تم کہو کہ پھر وہ تم کو تمہارے قصوروں کی وجہ سے کیوں عذاب دیتا ہے اور اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمین اور اس کی سلطنت ہے جو کہ ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ اے کتاب والو یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو کہ رسولوں کی بندش پر تمہارے لئے بیان کرتا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ نہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا آیا ہے اور نہ ڈرانے والا۔ سو یقیناً تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر:

جب اس کی مثال بیان ہو گئی کہ تقویٰ اللہ اختیار کرنے سے کہ جس کا قریب تر سبب عدل ہے عذاب الٰہی اور آفات ارضی اور سماوی سے نجات حاصل ہوتی ہے تو اس کی مثال بیان کرنے کے لئے کہ تقویٰ اللہ کے چھوڑنے اور اتباع رسل سے روگردان ہونے اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ پختہ عہد کر کے پھر اس کو توڑ دینے سے انسان پر غضب الٰہی اور عذاب نازل ہوتا ہے تاکہ مومنوں کو یہ بتائے کہ تم نے ایفاء عہد اور تقویٰ اللہ کا فائدہ تو دیکھ لیا ہے پر جس عہد پر تم نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔[1] (المائدۃ:8) کہا ہوا ہے اور جو حکم کہ تم کو بار بار اِتَّقُوا اللّٰہَ۔[2] (المائدۃ:8) کہہ کر دیا گیا ہوا ہے اگر تم اس کو توڑو گے اور اس کی تعمیل

[1] ہم نے سن لیا ہے اور ہم فرمانبردار ہو گئے ہیں۔ (از تفسیر صغیر)
[2] اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ (از تفسیر صغیر)

نہ کروگے تو تم بھی اسی طرح غضب اور عذاب الٰہی کے مورد ہو گے جس طرح کہ اس مثال والے بنے تھے فرمایا کہ) یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل کا پختہ عہد لیا تھا (اور وہ وہی عہد ہے جو کہ قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر اور توریت میں بیان ہوا ہے کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے اور فرعون تباہ ہو گیا تو خداوند تعالیٰ نے ان کو فرمایا تھا کہ اب تم مصر میں نہ جاؤ گے بلکہ تم ارض مقدسہ اور زمین کنعان میں جاؤ کہ میں نے وہ تم کو دے دی ہے اور وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور میں تمہارے ساتھ اور تمہارا مددگار رہوں گا اور اس ملک کے لوگوں کو تمہارے آگے مغلوب کروں گا پر یہ سب کچھ تب ہو گا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان رکھو گے اور ہماری پیروی اور اطاعت کروگے تو بنی اسرائیل نے اس وقت تو عہد کر لیا۔

پر جب دشت سینا کو بڑی مدت کے بعد عبور کر کے اس سرزمین کی حد کے قریب پہنچے تو) ہم نے بارہ سردار بھیجے (جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ یوشع بن نون اور کالب یُفنّہ کا بیٹا اور دس اور آدمی بنی اسرائیل کی بارہ قوموں میں سے سردار اور جاسوس منتخب کر کے اس سرزمین اور اس کی پیداوار اور اس کے رہنے والوں کی حالت اور طاقت وغیرہ امور دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا کیونکہ قوم نے اس پر اصرار کیا تھا اور لکھا ہے کہ حضرت موسٰی نے ان بارہ شخصوں کو سخت تاکید کی تھی کہ جو حال دیکھو وہ ان لوگوں پر ظاہر نہ کرنا اور واپس آنے پر بھی جب انہوں نے بہت کچھ ڈرانے والے حالات سنائے تو حضرت موسٰی نے ان کے افشاء سے سخت منع کیا لیکن سوائے یوشع اور کالب کے باقی سب نے قوم کو ایسے مبالغہ سے وہ ڈرانے والے حالات سنائے جس سے وہ لوگ نہایت بے دل ہو گئے اور آگے جانے سے انکار کر بیٹھے۔ یہاں تک کہ حضرت موسٰیؑ کے بار بار کہنے پر انہوں نے کہہ دیا کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ[1] (المائدۃ:25) اور یہ تو بارہ نقیبوں کے قصہ کے متعلق ہے۔

[1] تو اور تیرا رب (دونوں) جاؤ اور (ان سے) جنگ کرو، ہم تو بہر حال اسی جگہ بیٹھے رہیں گے۔ (تفسیر صغیر)

باقی رہی ان کی نافرمانیاں سووہ بائبل میں بھی مذکور ہیں اور قرآن مجید میں بھی بہت کچھ مذکور ہیں اوراس وعدہ کو یوں بیان فرمایا کہ) اگر تم نماز کو قائم کرتے رہو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کے تعظیم اور نصرت کرتے رہو گے اور تم اچھے طور پر اللہ کو دیتے رہو گے (اللہ کو قرض دینے کی تفصیل پہلے مفصل گذر چکی ہے) تو ضرور میں تمہاری بدیوں کو تم سے دور کروں گا (یعنی ان کے بد نتائج سے تم کو محفوظ رکھوں گا اور آئندہ کے لئے ان بدیوں سے بچنے کی توفیق دوں گا اور ضرور میں تم کو ان باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (یعنی دنیا میں بھی تم کو ایسے ملکوں اور سرزمینوں اور باغوں کا مالک بناؤں گا اور قیامت کو بہشتوں میں داخل کروں گا) سو اگر کوئی اس کے بعد تم میں سے کافر ہوا (یعنی رسولوں پر ایمان نہ لایا اوران احکام کا منکر اور باغی ہوا تو وہ راستہ کے درمیان (یا درمیانہ راستہ) سے بہک گیا۔

(جب یہ وعدہ بیان ہو چکا تو اب یہ بیان کرنے کے لئے کہ انہوں نے اس عہد کو پورا کیا یا کہ اس کو توڑا اور پھر اس توڑنے یا پورا کرنے کا اثر کیا ہوا۔ فرمایا کہ) ان کے اپنے وعدہ کے توڑنے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کی (یعنی ان کو اپنی رحمتوں سے دور کر دیا) اوران کے دلوں کو ہم نے سخت کر دیا (تاکہ پورے پورے مستحق عذاب شدید کے ہو جاویں اوران کی قساوت قلبی کا نشان اور ثبوت یہ بیان فرمایا کہ) وہ کلمات کو (یعنی کلام الٰہی کے الفاظ اوراجزاء اور پیشین گوئیوں کو اپنی اپنی جگہوں سے پھیرتے (یعنی سنگدلی میں یہاں تک بڑھے کہ ایسے عظیم الشان جرم کی بھی جرأت کرنے لگے) اوراس سے بڑا حصہ انہوں نے چھوڑ دیا ہے کہ جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی (یعنی محض ان کی بہتری اور بھلائی کے لئے جو جو ضروری ہدایتیں ہم نے ان کو دی ہوئی تھیں ان میں سے اکثر حصہ انہوں نے بھلا دیا اور چھوڑ دیا اوراسی قساوت قلبی کا دوسرا نشان یہ ہے کہ) ہمیشہ تم ان کی طرف سے کسی خیانت والی بات پر مطلع ہوتے رہو گے مگر تھوڑے سے ان میں سے (اور مفسرین نے اس کو بمعنے خیانت بھی لیا ہے اور جب بمعنے اسم فاعل لیتے ہیں تو پھر اس کا کوئی موصوف مقدر ماننا پڑتا ہے اور وہ عموماً نفس نکالتے ہیں یعنی تم ہمیشہ ان کے نفس

کو خائن پاتے رہو گے اور میرے نزدیک یہ ہے تو اسم فاعل لیکن حَرَمًا اٰمِنًا[1] (القصص:58) میں اٰمِنٌ جس طرح امن والے کے معنے رکھتا ہے اسی طرح اس کے معنے بھی ہیں خیانت والی اس لئے میں نے خیانت والی باتیں اس کے معنے کئے ہیں اور جب ان کی خیانت والی باتوں پر اطلاع پانے کا ذکر آیا تو اس سے اندیشہ ہوتا تھا کہ مومن ان کے ساتھ بھی دوسرے عہد شکنوں اور خائنوں کی طرح معاملہ کریں تو فرمایا کہ) تو ان سے معاف کر اور ان سے درگذر کر (اس لئے کہ) بیشک اللہ احسان والوں کو پسند کرتا ہے۔

عفو و درگزر:

(مفسرین کو اس عفو اور درگذر سے تعجب ہوا ہے کہ ایک طرف تو حکم ہوا ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ[2] (التوبۃ:29) اور یہ کہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ[3] (الانفال:59) تو پھر عفو اور درگذر کے کیا معنے ہیں۔ اس لئے بعض نے تو اپنی طرف سے یہاں پر یہ قید مقدر مانی ہے کہ اِذَا تَابُوْا اَوْ بَذَلُوا الْجِزْيَةَ[4] اور ابو مسلم نے کہا ہے کہ فَاعْفُ عَنْهُمْ کی ضمیر اِلَّا قَلِيْلًا کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ ہیں کہ جن سے تم خیانت پر مطلع نہ ہو ان کو معاف کرو اور ان سے درگذر کرو اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ قَاتِلُوْا الخ کے ساتھ منسوخ ہے اور جبائی نے کہا ہے کہ یہ وَاِمَّا تَخَافَنَّ الخ کے ساتھ منسوخ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مشرکین عرب تو ایک مدت دراز سے ایذاء دے رہے تھے اور طرح طرح کی عہد شکنیاں اور قسم قسم کی خیانتیں ان سے معرض ظہور میں آچکی تھیں اور پھر ان کی نسبت مذکورہ بالا حکم صادر ہوئے تھے چنانچہ ابتداء میں ان کی نسبت بھی عفو اور درگذر اور صبر کرنے کا ارشاد تھا پر ان بعد کے حکموں سے وہ کوئی منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ اب بھی باقی ہیں یعنی اگر کسی قوم کے ساتھ نیا معاملہ پیش آئے تو ان کو دفعتًہ ہی نہ مؤاخذہ

---

[1] محفوظ اور امن والا مقام۔ (تفسیر صغیر)

[2] جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے ان سے جنگ کرو۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور اگر تو کسی قوم سے عہد شکنی کا ڈر رکھتا ہو تو اس طرح ان کا عہد ختم کر دے جس سے وہ سمجھ لیں کہ اب تم دونوں (فریق اپنی پابندیوں سے) آزاد ہو۔ (تفسیر صغیر)

[4] جب وہ توبہ کر لیں یا جزیہ ادا کریں۔ (از مرتب)

کرنا چاہیئے بلکہ پہلے دیر تک درگذر سے کام لینا چاہیئے تا کہ انسان محسنین میں اور وہ ظالمین میں بلکہ محسنون کے مقابلہ میں سخت ظالم قرار پاچکیں اور پوری طرح سے اتمام حجت ہو جائے تو پھر ان دوسرے حکموں کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہیئے۔

تو جس طرح مشرکین کے ساتھ معاملہ ہوا تھا اہل کتاب کے ساتھ اوّل تو ان سے بہت نرم ہونا چاہے تھا جیسا کہ سب مفسرین اور اہل مذاہب کا خیال ہے پر اگر نرم نہ ہو تو کم از کم ان سے سخت تو کسی طرح نہ ہونا چاہیئے۔ سو اس لئے ابتداءً عفو اور درگذر کا ارشاد ہوا ہے اور کوئی نسخ وغیرہ نہیں ہے۔ اس کے بعد پھر خصوصیت کے ساتھ نصاریٰ کے عہد کا ذکر کرنے کے لئے فرمایا کہ) ان لوگوں سے ہم نے ان کا عہد لیا جو کہ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ تو وہ بھی اس سے بڑا حصہ بھول گئے کہ جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی (جو نصاریٰ سے عہد لیا گیا تھا اس کی نسبت مفسرین میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو کہ انہوں نے خاتم النبیین پر ایمان لانے کی نسبت وعدہ کیا تھا لیکن جب حضرت خاتم النبیین تشریف لائے تو انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔

لیکن حق بات یہ ہے کہ وہی پہلے چند عہد ان سے بھی لئے گئے تھے یعنی رسولوں پر ایمان لانا اور ان کی تعظیم اور نصرت کرنا اور نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا وغیرہ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو خدا اور رسالت کو بند اور شریعت کو لعنت کہہ کر سب کو پس پشت ڈال دیا۔ تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ) ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض کو قیامت تک لازم کر دیا (یعنی اس وعدہ شکنی کی ان کو یہ سزا ملی کہ وہ مختلف گروہ بن گئے اور ان میں ایسی عداوت اور ایسا بغض پھیلایا ہے کہ قیامت تک ان میں قائم رہے گا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رومن کیتھلک اور پراٹسٹنٹ فرقوں اور دوسرے فرقوں میں وہ عداوت اور بغض ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ بَيْنَهُمُ کی ضمیر یہود اور نصاریٰ کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ ہیں کہ ہم نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان عداوت اور بغض کو لازم کر دیا ہے۔ گو واقع کے لحاظ سے یہ بھی درست ہے لیکن نہ ضرورت ہے اور نہ یہ معنے قریب الفہم ہیں اور اس کے علاوہ اُخروی عذاب اور دوسری خرابیوں کی نسبت فرمایا کہ)

اللہ ان کو اس پر آگاہ کرے گا جو کہ یہ لوگ کرتے رہے ہیں اور جب ان کے عہد اور نقض عہد اور اس کی سزا کا ذکر ہو گیا تو اب ان کو ایک اور موقعہ دینے اور نصیحت کرنے کے لئے فرمایا کہ) اے کتاب والو تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو کہ تمہارے لئے بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جن کو تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے در گذر کرتا ہے۔

(مفسرین نے زیادہ تر اس کو نبی کریم کے صفات کے بیان پر لگایا ہے یعنی آنحضرتؐ کے جو جو صفات توریت و انجیل میں بیان ہوئی تھیں اور اہل کتاب ان کو مخفی کرتے تھے تو ان سے کچھ تو آپ بیان کرتے ہیں اور کچھ نہیں بیان کرتے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہود اور عیسائی اپنی کتابوں کے بہت سے اصول و فروع کو پوشیدہ کرتے تھے اور یہ ان سب کی نسبت ہے اور اس میں یہ بتایا ہے کہ تم اس سے اس کے منجانب اللہ ہونے کو معلوم کر سکتے ہو۔ نیز اس سے تم کو یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ تم کس قدر حق سے دور اور قابل اصلاح ہو چکے ہو اور آپ کے اور آپ کی کتاب کے اعلیٰ درجہ کے راہ پر ہونے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور بیان کرنے والی کتاب آئی کہ جس کے ساتھ سلامتی کی راہوں کی طرف ان کو ہدایت کرتا ہے جو کہ اس کی رضامندی کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی اجازت کے ساتھ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے

سُبُلَ السَّلٰمِ سے مراد:

(چونکہ پہلے فرمایا ہے کہ سلامتی کی راہوں کی طرف ہدایت کرتا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ سُبُلَ السَّلٰمِ اور صراط مستقیم سے اگر اسلام ہی مراد ہو تو پھر تکرار لازم آتا ہے۔ اس لئے مفسرین میں سے بعض نے تو کہا ہے کہ سُبُلَ السَّلٰمِ سے تو اسلام ہی مراد ہے اور صراط مستقیم سے جنت کی راہ مراد ہے اور یہی جبائی نے اختیار کیا ہے اور اکثروں نے یہی کہا ہے کہ دونوں سے اسلام ہی مراد ہے لیکن وصفی اختلاف کی وجہ سے مکرر بیان کیا ہے اور یہ جائز ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سُبُلَ السَّلٰمِ سے وہ دینی اور دنیوی راہیں اور طریقے اور ذرائع مراد ہیں کہ جن سے دنیا اور آخرت میں انسان کو سلامتی ملتی ہے اور صراط مستقیم سے بھی یہی راہیں مراد ہیں۔

لیکن اوّل میں اصل مقصود ان کا سلامتی کا راستہ ہونا بیان کرنا ہے خواہ وہ راستے خود بڑے طویل اور بڑے مشکل اور بڑے ہیروں پھیروں والے ہوں یا نہ ہوں اور دوم میں اصل مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ یہ راستے فی نفسہا نہایت مختصر اور سہل اور سیدھے ہیں اور یہ بتانے کے لئے کہ گو ہم امتیاز کے لئے تم کو اہل کتاب کے نام سے پکارتے ہیں جس سے تم اپنے آپ کو حقیقت میں اہل کتاب خیال کر کے اپنے آپ کو ان سب انعاموں اور القابوں کے حقدار سمجھتے ہو جو کہ حقیقی اہل کتاب کے لئے بیان کئے گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں اب تم اہل کتاب نہیں رہے۔ فرمایا کہ) واللہ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ یہی مسیح بن مریم ہے۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں سے یہ حصر ثابت ہوتا ہے کہ اللہ مسیح پر بند ہے اور اس کے سواء اور کوئی اللہ نہیں ہے اور یہ قول عیسائیوں میں سے یعقوبیہ فرقہ کا ہے جو کہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں میں حلول فرمایا کرتا ہے اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ عیسائیوں میں سے ایسا کوئی فرقہ نہیں جو کہ صراحۃً یہ کہتا ہو کہ مسیح ہی خدا ہے اور اس کے سواء خدا اور نہیں ہے لیکن چونکہ عیسائی لوگ ایک طرف تو توحید اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا وَاحِدٌ[1] کے قائل ہیں اور دوسری طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسیح میں لاھوت یعنی الوہیت ہے اور اس سے لازم آتا ہے کہ مسیح ہی خدا ہو اور اس کے سواء خدا نہ ہو اس لئے ان کی طرف اس قول کو منسوب کر دیا ہے اور امام راغب نے لکھا ہے کہ یہ اَلْكَرِيْمُ زَيْدٌ[2] کی طرح ہے۔

چنانچہ محمدؐ بن کعب قرظی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کا صلیب کا واقعہ ہو چکا تو بنی اسرائیل کے علماء جمع ہوئے اور انہوں نے کہا کہ تم عیسیٰ بن مریم کے حق میں کیا کہتے ہو۔ تو ایک نے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی مردوں کو زندہ کر سکتا ہے انہوں نے کہا نہیں پھر اس نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اکمہ اور ابرص کو اچھا

[1] کوئی معبود نہیں مگر ایک۔ (از مرتب)
[2] زید ہی معزز ہے۔ (از مرتب)

کر سکتا ہے تو انہوں نے کہا نہیں پھر سب بولے کہ فَمَا اللّٰہُ اِلَّا مِنْ ھٰذَا وَصْفِہٖ یعنی حقیقت الوہیت کی تو اس میں ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جس طرح حدیث قدسی میں آیا ہے کہ ابن آدم دہر کو گالی دیتا ہے وَأَنَا الدَّهْرُ (حالانکہ میں ہی دہر ہوں)

(صحیح البخاری کتاب الادب باب لاتسبّوا الدھر حدیث نمبر 6181)

کیونکہ جس دہر کو وہ گالی دیتا ہے اس کو وہ متصرف فی جمیع الاشیاء تسلیم کرنے کی وجہ سے گالی دیتا ہے تو خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ متصرف تو میں ہی ہوں۔ اسی طرح اوّل تو عیسائیوں میں سے ایک گروہ اتحاد کا بھی قائل ہے اور توحید کا بھی اور وہ یقیناً اس کے قائل ہیں پر جب عیسائی عموماً حضرت مسیحؑ کو متصرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ آج کل کے عیسائی تو باپ خدا کو بالکل بے کار اور بیٹا کو ہی سب کائنات میں متصرف اور سب کا خالق وغیرہ تسلیم کرتے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان کی تردید کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اگر اللہ مسیح بن مریم اور اس کی والدہ اور ان سب لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے جو کہ زمین میں ہیں تو اللہ کے مقابلہ پر کون کسی چیز پر قادر ہو گا (یعنی ہر گز نہیں ہو گا۔)

چونکہ اللہ کے لئے یہ نہایت بیّن نشان ہے کہ وہ اپنے سوا سب پر متصرف ہو اور اس کی ذات پر کوئی دوسرا متصرف نہ ہو۔ تو خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ مسیح اور مسیح کی والدہ پر بھی اللہ متصرف ہے اور جو زمین میں ہیں ان سب پر بھی وہی متصرف ہے۔ کیونکہ ان کے منشاء کے خلاف ان پر قانون قدرت کا جریان صاف پایا جاتا ہے اور اس سے ان کو کوئی بچا نہیں سکتا تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگر وہ ان کے منشاء کے خلاف ان کو ہلاک کرنا چاہے تو پھر بھی ان کو کوئی نہ بچا سکے گا اور گو ظاہری نظر میں جو جو تاثیرات ان پر ان کے خلافِ منشاء جاری ہوتے ہیں وہ انہی زمینی اور آسمانی اور ان کے درمیان کی چیزوں کی تاثیرات ہیں مگر حقیقت میں) اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی سلطنت ہے (لہٰذا جو جو تاثیرات ان کی تم دیکھتے ہو وہ فی الحقیقت الٰہی ارادہ سے ہوتے ہیں اور اگر تم کو مسیح کی پیدائش یا اس کے بعض کمالات فطرتی اور طبعی سے ایسا خیال کرتے ہو تو) اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اَهۡلَكَ سے مراد:

(مفسرین نے عموماً اَهۡلَكَ سے خالی موت دینا اور روح کا قبض کرنا مراد لیا ہے نہ غضب سے تباہ کرنا جیسا کہ ظاہر سے وہم ہوتا ہے اور پھر خود ان کو خیال گذرا ہے کہ اس صورت میں فرضی موت مراد ہوئی اور ان کے خیال کے مطابق چونکہ مسیح اور مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا[1] (المائدہ: 18) ابھی نہیں مرے اس لئے ان کے حق میں تو فرض موت درست ہے لیکن مریمؑ چونکہ فوت ہوگئی ہیں لہٰذا ان کے حق میں فرضی موت ٹھیک نہیں آتی تو اس خیال کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے کہا ہے کہ حضرت مریمؑ کا ذکر زیادہ خاموش کرانے کے لئے کیا ہے کہ ان کی وفات حضرت عیسیٰؑ اور دوسروں کے لئے نمونہ ہو۔ لیکن میرے نزدیک یہ بہت تکلف ہے اوّل اِهۡلَاكٌ کو خلاف ظاہر پر مجمول کیا ہے پھر حضرت مریمؑ اور مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ کے فوت شدہ افراد کے حق میں فرضی موت بھی بظاہر صادق نہیں آتی۔

پس حق یہ ہے کہ اِهۡلَاكٌ اپنے اصلی معنوں میں ہے اور جس طرح مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ کے بعض افراد مر گئے ہیں یا مریمؑ مر گئی ہیں اسی طرح حضرت مسیح بھی مر گئے ہیں۔ پر باوجود ان کے مر جانے کے اِهۡلَاكٌ ان کا فرضی طور پر لیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ ابھی واقع نہیں ہوا۔ آگے تو خالص نصاریٰ کا حضرت مسیحؑ کی نسبت کفریہ ادعاء بیان فرمایا تھا اور اب ان دونوں کا اپنی ذات کی نسبت ایسا بے جا ادعاء بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہود و نصاریٰ نے کہا ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (یعنی پہلے تو عیسائیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ مسیح ہی ہے لہٰذا ہم کو کوئی عذاب دینے والا نہیں ہے جس سے تم ہم کو بار بار ڈراتے ہو لیکن اب ہم دونوں کی نسبت بتاتے ہیں کہ وہ دونوں اپنے بری اور محفوظ من العذاب ہونے کے لئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

مفسرین میں سے بعض نے تو بے خبری سے انکار ہی کیا ہے کہ دونوں فریق نے نَحۡنُ

[1] (ان) تمام لوگوں کو جو زمین میں (پائے جاتے) ہیں۔ (تفسیر صغیر)

اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ نہیں کہا اس لئے انہوں نے اس کی کئی ایک تاویلیں کی ہیں مثلاً بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر تقدیر ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اَنۡبِیَاءِ اللّٰہِ[1] ہے اور بعض کہا ہے کہ اَبۡنَآءٌ سے اِبۡنٌ کے گروہ مراد ہیں تو چونکہ یہود عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے اور عیسائی حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں اس لئے دونوں ابن اللہ کے ساتھی اور گروہ ہیں۔

پر حق یہی ہے کہ توریت میں بنی اسرائیل کو صاف صاف لفظوں میں ابناء اللہ کہا گیا ہے اور انجیل اور پولوس وغیرہ کی تحریروں میں بھی صاف آیا ہے کہ فلاں اللہ کے بیٹے پکارے جاویں گے اور روح القدس ہماری روحوں کے لئے گواہی دیتی ہے کہ ہم ابناء اللہ ہیں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نعمان بن آصی، بحری بن عمرو، شاش بن عدی آئے اور انہوں نے آپ سے بات چیت کی اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ تو وہ بولے کہ او محمدؐ تو ہم کو کیا ڈراتا ہے واللہ ہم تو اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ ہیں اور نصاریٰ نے اس سے پہلے یہی کہا تھا تو پھر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ تو اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ) کہو (اگر یہ درست ہے) تو پھر تمہارے گناہوں کے عوض کیوں تم کو عذاب دیتا ہے۔

(تفسیر روح المعانی جلد 3 صفحہ 272 سورۃ المائدۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(مفسرین نے تو عموماً اس عذاب سے قیامت کا عذاب لیا ہے لیکن چونکہ عذاب اخروی سے تو وہ منکر ہیں لہٰذا اخروی بھی وہ لیا ہے جس کے وہ قائل ہیں اور وہ ہے لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَۃً[2] (البقرۃ:81) لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے وہ عذاب مراد ہیں جو کہ بنی اسرائیل پر آئے ہیں اور آتے رہے ہیں اور جن کے وہ خود قائل ہیں اور ان کی کتابوں میں ان کا ثبوت موجود ہے اور عذابوں کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم وہ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ اور اَحِبَّآؤُہٗ ہو کہ جو عذاب سے بری ہوتے ہیں تو پھر تم کو وہ عذاب کیوں دیتا ہے اور جب وہ دنیا میں عذاب دیتا رہا ہے تو پھر ضرور بشرط نافرمانی وہ تم کو قیامت میں بھی عذاب دے گا۔ تو جب عذاب دینے

[1] ہم اللہ تعالیٰ کے نبیوں کے بیٹے ہیں۔ (از مرتب)

[2] ہمیں چند گنتی کے دنوں کے سوا (دوزخ کی) آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)

سے ثابت ہو گیا کہ وہ اَبۡنَاۗءُ اور اَحِبَّاۗءُ نہیں تو فرمایا کہ (بلکہ تم ان میں سے بشر (انسان) ہو جن کو اس نے پیدا کیا ہے وہ جس کو چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے (اور اس عذاب اور مغفرت کا پتہ دنیا میں یوں لگتا ہے کہ) اللہ ہی کے لئے آسمان اور زمین اور اس کی سلطنت ہے جو کہ ان کے درمیان ہے (تو رسول کے مقابلوں پر ان ہی چیزوں کو روک کر یا مضر طور پر دے کر عذاب دیتا ہے اور رسول اور اس کی جماعت میں داخل ہونے والوں پر انہی کو موجب خیر اور مؤید بنا دیتا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ان سب کا مالک ہے اور انہی میں سے تم بھی ہو۔

رہا آئندہ تو فرمایا کہ) اسی کی طرف لوٹنا ہے اور ضرورت ارسال الرسول اور خصوصاً اہل کتاب کے ارسال الرسول کی طرف محتاج ہونے کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) اے کتاب والو ضرور تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے جو کہ رسولوں کے انقطاع پر تمہارے لئے بیان کرتا ہے (یعنی بڑے زمانہ سے کوئی رسول نہ آیا تھا اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ رسالت کے بعد کچھ مدت گذرنے پر بہت سی باتوں کی حقیقت لوگوں سے چھوٹ جاتی ہے اور نہایت بڑی بڑی غلط فہمیاں اور غلطیاں بڑے اہم اور ضروری مسائل میں واقع ہو جاتی ہیں جیسا کہ رسل کی بعثت کے لئے اس کا وجود ضروری مانا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ سے نبی کریم ﷺ کے درمیان انبیاء:

عام طور پر تو مفسرین نے ہی مانا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی نبی اور رسول نہیں آیا لیکن بعض کا خیال ہے کہ تین نبی آئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ چار آئے ہیں تین تو وہ جن کی طرف اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ[1] (یٰس:15) اور چوتھا عرب کے قبیلہ بنی عبس سے آیا جس کا نام خالد بن سنان تھا۔

لیکن حق یہی ہے کہ وہ تین تو رسول اللہ نہ تھے بلکہ رسول مسیح تھے جیسا کہ مشہور ہے اور خالد بن سنان کا بعض نے تو بالکل انکار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ سے

[1] یعنی جس وقت ہم نے پہلے تو ان کی طرف دو رسول بھیجے لیکن انہوں نے ان دونوں کا انکار کر دیا، اس پر ہم نے پہلے دو رسولوں کو ایک تیسرا رسول بھیج کر طاقت بخشی۔ (تفسیر صغیر)

پہلے ہوئے ہیں تو رسول کی آمد اور بیان کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ) تم کہتے کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوشخبری دینے والا آیا ہے اور نہ کوئی ڈرانے والا (یعنی عذاب سے بچنے کے لئے تم یہ عذر پیش کرتے اور ہماری یہ سنت بھی ہے کہ ہم غافل کو بدون اتمام حجت کے عذاب نہیں دیا کرتے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ)[1] (الانفال:43) سو اب تمہارے پاس یقیناً خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے (یعنی اب تم غافل نہیں بلکہ تم پر اتمام حجت ہو چکا ہے اور رہا تمہارا یہ کہنا کہ یہ کب ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لئے کوئی باہر سے بشیر و نذیر ہو کر آئے یا تمہارا یہ اعتراض کرنا کہ پھر تو خداوند تعالیٰ کسی کو عذاب دینے میں بشیر و نذیر کا محتاج ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ) یقیناً اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

[1] (اور یہ نشان اس لئے بھی دکھایا گیا) تاکہ وہ جو دلیل کے ذریعہ سے ہلاک ہو چکا ہے ہلاک ہو جائے اور جو دلیل کے ذریعہ سے زندہ ہو چکا ہے زندہ ہو جائے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 21 تا 27: وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۫ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ۔ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ۔

تشریح:

كَتَبَ۔ كِتَابَةٌ سے ہے، لکھنا، مقدر کرنا، مقرر کرنا، بانٹنا۔

اَدْبَارٌ۔ دُبُرٌ کی جمع ہے، وہ سب چیزیں اور جگہیں جو کہ پیٹھ کے پیچھے ہوں اور سرین کو بھی کہتے ہیں۔

جَبَّارِیْنَ۔ جَبَّارٌ کی جمع ہے اور یہ جبر سے ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ علیٰ خلافِ قیاس اِجْبَارٌ سے ہے جیسا کہ حَسَّاسٌ۔ اِحْسَاسٌ سے ہے اور اس کے معنے قابو میں رکھنے کے ہیں اسی وجہ سے جبار اس کو کہتے ہیں جو کہ ہر ایک کو ہر ایک امر میں مقہور کر سکے اور یہ قوم عمالقہ کا لقب ہے۔

مَادَامَ۔ کے معنے ہمیشہ کے ہوتے ہیں اور یہ کسی پہلے فعل کو اپنے ساتھ مقیّد کیا کرتا ہے۔

یَتِیْھُوْنَ۔ تِیْہٌ سے ہے، جس کے معنے حیران ہونے اور ہلاک ہونے کے ہیں اور یہ تَاہَ یَتِیْہُ اور تَاہَ یَتُوْہُ دونوں طرح آتا ہے۔

لَاتَأْسَ۔ اَسٰی سے ہے، جس کے معنے کڑھنے اور غمناک ہونے اور افسوس کرنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور (یاد کرو) جبکہ موسٰی نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ اے میری قوم تم اپنے پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جبکہ اس نے تم میں نبی بنائے اور اس نے تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ اس نے دیا ہے جو کہ اس نے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔ اے میری قوم تم اس پاکیزہ زمین میں داخل ہو جو کہ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دی (یا لکھ دی) ہے اور تم اپنے پیچھے مت پھرو۔ پھر تم گھاٹا پانے والے ہو کر واپس ہو گے۔ انہوں نے کہا او موسٰی یقیناً اس میں جبار لوگ ہیں اور یقیناً ہم ہر گز اس میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جائیں۔ سو اگر وہ اس سے نکلیں گے تو پھر بے شک ہم داخل ہوں گے ان دو مردوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام کیا تھا ان میں سے جو کہ ڈرتے تھے کہ ان پر دروازہ میں داخل ہو۔ سو جب تم اس میں داخل ہو گے تو پھر یقیناً تم غالب ہو اور تم اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا او موسٰی یقیناً ہم اس میں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں رہیں گے۔ سو تو اور تیرا رب جاؤ پھر تم دونوں لڑو یقیناً ہم یہاں پر بیٹھنے والے ہیں۔ اس نے کہا اے میرے رب میں بجز اپنے آپ اور اپنے بھائی کے کسی پر قدرت نہیں رکھتا سو تو ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان فرق کر دے۔ اس نے فرمایا سو یقیناً وہ ان پر چالیس سال تک حرام کی گئی ہے۔ وہ اس زمین میں ہلاک ہوں گے (یا حیران پھرتے رہیں گے) سو تم ان نافرمان لوگوں پر مت کڑھو۔

تفسیر:

جب بنی اسرائیل کے گروہوں اور سب بنی اسرائیل کے عہدوں اور ان کے نقض

عہدوں کا بالاجمال ذکر ہوا تو ان بہت سے نقضوں میں سے ایک بڑے عظیم الشان نقض عہد کی کسی قدر تفصیل بیان کرنے کے لئے جس سے اہل اسلام کو بچنے کا حکم دینا اور سمجھانا مقصود ہے فرمایا کہ یاد کرو جبکہ موسیٰؑ نے اپنی قوم کو کہا تھا کہ اے میری قوم تم اپنے پر اللہ کی نعمت کو یاد کرو (اور اس نعمت کا پتہ یہ دیا کہ) جب اس نے تم میں سے انبیاءؑ بنائے (جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ اولاد یعقوبؑ میں سے کس کثرت کے ساتھ انبیاءؑ بنائے گئے ہیں) اور تم کو بادشاہ بنایا ہے۔

ملوکیت سے مراد:

(مفسرین میں اس موقعہ پر بہت اختلاف واقع ہے بعض نے تو ملوک سے حقیقی بادشاہ لئے ہیں لیکن چونکہ بظاہر سب بنی اسرائیل تو بادشاہ نہیں ہوئے لہٰذا انہوں نے کہا ہے کہ سب کی طرف اس کی نسبت مجازاً کی گئی ہے کیونکہ قوم میں سے جب کوئی ایک بادشاہ ہوتا ہے تو ساری قوم شاہی خاندان کہلاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ نسبت میں کوئی مجاز نہیں بلکہ یہاں پر ملک سے یا وہ مراد ہیں جو کہ بادشاہوں کی طرح نازونعمت میں ہوں اور یا ملک کے ان معنوں میں سے کوئی معنے مراد ہیں جو کہ روایتوں میں آئے ہیں مثلاً ابو سعید خدریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں جب کسی کے لئے خادم اور سواری اور اہلیہ ہوتی تھی تو وہ ملک شمار ہوتا تھا اور زید بن اسلم سے بھی ایسا ہی مرفوعاً مروی ہے بلکہ اس میں اہلیہ کا ذکر نہیں ہے اور ابن جریر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ملک ہونا تو یہی ہے کہ خادم اور سواری اور گھر ہو اور امام بخاری نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ کسی نے آپ سے کچھ مانگا تو انہوں نے کہا کہ کیا ہم فقراء مہاجرین سے نہ تھے۔ پھر کہا کیا تیرے لئے بی بی ہے جس کے پاس رات گذارتا ہو اس نے کہا ہاں۔ پھر کہا کیا تیرے لئے گھر ہے جس میں تو رہتا ہو اس نے کہا ہاں۔ تو انہوں نے کہا پھر تو غنی ہے۔ اس پر اس نے کہا کہ میرے لئے تو خادم بھی ہے تو انہوں نے کہا تب تو تو ملک ہے۔

(تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 46 دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان 2001ء)

وعلیٰ ہذا القیاس اور بہت سی ایسی روایتیں آئی ہیں اور بعض کے نزدیک ملوک ہونے سے ان کا فرعون کی قید سے نجات پانا مراد ہے اور بس۔ پر میں کہتا ہوں اگر پہلے بادشاہ ہونا ان میں نہ بھی پایا جاتا ہو تو پھر اس کے یہ معنی ٹھیک ہو سکتے ہیں کہ پہلے تو خداوند تعالیٰ نے تمہارے میں سے انبیاءؑ ہی بنانے کا وعدہ کیا ہوا تھا لیکن اب اس نے تمہارے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ میں تم کو بادشاہ بناؤں گا اور پھر اس کے علاوہ اور دوسری نعمتوں کو ساتھ ملانے کے لئے فرمایا کہ) تم کو اس نے وہ کچھ دیا ہے جو کہ جہانوں میں سے کسی ایک کو اس نے نہیں دیا۔

(اَلْعٰلَمِیْنَ سے چونکہ بظاہر کل جہاں معلوم ہوتے تھے خواہ وہ پہلے ہوں یا پچھلے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے ان کی سب پر فضیلت لازم آتی تھی لہٰذا بعض نے تو سب ہی مراد لے کر یہ تاویل کی ہے کہ یہ جزوی فضیلت ہے اور کلی نہیں ہے اور ادنیٰ کے لئے اعلیٰ پر جزوی فضیلتیں عموماً ہوا کرتی ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ اَلْعٰلَمِیْنَ سے خاص جہاں مراد ہیں اور وہ وہ ہیں جو کہ ان کے زمانہ میں تھے اور بعض نے تو حد ہی کر دی ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ خطاب قوم بنی اسرائیل کو نہیں بلکہ مومنوں کو ہے اور جو فضیلت یہاں سے ثابت ہوتی ہے وہ مومنوں کی فضیلت ہے لیکن میں پہلے پارہ میں بتا چکا ہوں کہ وہی دوسری بات ٹھیک ہے اور محاورات میں یہی سمجھ میں آتا ہے اور یہی مراد ہوتا ہے۔

جب اس عظیم الشان موعود نعمت کو یاد دلا کر اس کا شوق دلایا گیا اور نبوت والے متحقق الوقوع وعدہ کو ساتھ ملا کر اس کے تحقق کا بھی یقین دلایا گیا یہاں تک کہ اس کو بھی ایک واقع شدہ امر کی طرح بیان کیا گیا تو اب ان کو اس سعی کا حکم دیا جاتا ہے جو کہ اس نعمت معہودہ کی تحصیل کے لئے بمنزلہ شرط ضروری کے ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ)

ارض مقدسہ میں داخلے کا حکم:۔

اے میری قوم تم اس پاکیزہ زمین میں داخل ہو جاؤ جو کہ اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی (یا مقدر کر دی) ہوئی ہے اور تم اپنے پیچھے نہ لوٹو (اگر لوٹو گے) تو خسارہ پاتے ہوئے لوٹو گے (اور ارض مقدسہ ابن عباسؓ کے نزدیک خاص بیت المقدس ہے اور زجاج نے دمشق

فلسطین اور اردن کو کہا ہے اور مجاہد کے نزدیک طور اور اس کا ارد گرد ہے اور معاذ بن جبلؓ کی روایت کے مطابق نہر فرات سے لے کر مصر تک ہے۔ اور اس ارتداد سے بعض نے تو مرتد ہونا ہی لیا ہے اور کہا ہے کہ اس ملک کا ملنا ایمان اور اطاعت سے مشروط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نافرمانی کرنے سے وہ اس سے محروم کئے گئے اور بعض نے اس سے سعی اور ارادہ دخول سے واپس ہونا لیا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ ان کا اس ارادہ سے واپس ہونا خداوند تعالیٰ کے وعدہ پر ایمان نہ لانے کے باعث سے تھا جیسا کہ ان کے ڈرنے اور ان کے آنے والے کلام سے صاف ظاہر ہے اور ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کے وعدہ پر ایمان نہ لانا مرتد ہونا ہے۔ کیونکہ پہلے تو اس وعدہ پر ایمان لائے تھے اور اسی کی وجہ سے مصر سے چلے تھے۔ تو حضرت موسیٰ کے اس خیر خواہانہ ارشاد کے جواب میں) انہوں نے کہا کہ او موسیٰؑ یقیناً اس میں جبار لوگ ہیں۔

(مفسرین نے ان کی نسبت عجیب و غریب روایتیں بیان کی ہیں مثلاً یہ کہ بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں نے ان میں سے ایک کی کھوپڑی کے نیچے آرام کیا تھا۔ مگر یہ سب عوج بن عنق کے قصہ کی طرح محض من گھڑت ہیں) اور ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس سے نکل جاویں۔ سو اگر وہ اس سے نکل جاویں گے تو یقیناً ہم داخل ہوں گے (تو جب انہوں نے یہ گندہ جواب دیا تو اللہ سے) ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ نے انعام کیا تھا کہ تم ان پر (شہر کے) دروازہ سے داخل ہو تو جب تم اس (دروازہ) سے داخل ہو گے تو یقیناً تم غالب ہو گے اور تم اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم (اس پر) ایمان لانے والے ہو۔ اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ وہ دو آدمی یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا[1] تھے۔

اَلَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ سے اللہ سے ڈرنے والے مراد ہیں یعنی دوسروں میں خوف خدا نہ تھا بلکہ وہ اعداء سے ڈرنے والے تھے اور بعض نے رَجُلَانِ سے یہی مراد لی ہے لیکن اَلَّذِیۡنَ یَخَافُوۡنَ سے اعداء سے ڈرنے والے بنی اسرائیل مراد لئے ہیں۔ یعنی تھے تو وہ بھی ان سے پر وہ اعداء سے نہ ڈرے اور یہ کہا اور ابن جبیر نے کہا ہے کہ رَجُلَانِ جَبَّارِیۡنَ[2] سے اسلام

[1] کالب بن یفنہ۔ (از مرتب)

[2] دو جابر آدمی۔ (از مرتب)

لائے تھے اور مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ کے بعد ھُمْ مقدر مانا ہے اور معنے یہ کئے ہیں کہ وہ دو آدمی ان جَبَّارِیْنَ سے تھے جن سے بنی اسرائیل ڈرتے تھے اور ایک قرأت میں یَخَافُوْنَ آیا ہے اور اس کے بھی یہی معنے ہیں پر حق وہی جو پہلے معنے ہیں اور توریت سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے اور اُدْخُلُوْا الخ سے یہ مراد ہے کہ دفعتہً ان پر ٹوٹ پڑو یہاں تک کہ ابھی وہ اپنے شہر سے باہر بھی نہ نکلیں تو تم شہر میں گھس پڑو اور ان کی کچھ پروانہ کرو اور باوجود یکہ ان کو بتادیا گیا تھا کہ تمہارا انکار کرنا تمہارے کفر کا نشان ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم اللہ کے وعدوں اور اس کی باتوں پر ایمان نہیں لائے اور یہ ان کے لئے تاکید کرنے کی آخری حد تھی۔

لیکن خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ) انہوں نے کہا او موسیٰ یقیناً ہم کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں رہیں گے۔ سو تو اور تیرا رب جاؤ تو لڑو ہم تو یقیناً یہاں پر بیٹھنے والے ہیں (یعنی چونکہ ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے ہاں جب وہ نکل جاویں گے تو پھر ہم داخل ہوں گے لہٰذا اگر تم ہم کو داخل کرنا چاہتے ہو تو پہلے تو اور تیرا رب ان سے لڑ کر ان کو نکال دو پھر ہم داخل ہوں گے۔ تو جب انہوں نے یہ گندہ جواب دیا تو موسیٰ نے) کہا اے میرے رب میں بجز اپنی جان اور اپنے بھائی کے کسی پر قابو نہیں رکھتا (یعنی ہم دونوں کو جو تو ارشاد دے ہم تو اس کو بسر و چشم بجالاویں گے لیکن یہ لوگ ہمارے قابو میں نہیں) سو تُو ہم میں اور ان میں جدائی کر دے۔

(اکثر مفسرین نے اس دعا کا یہ مطلب لکھا ہے کہ جس امر کے ہم دونوں مستحق ہیں وہ ہم کو دے اور جس کے یہ نافرمان لوگ مستحق ہیں وہ ان کو دے اور جبائی نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن ہم میں اور ان میں دوری کر دے یعنی ہم کو جنت میں اور ان کو آگ میں داخل کر دے اور اصل بات یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ پر ان کی سخت نافرمانی کھل گئی جس کو وہ یقیناً موجب غضب الٰہی جانتے تھے تو انہوں نے خداوند تعالیٰ کے غنائے ذاتی پر نظر کر کے پہلے اپنی فرمانبرداری کا اظہار کیا اور پھر یہ دعا کی کہ ہم کو اس مغضوب علیہ قوم میں داخل نہ کرنا بلکہ ہم کو ان سے جدا رکھنا۔

تو جب حضرت موسٰی بھی اپنی علیحدگی مانگ چکے تو خداوند تعالیٰ نے) فرمایا سو وہ ان پر چالیس سال تک حرام کی گئی ہے۔ اس زمین میں وہ ہلاک ہوں گے (اور مفسرین نے عموماً اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ وہ اس زمین میں حیران پھرتے رہیں گے اور انہوں نے لکھا ہے کہ اس بیابان کا طول تیس فرسخ اور عرض نو فرسخ تھا اور کہا ہے کہ وہ چلتے تھے اور شام کے وقت وہاں پر ہی ہوتے تھے جہاں صبح کرتے تھے اور ان کو راستہ نہ ملتا تھا اور بائبل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی نسبت یہی فرمایا تھا کہ جس قدر جنگی جوان ہیں یعنی بیس سال سے اوپر کے وہ سب اسی بیابان میں مریں گے مگر یوشع اور کالب اور پھر یوشعؑ ان کی اولاد کو لے کر اس سرزمین میں داخل ہوگا اور چونکہ رسول اپنی قوم پر نہایت رحیم ہوتا ہے لہٰذا حضرت موسٰی کو فرمایا کہ) سو تو حکم عدولی کرنے والے لوگوں پر نہ کُڑھنا۔

آیت 28 تا 35: وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَ اِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ۔ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

تشریح:

نَبَأٌ۔ خبر، قصہ، بات۔

قَرَّبَا۔ تَقْرِیْبٌ سے ہے، جو کہ قُرْبٌ اور قُرْبَانٌ سے بنایا ہوا ہے، بمعنے قریب کرنے اور قربانی دینے کے ہے۔

تَبُوْٓءُ۔ بَوْءٌ سے ہے، جس کے معنے کئی بار ذکر ہو چکے ہیں۔

طَوَّعَتْ۔ تَطْوِیْعٌ سے ہے اور وہ طَوْعٌ سے ہے جس کے معنے وسعت کے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے طَاعَ بِہِ الْمَرْتَعُ یعنی اِتَّسَعَ اور مفسرین نے عام طور پر اس کے معنے آسان کرنے کے کئے ہیں۔

غُرَابٌ۔ کوّا۔ یَبْحَثُ۔ بَحْثٌ سے ہے، تلاش کرنا اور زمین کو کھودنا۔

یُوَارِیْ۔ مُوَارَاۃٌ سے ہے، پوشیدہ کرنا۔

سَوْأَۃٌ کے اصلی معنے تو اس چیز کے ہیں جس سے کراہت اور نفرت کی جائے اور اسی وجہ سے اس کا زیادہ تر اطلاق شرم گاہ پر ہوتا ہے اور کبھی میت کا سارا جسم اس سے لیا جاتا ہے اور بعض نے اس کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ جب وہ جسم متغیر ہو جائے۔

یٰوَیْلَتٰی۔ یہ تین لفظوں سے مرکب ہے یا حرف نداء سے اور وَیْلَۃٌ بمعنے ہلاکت سے اور الف سے جو کہ یا ضمیر متکلم کا بدل ہے اور اب اس کے معنے اظہار حسرت کے ہیں۔

اَجْلٌ۔ اصل میں بمعنے جنایت اور قصور کے تھا پھر جِنَایَاتٌ کی تعلیل (علت بتانے) کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اب مطلق سبب کے معنے دیتا ہے اور کبھی زائد بھی ہوتا ہے۔

یُحَارِبُوْنَ۔ مُحَارَبَۃٌ سے ہے اور وہ حَرْبٌ سے ہے، آپس میں جنگ کرنا۔

یُنْفَوْ۔ نَفْیٌ سے ہے، جس کے معنے جلاوطن کرنے کے ہیں۔

خِزْیَۃٌ۔ ذلت۔

ترجمہ:

اور تو ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر ٹھیک طور پر پڑھ۔ جب کہ ان دونوں نے ایک

ایک قربانی کی تو ایک سے قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی (تو) اس نے کہا واللہ میں ضرور ہی تجھے قتل کروں گا۔ اس نے کہا اللہ تو متقیوں سے قبول فرماتا ہے۔ واللہ اگر تو میرے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز تیری طرف اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں۔ میں یقیناً رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

میں یقیناً چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ ہلاک ہو (یا لوٹے) تو تُو آگ والوں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہ سزا ہے تو اس کے جی نے اپنے بھائی کا قتل اس کے لئے آسان کر دیا۔ تو وہ خسارہ پانے والوں سے ہو گیا۔ تو اللہ نے کوئی کوّا بھیجا جو کہ زمین کو کھودتا تھا تا کہ اس کو دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کے مردہ جسم کو چھپائے۔ (تو یہ دیکھ کر) اس نے کہا ہائے مجھ پر افسوس کیا میں کوّے جیسا ہونے سے (بھی) رہ گیا کہ اپنے بھائی کے مردہ جسم کو پوشیدہ کرتا۔ لہٰذا وہ پشیمانوں سے ہو گیا۔

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی جان کو دوسری جان یا زمین میں فساد کرنے کے سوا مارا تو گویا اس نے سب لوگوں کو مارا اور جس نے اس کو بچایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو بچایا اور یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس کھلی کھلی باتیں (یا دلائل یا نشان) لائے ہیں۔ پھر ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد زمین میں حدوں سے بڑھنے والے ہیں۔

جو لوگ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور اس زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ پوری طرح قتل کئے جاویں یا سولی دے کر مارے جاویں یا ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں الٹ سے کاٹے جاویں یا وہ اس زمین سے جلاوطن کئے جاویں۔ یہ ان کے لئے نزدیک (زندگی) میں ذلت ہے اور ان کے لئے پیچھے آنے والی (زندگی) میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جو کہ اُس سے پہلے رجوع کر لیں کہ تم ان پر قابو پالو سو جان لو کہ یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

تفسیر:

جب یہ ثابت ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا الخ کہنے سے

خداوند تعالیٰ ان پر ناراض ہوا تھا اور اس نے ان کو اسی دنیا میں اس کی سزا دی تھی اور اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ اور اَحِبَّآؤُہٗ نہیں ہیں جن کو عذاب نہیں ہوا کرتا جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو اب یہ بتاتا ہے کہ باوجود اس حالت کے ہم نے ان کو انبیاء و صلحاء کے قتل پر سخت ترین عذاب کا مؤکّد وعید دیا ہوا ہے تو بھی یہ لوگ انبیاء و صلحاء کو جو کہ ان کے بھائیوں میں سے ہیں قتل کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے بیان کے لئے پہلے آدمؑ کے دو بیٹوں کا واقعہ قتل بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم ان کو آدمؑ کے دو بیٹوں کی بات سناؤ۔ جبکہ ان دونوں نے ایک ایک قربانی کی تو ایک سے قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ ہوئی تو اس نے کہا کہ واللہ میں ضرور تجھے قتل کروں گا۔

(مفسرین نے لکھا ہے پر قرآن مجید میں اس کا کوئی اشارہ و کنایہ ہر گز نہیں ہے کہ آدمؑ کی اولاد جوڑہ جوڑہ پیدا ہوتی تھی اور ہر ایک دفعہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی تھی تو جو دو ایک دفعہ پیدا ہوتے تھے ان کا آپس میں نکاح نہ ہوتا تھا بلکہ ایک دفعہ کے لڑکے کا دوسری دفعہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا جاتا تھا اور حضرت آدمؑ کے ایک بیٹے کا قابیل نام تھا اور اس کے ساتھ کی بیٹی کا اقلیما نام تھا اور وہ بہت خوبصورت تھی اور ان دونوں سے چھوٹے بیٹے کا نام ہابیل تھا اور اس کے ساتھ کی بیٹی اقلیما کے برابر خوبصورت نہ تھی۔ تو جب ہابیل نے اقلیما سے شادی کرنی چاہی تو اس کے بھائی قابیل نے اس کے دینے سے انکار کیا اور کہا کہ تمہاری بہن میری بہن سے کمتر ہے لہٰذا میں اپنی بہن نہیں دیتا بلکہ میں خود اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ تو اس پر ان دونوں کو آدمؑ نے قربانی کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ جس کی قربانی قبول ہو گی وہی حق پر ہو گا اور لکھا ہے کہ اس زمانہ میں قربانی کے قبول ہونے کا یہ نشان تھا کہ آسمان سے ایک آگ اُترتی تھی اور وہ اس کو کھا جاتی تھی۔ تو ہابیل کی قربانی قبول ہو گئی اور قابیل کی قبول نہ ہوئی۔ پر میں بتا چکا ہوں کہ قرآن مجید سے نکاح کا نزاع ثابت نہیں ہے۔

باقی رہی قربانی کی قبولیت کی مذکورہ بالا کیفیت تو اس کی اصلیت پ 4 ع 10 میں بیان ہو چکی ہے۔ یہاں پر جس قدر قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے وہ اسی قدر ہے کہ اور کوئی

نزاع نہیں بلکہ باعث نزاع یہی امر ہوا ہے کہ دونوں کی قربانیوں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی جس طرح کہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی قبول ہوئی اور ابو جہل کی نہ ہوئی یا حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کی قبول ہوئی اور مرزا امام الدین کی نہ ہوئی یا دہلی کے شاہزادوں میں سے ایک کی ہوتی رہی اور دوسروں کی نہ ہوتی رہی اور اس کی قبولیت کا پتہ بھی یونہی لگا جس طرح کہ ان کی قبولیت کا لگا ہے یا ان علامتوں سے جو کہ ان کے نزدیک مقرر تھیں۔

ظاہر ہے کہ مسلمانوں میں جب مرتے وقت پیشانی پر پسینہ آئے اور ناک دہنی طرف پھر جائے تو اس کو اچھی علامت خیال کرتے ہیں اور ہندوؤں میں جب مردہ خوب جل جائے تو یہ اس کی نیکی کا نشان ہے اور اگر اچھی طرح نہ جلے تو یہ ان کے نزدیک بہت بُری علامت ہے۔ تو اس سے غصہ میں آکر قابیل نے یہ کہا تو اس کے جواب میں ہابیل نے) کہا کہ اللہ تو متقیوں ہی سے قبول فرماتا ہے۔

واللہ اگر تُو نے میرے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا تو میری شان سے نہیں کہ میں تیرے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تیری طرف بڑھانے والا ہوں (کیونکہ) میں یقیناً اللہ سے ڈرتا ہوں جو کہ جہانوں کا رب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ کے ساتھ ہلاک ہو (یا خداوند تعالیٰ کی طرف سے پھرے) پھر تو آگ والوں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے (پر اس نہایت مخلصانہ اور متقیانہ جواب بلکہ وعظ سے اس کو کچھ فائدہ نہ ہوا بلکہ) اس کے جی نے اپنے بھائی کا قتل کرنا پسند کر ہی لیا اور پھر اس کو قتل کر (ہی) دیا۔ تو وہ خسارہ پانے والوں سے ہو گیا۔

(غرض یہ کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بنی اسمٰعیل سے ہونے کے باعث تمہارا بھائی ہے محض اس لئے قتل کرتے ہو کہ اس کی قربانی قبول ہو گئی ہے اور وہ تم کو نصیحت کرتا ہے اور تمہاری طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور تم اس سے دوزخی بن رہے ہو اور بالآخر تم نے اپنی طرف سے اس کو قتل کر ہی دیا گو خداوند تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق اسے بچا دیا اور تم خاسرین ہو گئے اور یہ بتانے کے لئے کہ ایسا کر کے پھر اپنی کارروائیوں کے

پوشیدہ کرنے کے لئے بے سود کوشش کرتے ہو۔ فرمایا) تو اللہ نے کوئی کوّا بھیجا جو کہ زمین کو کھودتا تھا تا کہ اس کو دکھلائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کے مردہ جسم کو پوشیدہ کرے۔ اس (قاتل) نے کہا ہائے مجھ پر افسوس کیا میں کوّے جیسا ہونے سے بھی رہ گیا کہ اپنے بھائی کا مردہ جسم پوشیدہ کر لیتا۔ لہٰذا وہ پشیمان ہونے والوں سے ہو گیا۔

قابیل اور ہابیل کے واقعہ کے متعلق مفسرین کا خیال:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ قتل کرنے کے بعد اس نے اس کو اُٹھالیا اور نہ گھر جاتا اور نہ اس کو چھوڑتا تھا یہاں تک کہ بدبو آنے لگی اور پرندے جمع ہونے لگے۔ تب اس نے دیکھا کہ دو کوّے آپس میں لڑتے ہیں اور ایک نے دوسرے کو مار دیا ہے اور پھر زمین کھود کر اس نے اس کو گاڑ دیا تب اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد جو مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ہے نافع نے اس کو مِنَ النّٰدِمِيۡنَ کے ساتھ ملایا ہے تب تو یہ معنے ہوں گے کہ وہ اس وجہ سے پشیمان ہوا اور دوسروں نے اور عام مفسرین نے كَتَبۡنَا کے ساتھ لگایا ہے جو کہ اس کے بعد آتا ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ اسی قابیل کے واقعہ کی طرف پھیرا ہے اور معنے یہ کئے ہیں کہ) اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر مقرر کر دیا تھا کہ جو کوئی کسی جی کو سوائے کسی جان یا زمین میں فساد کرنے کے قتل کرے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا اور جس نے اس کو بچایا تو گویا اس نے سب لوگوں کو بچایا (اور پھر مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ كَتَبۡنَا الخ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اسی واقعہ سے پہلے پہل یہ لکھا گیا ہے نہ کسی اور واقعہ سے اور کہا ہے کہ اصل میں تو یہ سب پر لکھا گیا ہوا ہے اور بنی اسرائیل کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کثرت کے ساتھ اس کا وقوع انہی سے سرزد ہونے والا ہے کیونکہ اس کا اصل منشاء حسد اور عناد ہے اور وہ ان میں سب سے زیادہ ہے اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ اَلنَّاسُ سے وہ لوگ مراد ہوں جو کہ قیامت تک مقتول کی نسل سے ہو سکتے ہوں اور مطلب یہ ہو کہ جس طرح قابیل ہابیل کے قتل کرنے سے جو نسل اس کی آخر دنیا تک ہونے والی تھی اس کا قتل کرنے والا ٹھہرا تھا۔

اسی طرح بنی اسرائیل سے بھی اگر کوئی کسی شخص کو بے وجہ قتل کرے گا تو وہ بھی

اس کی ساری نسل کا قاتل قرار پائے گا اور سب سے زیادہ جو معنے مجھے پسند ہیں وہ یہ ہیں کہ قتل نفس سے یہاں پر قتل انبیاءؑ اور ان کے خلفاء کا مراد ہے جیسا کہ ما قبل و مابعد سے اور بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ کے ساتھ مقیّد کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ اسی وجہ سے کہ بنی اسرائیل نے ایسے لوگوں کو قتل کرنا تھا تو ہم نے اس سے روکنے کے لئے ان پر لکھدیا تھا کہ جو ایسے نفس کو قتل کرے گا تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا اس لحاظ سے بھی کہ اس نے ان کی حیات روحانی روک دی اور اس وجہ سے بھی کہ حقیقت میں ایک نبی اور رسول کی ذات اس زمانہ کے سب لوگوں سے بڑھ کر ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ذات پر اس کی ساری امت قربان کی جاسکتی ہے۔

لیکن اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اسی پر ہم نے بس نہیں کی بلکہ بار بار ان کو یاد دلاتے رہے اور قطعی براہین اور نشانات کے ساتھ اس کو بیان کرتے رہے پر پھر بھی یہ بنی اسرائیل اس کی خلاف ورزی ہی کرتے رہے ہیں۔ فرمایا کہ) واللہ یقیناً ہمارے رسول ان کے پاس کھلے کھلے دلائل (یا نشانات یا تقریریں اور کلام) لاتے رہے ہیں پھر یقیناً بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد زمین میں (اس امر کی نسبت) حد سے گذرتے رہے ہیں (ظاہر الفاظ اس آیت کے گو عام ہیں اور ان سب احکام کو شامل ہیں جو کہ بنی اسرائیل کو دئے گئے تھے اور انبیاءؑ بار بار ان کو ان کی تائید کرتے رہے تھے اور پھر ان میں سے اکثر ان کی خلاف ورزی کرتے رہے تھے لیکن اس مقام کے مناسب وہی قتل انبیاءؑ کا واقعہ مراد ہے۔ پھر ایسے لوگوں کی جو عند اللہ حد اور سزا دنیا میں مقرر ہے اس کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑتے ہیں (یعنی منشاء اور ارشاد الٰہی کے مقابل بن کر اس کے رسول کو قتل کرنا چاہتے ہیں) اور وہ زمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا تو یہی ہے کہ قتل کئے جاویں یا صلیب پر مارے جاویں۔

(مفسرین نے ان دونوں کو یکجا جمع کیا ہے پھر بعض نے تو یہی کہا کہ پہلے مارے جاویں اور بعد ازاں صلیب پر لٹکائے جاویں۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ پہلے صلیب دیئے جاویں اور پھر ان کے پیٹ میں نیزہ مار کر ان کو قتل کیا جاوے۔ پر الفاظ قرآنیہ سے اور مابعد سے یہی معلوم

ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی کیا جاوے) یا ان کے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے کاٹے جاویں (مثلاً دہنا ہاتھ اور بائیاں پاؤں کاٹ دیں) یا اس سرزمین سے جلاوطن کئے جاویں۔ یہ ان کے لئے نزدیک (زندگی) میں ذلت ہے اور ان کے لئے پیچھے آنے والی (زندگی) میں بڑا عذاب ہے (یعنی مذکورۃ الصدر سزا سے یہ نہ خیال کیا جائے کہ بس یہ ان کے لئے کفارہ ہو جاوے گی اور پھر آخرت میں ان کو اس کے بارہ میں کچھ باز پرس نہ ہو گی بلکہ اصل عذاب تو پیچھے ہے یہ تو ان کو دنیا میں ذلیل کرنے کے واسطے رکھی گئی ہے) مگر جو کہ اس سے پہلے باز آجاویں کہ تم ان پر قابو پاؤ تو (ایسے لوگوں کی نسبت) جان لو کہ یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

(اکثر مفسرین اور فقہا اُسی طرف گئے ہیں کہ اَلَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ الخ سے قُطَاعُ الطَّرِیۡق یعنی ڈاکو مراد ہیں اور یہ جو سزا بیان ہوئی ہے یہ انہی کی سزا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں پر مضاف مقدر ہے اور اصل عبارت یوں ہے کہ اَلَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اَوۡلِیَاءَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلَہٗ اور اولیاء سے عام مومنین مراد ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ تو کوئی لڑتا ہی نہیں اور رسول کے ساتھ لڑنے والا مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کا حکم اور ہے۔ پر اصل بات وہی ہے جو کہ ہم لکھ آئے ہیں اور سیاق وسباق اور نظم قرآنی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور مرتد تو تب ہوں کہ پہلے اسلام لائیں اور یہاں پر ان کے اسلام کی نسبت کوئی اشارہ یا کنایہ نہیں ہے اور پھر اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ محاربین رسول اللہ ﷺ کو زمانہ رسالت میں یہی سزائیں دی گئی ہیں)

آیت 36 تا 44: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ
الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ
النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ وَ السَّارِقُ وَ
السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا
يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ
لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ
اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ
اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ
فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ
قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔
سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ
اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَ اِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ وَ كَيْفَ

يُحَكِّمُوْنَكَ وَ عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔

تشریح:

وَسِيْلَةٌ۔ مشہور لفظ ہے جو کسی امر کے حصول یا کسی شخص کے قرب کا ذریعہ ہو۔ یہ وَسْلٌ بمعنے قرب سے ہے۔

جَاهِدُوْا۔ جِهَادٌ سے ہے، جس کے معنے جنگ کے نہیں بلکہ کوشش کرنے کے ہیں۔

اِفْلَاحٌ۔ نقصان سے بچنا اور مظفر و منصور ہونا۔

سَارِقٌ۔ سَرَقَةٌ سے ہے، دوسرے کا محفوظ مال خفیۃ لے لینا اعنی چوری کرنی۔

نَكَالٌ۔ وہ عذاب جو کہ عبرت کے طور پر ہو۔

يُسَارِعُوْنَ۔ مُسَارَعَةٌ سے ہے اور وہ سُرْعَةٌ سے ہے، بہت جلدی کرنا۔

سَمَّاعُوْنَ۔ سَمَّاعٌ کی جمع ہے جو کہ سَامِعٌ کا مبالغہ ہے۔

فِتْنَةٌ۔ کے معنے بار بار گذر چکے ہیں۔

اَكَّالُوْنَ۔ اَكَّالٌ کی جمع ہے، جو کہ اٰكِلٌ کا مبالغہ ہے۔

سُحْتٌ۔ اصل میں استیصال اور بیخ کنی کو کہتے ہیں اور حرام پر بھی اسی وجہ سے بولا جاتا ہے کہ اس کے کھانے سے بیخ کنی ہوتی ہے۔

يُحَكِّمُوْنَ۔ تَحْكِيْمٌ سے ہے، کسی کو حکم بنانا۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم اللہ سے بچو اور تم اس کی طرف یہ قرب کا ذریعہ چاہو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تا ہو کہ تم مظفر و منصور ہو۔ یقیناً جو لوگ کافر بنے اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو کہ زمین میں ہے اور اس کی مثل (بھی) اس کے ساتھ ہو تا کہ اس کو دے کر اپنی جان کو قیامت کے دن کے عذاب سے چھوڑائے تو اس سے یہ قبول نہ کیا جاوے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ چاہیں گے کہ اس آگ سے نکلیں پر

وہ اس سے نکلنے والے نہ ہوں گے اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے اور چور اور چورٹی سو تم اُس کی سزا میں ان دونوں کے ہاتھ کاٹو جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ اللہ کی طرف سے عبرت والی سزا کو (لازم پکڑو) اور اللہ بہت غالب، بہت حکمت والا ہے۔

سو جو اپنے ظلم کے بعد واپس ہوا اور اس نے اصلاح کی تو یقیناً اللہ اس پر (رحمت کے ساتھ) پھرے گا۔ یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے جس کو چاہتا ہے وہ عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ ہاں اے رسول تجھے وہ لوگ کڑھن میں نہ ڈالیں جو کہ کفر میں بہت جلدی کرتے ہیں۔ ان میں سے جو کہ اپنے مونہوں کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور ان میں سے جو کہ یہودی بنے ہیں۔ وہ جھوٹ کے لئے خوب سننے والے ہیں۔ وہ اور لوگوں کے لئے خوب سننے والے ہیں جو کہ تمہارے پاس نہیں آئے۔ وہ کلمات کو اس کے (مقرر کردہ) موقعوں کے بعد پھیرتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم کو یہ دیا جائے تو اس کو لے لو اور اگر تم کو یہ نہ دیا جائے تو بچو اور جس کے فتنہ کو اللہ چاہے سو تم اس کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز پر قادر نہ ہوگے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

جھوٹ کے لئے خوب سننے والے حرام (یا اپنی بیخ کنی) کے لئے خوب کھانے والے ہیں سو اگر وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو اور اگر تم ان سے اعراض کروگے تو وہ تمہیں کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور اگر تم فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور وہ کس طرح تجھ کو حکم بناویں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم ہے اور پھر وہ اس کے بعد (اس سے) پھرتے ہیں اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

تفسیر:

چونکہ پہلے مومنوں کو فرمایا تھا کہ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ

وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا [1] الخ (المائدۃ:8) اور یہ کہ کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ [2] الخ (المائدۃ:9) اور اس کی مثال پہلے خود ان میں بتائی تھی کہ اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ [3] الخ (المائدۃ:12) اور پھر بنی اسرائیل اور یہود کے بہت سے واقعات بطور تمثیل واستدلال ذکر فرمائے تو جب وہ ختم ہو گئے تو بطور نتیجہ کے فرمایا کہ) ہاں ایمان والو تم اللہ (کے غضب اور عذاب) سے بچو (ورنہ تو جس طرح یہود باوجود مُنْعَمٌ عَلَیْهِمْ ہونے کے (جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا تھا یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا) [4] (المائدۃ:21) تقویٰ اللہ چھوڑنے سے نہایت درجہ کے مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور طرح طرح کے عذابوں اور رنگا رنگ کی ذلتوں اور رسوائیوں میں گرفتار ہوئے تھے اسی طرح تم بھی ہو جاؤ گے اور پھر خود اس سے بچنے کا طریق اور ذریعہ بتایا کہ) اس کی طرف قریب ہونے کا ذریعہ حاصل کرتے رہو۔

وسیلہ سے مراد

(مفسرین نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وسیلہ سے اتقاء مراد ہے جس کا پہلے حکم دیا گیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اتقاء سے ترک معاصی اور وسیلہ سے فعل طاعات مراد ہے اور ابن انباری نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وسیلہ کے معنے حاجت کے ہیں اور معنے یہ ہیں کہ تم اللہ کے پاس سے اپنی حاجتیں مانگو اور بعض نے کہا ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک مقام اور مرتبہ ہے جیسا کہ وَاٰتِ مُحَمَّدَا الْوَسِیْلَةَ الخ [5] دعاء بعد الاذان میں آیا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب الدعاء عند النداء حدیث نمبر 614)

---

[1] اور جو احسان اللہ کا تم پر ہے (اسے بھی) اور اس پختہ عہد کو (بھی) جو اس نے تم سے (اس وقت) لیا تھا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا ہے اور ہم فرمانبردار ہو گئے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] تم انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے استادہ ہو جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

[3] تم اللہ کی اپنے اوپر نعمت یاد کرو (جو اس وقت ہوئی تھی) جبکہ ایک قوم نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے۔ (تفسیر صغیر)

[4] اے میری قوم! تم اللہ کے (اس) احسان کو یاد کرو جو اس نے (اس وقت) تم پر کیا تھا جب اس نے تم میں نبی مقرر کئے تھے اور تمہیں بادشاہ بنایا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[5] (اے اللہ!) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ عطا فرما۔ (از مرتب)

لیکن حق یہی ہے کہ وسیلہ کے معنے وہی ہیں جو ہم نے تشریح میں لکھے ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اس کی کتاب اور اس کے فرستادہ کا سچا اتباع اختیار کرنا ہے لہٰذا تقویٰ کا طریق وسیلہ کو قرار دیا اور وسیلہ کی تفسیر یہ کی کہ) اس کے راستہ میں پوری کوشش کرو تا ہو کہ تم نقصانوں سے بچ کر مظفر و منصور ہو جاؤ (اور اس کے خلاف کرنے کا نتیجہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً جو کافر بنے اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو کہ زمین میں ہے اور اس کی مانند (بھی) اس کے ساتھ ہو تو کہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے اس کو بدلہ میں دیں تو ان سے وہ قبول نہ کیا جاوے گا (یعنی اوّل تو اس وقت ان کے ہاتھ میں کچھ ہو گا ہی نہیں پر اگر دنیا اور مَافِیْھَا اور اس کے دوچند بھی ان کے پاس ہوتا تو وہ سب ہی کچھ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لئے دے دیتے لیکن یہ بڑا فدیہ بھی ان سے قبول نہ کیا جاوے گا اور ضرور ان کو وہ عذاب بھگتنا پڑے گا اور پھر وہ عذاب بھی کچھ خفیف سا نہ ہو گا بلکہ) ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا (اور پھر یہ بھی نہیں کہ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً[1] (البقرۃ:81) ہو اور پھر اس سے نکل جاویں بلکہ) وہ چاہیں گے کہ اس سے نکلیں پر وہ اس سے نکلنے والے نہ ہوں گے بلکہ ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہو گا۔

(یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ گو عام لوگ جب حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فیصلہ سنتے ہیں کہ کسی کو ابدی غیر منقطع عذاب نہ ہو گا بلکہ جہنم پر ایک وقت آئے گا کہ اس میں کوئی نہ ہو گا تو وہ یا تو خلود والی آیتیں پیش کر دیتے ہیں جن کا جواب میں مفصل دے چکا ہوں اور یا یہ آیت پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا نہ نکلنا ثابت ہوتا ہے اور نیز اس کو مقیم کہا گیا ہے۔ تو واضح ہو کہ مقیم سے تو ابدیت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں جگہ پر مقیم ہے اور اس سے کوئی دوام نہیں سمجھا جاتا۔

باقی رہا عدم خروج تو اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ جب تک وہ آگ ہے تب تک وہ اس سے نہ نکالے جاویں گے پر اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آگ دائم رہے گی اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ نقصانوں سے بچ کر کامیاب ہونے کے لئے جیسا یہ

[1] چند گنتی کے دنوں کے سوا۔ (از تفسیر صغیر)

ضروری ہے کہ تم تقویٰ اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کو اختیار کرو ایسا ہی یہ بھی ضروری ہے کہ تم کسی بدکار اور نافرمان الٰہی کے ساتھ تعلق نہ رکھو بلکہ ان کو مقرر کردہ الٰہی حد لگا کر اپنی ناراضگی اور قطع تعلق کا ثبوت دو۔ فرمایا کہ) چور اور چورنی سو تم اُس کی سزا میں ان کے ہاتھوں کو کاٹو جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ اللہ کی طرف سے (مقرر کردہ) عبرت ناک سزا کو لازم پکڑو۔ اللہ بڑا غالب ہے (جب وہ کسی کو عذاب دینے لگے تو پھر نہ وہ خود بچ سکتا ہے اور نہ اس کو کوئی بچا سکتا ہے اور نہ ہی اس لئے اس نے تم کو ان کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں کر سکتا بلکہ وہ تو عزیز ہے ہاں وہ) بڑی حکمت والا ہے (تو اس نے بڑی عظیم الشان حکمت کے لئے اس نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں کو کاٹو اور اس میں اختلاف ہوا ہے کہ کس قدر مال چورانے سے قطع ید لازم ہوتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ تو دس یا اس سے زیادہ دِرم کی حد مقرر کرتے ہیں اور امام شافعی، اوزاعی، ابی ثور، امامیہ دینار کا ربع مقرر کرتے ہیں اور بعض نے پانچ دِرم کہا ہے اور ابو علی جبائی نے اسی کو پسند کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کم و بیش اس میں برابر ہے اور کوئی حد شارع نے مقرر نہیں فرمائی اور خوارج نے اسی کو پسند کیا ہے۔ پر قرآن مجید سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرفاً جو چور قرار پائے اس کا قطع ید کرنا چاہیئے۔

مفسرین نے عموماً نَكَالًا کو مفعول لہ کہا ہے اور معنے یہ کئے ہیں کہ اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا دینے کے لئے۔ پر چونکہ جزاءً بھی مفعول لہ ہے اور مفعول لہ سوائے عطف کے مکرر نہیں آتا لہٰذا میں نے اس کو عام محاورہ کے طور پر اَلْزَمَ کا مفعول قرار دیا ہے اور ایسے مقام پر وہ کبھی مذکور نہیں ہوتا۔ لیکن یہ بتانے کیلئے کہ جس طرح اس نَكَالٌ کے لازم پکڑنے کا حکم ہے اسی طرح بعض صورتوں میں درگذر بھی لازم ہے فرمایا) تو جو اپنے ظلم (یعنی مثلاً چوری) کے بعد رجوع لایا اور اس نے اصلاح کی تو یقیناً اللہ اس پر (رحمت کے ساتھ) رجوع لاتا ہے (اور اس اللہ کے رجوع لانے کی تفسیر یہ فرمائی کہ) یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

(امام شافعیؒ کا تو یہی مذہب ہے کہ توبہ اور اصلاح سے یہ سزا ساقط ہو جاتی ہے پر

امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ یہ مسروق منہ کا حق ہے لہٰذا توبہ سے ساقط نہیں ہوتا لیکن جو ساقط کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس سے ساقط نہیں ہوتا کہ جب چوری پر پکڑا جائے تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے توبہ توبہ کرنے لگے تو اس کو چھوڑ دیا جاوے کیونکہ اس طرح تو پھر کسی کو حد لگ سکتی ہی نہیں بلکہ جب گرفتاری سے پہلے ہی وہ خود بخود تائب ہو کر اصلاح کر چکا ہو مثلاً مال مسروقہ یا اس کی قیمت واپس کر چکا ہو اور پھر اس کی چوری کا اقرار وغیرہ سے پتہ لگے تو اس صورت میں حد ساقط ہو جاتی ہے اور جو ساقط نہیں کہتے وہ اس حکم کو قیامت کے عذاب کی نسبت بتاتے ہیں اور پھر اسی امر کی تفصیل کرنے کے لئے جس کی طرف وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ کے ساتھ اشارہ فرمایا تھا اور نیز مالک اور قادر مطلق خداوند تعالیٰ کی سنت سے ہر دو حکم کی تائید کرنے کے لئے فرمایا کہ) کیا تو (اے مخاطب) نہیں جانتا کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مغفرت کرتا ہے اور اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

(تو جب مُفْلِحِيْنَ بننے کے لئے مومنوں کو ابتغاء وسیلہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں سے قطع تعلق اور سزا دینے کا حکم دیا گیا اور ظاہر ہے کہ انبیاء و رسل سب سے بڑھ کر اپنے اَتباع کے مفلح ہونے کے خواہشمند ہوتے ہیں اور پھر اس پاک جماعت کے ساتھ منافقوں کا نظر بٹو بھی ضرور ہوتا ہے تو ان کی خلاف ورزیوں کو دیکھ دیکھ کر یہی خطرہ دامن گیر ہوتا ہے کہ جب جماعت میں ایسے لوگ بھی ہیں تو اس کا مفلح ہونا مشکل ہے تو خداوند تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کو اس رنج و خطرہ سے پاس کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے نبی تجھے وہ لوگ کڑھن میں نہ ڈالیں جو کہ (اور بدوں سے تعلق رکھنا تو کیا بلکہ خود) کفر میں بہت جلدی کرتے ہیں (یعنی کافروں سے تعلق رکھتے ہیں اور ذرہ ذرہ بات پر کفر بکتے اور اس کو اختیار کرنے لگتے ہیں اور رسول اللہؐ کے حزن کا موجب یہی امر بتایا گیا ہے اور اس حزن کے رفع کرنے کی مجملاً یہ وجہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ فی الحقیقت تمہاری جماعت سے نہیں کیونکہ یہ لوگ) ان میں سے ہیں جنہوں نے اپنے مونہوں کے ساتھ کہا ہے کہ ہم

ایمان لائے ہیں حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اور پھر وہ بدبخت اس محروم الایمان گروہ سے ہیں جن کی نسبت ہم تم کو اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ [1] الخ (البقرۃ:76) فرما چکے ہیں اعنی) ان میں سے جو کہ یہودی بنے ہیں (تو جب وہ حقیقت میں مومن نہیں تو پھر وہ مومنوں کی جماعت سے کیوں ملتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ کیوں سنتے رہتے ہیں تو فرمایا کہ یہ لوگ تو) جھوٹ کے لئے بہت سننے والے ہیں۔ (چونکہ عموماً مفسرین نے اس کے معنے ''جھوٹ کو سننے والے ہیں'' کئے ہیں اس لئے ان کو لِلْکَذِبِ کے لام میں بڑی دقعت پیش آئی ہے۔ کیونکہ سَمَّاعٌ خود متعدی ہے اس کے مفعول پر کسی حرف جارہ کے لانے کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ اَلْکَذِبُ اس کا مفعول نہ ہے اور نہ بن سکتا ہے کیونکہ یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی باتیں سننا مراد ہے اور ان کی باتیں ہرگز جھوٹ نہ تھیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک تو وہ اس لئے سنتے ہیں کہ اس میں اپنی طرف سے جھوٹ ملا کر فریق مخالف کو جا کر سنائیں اور دوم منافقوں کا قاعدہ ہے کہ وہ ظاہر داری میں وعظ و نصیحت کی باتوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوا کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے یہ خیال کریں کہ یہ اٰمَنَّا کے دعویٰ میں راستباز ہیں پر وہ دعویٰ حقیقت میں جھوٹ ہوتا ہے تو اس پہلے جھوٹ کی تائید اور آئندہ جھوٹ ملانے کے قصد سے وہ رسولؐ اور مومنوں کی باتوں کو بہت ہی سننے والے ہیں اور پھر ان معنوں کا بڑا قرینہ اور مفعول نہ ہونے کی قوی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ وہ) اور لوگوں کیلئے بہت سننے والے ہیں جو کہ تمہارے پاس نہیں آئے جن کو (وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ [2] (البقرۃ:15) میں شیاطین کے نام سے یاد کیا ہے۔

سَمّٰعُوْنَ سے کون مراد ہیں:

کیونکہ یہاں پر سَمّٰعُوْنَ کے بعد لِلْکَذِبِ کی بجائے لِقَوْمٍ آیا ہے اور یہاں پر یقیناً وہی مطلب ہے اور قوم اس کی مفعول نہیں ہے۔ یعنی کفر کے نمبرداروں اور عنادی کافروں کے

[1] (اے مسلمانو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تمہاری بات مان لیں گے۔ (تفسیر صغیر)
[2] اور جب وہ اپنے سرغنوں سے علیحدگی میں ملیں۔ (تفسیر صغیر)

سنانے کے لئے باتیں سنتے ہیں اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ) وہ کلمات کو ان کی محل (مقرر ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں (گو اس تحریف سے کلام الٰہی کی تحریف مراد ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر آیا ہے۔

لیکن یہاں پر بتانا یہ ہے کہ وہ جب کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی جرأت کرنے والے ہیں تو جو کلام وہ تم سے سنتے ہیں اور جھوٹ اور دوسرے لوگوں کے سنانے کے لئے سنتے ہیں اس میں جھوٹ ملانے کے علاوہ اس کو ادل بدل بھی کرنا ان پر کچھ گراں نہیں ہوتا اور پھر گمراہ کرنے کے بعد اس بات کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ اور مومنین کی باتیں اور کلام الٰہی سن کر راہِ راست پر نہ آجاویں لہٰذا) وہ کہتے ہیں (یعنی اپنے اتباع اور جہلا کو) کہ اگر یہ تم کو دیا جائے (جو کہ ہم تم کو کہتے اور سمجھاتے ہیں) تو تم اسے لے لو (قبول کرو اور اس پر عمل کرو) اور اگر تم کو وہ نہ دیا جائے (بلکہ اس کے خلاف کچھ اور بتائیں) تو تم بچو (فَاحْذَرُوْا کا مفعول حذف کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ پھر تم ان کی ہر ایک بات بلکہ خود ان سے بچو۔

اَلَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ کے بیان میں ایک تو اَلَّذِیْنَ قَالُوْا الخ ذکر کئے ہیں اور دوم اَلَّذِیْنَ هَادُوْا اور پھر ان کے بعد سَمّٰعُوْنَ لِلْکَذِبِ۔ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ الخ اور یُحَرِّفُوْنَ الخ یَقُوْلُوْنَ الخ ان کے صفات بیان کئے ہیں۔ تو عموماً مفسرین نے اَلَّذِیْنَ قَالُوْا سے منافق اور اَلَّذِیْنَ هَادُوْا سے عام یہود مراد لئے ہیں اور بعد کے صفات یہود کے یا دونوں کے قرار دیئے ہیں۔ پر میرے خیال میں یہ دو نہیں بلکہ ایک ہی ہیں اور وہ یہود میں سے جو منافق تھے اور مدینہ منورہ میں عموماً منافق یا یوں کہو کہ شریر منافق یہود ہی میں سے تھے اور یُحَرِّفُوْنَ اور یَقُوْلُوْنَ الخ انہی کے صفات سے ہیں۔

تو ان کو اور ان کے ان افعال بد کو ذکر کر کے لَا یَحْزُنْكَ کی یہ وجہ یہ بیان فرمائی کہ) جس کا فتنہ اللہ چاہے تو تم اللہ کے مقابلہ میں اس کے لئے کسی چیز کی قدرت نہیں رکھو گے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کا فتنہ چاہا ہے لہٰذا تمہارے وعظ و نصیحت اور دوسری کوششیں ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتیں۔ یعنی جب ان کا یہ حال ہے تو وہ تمہاری جماعت میں شامل ہی نہیں بلکہ وہ مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ اور اس طریق سے وہ اور مورد غضب الٰہی ہو رہے ہیں۔

فتنہ کے مختلف معانی از مفسرین:

مفسرین نے فتنہ کے یہاں پر مختلف معنے کئے ہیں۔ حسن اور قتادہ سے عذاب مروی ہے اور ضحاکؒ اور سُدَیؒ نے اِھْلَاکٌ اس کے معنے کئے ہیں اور زجاج سے ذلت و خزی مروی ہیں اور بعض نے بمعنے آزمائش لیا ہے اور اس کے معنے مفتون اور فریفتہ کے بھی آتے ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ منافق اپنی چالوں پر خوش اور دنیا پر مفتون ہوتا ہے اور فتنہ کے معنے کندن کرنے کے بھی ہوتے ہیں پر خداوند تعالیٰ نے اور تصریح کر کے فرمادیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کو (فتنہ اور دنیا کی محبت سے) پاک کرنا نہیں چاہا (تو جب وہ تمہاری جماعت سے نہیں تو پھر ان کے ساتھ ملنے سے یہ منشاء ہے کہ) ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے (پر چونکہ ان کا وعدہ تھا کہ ہم اپنی نزاعوں کا رسول اللہؐ کے فیصلہ پر فیصل کریں گے اور بعض نزاعوں میں آپ کو حکم بنایا بھی کرتے تھے اور اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسی جماعت سے ہیں تو اس شبہ کے ازالہ کیلئے فرمایا کہ یہ) جھوٹ کے لئے بہت سننے والے۔ حرام کو کھانے والے ہیں۔ (مفسرین نے عام طور پر سُحْتٌ کے معنے حرام کے کئے ہیں اور یہاں پر اس سے رشوت مراد لی ہے اور بہت سی روایتیں بھی اس کی تائید کے لئے وہ لائے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وہ سن کر جھوٹ ملانے والے اور رشوت لے کر لوگوں کے ناحق فیصلے کرنے والے ہیں تو پھر کب تمہارے پاس اس لئے فیصلہ لائیں گے کہ یہ رسول اللہؐ ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق ہمارا فیصلہ ہو۔

میں نے تشریح میں بتایا ہے کہ لغت میں سُحْتٌ کے اصلی معنے بیخ کنی کے ہیں اور اور اس پر بھی ویسا ہی لام آیا ہوا ہے جیسا کہ لِلْکَذِبِ اور لِقَوْمٍ پر آیا ہے لہٰذا اس کے مطابق اس کے یہ معنے کرنے چاہیئے کہ یہ لوگ اپنی بیخ کنی کے لئے کھانے والے ہیں یعنی اکل بالباطل کرنے والے ہیں یا یہ کہ لوگ تو اپنی زندگی کے بقا کے لئے کھاتے ہیں پر یہ ایسی الٹی راہ چلنے والے ہیں کہ یہ اپنی بیخ کنی کے لئے کھاتے ہیں۔ تو جب ان کی یہ حالت ہے تو ان کا فیصلہ لانا بھی حیات روحانی کے حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ کسی اور شرارت کیلئے ہے

جو ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ تو جب ان کی یہ حالت ہے) تو اگر وہ تمہارے پاس (فیصلہ کے لئے اپنے وعدہ کے مطابق) آویں تو ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے اعراض کرو (کیونکہ وہ نیک نیتی اور اس پر کاربند ہونے کے لئے نہیں لاتے تاکہ اعراض الٰہی ناراضگی کا موجب ہوتا۔ ہاں ان کی شرارت کا ڈر ہو سکتا ہے) تو اگر تم ان سے اعراض کرو گے (اور فیصلہ نہ کرو گے) تو وہ تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے (اور جس طرح وہ اعراض سے ناراض ہو کر کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اسی طرح اگر تمہارا فیصلہ ان کے خلاف ہو اور وہ ضرر پہنچانا چاہیں تو بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور خداوند تعالیٰ چونکہ ناانصافی کو ناپسند کرتا ہے اس لئے) اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے (یہ تو اس وقت ہوا جبکہ وہ فیصلہ لائیں پر) کس طرح وہ تجھے حکم بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم ہے پھر وہ اس کے بعد پھر جاتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(میرے خیال میں یہ تین باتیں ہیں جو کہ فیصلہ نہ لانے کے لئے پیش کی ہیں اوّل یہ کہ توریت میں احکام موجود ہیں اور وہ ان کے پاس موجود ہے اور اس پر فیصلہ نہیں کرتے دوم یہ کہ اگر فیصلہ کرتے ہیں تو پھر جاتے ہیں سوم یہ کہ ان کی کارروائیوں سے ثابت ہے کہ وہ نہ توریت پر اور نہ قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی وجہ ہو یعنی توریت میں حکم موجود ہے اور اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس پر فیصلہ نہیں کرتے اور یہ بھی نہیں کہ وہ قرآن مجید پر ایمان لے آئے ہوں اور اس وجہ سے اب توریت کو قابل تعمیل نہ سمجھتے ہوں۔

آیت 45 تا 51: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَ اخْشَوْنِ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَ الْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَ الْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَ السِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ وَ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ وَّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ وَ لْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۔ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔

تشریح:

اَسْلَمُوْا۔ کے معنے جیسے اسلام لانے کے ہوتے ہیں ویسے ہی حوالے کر دینے اور سچی صلح کرنے اور حقیقی فرمانبردار بننے کے بھی ہوتے ہیں۔

رَبَّانِيُّوْنَ۔ رَبَّانِيٌّ کی جمع ہے۔ معنے اس کے تو اصل کے لحاظ سے رب والے اور خدائی لوگوں کے ہیں۔ پر مفسرین میں سے بعض نے لکھا ہے کہ اس سے زاہد اور عابد مراد ہیں اور مجاہد نے فقہاء لئے ہیں اور ابن زید نے وُلَاتٌ لئے ہیں اور بعض نے اولیاء اللہ۔

اور اَحْبَارٌ کی تشریح پہلے گذر چکی ہے کہ یہ حِبْرٌ سے بنایا ہوا ہے جس کے معنے سیاہی کے ہیں تو چونکہ علماء لوگ سیاہی کو استعمال کرتے تھے اس لئے ان کو حِبْرٌ اور اَحْبَارٌ کہنے لگے یا اس لئے کہ تَحْبِيْر تحسین کو کہتے ہیں اور علماء علم کو مزین کرتے ہیں لہٰذا ان کو حِبْرٌ اور اَحْبَارٌ کہتے ہیں۔

اُسْتُحْفِظُوْا۔ اِسْتِحْفَاظٌ سے ہے، دوسرے سے کسی چیز کی حفاظت یا یاد کرنا چاہنا۔

اَنْفٌ۔ ناک۔ سِنٌّ۔ دانت۔ جُرُوْحٌ۔ جُرْحٌ کی جمع ہے، زخم۔

قِصَاصٌ۔ کے معنے پہلے گذر چکے ہیں۔

قَفَّيْنَا۔ تَقْفِيَةٌ سے ہے، کسی کو کسی کے پیچھے چلانا۔

اٰثَارٌ۔ اَثَرٌ کی جمع ہے، نشان یا پاؤں کا نشان۔

مُهَيْمِنٌ۔ کے لفظ میں اختلاف ہے اکثروں نے تو اس کی ھاء کو اصلی کہا ہے اور اس کے معنے محافظ اور نگہبان یا گواہ کے کئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اَمْنٌ سے ہے اور ھمزہ کو ھاء سے بدل دیا ہے اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ اصل میں مُؤْمِنٌ تھا پھر تصغیر کیا تو مُئَيْمِنٌ بنا پھر هِرَاقَةٌ کی طرح جو کہ اِرَاقَةٌ تھا ھمزہ کو ھاء سے بدل دیا تو

مُهَيْمِنٌ ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں اس کے معنے امن دینے اور یقین و تصدیق کرنے والے کے ہوں گے۔

شِرْعَةٌ۔ اصل میں اس بڑے اور عام راستہ کو کہتے ہیں جو کہ پانی پر جاتا ہو اور اب شریعت پر بولا جاتا ہے۔

اور مِنْهَاجٌ سڑک کو کہتے ہیں۔

اُمَّةٌ کے کوئی سات معنے میں نے بتائے ہوئے ہیں جن میں سے ایک ایک مذہب کے لوگ اور دوسرے مُعَلِّمُ الْخَيْرِ کے بڑے مشہور ہیں۔

اِسْتَبِقُوْا۔ اِسْتِبَاقٌ سے ہے، ایک دوسرے سے کسی نہایت اور مقصد کی طرف سبقت لے جانا۔

اَنْ يَّفْتِنُوْا۔ فِتْنَةٌ بمعنے کسی اچھی چیز سے پھیرنے کے ہے۔

يَبْغُوْنَ۔ بُغْيَةٌ سے ہے، چاہنا۔

ترجمہ:

یقیناً ہم نے توریت اُتاری ہے جس میں ہدایت اور نور تھا۔ اس کے ساتھ یہود بننے والوں کے لئے وہ نبی حکم دیتے رہے ہیں جو کہ (اللہ تعالیٰ کی) سچی فرمانبرداری کرتے تھے اور خدائی لوگ اور علماء (بھی) اس کے ساتھ جس کی کتاب اللہ میں سے ان سے حفاظت (یا یاد) چاہی گئی ہے اور وہ اس پر گواہ تھے۔ سو تم لوگوں سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑا مول نہ لو اور جنہوں نے اس کے ساتھ حکم نہ دیا جو کہ اللہ نے اُتارا ہے تو وہ لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے ان پر اس میں لکھ دیا تھا کہ جان جان کے بدلے اور آنکھ آنکھ کے بدلے اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے ہے اور زخم (بھی) برابر بدلہ دیئے جاویں۔

سو جو کوئی اس کے ساتھ صدقہ کرے گا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہو گا اور جنہوں نے اس کے ساتھ حکم نہ دیا جو کہ اللہ نے اُتارا ہے تو وہ لوگ پکے ظالم ہیں اور ہم نے ان کے پیچھے ان کے قدموں کے نشانوں پر عیسیٰ بن مریم کو اس توریت کی تصدیق کرتا ہوا چلایا جو

کہ اس کے آگے تھی اور ہم نے اس کو انجیل (پیشین گوئی) دی جس میں ہدایت اور نور تھا اور (وہ) اس توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو کہ اس کے آگے تھی اور متقیوں کے لئے ہدایت اور وعظ تھی اور انجیل والے اس کے ساتھ حکم کریں جو کہ اللہ نے اُتارا ہے اور جنہوں نے اس کے ساتھ حکم نہیں دیا جو کہ اللہ نے اُتارا ہے تو وہ پکے حکم عدولی کرنے والے ہیں اور ہم نے تمہاری طرف اس کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی کامل کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے جو کہ اس کے آگے تھی اور نگہبانی کرتی ہوئی۔

سو تم ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کرو جو کہ اللہ نے اُتارا ہے اور اس حق سے پھر کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو کہ تمہارے پاس آیا ہے۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے گھاٹ کا راستہ اور سڑک بنائی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک مذہب پر چلنے والی ایک ہی جماعت بنا دیتا۔ ولیکن تا کہ تمہارا پوشیدہ حال اس میں ظاہر کر ادے جو کہ اس نے تم کو دیا ہے۔ سو تم بھلائیوں کی طرف بڑھو۔ تم سب کا اللہ ہی کے پاس لوٹنا (یا لوٹنے کی جگہ) ہے۔ سو وہ تم کو اس کی خبر دے گا کہ جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے (اور ہم پھر تجھے تاکید کرتے ہیں) کہ ان کے درمیان اس کے ساتھ فیصلہ کرو جو کہ اللہ نے اُتارا ہے اور ان کی خواہشوں کے تابع نہ ہو اور تم ان سے بچو کہ وہ تم کو اس میں سے کسی سے نہ پھیر دیں جو کہ اللہ نے تمہاری طرف اُتارا ہے۔ سو اگر وہ پھر جاویں تو یقیناً جان لو کہ اللہ ان کو ان کی بعض کمزوریوں کی (سزا) دینا چاہتا ہے اور یقیناً ان لوگوں میں سے اکثر تو حکم عدولی ہی کرنے والے ہیں۔ کیا (وہ حکم الٰہی کو نہیں مانتے) اور پھر جاہلیت کے حکم کو چاہتے ہیں۔ حالانکہ یقین کرنے والے لوگوں کے لئے کون اللہ سے بڑھ کر زیادہ اچھے حکم والا ہے۔

تفسیر:

جب یہ بتایا گیا کہ وہ توریت میں حکم ہوتے ہوئے پھر تم سے کس طرح فیصلہ طلب کر سکتے ہیں اور وہ ابھی ایمان بھی نہیں لائے کہ اس وجہ سے قرآن مجید کا فیصلہ چاہتے ہو اور کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ شاید وہ توریت کے احکام یا اس حکم کو عمدہ نہ خیال کرتے ہوں تو اس وجہ سے اس کو چھوڑ کر قرآن مجید کا حکم چاہتے ہیں۔ تو اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ)

یقیناً ہم نے توریت کو اُتارا ہے (یعنی جب اس کے اُتارنے والے ہم ہیں تو پھر ہماری عظمت و جبروت کے سامنے ایسا خیال کیا وقعت رکھ سکتا ہے خصوصاً ایسے وقت میں کہ وہ قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے پر ایمان ہی نہیں لاتے اور توریت کو کتاب اللہ مانتے ہیں۔ پھر) اس میں ہدایت اور نور ہے۔

(چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ) یہود کے لئے اس کے ساتھ وہ نبی حکم دیتے رہے ہیں جو کہ (اس کی) سچی پیروی کرتے رہے ہیں (یعنی وہ خود بھی اسی کی پیروی سے اس کمال تک پہنچے تھے اس لئے یہود کو بھی اسی کا حکم دیتے تھے) اور باخدا لوگ اور علماء (بھی) اس کے ساتھ (حکم دیتے رہے ہیں) جس کا یاد کرنا (یا جس کی حفاظت) کتاب اللہ میں سے ان سے چاہی گئی تھی اور وہ اس پر گواہ تھے (یعنی ان اولیاء اور علماء کو انبیاءؑ نے اس کے اعتقادی اور اخلاقی اور عملی حصہ کے یاد کرنے اور اس پر کاربند ہونے کی سخت تاکید کی تھی اور پھر انہوں نے اپنے خیال اور رائے کو اس میں دخل نہ دیا تھا بلکہ انبیاءؑ سے انہوں نے اس کو یاد کر لیا تھا اور پھر اس پر عمل و درآمد کر کے وہ اس کمال تک پہنچ کر اس کے منجانب اللہ اور ہدایت اور نور ہونے کے گواہ ہو گئے تھے) وہ بھی انبیاء کی طرح اس کے اس حصہ کا یہود کو حکم دیتے رہے ہیں۔ تو جب وہ خیال ردّ ہو گیا اور پہلے انبیاءؑ اور اولیاء کے حکم کرنے کا ذکر ہوا جو کہ سننے والے اتباع کو ان کے اتباع اور حکم بالکتاب کرنے کا شوق دلاتا تھا تو اس لئے اور نیز اس کے مطابق حکم نہ کرنے کے بڑے باعث پر متنبہ کرنے اور تردید کرنے کے لئے بطور تفریع اور نتیجہ کے فرمایا) سو تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے عوض تھوڑا مول نہ لو۔

(یعنی تم خوب جانتے ہو کہ یہ وہ نبی اور رسول ہے جس کی حضرت موسیٰ نے اپنے جیسا ہونے کی خبر دی تھی اور یہ بھی کہ یہ وہی کتاب ہے جس کے نزول کے ہم منتظر تھے لیکن جب تمہاری عام اتباع دریافت کرتے ہیں تو تم لوگوں کے خوف سے اور دنیا کے طمع سے توریت کے حکم کے خلاف یہ فیصلہ دیتے ہو کہ نہ یہ وہ رسول ہے اور نہ یہ وہ کتاب ہے حالانکہ اللہ کی عظمت و جبروت کے مقابلہ میں لوگوں کا بالکل کچھ ڈر نہ رکھنا چاہیئے تھا اور نہ اس کی آیتوں کی اتباع کے منافع عظیمہ اور تجربہ شدہ کے مقابلہ میں دنیوی تھوڑے سے

نفع کا کچھ لحاظ رکھنا تھا اور پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ) جو کوئی اس کے ساتھ حکم نہ دے گا جو کہ اللہ نے (اپنے رسول پر ایمان لانے کی نسبت) اُتارا ہے وہ لوگ پکے کافر ہیں اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ لوگ اسی ایک حکم کی خلاف ورزی اور بغاوت کے مرتکب نہیں ہوئے تاکہ ان کی نسبت یہ خیال نہ ہو سکے کہ وہ دیدہ و دانستہ اس سے بغاوت کر رہے ہیں بلکہ یہ لوگ اور بھی بہت سے احکام توریت کی بغاوت کرتے رہے ہیں۔ فرمایا کہ) ہم نے ان پر اس میں لکھ دیا تھا کہ یقیناً جان جان کے بدلے ہے اور آنکھ آنکھ کے بدلے اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے ہے اور زخم (بھی) برابر بدلہ (والے) ہیں اور جس نے اس کے ساتھ صدقہ کر دیا تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے (اور پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ) جس نے اس کے ساتھ حکم نہ دیا جو کہ اللہ نے (حقوق العباد کی نسبت فیصلہ کرنے کے لئے اتارا ہے تو وہ لوگ پکے ظالم ہیں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود کے علماء نے یہ فیصلہ بالاتفاق تسلیم کر لیا تھا کہ شریف رذیل اور دولتمند کسی غریب اور مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے تو خداوند تعالیٰ نے قصاص کا اصل حکم ذکر کر کے اور اس کے بعد وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ الخ فرما کر ایک اور حکم کی نسبت ان کی بغاوت اور خلاف ورزی بتائی ہے اور فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ الخ کے تین معنے لئے ہیں ایک تو وہ جو کہ ابن عمرؓ وغیرہ سے مروی ہیں کہ "جو شخص قصوروار کو معاف کر دے گا اس معاف کرنے والے کے لئے یہ کفارہ ہے اور اس سے اس کے گناہ معاف ہو جاویں گے" اور دوسرے وہ جو کہ ابن جریر وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ "جو شخص قصوروار کو معاف کر دے گا تو یہ نہیں کہ اس کے بعد بھی اس قصوروار کو کچھ مواخذہ ہو سکے بلکہ پھر وہ مواخذہ سے بچ جاوے گا اور یہ معاف کرنا اس کے لئے کفارہ ہو جاوے گا۔"

سوم یہ کہ "جو قصوروار شخص اپنے قصور کی تصدیق اور اقرار کرے اور اپنی سزا کو خود قبول کرے تو ایسا کرنا اس کے لئے کفارہ ہے اور اس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں" اور چونکہ توریت کے اُتارنے کے بعد ان انبیاء کا بھی ذکر آیا تھا جو کہ خود اس کا اتباع اختیار کرتے رہے اور دوسروں کو اس کے ساتھ حکم دیتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلہ کی آخری حد

بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے ان کے اثار قدم پر عیسیٰ بن مریم کو اس توریت کی تصدیق کرتا ہوا پیچھے چلایا جو کہ اس کے آگے تھی اور ہم نے اس کو انجیل دی جس میں ہدایت اور نور تھا (اور وہ (بھی) توریت کی تصدیق کرنے والی تھی جو کہ اس کے آگے تھی اور ہدایت اور متقیوں کے لئے وعظ تھی (اور دنیا جانتی ہے کہ اہل انجیل کی اصل شریعت کی کتاب توریت ہی ہے اور انجیل بجز چند اخلاقی اصلاحوں کے اور کوئی علیحدہ شریعت ہر گز نہیں لائی اور فرمایا کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ) اہل انجیل اس کے ساتھ حکم دیں جو کہ اللہ نے اس میں (اخلاق سے اور توریت کی شریعت پر عمل کرنے کی تاکید سے) نازل کیا ہے (اور پھر یہ بھی ہم نے بتادیا تھا کہ) جس نے اس کے ساتھ حکم نہ دیا جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے تو وہ لوگ پکے حکم عدولی کرنے والے ہیں۔

مفسرین کی مشکل:

(مفسرین کو اس ع میں بڑی مشکل آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں تین دفعہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ آیا ہے لیکن ایک جگہ تو اس کا حکم یہ بتایا ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ اور دوسری جگہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور تیسری جگہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ آیا ہے حالانکہ کفر، ظلم اور فسق جدا جدا چیزیں ہیں اور ان کے جدا جدا اسباب ہیں اور جدا جدا احکام ہیں تو اس کے جواب میں مفسرین نے از خود بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں لیکن کوئی تسلی بخش بات نہیں لائے پر کاش وہ قرآن مجید ہی کو دیکھتے اور سوچتے تو ان کو اس سے نہایت تسلی بخش جواب مل جاتا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ پہلے مقام کے اوّل اس بات کا ذکر ہے کہ توریت میں اس عظیم الشان رسول پر ایمان لانے کی سخت تاکید کی گئی تھی اور پھر اس تاکیدی حکم کی نسبت یہ حکم تھا کہ جس نے مَآ اَنْزَلَ کے ساتھ حکم نہ دیا وہ پکے کافر ہیں تو اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ یہود کے جن علماء نے آنحضرتؐ کے وقت یہود کے دریافت پر یہ کہا تھا کہ یہ وہ نبی نہیں جس کی توریت میں خبر دی گئی تھی بلکہ وہ تو بنی اسرائیل میں سے ہو گا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ وہ یہی ہے اور ان کا یہ کہنا محض لوگوں کے خوف اور دنیا کے طمع کی وجہ سے تھا وہ یقیناً پکے کافرین تھے۔

پھر دوسرے مقام کے پہلے یہ ذکر ہے کہ یہود کو ہم نے یہ حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے میں جان لی جائے اور آنکھ کے بدلے آنکھ الخ اور اسی حکم کی نسبت ان کو یہ کہا گیا تھا کہ جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ساتھ حکم نہ دے گا وہ پکے ظالم ہوں گے اور ظاہر ہے کہ اس کے خلاف حکم دینا جیسا کہ یہود کے علماء نے کیا تھا کہ شریف اور امیر کی جان رزیل اور غریب کے بدلے نہ لی جائے اور مرد کی جان عورت کی جان کے بدلے نہ لی جائے یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے اور تیسرے مقام سے پہلے انجیل کا ذکر ہے۔ جس میں شریعت توریت پر چلنے کا حکم ہے اور محض چند اخلاقی اصلاحوں کے سوا اس میں اور کوئی احکام نہیں ہیں بلکہ پیشین گوئی ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اور انہی اخلاقی اصلاحوں کی نسبت یہ حکم تھا کہ اہل انجیل اس کے مطابق حکم دیں جو کہ اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور پھر اسی کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ جو مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ساتھ حکم نہ دے گا وہ پکے فاسق اور حکم عدولی کرنے والے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان اخلاقی اصلاحوں کی خلاف ورزی بجز فسق کے اور کیا ہے۔ یہ مقام مفسرین کے نزدیک بڑا معرکۃ الآراء ہے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ بھی خداوند تعالیٰ کے خاص فضلوں سے ہے جو کہ ہم سے بڑے بڑے مفسرین پر نہیں کھلا لہٰذا اس کو ضرور یاد رکھنا چاہیئے۔

تو جب یہود اور نصاریٰ کا مَآ اَنْزَلَ کے ساتھ حکم کرنے کی نسبت حال بیان ہوا تو اس سے جو سبق اہل اسلام کو حاصل کرنا چاہیئے تھا اس کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ پھر) ہم نے تمہاری طرف کامل کتاب حق کے ساتھ اتاری جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے آگے ہے اور اس پر محافظ ہے (یعنی پھر ہم نے قرآن مجید نازل کیا جس نے توریت میں ملائی ہوئی غلطیوں اور تحریفوں کو غلط اور اس کے صحیح اصول کو صحیح قرار دیا اور پھر وہ ان صحیح صداقتوں کا خود محافظ اور نگران ہے) سو (اے ہر ایک مخاطب جو کہ ذی علم اہل اسلام سے ہے یا اے نبی) تم ان کے درمیان اس کے ساتھ حکم کرو جو کہ اللہ نے اُتارا ہے اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے اعراض کر کے تم ان کی گری ہوئی خواہشوں کے مت تابع ہو (اور پھر اس کی وجہ بیان کرنے کے لئے "کہ کیوں ایک ہی شریعت کا ملہ

ابتداء میں نازل کر کے سب قوموں اور زمانوں کے لئے اسی کو جاری نہ رکھا حالانکہ جس طرح وہ قرآن مجید کی حفاظت بذمہ خود لے کر تاخاتمہ نظام موجود قائم رکھ سکتا ہے اسی طرح اس کو بھی قائم رکھ سکتا تھا۔" فرمایا کہ) تم میں سے ہر ایک (قوم) کے لئے ہم نے گھاٹ کا راستہ اور واضح راہ بنائے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی (مذہب پر چلنے والی) قوم بنا دیتا ولیکن تا کہ تمہارا اندرونہ اس میں ظاہر کر دے جو کہ اس نے تم کو دیا ہے (یعنی اس طریق میں علاوہ قوم کی مناسبت اور قابلیت اور عدم مناسبت اور عدم قابلیت کے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ موجودہ طریق میں لوگوں کی حق پرستی اور نفس اور قوم اور رسم و عادت پرستی وغیرھا خوب ظاہر ہو جائے) سو تم بھلائیوں کی طرف بڑھو۔ تم سب کا اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ سو وہ تم کو اس پر آگاہ کرے گا جس میں تم اختلاف کر رہے ہو (یہ اصول فیصلہ بتایا ہے کہ ایسے اختلافات میں خیرات کا پہلو اختیار کرو۔

باقی رہا قطعی فیصلہ کہ جس میں کوئی چون وچرا نہ رہے سو یہ قیامت کو ہو گا دنیا میں نہ یہ ہوا ہے اور نہ ہو گا ورنہ ایمان بالغیب نہ رہے گا جو کہ محل ثواب و امتیاز ہے پھر تاکید فرمائی) کہ تم اس کے ساتھ فیصلہ کرو جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچو کہ کہ وہ تم کو اس میں سے بعض سے پھیر کر فتنہ میں نہ ڈال دیں جو کہ اللہ نے تمہاری طرف اتارا ہے۔ سو تم یقیناً جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کی بعض قصوروں کی سزا ان کو پہنچائے اور ان میں سے اکثر حکم عدولی کرنے والے ہیں۔ کیا وہ (ایسا کرتے ہیں یعنی رسول اللہؐ کے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ساتھ فیصلہ کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔ پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور کون یقین کرنے والے لوگوں کے لئے اللہ سے بڑھ کر اچھے حکم والا ہے (یعنی کوئی نہیں ہے)

(تفسیر القرآن جلد 6 نمبر 3، 2 بابت ماہ اپریل، مئی، جون، جولائی، اگست، ستمبر 1911ء صفحہ 99-300)

آیت 52 تا 57: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ۔ وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ۔ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

تشریح:

يَتَوَلَّ۔ تَوَلّٰی سے ہے، کسی کو ولی بنانا اور وَلِیٌّ کے معنے دوست وغیرہ کے پہلے بیان ہو چکے ہیں اور یہاں پر دوست اور مدد گار ہی کے معنوں میں ہے اور اسی کی جمع اَوْلِیَاءُ ہے۔

يُسَارِعُوْنَ۔ مُسَارَعَةٌ سے ہے، بہت جلدی کرنا۔

دَائِرَةٌ کے اصلی معنے گھومنے والی چیز کے ہیں اور گردش فلکی یا زمانی پر اور بار بار آنے والے مصائب پر بولا جاتا ہے۔

یُصْبِحُوْا۔ اِصْبَاحٌ سے ہے، ہو جانا یا صبح کے وقت میں کسی امر کا ہونا یا صبح کے وقت میں داخل ہونا۔

اَسَرُّوْا۔ اِسْرَارٌ سے ہے، پوشیدہ کرنا۔

جَھْدٌ۔ کوشش اور پختگی۔ اَذِلَّۃٌ۔ ذَلِیْلٌ کی جمع ہے۔

اور اَعِزَّۃٌ۔ عَزِیْزٌ کی جمع ہے۔

لَوْمَۃٌ۔ ملامت۔ حِزْبٌ۔ گروہ اور جماعت۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم یہود اور نصاریٰ کو دوست (یا مددگار) نہ بناؤ (کیونکہ) ان میں سے بعض بعض کے مددگار (یا دوست) ہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا تو یقیناً وہ ان ہی میں سے ہو گا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا (یا نہیں دے گا) سو تم ان لوگوں کو ان میں بہت جلدی کرتے (یا بہت جلد گھستے) پاؤ گے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم کو کوئی گردش پہنچے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ فتح یا کوئی اور امر اپنے پاس سے لائے تو یہ لوگ اس پر نادم ہوں جس کو انہوں نے اپنے جیئوں میں پوشیدہ رکھا تھا اور وہ لوگ کہیں گے جو کہ ایمان لائے ہیں کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ کے ساتھ پختہ قسمیں کھاتے تھے کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال برباد ہو گئے لہٰذا وہ خسارہ پانے والے ہو گئے۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہو گا تو اللہ ایسے لوگ لائے گا جن کو وہ پسند کرے گا اور وہ اس کو پسند کریں گے مومنوں پر وہ بے عزت ہوں گے (پر) کافروں پر عزت والے ہوں گے۔ اللہ کے راستے میں وہ کوشش کرتے ہوں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے اس کو یہ دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، بہت جاننے والا ہے۔ تمہارا دوست (یا مددگار) تو اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو کہ ایمان لائے ہیں جو کہ نماز کو قائم کرتے رہتے اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور وہ فرمانبردار (یا رکوع کرنے والے) ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس

کے رسول اور ان لوگوں سے دوستی رکھے گا (یا مدد گار بنائے گا) تو یقیناً اللہ ہی کا گروہ غالب ہونے والا ہے۔

تفسیر:

جب اہل کتاب کی گمراہی اور بے دینی اور دنیا پرستی مفصل بیان ہوئی اور یہ بھی کہ وہ کسی طرح حق کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتے بلکہ وہ حق پرستوں اور حق کی طرف بلانے والوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور ایسے طریق سے یہ کوشش کرتے ہیں جو کہ نہایت خطرناک اور سخت مضر ہوتی ہے تو ان کی اس حالت سے اہل اسلام کو ان کے ساتھ جس تعلق کے رکھنے سے مذکورہ بالا نقصان پہنچ سکتا تھا اس تعلق سے منع کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے ایمان لانے والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست (اور مدد گار) مت بناؤ (اس لئے کہ کوئی کسی کو دوست اور مدد گار اس لئے بنایا کرتا ہے کہ اس کی دوستی اور امداد سے اس کو دینی یا دنیوی فائدہ پہنچے پر ان کی یہ حالت ہے کہ) ان میں سے بعض بعض کے لئے دوست (اور مدد گار) ہیں (یعنی ان کی فطرت ہی ایسی واقع ہوئی ہے اور یہی ان کا مقتضٰی طبعی اور یہی ان کی عادت مستمرہ اور سنت جاریہ ہے کہ سوائے اپنے لوگوں کے دوسرے لوگوں کو ان سے ہرگز کوئی دنیوی فائدہ نہیں حاصل ہوتا اور نہ وہ خود پہنچاتے ہیں اور یہ بالکل امر حق ہے اور واقعات اس کے شاہد ناطق ہیں مثلاً ابتداء اسلام میں مدینہ کے اہل کتاب نے باوجود معاہدہ کے اہل اسلام کو بجائے فائدہ کے نقصان ہی پہنچایا ہے اور ٹرکی کو جرمن کے دوستانہ سے یا دوسرے لوگوں کو دول یورپ کے دوستانوں سے جو کچھ فوائد ملے ہیں خداوند تعالیٰ وہ کسی دشمن کو بھی نصیب نہ کرے اور یہ بالکل سچا علم الغیب اور اٹل پیشین گوئی ہے پر افسوس کہ زیادہ تر اس کو وہی بھولتے رہے ہیں جو کہ قرآن مجید کے متبع ہونے کے مدعی رہے ہیں اور دینی فائدہ اس لئے نہیں کہ) جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی بنائے گا (یا ان سے امداد چاہے گا) تو یقیناً وہ انہی سے ہو گا (کیونکہ یہ تو سب اہل حق کو حق سے روگردان کرکے اپنے جیسا بنانا چاہتے ہیں اور اس میں خوب مشاق ہیں۔ لیکن دوست تو ضرور دوست جیسا بنتا ہے اور دینی فائدہ بھی اسی طرح ہوتا ہے کہ

نیک دوست کی صحبت اور نصیحت سے متاثر ہو کر اسی جیسا ہو جاتا ہے اور پھر دوست اور ممنون احسان شخص اپنے دوست اور معین و محسن کی باتوں پر اعتماد کرتا اور ان سے متاثر ہوتا اور ان کی پیروی کرتا ہے۔

لہٰذا اہل اسلام سے جب کوئی ان کا دوست ہو گا یا ان کی امداد کا ممنون احسان بنے گا اوّل تو وہ خود ہی ان جیسا بنے گا اور اگر خود نہ بنا تو ضرور یہ اس کو حق سے پھیر کر اپنے جیسا بنانا چاہیں گے کیونکہ ان کی حالت کا صحیح نقشہ یہی ہے کہ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ [1] (البقرۃ:121) اور وہ ان سے متاثر ہو کر ان کی پیروی کر کے انہی جیسا اور انہی میں سے ایک ہو جاوے گا اور وہ جیسے نیک و بد ہیں اس کا حال پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے اور مفسرین نے چونکہ عموماً اس لطیف مطلب کو نہیں سمجھا اس لئے اکثروں نے تو یہ کہا ہے کہ بطور تشدد کے خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو دوست رکھنے والا ان سے اور ان کے حکم میں ہوتا ہے ورنہ تو حقیقت میں وہ ان سے نہیں ہوتا کیونکہ وہ مومن ہے اور وہ کافر ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ حقیقۃً وہ ان جیسا کافر ہو جاتا ہے پر انہوں نے اپنے پاس سے یہ قید بڑھا دی ہے کہ جب وہ ان کو ان کے یہودی اور نصرانی ہونے کی وجہ سے دوست رکھے اور بعض نے کہا ہے کہ حقیقۃً وہ ان سے ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ آیت مومنوں کے بارہ میں نہیں نازل ہوئی بلکہ یہ منافقوں کے حق میں ہے جو کہ بظاہر تو مومن کہلاتے تھے اور اندر سے یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھتے تھے۔

چنانچہ ابن جریر نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اُحد کا واقعہ ہوا تو بعض پر خوف بہت بڑھ گیا تو ایک شخص نے کہا کہ میں تو فلاں یہودی کے پاس چلا جاؤں گا اور اس کی امان میں داخل ہو جاؤں گا اور اسی کا مذہب اختیار کر لوں گا اور دوسرے نے اسی طرح کہا کہ میں فلاں نصرانی کے پاس چلا جاؤں گا اور نصرانی ہو کر اس کی امان میں داخل ہو جاؤں گا تو ان دونوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

[1] اور (یاد رکھ کہ) جب تک تو ان کے دین کی پیروی نہ کرے یہودی تجھ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے اور نہ ہی مسیحی (خوش ہوں گے)۔ (تفسیر صغیر)

لیکن صحیح اور صاف مطلب وہی ہے جو کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ تو یہ بتانے کے لئے کہ ان میں سے ہو جانے سے اس کو کیا نقص لاحق ہو گا۔ نیز یہ بتانے کے لئے کہ باوجود یہ حکم ہو جانے اور ان کی دوستی کے بے فائدہ بلکہ سخت مضر ہونے کے کچھ لوگ پھر بھی ان کو دوست و مددگار بنائیں گے فرمایا کہ) یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو (جو کہ دیدہ و دانستہ حق پر باطل کو اختیار کرتے ہیں یا دیدہ و دانستہ شرک کو اختیار کرتے ہیں) ہدایت نہیں کرتا۔

(یعنی جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے ظلم کے باعث سے ہدایت کے قابل نہیں رہے اسی طرح ان کو دوست و انصار بنانے والے بھی ہدایت سے محروم رہیں گے اور اسی طرح گو ان کی دوستی کا سخت مضر ہونا بتایا گیا ہے اور واقعات اس کے شاہد ناطق ہیں پر ظالم لوگ اس مضر ترین دوستی کو اختیار کریں گے کیونکہ وہ اپنے اس صریح اور بدترین ظلم کے باعث سے اس حد کو پہنچ گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہ دے اور ان لوگوں کے تعیین کرنے کے لئے اور ان کا نشان خاص بتانے کے لئے اور ان کی اس حکم کی خلاف ورزی اور اس کی صورت اور وجہ بتانے اور اس کی تردید کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم ان کو دیکھو گے جن کے دلوں میں بیماری ہے (اور دوسرے مقامات سے صاف صاف ثابت ہے کہ دلوں کی بیماری والے منافق ہوتے ہیں اور دلوں کی بیماری سے وہ چیز مراد ہے جو کہ نفاق کے لئے بمنزلۂ تخم اور منبع کے ہے اور وہ غلبۂ محبت دنیا و مال و جاہ اور فقدان قوت فیصلہ و عدم تاب مقابلہ ہے اور یہی ان کا نشان خاص ہے اور اسی سے ان کی تعیین ہوتی ہے اور یہی مرض ان کی اس حکم عدولی کا باعث ہے اور اسی وجہ سے اس کو یہاں پر ذکر فرمایا ہے ورنہ قواعد کے لحاظ سے نفس اس مضمون کے ادا کرنے کے لئے اسی قدر عبارت کافی تھی کہ فَتَرَاهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ) کہ وہ ان (کی دوستی) میں بہت جلدی کرتے ہوں گے (اور یہ ان کی حکم عدولی اور اس کی نسبت جرأت اور دلیری ہے اور اس کا جو عذر کہ وہ پیش کریں گے وہ یہ ہو گا کہ) وہ کہیں گے کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں کہ ہم کو کوئی گردش پہنچے۔

دائرہ سے مراد:

(دائرہ اصل میں تو اس گول سطح یا خط کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر ایسا نقطہ فرض

کیا جاسکے کہ اس سے جس قدر خطوط اس خط محیط تک کھینچے جاویں تو وہ برابر ہوں اور کسی چیز کے ایسے خط پر حرکت کرنے کو بھی دائرہ کہا کرتے ہیں لیکن مجازاً احاطہ کرنے والے مصائب کو بھی دائرہ کہتے ہیں۔ تو یہاں پر یہی معنے مراد ہیں اور مفسرین نے ان معنوں کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ یہ عذر پیش کریں گے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم کو قحط اور تنگدستی نہ پہنچے کہ پھر ہم ان سے غلہ یا قرض مانگیں اور وہ ہم کو نہ دیں تو اس ڈر سے ہم ان کو ملتے ہیں۔

دوسرے معنے یہ لئے ہیں کہ اس سے آسمانی گردش مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں کفار کو غلبہ نصیب ہو جائے تو پھر ہم کیا کریں گے۔ تو خداوند کریم نے اس کی تردید یوں فرمائی کہ) قریب ہے کہ اللہ فتح کو یا کسی اور امر کو اپنی طرف سے لے آئے تو وہ اس پر پشیمان ہوں جس کو انہوں نے اپنے جیبوں میں پوشیدہ کیا ہے (سُدَیّ اور اکثر مفسرین نے فتح سے فتح مکہ لی ہے اور بعض نے بلاد کفار کی فتح لی ہے اور جبائی نے اسی کو پسند کیا ہے اور قتادہؒ اور مقاتلؒ نے کہا ہے کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلبہ اور نُصْرَةٌ عَلَى الْاَعْدَاء[1] کا قطعی فیصلہ مراد ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ[2] سے مقاتل نے قتل اور جلاوطنی اور قید کرنا مراد لیا ہے اور حسنؒ اور زجاجؒ سے مروی ہے کہ منافقین کے نفاق کا اظہار مراد ہے اور بعض نے اس سے رأس المنافقین کی موت مراد لی ہے لیکن ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ نے فتح کو بھی مطلق رکھا ہے اور اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ کو بھی نکرہ ذکر فرمایا ہے ہاں قرینۂ مقام سے ان پر فتح مراد ہے جن سے وہ منافق ڈرتے یا امید رکھتے تھے اور جن کے غلبہ کا ان کو ظن تھا اور امر سے وہ امر مراد ہے جس سے ان کی امیدوں پر پانی پھرے یا ان کا ظن باطل ہو جائے اور ان کی اس ندامت اور خجالت کے طشت از بام ہونے کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہیں گے کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے ساتھ پختہ قسمیں کھائی تھیں کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں (یعنی اس وقت ان کا

[1] دشمنوں پر غلبہ۔ (از مرتب)
[2] اس کی طرف سے کوئی معاملہ۔ (از مرتب)

نفاق ایسا کھل جاوے گا کہ مومن لوگ تعجب سے مومنوں کو خطاب کر کے یا اپنے جی میں کہیں گے کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے (یعنی مومنوں کے) ساتھ ہیں اور مفسرین نے یہ معنے بھی اس کے بیان کئے ہیں کہ مومن ایک دوسرے کو کہیں گے کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو کہ پکی قسمیں کھا کر (یہود کو کہا کرتے تھے کہ یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

تو پہلی صورت میں تو خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے یہ اپنے آپ کو مومن ظاہر کیا کرتے تھے لیکن اب ان کا نفاق بالکل کھل گیا ہے اور دوسری صورت میں یہ ہوا کہ پہلے تو یہ لوگ یہود کی مدد کا دم بھرا کرتے تھے لیکن اب جب امداد کا موقعہ آیا تو ان کو اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ تو جب ان کا نفاق اور ان کی مخالفانہ کوشش کا اکارت ہونا سب پر ظاہر ہو چکا جو کہ مؤیّد و منصور رسولؐ کے مقابلہ میں وہ کیا کرتے تھے تو ان کی نسبت یہ بھی کہا کہ) ان کے کام (جو کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے مقابلہ پر اور ان کے تباہ اور ذلیل کرنے کے لئے بڑی سرگرمی اور جانفشانی سے کیا کرتے تھے وہ سب) اکارت ہو گئے۔ لہٰذا وہ خسارہ پانے والے ہو گئے (اور اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کے اور کام تو کچھ نہ کچھ پھل لاتے ہی ہیں پر جو جو کام وہ گروہ صادقین کے مقابلہ میں کرتے ہیں یا جو کہ وہ ریاکاری کے طور پر اخروی کام کرتے ہیں وہ سب کے سب ضائع اور اکارت ہوتے ہیں اور چونکہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ موالات اور دوستی رکھنے والوں کی نسبت بتایا تھا کہ وہ انہی سے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہو جانا ارتداد ہے اور ان میں سے ہو جانے والا مرتد ہے اور ان کے ساتھ موالات رکھنے والے حبط اعمال کے باعث سے گو جماعت مومنین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن اس میں تو شک نہیں کہ ان کی اس موالات سے ان کا ارتداد لازم آتا ہے اور ان کے ارتداد سے جماعت مومنین کی کمی ضرور لازم آتی ہے۔

تو اس کی تردید کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے ایمان لانے والو اگر کوئی تم سے (ان کے ساتھ دوستی رکھ کر) اپنے دین سے مرتد ہو گا تو آئندہ اللہ ایسے لوگ لائے گا جن کو وہ پسند کرے گا اور وہ اس سے پیار کریں گے۔ مومنوں پر وہ ذلیل ہوں گے۔ کافروں پر عزت

والے ہوں گے۔ اللہ کے راستہ میں وہ کوشش کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے گا یہ دے گا اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے۔

گیارہ مرتد اقوام:

(مفسرین نے اس کو عام مرتدین کا حکم قرار دیا ہے اور پھر بتایا ہے کہ گیارہ قومیں ابتداء میں مرتد ہوئی تھیں اور یہ آیت کریمہ ان کی نسبت پیشین گوئی تھی۔ ان میں سے تین تو آنحضرتؐ کے زمانہ میں مرتد ہوئی تھیں۔

نمبر1: بنو مدلج جن کا رئیس اسود عنسی ذوالخمار تھا اور وہ کاہن تھا اور پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور ملک یمن پر تسلط پاکر اس نے آنحضرتؐ کے عُمّال کو نکال دیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عامل معاذ بن جبلؓ اور سردار ان یمن کو لکھا تو خداوند تعالیٰ نے فیروز دَیلمی کے ہاتھ سے اُسے قتل کرادیا تھا اور اسی رات کو آپ نے وحی سے اس کے قتل کی خبر سنائی تھی اور صبح کو حضورؐ کا وصال ہوا تھا۔

نمبر2: بنو حنیفہ مسیلمۃ الکذاب بن حبیب کی قوم اور اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا تھا جس میں اس نے آپ کو بھی رسول اللہ تسلیم کیا تھا لیکن لکھا تھا کہ میں رسالت میں آپ کے شریک کیا گیا ہوں تو نصف ملک میرا ہے اور نصف قریش کا لیکن قریش لوگ حد سے تجاوز کرتے ہیں اور حضورؐ نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ[1] (الاعراف:129) اور یہ حضورؐ کے آخری سال کا واقعہ ہے اور پھر حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا تو وحشی غلام قاتل حمزہؓ کے نیزہ اور عبد اللہ بن زید انصاریؓ کی تلوار کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے اس کو ہلاک کیا۔

نمبر3: بنو اسد طلیحہ بن خویلد کی قوم جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضرت ابو بکرؓ

[1] ملک تو اللہ کا ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث کر دیتا ہے اور (اچھا) انجام متقیوں کے ہی ہاتھ رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیجا تو وہ بھاگ کر ملک شام میں چلا گیا اور وہاں جا کر مسلمان ہو گیا اور پھر اس نے اپنے اسلام کو سچا کر دکھایا اور سات قومیں حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہوئی تھیں۔

نمبر1: قوم فزارہ جو کہ عیینہؓ بن حصین کی قوم تھی۔ **نمبر2:** غطفان۔ **نمبر3:** بنو سلیم۔ **نمبر4:** بنو یربوع مالک بن نویرہ کی قوم۔ **نمبر5:** بنو تمیم میں سے سجاح بنت المنذر کی قوم اور یہ ایک کاہنہ عورت تھی اور پھر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مشہور ہے کہ اس نے مسیلمہ کے ساتھ شادی کر لی تھی اور صحیح یہی ہے کہ وہ سچی مسلمان ہو گئی تھی۔ **نمبر6:** کندہ اشعث بن قیس کی قوم۔ **نمبر7:** بنو بکر بن وائل جو کہ بحرین میں تھے اور سب قوموں کو حضرت ابو بکرؓ نے درست کیا تھا اور ایک قوم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مرتد ہوئی تھی اور وہ غسان میں سے جبلۃ بن ایہم کی قوم تھی اور اسی طرح اُس قوم کی تعیین کی بھی انہوں نے کوشش کی ہے جس کے لانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ سو مشہور تو یہ ہے کہ اس سے اہل یمن مراد ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ابی موسیٰ اشعری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ اس کی قوم ہیں۔

(تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 96 دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان طبع اوّل 2001ء)

اور حسن اور قتادہ اور ضحاک نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابو بکرؓ اور آپ کے ہمراہی ہیں اور سُدَیّ سے مروی ہے کہ وہ انصار ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ قادسیہ کے عظیم و شدید جنگ میں لڑے تھے جن میں سے دو ہزار تو نخع سے تھے اور پانچ ہزار کندہ اور بُجَیلہ سے تھے اور تین ہزار دوسرے لوگ تھے اور امامیہ نے کہا ہے کہ یہ حضرت علیؓ اور آپ کے وہ شیعہ ہیں جو کہ جنگ جمل اور صفین میں آپ کے ہمراہ تھے اور ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ مہدی اور اس کے اتباع ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ اہل فارس ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے سلمان فارسی کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا تھا کہ هٰذَا وَقَوْمُهٗ۔ یعنی وہ یہ اور اس کے لوگ ہیں اور بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کے نزول کے وقت یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ [1] (محمد:39) کے نزول کے وقت فرمایا تھا۔

(سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ محمد ﷺ حدیث نمبر 3260)

لیکن ظاہر ہے کہ مطلب دونوں آیتوں کا ایک ہی ہے اور گو حق یہی ہے کہ ایسے مقامات میں تعیین صحیح نہیں ہے بلکہ تعمیم ہی قرآن مجید کے الفاظ اور مراد کے مناسب ہوتی ہے اور جو جو تعیین مروی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی اس کا مصداق ہے اور اور کوئی نہیں بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ یہ بھی ان میں سے ایک ہے لیکن تاہم فارس پر یہ بہت ہی چسپاں ہے یا بلفظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ وہ اس کے اعلیٰ ترین فرد ہیں اور واقعات اس کے شاہد ہیں کہ جس جس حصہ میں اہل عرب یا دوسرے اہل اسلام نے تولّی کی ہے اور اس کا حق ادا نہیں کیا تو اس حصہ کی حق ادائی کے لئے خداوند تعالیٰ نے اہل فارس ہی سے اپنے بندے اُٹھائے ہیں۔

مثلاً علوم میں اور خصوصاً جمع احادیث میں جب اہل عرب نے کماحقہ حصہ نہ لیا تو فارس سے ہر حصہ ٔعلم میں اور خصوصاً علوم دین اور پھر خاص کر علم حدیث میں اہل علم اور ائمہ ٔ دین قائم کئے۔ اس طرح بادشاہت و سلطنت اور حکمرانی میں پھر اخیر امامت حقہ اور خلافت روحانیہ اور تجدید دین میں جب قریش میں 12 امام اور خلیفے اور مجدد ہو چکے جیسا کہ وعدہ تھا اور بعد ازاں ان میں اس عہدہ جلیلہ کی تحصیل اور اس کے فرائض کی ادا کی استعداد نہ رہی تو اس عہدۂ جلیلہ کے لئے بھی خداوند کریم نے اہل فارس سے وہ خلیفہ اور امام اور مجدد مبعوث کیا جو کہ مہدی اور مسیح کے خطاب سے ملقب ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ [2] (الحدید:22) اور جب یہود و نصاریٰ کی موالات سے منع کیا گیا اور اس کے اختیار کرنے میں نہایت خطرناک ضرر کا اظہار کیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا کہ تمہارا مومن ہونا اور مومن کہلانا ہی اس کا مقتضی ہے کہ تم ان کی موالات اختیار نہ کرو تو اب یہ بتانے کے لئے کہ پھر ان کا ایمان کس کی موالات کو چاہتا ہے اور

[1] اور اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمہاری جگہ ایک اور قوم کو بدل کر لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح (سستی کرنے والے) نہیں ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

[2] یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو پسند کرتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

موالات کا اصل ثمرہ جو کہ غلبہ ہے وہ کس کی موالات سے حاصل ہو سکتا ہے تا کہ مومن اس سے موالات رکھیں۔ فرمایا کہ) تمہارا دوست (اور مددگار) تو اللہ اور اس کا رسول اور وہی لوگ ہیں جو کہ ایمان لائے ہیں اور جو کہ نماز کو قائم کرتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں (اور ایسا کرتے ہوئے وہ نہ خدا پر احسان رکھتے ہیں اور نہ متکبر اور خود پسند بنتے ہیں بلکہ) وہ عاجزی (اور تواضع) کرنے والے ہوتے ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو ایمان لائے ہیں (تو وہ اللہ کے گروہ سے ہے) سو یقیناً اللہ ہی کا گروہ غالب ہونے والا ہے۔ (مفسرین نے لکھا ہے کہ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ پہلے دونوں فعلوں کے فاعل سے حال ہے یعنی وہ رکوع کرتے ہوئے نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ رکوع بمعنے خشوع اور تواضع کے ہے اور لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رکوع بمعنے نماز کے رکوع کے ہو اور یہ دوسرے فعل ہی کے فاعل سے حال ہو اور معنے یہ ہوں کہ وہ رکوع کرتے ہوئے زکوٰۃ دیتے ہیں یعنی احسان اور دوسروں کے ساتھ بھلائی کا ان کو ایسا شوق ہے کہ رکوع جیسے فعل کے وقت میں بھی وہ اس کو ادا کر لیتے ہیں۔

شیعوں کا عقیدہ خلافت بلا فصل:

ہمارے شیعہ بھائیوں کو خداوند کریم ہدایت دے کہ انہوں نے اپنے مطلب کے نکالنے کے لئے بہت کچھ قرآن مجید پر ہاتھ صاف کیا ہے اور یہ آیت کریمہ بھی ان کے کارناموں کی ایک یادگار ہے۔ ان کا یہ طریق ہے کہ جب کسی آیت کو اپنا مؤید بنانا چاہتے ہیں تو پہلے کسی روایت کے ذریعہ سے۔ اس کی ایک تفسیر قرار دیتے ہیں خواہ وہ الفاظ قرآنیہ سے ہزاروں کوس کیوں دُور نہ ہو اور پھر اس تفسیر کی رو سے اس سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہاں پر پہلے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابن سلام اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ آیا اور وہ آپ پر ایمان لائے اور کہا کہ ہمارے گھر بہت دُور ہیں ور ہمارے لئے سوائے قوم کی مجلس کے نہ کوئی اور مجلس ہے اور نہ باتوں کی جگہ ہے اور ہماری قوم نے جب ہم کو دیکھا کہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں تو انہوں نے ہم کو

جدا کر دیا اور اپنی مجلس میں بیٹھنے سے روک دیا ہے اور ہمارے ساتھ کوئی بات چیت نہیں کرتا اور نہ کوئی رشتہ ناطہ کا تعلق رکھتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اور اس کے بعد آپ مسجد کی طرف گئے اور لوگ کچھ نماز میں کھڑے تھے اور کچھ رکوع میں تھے۔ تو اس وقت آپ نے ایک سائل دیکھا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تجھ کو کسی نے کچھ دیا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں ایک چاندی کی چھاپ دی ہے تو آپ نے فرمایا کس نے اُس نے کہا کہ اس شخص نے جو کہ کھڑا ہے اور حضرت علیؓ کی طرف اشارہ کیا پھر آپ نے دریافت کیا کہ کس حالت میں دی ہے تو اس نے کہا رکوع کرتے ہوئے تب آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور اس آیت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بلا فصل پر استدلال اس طرح کیا ہے کہ بالاجماع ثابت ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت علیؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ولی بمعنے متصرف و متولی فی اُمور الناس کے ہے اور چونکہ آپ کی ولایت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہؐ کی ولایت کے ساتھ ملائی گئی ہے لہٰذا جس طرح ان کی ولایت عامہ ہے یعنی وہ متصرف و متولی فی جمیع امور الناس ہیں اسی طرح آپ کی ولایت بھی عامہ ہے اور یہی خلافت حقہ اور امامت عامہ ہے اور چونکہ کلمہ اِنَّمَا کا مفید حصر ہے اس لئے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بجز آپ کے اور کوئی ولایت عامہ والا نہیں نہ ابو بکر اور نہ عمر اور نہ عثمان بلکہ آپ ہی ہیں اور یہی خلافت بلا فصل ہے۔

حقیقت میں یہ استدلال تو اس قدر غلط اور واہی و تباہی ہے کہ جس کے جواب کی طرف متوجہ ہونا بھی تضییع وقت میں داخل ہے لیکن بعض احباب ایسے مقامات کی نسبت بڑے زور سے سفارش کرتے ہیں کہ ضرور ایسی باتوں کا جواب دیا جائے۔

سو میرے خیال میں سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اگر یہ استدلال بفرض محال صحیح ہے تو پھر اہل سنت والجماعت کی نسبت شیعہ کا زیادہ نقصان ہے اس لئے کہ اِنَّمَا کے حصر سے اگر سنیوں کے تین خلیفوں کی خلافت باطل ہوتی ہے تو شیعہ کے یازدہ (گیارہ) اماموں اور خصوصاً ان کی امیدوں کے مخزن امام مہدی کی امامت غارت ہو جاتی ہے فَمَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔[1]

[1] پس جو تمہارا جواب ہو گا وہی ہمارا جواب ہے۔ (از مرتب)

دوم اس کے پہلے آیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ اور بعد میں آیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ[1] (المائدۃ:58) بلکہ یہود و نصاریٰ کی تَوَلّٰی سے منع کر کے اللہ و رسول اور الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ کی تَوَلّٰی کا ارشاد کیا ہے اور اس ارشاد کے بعد بطور نتیجہ و تفریع الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ کی موالات سے منع کیا ہے جس سے بالبداہت ثابت ہے کہ ولایت کے جو معنے ماقبل اور مابعد میں ہیں وہی یہاں پر بھی ہیں اور اظہر من الشمس ہے کہ ماقبل و مابعد میں بجز دوستی اور مدد کے اور معنے نہیں ہیں اور خصوصاً متولی اور متصرف فی جمیع امور الناس کے ہرگز ہرگز نہیں ہیں لہٰذا یہاں پر بھی وہ معنے ہرگز ہرگز نہیں ہیں۔ سوم حصر کی ضرورت تو اس امر میں ہوتی ہے کہ جس میں اشتراک کا پہلے احتمال موجود ہو لیکن ولایت عامہ میں یہود و نصاریٰ اور کفار کی شرکت کا مومنین کے لئے ہرگز احتمال موجود نہ تھا۔

چہارم بڑی کھلی اور پکی بات یہ ہے کہ سب کے نزدیک مسلم قاعدہ ہے جہاں سبب نزول کوئی خاص امر ہو اور الفاظ قرآنی عام ہوں تو وہاں پر عموم ہی مراد ہوتا ہے اور خصوص کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور یہاں پر علی سبیل التسلیم گو سبب نزول خاص حضرت علیؓ ہیں پر اَلَّذِیْنَ اور اٰمَنُوْا اور یُقِیْمُوْنَ، یُؤْتُوْنَ، یُجَاهِدُوْنَ، هُمْ، رَاكِعُوْنَ وغیرھا سب الفاظ جمع اور عام ہیں اور حقیقت میں حصر بھی ان کے سوا کی نسبت ہے نہ ان میں سے ایک میں۔

پنجم یہ کہ یہ بھی غلط ہے کہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علیؓ ہی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ ابو بکر نقاش نے اپنی مشہور تفسیر میں محمد باقر سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ مہاجرین اور انصار کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ تو کسی نے کہا کہ ہم نے تو سنا ہوا ہے کہ یہ تو حضرت علیؓ میں نازل ہوئی ہے تو کہا کہ ہاں بے شک وہ بھی مہاجرین سے ہیں اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن جریر وغیرہ نے بھی امام باقر سے ایسا ہی روایت کیا ہے اور یہ روایتیں جمع کے صیغوں کے ساتھ زیادہ مناسب ہیں اور بعض مفسرین نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ یہ ابو بکرؓ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔

[1] اے ایماندارو! جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، ان میں سے جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل (کی چیز) بنا رکھا ہے ان کو اور (ان کے سوا دوسرے) کافروں کو (اپنا) مددگار نہ بناؤ۔ (تفسیر صغیر)

پس حق یہی ہے کہ رکوع سے خشوع اور عاجزی مراد ہے اور اگر رکوع سے نماز کا رکوع لیں تو پھر یقیناً زکوٰۃ کو اپنے اصلی معنوں سے پھیر کر بمعنے سائل کو دینے کے لیا جائے گا حالانکہ رکوع تو ان معنوں میں مشہور ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے جیسا کہ عموماً محققین نے وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ[1] (آل عمران:44) میں بیان کیا ہے کیونکہ ان میں رکوع نہ تھا پر زکوٰۃ ان معنوں میں نہ مشہور ہے اور نہ قرآن مجید میں آئی ہے۔

[1] اور صرف موّاحدانہ پرستش کرنے والوں کے ساتھ مل کر موّاحدانہ پرستش کر۔ (تفسیر صغیر)

آیت 58 تا 67: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ۔ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ۔ وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

هُزُؤٌ کے اصل معنے تو ہلانے اور حقیر کرنے کے ہیں اور مسخری سے چونکہ یہ دونوں باتیں ہوتی ہیں لہٰذا اس کا استعمال مسخری میں اس قدر ہوا ہے کہ عامۃ الناس اب یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے اصل معنے ہی مسخری کے ہیں۔

اسی طرح لَعِبٌ کے بھی اصل معنے بچے کے منہ سے لعاب بہنے کے ہیں اور چونکہ یہ حالت عموماً اس وقت ہوا کرتی ہے جبکہ بچوں کا خیال اور ان کی طبیعت کسی امر میں ایسی لگ جائے کہ وہ سب طرف سے بالکل اسی کی طرف کھچے جائیں اور یہ حالت کھیل کے وقت عموماً ان پر پیش آتی تھی لہٰذا اس کا کھیل میں استعمال اس کثرت سے ہوا ہے کہ اب کھیل ہی اس کے اصل معنے خیال کئے جاتے ہیں۔

تَنْقِمُوْنَ۔ نَقْمَةٌ سے ہے اور اس کے بعد عموماً مِنْ آیا کرتا ہے اور اس کے معنے ہوتے ہیں کسی سے کوئی چیز اس قدر بری منانی کہ اس کا بُرا ماننا بغض کی حد تک پہنچا ہو۔

اُنَبِّئُ۔ تَنْبِيْأٌ سے ہے، جو کہ نَبَأٌ سے ہے، خبر دینا۔

مَثُوْبَةٌ۔ کام کی جزاء خواہ اچھی ہو یا بری لیکن عام استعمال میں اکثر اعمال خیر کی جزاء میں استعمال ہوتا ہے۔

قِرَدَةٌ۔ قِرْدٌ کی جمع ہے، بندر۔ عَبَدَ۔ عبادت سے ہے۔

طَاغُوْتٌ۔ طَاغِيٌ بمعنے سرکش کا مبالغہ ہے۔

سُحْتٌ اور رَبَّانِيُّوْنَ اور اَحْبَارٌ کے معنے گذر چکے ہیں۔

مَغْلُوْلَةٌ۔ غِلٌّ سے ہے، باندھنا اور ہاتھ کڑی لگانا اور غِلِّ يَد کنایہ ہوتا ہے بخل اور عجز و فقر اور بندش اور ترک امداد سے اور غُلّتْ بھی اسی سے ہے۔

مَبْسُوْطَتَانِ۔ مَبْسُوْطَةٌ کا تثنیہ ہے اور بَسْطٌ سے ہے، فراخ کرنا اور پھیلانا اور بَسْطِ یَد سخاوت اور غنی اور امداد سے کنایہ ہوتا ہے۔

اَوْقَدُوْا۔ اِیْقَادٌ سے ہے، آگ کا جلانا۔

اَطْفَأَ۔ اِطْفَاءٌ سے ہے، آگ کا بجھانا۔

مُقْتَصِدَةٌ۔ اِقْتِصَادٌ سے ہے، میانہ روی اور اعتدال۔

ترجمہ:

ہاں اے وہ لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم اُن لوگوں سے کہ جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو حقیر (یا ہنسی) اور کھیل بنایا ہے اور اللہ سے بچو اگر تم ایمان لانے والے ہو اور جب تم نے نماز کی طرف پکارا تو انہوں نے اس کو حقیر (یا ہنسی) اور کھیل بنایا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ سمجھتے (یا اپنے آپ کو روکتے) نہیں ہیں۔ تم کہو او کتاب والو کیا تم ہم سے اسی ہی بات کو بُرا مناتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو کہ ہماری طرف اُتارا گیا اور اس پر جو کہ پہلے سے اُتارا گیا اور اس کو یقیناً تم میں سے اکثر حکم عدولی کرنے والے ہیں۔

تم کہو کیا میں اللہ کے نزدیک اس سے بدتر اجر والے کی تم کو خبر دوں۔ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر غضب کیا اور اس نے ان میں سے بندر اور خنزیر بنائے اور جس نے نہایت سخت سرکش کی پرستش کی۔ یہ لوگ بدترین مقام والے اور راستہ کے درمیان سے بہت بہکے ہوئے ہیں اور جب وہ تمہارے پاس آئے تو کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے۔ حالانکہ وہ کفر کے ساتھ داخل ہوئے اور وہ یقیناً اس کے ساتھ نکلے ہیں اور اللہ اس کو بہت جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہو کہ وہ گناہ اور تعدّی اور اپنی حرامخوری میں جلدی کرتے ہیں۔ یقیناً وہ کیا ہی بُرا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔

خدائی لوگ اور علماء ان کو ان کے بدبولنے اور ان کی حرامخوری سے کیوں منع نہیں کرتے۔ یقیناً وہ کیا ہی بُرا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ باندھا ہوا ہے۔ ان کے ہاتھ باندھے گئے اور اس کی وجہ سے لعنت کئے گئے جو کہ انہوں نے کہا ہے۔ بلکہ اس

کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اُتارا گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کو کفر اور سرکشی میں بڑھا دے گا (بڑھاتا ہے) اور ہم نے قیامت کے دن تک ان میں بُغض اور عداوت ڈال دی ہے۔

جب کبھی انہوں نے جنگ کے لئے آگ جلائی ہے تو اللہ نے اس کو بجھا دیا ہے اور وہ اس سرزمین میں فساد کے لئے دوڑتے ہیں اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں فرماتا اور اگر یقیناً اہل کتاب ایمان لاتے اور متقی بنتے تو ہم ان سے ان کی بدیاں مٹا دیتے اور ضرور ہم ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر وہ توریت اور انجیل اور اس کو قائم کرتے جو کہ ان کے رب کی طرف سے ان کی طرف اُتارا گیا ہے تو یقیناً وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔ کچھ تو ان میں سے میانہ رو گروہ ہے اور بہت سے ان میں سے (وہ ہیں کہ) کیا ہی بُرا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر:

قرآن مجید چونکہ خالق فطرت کی کتاب ہے جو کہ فطرتوں کے اختلافوں اور ان کے مذاقوں اور ان کے مقتضیات اور موثرات اور مناسبات کو بالتفصیل جانتا ہے لہٰذا جب وہ کوئی اہم امر ارشاد فرماتا ہے تو فطرتوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کے لئے بہت سے دلائل اور وجوہات بیان فرما دیا کرتا ہے۔ جب اہل کتاب کی موالات سے منع کیا جس کو خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ آئندہ اہل اسلام نے اس کو اختیار کر کے اپنے دین اور اخلاق اور املاک کو خیر باد کہنا اور برباد کرنا ہے اس لئے پہلے تو دنیوی اور دینی فائدہ اور نقصان کو دکھا کر ان کی موالات سے منع کیا لیکن چونکہ بعض لوگ موالات میں فائدہ اور نقصان کی پروا نہیں کیا کرتے بلکہ غیرت اور تعلق کو مدنظر رکھا کرتے ہیں اور خصوصاً عرب لوگ تو عموماً اسی مزاج کے تھے لہٰذا غیرت اور تعلق کے لحاظ سے ان کو ان کی موالات سے منع کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہاں او ایمان لانے والو تم ان سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور کفار کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو حقیر (ہلکا اور ہنسی) اور کھیل بنایا ہے اور اللہ سے بچو اگر تم مومن ہو (یعنی تم تو مومن ہونے کے مدعی ہو اور وہ تمہارے دین کو بے حقیقت اور بے فائدہ

سمجھتے ہیں اور اس پر تمسخر کرتے ہیں تو اس حالت میں نہ تو تمہارے اور ان کے درمیان کوئی تعلق باقی رہ سکتا ہے اور نہ تمہاری غیرت اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ باوجود تمہارے اس دعویٰ کے اور ان کی اس حالت کے تم ان کو دوست بناؤ۔

مفسرین نے عموماً الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ کو الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور الْکُفَّارَ کے ساتھ نہیں لگایا بلکہ ان کو مطلق اور عام رکھا ہے اور الْکُفَّارَ سے اہل کتاب کے سواء باقی سب کفار یا خاص مشرکین عرب مراد لئے ہیں اور یہ انہوں نے اس لئے کیا ہے کہ الْکُفَّارَ پر جر (زیر) نہیں کہ مِنْ کے بعد الَّذِیْنَ اُوْتُوا الخ پر عطف ہو۔ لیکن میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسے مقامات پر حرف جر کو مقدر کرکے اسم کو منصوب کر دیا کرتے ہیں اور بارہا محل مجرور پر عطف کرکے منصوب کر دیا کرتے ہیں کیونکہ مجرور مفعول بہ غیر صریح ہوتا ہے۔

پس نصب الَّذِیْنَ اُوْتُوا پر عطف کرنے سے ہرگز مانع نہیں ہے۔ نیز جس طرح پہلے الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰی کی موالات سے منع کرنا اور اب الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا سے منع کرنا اس کو نہیں چاہتا ہے کہ الَّذِیْنَ سے یہود و نصاریٰ کے سواء کوئی اور مراد ہوں اسی طرح الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا الخ کے بعد الْکُفَّارَ کا لانا اس کو نہیں چاہتا کہ الْکُفَّارَ سے یہود و نصاریٰ کے سواء کوئی اور کافر مراد ہوں۔

سو گو جائز یہ بھی ہے کہ اور مراد ہوں پر حق یہی ہے کہ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا یہ ان یہود و نصاریٰ کی ایک صفت ہے جو کہ ان کی موالات سے منہ پھیرنے کی اپیل مومنوں سے کرتی ہے اور الْکُفَّارَ یہ ان کی دوسری صفت ہے جو کہ ان کی موالات سے نفرت کی علیحدہ اپیل کرتی ہے اور اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ فرما کر بتایا ہے کہ ان کی موالات ایمان کے متضاد ہے اور وَ اتَّقُوْهُ کی بجائے وَ اتَّقُوا اللّٰهَ فرما کر یہ بتایا کہ اس کے اختیار کرنے میں علاوہ بے غیرت بننے اور ایمان کے خلاف کرنے اور دینی اور دنیوی عظیم الشان نقصان اُٹھانے اور بالمقابل اس کے موالات کے ہر ایک فائدہ سے محروم رہنے کے غَضَبُ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ اور عَذَابُ اللّٰهِ الشَّدِیْدِ[1]

[1] اللہ کا عظیم غضب اور اللہ کا شدید عذاب۔ (از مرتب)

کے بھی محل ٹھہروگے۔ اس کے سبب نزول میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ رفاعۃ بن زید اور سوید بن الحرث نے اظہار اسلام کیا تھا اور پھر منافق ہو گئے تھے۔

(تفسیر بحر المحیط جلد 3 سورۃ المائدہ 51 تا 75 صفحہ 526 مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت 2010ء)

اور بہت سے مومن ان سے دوستی اور محبت رکھا کرتے تھے تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تھی لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی جو لوگ تاریخ اسلام سے واقف ہیں وہ اس وقت کے یہود و نصاریٰ کی نسبت خوب جانتے ہیں کہ وہ دین اسلام کی کیسی تحقیر کرتے اور اس پر کیسا تمسخر کیا کرتے تھے۔ تو ان کے دین کے ساتھ تمسخر کرنے کی ایک خاص مثال بیان فرمانے کے لئے فرمایا کہ جب تم نماز کی طرف بلاتے ہو تو وہ اس ندا (یا نماز) کو ذلیل اور کھیل بناتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ سمجھتے نہیں۔

(بیہقی نے دلائل میں ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب مؤذن نماز کے لئے بلاتا اور مسلمان نماز کیلئے اُٹھتے تو یہود کہتے کہ قَامُوْا لَا قَامُوْا اور جب ان کو رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے تو ان پر ہنسی اور ٹھٹھہ کرتے اور ابن جریر وغیرہ نے سُدَیّ سے روایت کیا ہے کہ مدینہ میں نصاریٰ میں سے ایک آدمی تھا کہ جب وہ مؤذن کو اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللّٰهِ[1] کہتے ہوئے سُنتا تھا تو کہا کرتا کہ یہ کاذب جل جائے تو ایک دن اس کی خادمہ آگ لے کر اندر گئی اور وہ سویا پڑا تھا اور گھر والے بھی سوئے ہوئے تھے تو کوئی چنگاری گر پڑی اور مکان کو آگ لگ گئی اور اہل و عیال کے سمیت وہ اور اس کا گھر جل گیا۔

(تفسیر بحر المحیط جلد 3 سورۃ مائدہ آیت 51 تا 75 صفحہ 526 مطبع دار الکتب العلمیۃ بیروت 2010ء)

اور گو پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ جو دوستی کا فائدہ ہے وہ ان سے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہوا کرتے ہیں پر اس کی وجہ نہ بتائی تھی تو اب اس کی وجہ بتانے کے لئے اور نیز پہلے سے ترقی کرنے کے لئے کہ یہی نہیں کہ وہ تم کو دوست نہ رکھیں گے بلکہ وہ تو یقیناً تم کو ہمیشہ دشمن یقین کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے فرمایا کہ) تم کہو اے کتاب والو کیا تم ہم سے یہی سخت بُرا مناتے ہو کہ ہم اللہ پر اور اس پر جو ہم پر

[1] میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ (از مرتب)

اُتارا گیا اور اس پر جو کہ پہلے اُتار اگیا ہے ایمان لاتے ہیں یقیناً تم میں سے اکثر حکم عدولی کرنے والے ہیں (یعنی تم ہم سے بہت کچھ ناراض ہو پر اس ناراضگی کی وجہ بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے کہ ہم اللہ پر اور اس کی پہلی اور پچھلی وحی پر ایمان لائے ہیں اور تم میں سے اکثر خداوند تعالیٰ اور اس کی پہلی وحی کی حکم عدولی کرنے والے ہیں اور ظاہر ہے کہ حکم عدولی والے مومن سے نہ کبھی راضی ہوسکتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ وہ صلح کرسکتے ہیں جب تک کہ وہ مومن ہے اوراسی مضمون کو خداوند تعالیٰ دوسرے مقام پر بدیں الفاظ بیان فرمایا ہے کہ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ [1] (البقرۃ:121)

مفسرین نے اس آیت کی ترکیب نحوی میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے کہ تَنْقِمُوْنَ کا مفعول بہ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا الخ ہے کوئی کہتا ہے کہ نہ اس کا مفعول بہ محذوف ہے اور یہ اس کا مفعول لہ ہے۔ پھر محذوف کہنے والوں سے کوئی کہتا ہے کہ وہ دِیْنَنَا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ شَیْئًا ہے۔ پر ظاہر ہے کہ دین کا برا ماننا بعینہٖ اَنْ اٰمَنَّا الخ کا برا ماننا ہے اور اس کا برا ماننا ٹھیک دین کا برا ماننا ہے اسی وجہ سے ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے۔ پھر یہ کہ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ الخ میں واو عاطفہ ہے یا استینافیہ یا بمعنے مَعَ ہے پھر عاطفہ کہنے والوں نے کہا ہے کہ یہ اَنْ اٰمَنَّا پر عطف ہے پر یہ مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ پھر یہ لازم آتا ہے کہ وہ اکثر کے فاسق ہونے کو بھی برا مانتے ہوں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ پھر حقیقت میں وہ اختلاف مفعول تَنْقِمُوْنَ اور مستثنیٰ میں ہو گا جو کہ معطوف اور معطوف علیہ سے لازم آتا ہے۔

پر اصل بات یہ ہے کہ یہ سب مشکلات واو کی اس وسعت کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے ہیں جو کہ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہ مسلم بات ہے کہ بعض واو عاطفہ ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جو چیز معطوف علیہ پر آئی ہوتی ہے اس کو معطوف علیہ پر آنے سے روکتی ہیں اور اگر اصطلاح کے خاص ہونے کی وجہ سے غلطی کا اشتباہ نہ ہوتا تو میں اس کو واو صرف کہتا۔ تو جب انہوں نے مومنین کے دین کو اور اللہ اور اس کی وحی پر ایمان لانے

[1] اور (یاد رکھ کہ) جب تک تو ان کے دین کی پیروی نہ کرے یہودی تجھ سے ہرگز خوش نہ ہوں گے اور نہ ہی مسیحی (خوش ہوں گے)۔ (تفسیر صغیر)

کو سخت برا منایا ہے اور کسی چیز کو کسی عقل مند انسان کا برا منانا اس کے شر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا ان کا اس کو برا منانا اس کے شر کہنے اور قرار دینے کا مترادف ٹھہرا تو اب یہ بتانے کے لئے کہ جس کو تم شر قرار دیتے ہو وہ حقیقت میں شر نہیں بلکہ شر وہ ہے کہ جس پر تم اور تمہارے آباء واجداد قدم مارتے رہے۔ پر اگر تمہارے زعم کے مطابق وہ شر ہے تو پھر اس سے بدرجہا بڑھ کر وہ شر ہے جس پر تم ہو اور تمہارے بزرگ تھے تو فرمایا کہ) تم کہو کیا میں تم کو (اس گروہ) سے (جو کہ دین اسلام پر ہے اور اللہ اور اس کی وحی پر ایمان لانے والا ہے) اللہ کے نزدیک بدترین اجر والا کوئی بتاؤں (یہ وہ ہے) جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس پر غضب کیا ہے اور ان سے بندر اور خنزیر بنائے ہیں اور (جس نے) بڑے سرکش (شیطان) کی پرستش کی ہے یہ لوگ بدترین مقام والے ہیں اور ہموار راستہ سے بہت بہکے ہوئے ہیں۔ (یعنی مومنین کے گروہ سے بدترین اجر والے اللہ کے نزدیک تم ہو اور تمہارے آباء ہیں۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان پر اللہ نے غضب کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ[1] (المائدۃ:79) پھر فرمایا ہے کہ بَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ[2] (البقرۃ:91) اور جن میں سے بندر اور سوٴر بنائے ہیں جیسا کہ اصحاب سبت کے بارہ میں آیا ہے اور مفسرین میں سے بعض نے تو کہا ہے کہ اصحاب سبت سے بعض بندر اور بعض سوٴر بنائے گئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ بندر تو سبت والے بنائے تھے اور سوٴر وہ بنائے تھے جو کہ حضرت عیسیٰ کے مائدہ کے کافر تھے۔

سوٴر اور بندر بننے کی حقیقت:

پر میں پہلے بتا چکا ہوا ہوں کہ اہل تفاسیر تو یہی سمجھتے ہیں کہ فی الواقعہ وہ سوٴر اور بندر بنائے گئے تھے لیکن حق یہی ہے کہ اس سے مراد ذلیل وخوار اور گندے اور ناپاک اور بے حیاء وبے غیرت اور حرام خور ہیں اور انہوں نے جس بڑے سرکش کی بندگی کی ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ وہ شیطان ہے پر یہاں پر بعض نے گوسالۂ سامری لیا ہے اور بعض نے کاہن

[1] بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے ان پر لعنت کی گئی تھی۔ (تفسیر صغیر)
[2] یہ لوگ غضب کے بعد غضب کا مورد ہو گئے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

لوگ اور بعض نے وہ سب جن کی معصیۃ اللہ میں اطاعت کی جاتی ہے اور بعض نے شیطان لیا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ ان سب کی عبادت حقیقت میں شیطان کی عبادت ہے جیسا کہ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۔ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا[1] (النساء:118-119) میں مفصل بیان ہوا ہے اور عبادت کے معنے بھی گذر چکے ہیں کہ کسی کی بلاواسطہ اعلیٰ درجہ کی فرمانبرداری یا غایت درجہ کی تعظیم کو کہتے ہیں۔

لیکن مفسرین کا پہلے تو اس میں اختلاف ہے کہ مِنْ ذٰلِکَ کا مشار الیہ کیا ہے اکثروں نے تو دین مذکور لیا ہے جس کو وہ برا مانتے تھے اور بعض نے اشخاص اور آدمی لئے ہیں پھر کسی نے تو اَکْثَرَھُمْ کو بنایا ہے اور کسی نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جماعت لی ہے۔ پس اگر دین بتایا جائے تب تو یا مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ کے پہلے دین کا لفظ مقدر ماننا پڑے گا یا مِنْ کے بعد اَھْلُ کا لفظ مقدر کیا جاوے گا یعنی مِنْ اَھْلِ ذٰلِکَ کیونکہ سوائے اس کے دونوں میں مطابقت نہیں ہوتی۔ پر مقام کے زیادہ تر مناسب اور تقدیر سے پاک وہی ہے جو کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد موجودہ یہود کی ایک بڑی بھاری شرارت ذکر فرماتا ہے کہ) جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں حالانکہ وہ یقیناً کفر ہی کے ساتھ داخل ہوئے ہیں اور یقیناً اسی کے ساتھ نکلے ہیں اور اللہ اس کو خوب جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے رہتے ہیں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ یہود میں سے بہت سے لوگ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا کرتے تھے اور وہ اظہار اسلام کرتے تھے پر اندر سے منافق ہوتے تھے اور ان کی بداعتقادیوں کے بعد اب ان کی عملی بدیاں ان کے شر ہونے کے بیان میں بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) تم (اے ہر ایک دیکھنے والے یا اے ہمارے رسول) ان میں سے بہتوں کو گناہ اور تعدّی اور حرامخوری میں جلدی کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ واللہ کیا ہی برا ہے جو کہ وہ کرتے رہتے ہیں۔

(مفسرین اِثْمٌ کی تعیین کے پیچھے پڑے ہیں۔ تو کسی نے کہا کہ حرامخوری کسی نے کہا کہ

[1] وہ اللہ کو چھوڑ کر بے جان چیزوں کے سوا (کسی کو) نہیں پکارتے بلکہ وہ سرکش شیطان کے سوا (اور کسی کو) نہیں پکارتے۔ (اس شیطان کو) جسے اللہ نے (اپنی جناب سے) دور کر دیا ہے اور (جس نے یہ) کہا تھا کہ میں تیرے بندوں سے ضرور ہی ایک مقررہ حصہ لوں گا۔ (تفسیر صغیر)

جھوٹ مطلقاً کسی نے کہا کہ اٰمَنَّا کہنے کا جھوٹ کسی نے کفر مراد لیا ہے پر حقیقت میں کوئی نہ تعیین ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے اور مطابق واقعہ بھی یہی ہے کہ وہ طرح طرح کی بدیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ ہاں اگر اس کے بعد کے اس لفظ کو دیکھا جائے کہ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ فرمایا ہے جو صاف بتاتا ہے کہ وہ اثم زبان کے متعلق ہے اور دوسرے مقام پر بتایا ہے کہ وہ ان کا مسیحؑ کو خدا اور ابن اللہ اور تین خدا کہنا اور اپنے آپ کو ابناء اللہ کہنا اور مسیحؑ اور حضرت مریمؑ پر افتراء کرنا اور یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیحؑ کو یقیناً قتل کیا ہے اور عُدْوَانٌ سے یا تو دوسروں پر تعدّی اور ظلم مراد ہے اور یا انہی گناہوں میں حد سے بڑھنا مقصود ہے اور سُحْتٌ کی نسبت میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ حرام یا رشوت اس سے مراد لی ہے اور چونکہ وہ کھلے کھلے یہ بدیاں کرتے تھے اور علماء اور صوفی ان کو منع نہ کرتے تھے اس لئے فرمایا کہ) خدائی لوگ اور علماء ان کو برا بولنے اور حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔ واللہ وہ کیا ہی برا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں (یعنی جس طرح وہ لوگ یہ بدیاں کرنے میں نہایت برا کر رہے ہیں۔ اسی طرح ان کے علماء ان کے منع نہ کرنے میں بھی نہایت برا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کے بری باتیں بولنے کی ایک نہایت گندی اور سخت بری مثال بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہود نے کہا ہے کہ اللہ کا ہاتھ باندھا ہوا ہے۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے یہود پر بہت کچھ فراخی نازل کی ہوئی تھی تو جب انہوں نے رسول اللہؐ کی نافرمانی اور عداوت اختیار کی تو وہ ان سے روک دی تب بنی قینقاع یہود کے رئیس فخاص بن عازوراء نے یہ کہا اور بعض روایتوں میں اس کا نام نباش بن قیس آیا ہے اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کا بند ہونا بخل سے کنایہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فقر سے کنایہ ہے اور دوسرے مقام پر آیا ہے کہ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ[1] (آل عمران:182) اور بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہے وہ ہم کو ہرگز عذاب نہ دے گا۔ لیکن الفاظ اور اطلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان کا یہ مطلب ہے کہ انسان خود جو کچھ کماتا ہے وہی حاصل کرتا ہے اور اللہ نہ کسی کو کچھ

[1] جن لوگوں نے کہا ہے کہ اللہ (تو) محتاج ہے اور ہم غنی ہیں اللہ نے ان کی (اس) بات کو یقیناً سن لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اپنے پاس سے دیتا ہے اور نہ وہ از خود کسی کی امداد کر کے دوسروں پر غالب کرتا ہے اور اہل اسلام جس فضل الٰہی اور امداد الٰہی کا انتظار کرتے اور اس کے امیدوار ہیں وہ سب غلط ہے۔

تو چونکہ الٰہی امداد ہے نہیں اور خود وہ تاب مقابلہ نہیں رکھتے اور ہمارے ساتھ فلاں فلاں اقوام ہیں اس لئے مسلمان ہمارے مقابلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید میں فرمایا کہ) ان کے ہاتھ بند کئے گئے ہیں (یعنی اس کے ہاتھ بند نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے ان کے ہاتھ اب بند کر دیئے اب یہ تمہارے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکیں گے اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ[1] (البقرۃ:62) کے مصداق بنائیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں جس طرح وہ چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ (جب اس نے چاہا تھا تو تم کو بہت کچھ دیا تھا اور اب اس نے چاہا ہے کہ وہ اہل اسلام کو دے تو تم دیکھتے ہو کہ وہ کس طرح ان کو دے رہا ہے اور چونکہ اہل کتاب کی بہت سی غلطیوں کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے بہت سے شبہوں کے جواب دیئے گئے ہیں تو اس سے امید ہو سکتی تھی کہ شاید وہ راہ راست پر آجاویں اس کی تردید کرنے کے لئے اور نیز ان کے باوجود اہل کتاب ہونے کے يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ وغیرہ نہایت گندی اور جاہلانہ باتیں کہنے کی وجہ بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) واللہ جو کچھ کہ تیری طرف نازل کیا گیا ہے وہ ان کو ضرور سرکشی اور کفر میں بڑھا دے گا (یعنی ان کے دل میں اس کا سخت رنج ہے کہ تم پر خدا نے کیوں وحی اور کتاب اور اپنا فضل نازل کیا ہے۔

لہٰذا وہ اس حق کو تو کبھی قبول نہیں کرسکتے بلکہ اسی کی وجہ سے شرارتوں میں زیادہ بڑھتے جاتے ہیں اور چونکہ عناد کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ وہ اہل اسلام کی تباہی کے لئے کوشش کریں تو ان کی کوشش کے خطرہ سے مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک ڈال دیا ہے (لہٰذا وہ کبھی متفق ہو کر تمہارا مقابلہ نہ کریں گے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ اور اثر بتایا کہ) جب کبھی انہوں نے جنگ کے لئے آگ جلائی (عرب میں جنگ کے لئے آگ جلایا بھی کرتے تھے لیکن یہاں پر جنگ کی تیاری مراد ہے)

[1] انہیں ہمیشہ کے لئے ذلیل اور بے بس کر دیا گیا۔ (تفسیر صغیر)

تو اللہ نے اس کو بجھا دیا (اس لئے کہ یہ کوشش کسی اصلاح اور فائدہ کے لئے نہیں بلکہ) فساد کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور متقی بنتے تو ہم ان کی بدیاں دور کر دیتے اور ضرور ہم ان کو نعمتوں کے باغوں میں داخل کرتے (مالک بن دینار سے مروی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ جنات النعیم خاص جنت ہے جو کہ جنۃ الفردوس اور جنات عدن کے درمیان واقع ہیں تو کسی نے دریافت کیا کہ ان میں کون داخل ہوں گے تو کہا کہ وہ لوگ جنہوں نے گناہوں کا قصد کیا ہو لیکن خداوند تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے رک گئے ہوں۔

(تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 107 دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

پر حق یہی ہے کہ سب جنت جنت نعیم ہیں اور یہ تو اخروی فائدہ ہوا پر اب دینوی فائدہ اور ایمان اور تقویٰ کی حقیقت بتانے کے لئے فرمایا کہ) اگر یہ لوگ توریت اور انجیل اور اس کو قائم کرتے جو کہ ان کی طرف اتارا گیا ہے تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے (یعنی بہت کثرت سے ان کو رزق ملتا اور مفسرین میں سے ابن عباسؓ اور قتادہ اور مجاہد نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے مناسب بارشیں ہوتیں اور زمین سے کثرت کے ساتھ پیداوار ہوتی اور بعض نے کہا ہے کہ کثرتِ ثمار و محاصلِ اراضی مراد ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ درختوں کے اوپر کے پھل اور زمین پر گرے ہوئے پھل کثرت سے پاتے اور بعض کا قول ہے کہ بڑوں اور بادشاہوں سے اور ماتحتوں سے ان کو بہت کچھ ملتا۔ پر حق وہی ہے جو کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ پر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ) کچھ تو ان سے میانہ رو لوگ ہیں اور بہت ان میں سے جو کرتے ہیں وہ کیا ہی برا ہے (اور قومی خوبی اور برائی اور فضل و غضب میں کثرت ہی کا اعتبار ہوتا ہے نہ کل کا اور نہ بعض قلیل کا کیونکہ کوئی قوم سب کی سب نہ اچھی ہوتی ہے اور نہ بری اور ہر ایک اچھی میں کوئی برا بھی ہوتا ہے اور ہر ایک بری میں کوئی اچھا بھی ہوتا ہے۔)

آیت 68 تا 78: يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ۔ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔

تشریح الفاظ:

لَا تَاْسَ۔ أَسًى سے ہے، افسوس کرنا۔

صَابِئُوْنَ۔ صَابِئٌ کی جمع ہے، عربوں کے نزدیک وہ شخص ہے جو کہ اپنی قوم کے دین سے نکل جاوے اور کہا گیا ہے کہ صَابِئٌ صابئ بن متوشلخ بن ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور بعض نے کہا صابئ بن ماوی کی طرف منسوب ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں ہوا ہے۔

خَوْفٌ۔ ڈرنا۔ حُزْنٌ۔ کڑھنا۔

تَهْوٰى۔ هَوًى سے ہے، چاہنا اور گرنا۔

فِتْنَةٌ۔ کے معنے بار بار گذر چکے ہیں۔ عَمُوْا۔ عَمًى سے ہے، اندھا ہونا۔

صَمُّوْا۔ صَمٌّ سے ہے، بہرا ہونا۔ مَأْوٰى۔ جائے پناہ، ٹھکانا۔

اَنْصَارٌ۔ نَصِيْرٌ کی جمع ہے۔ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ تین میں سے ایک۔

خَلَتْ۔ خُلُوٌّ سے ہے، مرنا، گذر جانا، مکان اور چیز کا خالی اور فارغ ہونا۔ ہاں جب اس کے بعد بِهٖ اور اِلَيْهِ اور مَعَهٗ آئے تو اس کے معنے کسی کے ساتھ اکیلا ہونے اور خلوت میں ملنے کے ہوتے ہیں۔

تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے۔ (خَلَا مَكَانُهٗ) اَیْ (مَاتَ) هٰكَذَا فِي النُّسَخِ وَنَصِّ ابْنِ الْاَعْرَابِيِّ خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ وَاَمَّا اِذَا ذُكِرَ الْمَكَانُ فَهُوَ خَلَّى بِالتَّشْدِيْدِ تَخْلِيَةً وَهُوَ اَيْضًا صَحِيْحٌ نَقَلَهُ ابْنُ سِيْدَهْ وَالزَّمَخْشَرِيُّ وَغَيْرُهُمَا فَفِيْ سِيَاقِ الْمُصَنِّفِ نَظَرٌ يُتَاَمَّلُ لَهٗ وَالْاَوْلٰى حَذْفُ الْمَكَانِ (وَ) خَلَا الشَّيْءُ خُلُوًّا (مَضٰى... (وَ) خَلَا (عَنِ الْاَمْرِ وَمِنْهُ) اِذَا (تَبَرَّاَ

(خَلَا الْمَكَانُ) وَالشَّيْءُ (خُلُوٌّ) كَسُمُوٍّ (وَخَلَاءٌ) بِالْمَدِّ وَاَخْلَى وَاسْتَخْلَى) اِذَا (فَرَغَ ... وَاسْتَخْلَى بِهٖ وَخَلَا بِهٖ وَاِلَيْهِ وَمَعَهٗ... (سَاَلَهٗ اَنْ يَجْتَمِعَ بِهٖ فِيْ خَلْوَةٍ فَفَعَلَ)[1]

یہ میں نے اس لئے حوالہ لکھا ہے کہ ہمارے مخالفوں پر جب آیۃ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[2] (آل عمران:145) کے ساتھ مسیحؑ کی وفات پر حجت پوری کی جاتی ہے تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اس کے معنے کسی کو اکیلے ملنے کے ہیں جیسا کہ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ[3] (البقرۃ:15) میں آیا ہے اور یا کہہ دیتے ہیں کہ اس کے معنے گذرنے کے ہیں نہ مرنے کے جیسا کہ جب ایک حاکم بدل جاتا ہے یا پنشن لے کر ملازمت سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہاں پر فلاں حاکم گذرا ہے اور اس کے موت کے معنے بالکل نہیں آئے۔ اس کے باقی جواب تو انشاء اللہ آئیں گے پر ہم نے کتب لغت کا صاف حوالہ بتا دیا ہے کہ خَلَا بدون کسی قید بِهٖ۔ اِلَيْهِ۔ مَعَهٗ کے بمعنے مَاتَ آتا ہے بلکہ قیود سے خالی ہو کر ان معنوں میں آنا اور دوسرے معنوں میں قیود کے ساتھ آنا صاف دکھاتا ہے کہ یہی اس کے اصلی اور وضعی معنے ہیں۔

صِدِّيْقَةٌ۔ صَادِقَةٌ کا مبالغہ ہے، بہت سچی، بہت راستباز۔

يُؤْفَكُوْنَ۔ اِفْكٌ سے ہے، جس کے معنے افتراء کرنے اور پھیرنے کے ہیں۔

لَا تَغْلُوْا۔ غُلُوٌّ سے ہے، شور و شر کرنا اور حد سے بڑھنا۔

---

[1] "(خَلَا مَكَانُهٗ) یعنی (وہ فوت ہو گیا)۔ (قاموس کے) نسخوں میں اور ابنِ الاعرابی کی نص میں اسی طرح (لفظِ مکان کے ساتھ) لکھا ہے۔ 'خَلَا فُلَانٌ' (تب بولتے ہیں) جب وہ فوت ہو جائے۔ اور بہر حال جب 'مکان' کا ذکر ہو، تو وہ 'خَلّٰى' تشدید کے ساتھ ہے (تخلیہ کے وزن پر)، اور یہ بھی صحیح ہے جسے ابنِ سیدہ اور زمخشری وغیرہما نے نقل کیا ہے۔ پس مصنف (صاحب قاموس) کے سیاقِ کلام میں غور طلب بات ہے، اور بہتر یہ تھا کہ 'المکان' حذف کر دیا جاتا۔ اور (خَلَا الشَّيْءُ) (خُلُوًّا) یعنی (وہ چیز گزر گئی)۔ اور (خَلَا عَنِ الْاَمْرِ وَمِنْهُ) یعنی جب (وہ اس کام سے بری الذمہ ہو گیا)۔ (خَلَا الْمَكَانُ) اور (الشَّيْءُ) (خُلُوٌّ) سُمُوٌّ کے وزن پر، اور (خَلَاءٌ) مدّ کے ساتھ (یعنی وہ جگہ یا چیز خالی ہو گئی)۔ اور (اَخْلٰى وَاسْتَخْلٰى) (اس وقت بولتے ہیں) جب (وہ فارغ ہو گیا)۔ اور (اسْتَخْلٰى بِهٖ وَخَلَا بِهٖ وَاِلَيْهِ وَمَعَهٗ) یعنی اس نے اس شخص سے خلوت میں ملنے کا سوال کیا، پس اس نے ایسا کر لیا)۔"

[2] محمدؐ صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3] جب وہ اپنے سرغنوں سے علیحدگی میں ملیں۔ (تفسیر صغیر)

اَھْوَاءٌ۔ ھَوَی کی جمع ہے، حضرت خلیفۃ المسیح علیہا السلام اس کا ترجمہ گری ہوئی خواہشیں فرمایا کرتے ہیں۔

اَضَلُّوْا۔ اِضْلَالٌ سے ہے، گمراہ کرنا اور ضَلُّوْا ضَلَالٌ سے ہے، گمراہ ہونا۔

سَوَاءٌ۔ وسط اور مستوی۔

ترجمہ:

ہاں اے رسول تم اس کو پہنچادو جو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیاہے اور اگر تم نے نہ کیا تو پھر تم نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ یقیناً اللہ کافر بننے والے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ تم کہو اے کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ توریت و انجیل اور اس کو قائم نہ کرو جو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیاہے اور جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیاہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں بڑھائے گا۔ سو تم کافر بننے والے لوگوں پر افسوس نہ کرو۔

جو ایمان لائے ہیں اور جو یہودی بنے ہیں اور صابی لوگ اور نصاریٰ (تو) یقیناً (ان میں سے) جو اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لایا اور اس نے سنوار والے عمل کئے تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کڑھیں گے۔ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے تھے (پر) جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ (احکام) لایا جن کو ان کے نفس نہ چاہتے تھے تو کسی حصہ کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی حصہ کو وہ قتل کر رہے ہیں اور انہوں نے خیال کیا کہ کوئی فتنہ نہ ہو گا لہٰذا وہ اندھے اور بہرے بنے پھر اللہ نے ان پر رجوع کیا پھر ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے اور اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے جس کو وہ کرتے ہیں۔ یقیناً وہ کافر بنے ہیں جنہوں نے کہاہے کہ اللہ وہ یہی مسیح بن مریم ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ ہی کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ (کیونکہ) جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ان ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ وہ لوگ یقیناً ہی کافر بنے ہیں

جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ تین میں سے ایک ہے۔ حالانکہ بجز ایک متصرف (یا معبود) کے اور کوئی متصرف (یا معبود) نہیں ہے اور اگر یہ اس سے باز نہ آئے جو کہ یہ کہتے ہیں تو جو ان میں سے کافر بنے ہیں ان کو یقیناً ہی دردناک عذاب ملے گا۔ کیا یہ لوگ (جانتے ہیں) پھر اللہ کی طرف نہ رجوع کرتے اور نہ مغفرت مانگتے ہیں اور اللہ مغفرت کرنے والا، اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

مسیح بن مریم تو ایک رسول ہی ہے جس سے پہلے سب رسول مر چکے ہیں اور اس کی والدہ نہایت سچی ہے۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ تم دیکھو ہم کس طرح ان کے لئے نشان (یا آیتیں) بیان کرتے ہیں اور پھر دیکھو کہ یہ کہاں بھٹکائے جاتے ہیں۔ تم کہو کیا تم اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو کہ تمہارے لئے نہ ضرر کا قابو رکھتا ہے اور نہ نفع کا اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ تم کہو او کتاب والو تم اپنے دین میں ناحق نہ بڑھو اور نہ ان لوگوں کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کرو جو کہ یقیناً پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو انہوں نے گمراہ کیا اور ہموار راستہ سے بہک گئے ہیں۔

تفسیر:

جب خداوند تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی نسبت یہ فرمایا کہ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا[1] (المائدۃ:65) اور گویا یوں تو نفس آنحضرت ﷺ پر وحی کے نازل ہونے ہی سے وہ چمکتے تھے اور اس کو گوارا نہ کر سکتے تھے اور پھر جو جو خاص حصہ اور بالخصوص وہ حصہ جو کہ ان کے متعلق نازل ہوتا تھا وہ ان کو ضرور بھڑکاتا اور حق کی عناد پر ان کو اٹھاتا اور تیز کرتا تھا پر اس سے بھی بڑھ کر ایک حصہ تھا جو کہ ان کی سرکشی اور ان کے عنادی کفر کو اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچانے والا تھا اور یہ وہ حصہ تھا کہ جس کے اوّل میں بطور تمہید اور اس کے اخیر میں بطور نتیجہ کے وَلَيَزِيْدَنَّ هُمْ الخ کو ذکر فرمایا ہے اور پھر جیسا قرآن مجید کا حکیمانہ طرز ہے (کہ اہم امور کو کئی کئی مناسب پیرائیوں میں بیان فرمایا کرتا ہے) اس نے اس بھڑکانے والی بات کو بھی کئی پیرائیوں میں بیان فرمایا اور جو ان میں کسی قدر نرم تھے

[1] اور جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتارا گیا ہے وہ یقیناً ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں (اور بھی) زیادہ کر دے گا۔ (تفسیر صغیر)

ان کو پہلے بیان کیا اور جو سب سے انتہاء کے درجہ پر تیز تھا جس سے ان کی طغیانی اور ان کے کفر عنادی کی انتہاء ہو جاتی تھی اس کو اخیر میں رکھا اور ظاہر ہے کہ رسول کا سب سے اہم اور محبوب تر مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ ہدایت کو قبول کریں اور سب سے زیادہ ناپسند یہ ہوتا ہے کہ لوگ طغیان اور کفر میں بڑھ جائیں اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ وہ ایسی بات کے کہنے سے رکے کہ جس کا نتیجہ طغیان اور کفر میں بڑھنا ہو۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسی بات سے اس لئے بھی رکے گا کہ جب لوگ اس سے طغیان اور کفر عنادی میں بڑھیں گے تو اس سے اس کے مال و جان اور عزت و آبرو سخت خطرہ میں پڑ جائے گی لہٰذا اس سے پہلے ایک ایسی تمہید کی ضرورت ہوئی کہ جس سے رسول کے نہ پہنچانے اور پہنچانے پر مال و جان اور عزت و آبرو کے خطرہ کا پہلے سے ازالہ ہو جائے لہٰذا فرمایا کہ) اے بھیجے ہوئے جو کچھ تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کو (لوگوں کو) پہنچا دو اور اگر تم نے (اللہ کے کسی حکم پر خود عمل) نہ کیا تو پھر تم نے اس کے پیغام کو نہ پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا اور (گو وہ کوشش تو سر توڑ کریں گے لیکن اللہ کی یہ سنت ہے کہ) یقیناً اللہ ظالموں کو (اپنے راستباز اور فرستادہ بندوں کی تباہی اور ناکام کرنے کی) ہدایت نہیں کیا کرتا (نہ اس طور پر کہ ان کو اس کا کوئی راستہ بتادے اور نہ ان معنوں سے کہ اگر ان کو کوئی راستہ مل جائے تو وہ ان کو اس پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچا دے اور ان کو اپنے خطرناک اور ناپاک ارادوں میں کامیاب کر دے۔

تبلیغ کا فرض اور شیعہ حضرات کی منطق:

مفسرین نے جو وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ کے ہماری طرح یہ معنے نہیں کئے کہ اگر تم اللہ کے کسی ارشاد پر عمل نہ کرو الخ یعنی جس طرح تبلیغ تم پر فرض ہے اسی طرح الٰہی ارشادوں پر بذات خود عمل کرنا بھی تمہارا ایسا فرض موکد ہے کہ اگر تم اس کو ترک کرو گے تو گویا تم نے تبلیغ کا فرض بھی نہیں ادا کیا کیونکہ تبلیغ سے اصل غرض یہی ہے کہ لوگ ان ارشادوں پر عمل کریں تو جب تم خود ان پر عمل نہ کرو گے تو ظاہر ہے کہ پھر لوگ بھی عمل میں سست اور ترک عمل پر جری ہو جاویں گے تو پھر تبلیغ کا فائدہ ضائع ہو کر تبلیغ بھی کالعدم ہو جاوے گی۔

بلکہ انہوں نے یہ معنے کئے ہیں کہ اگر تم ہمارے اس حکم کو بجانہ لاؤ گے اور تبلیغ نہ کرو گے تو پھر تم نے اس پیغام کو نہ پہنچایا اور ظاہر ہے کہ ان معنوں کے لحاظ سے شرط اور جزاء ایک ہی ہو جاتے ہیں کیونکہ تبلیغ نہ کرنا شرط ہے اور تبلیغ کا نہ کرنا ہی جزاء بھی ہے لہٰذا ان کو اس کے درست کرنے میں بہت کچھ تکلف کرنا پڑا ہے اور اس سارے تکلف کی بناء یہ ہے کہ شرط اور جزاء میں فرق ہو جائے سو ان میں سے محققین نے تو یہ فرق کیا ہے کہ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ میں تو سب کے سب احکام کی تبلیغ لی ہے اور فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ میں بعض کی تبلیغ لی ہے یعنی اگر تو نے سب احکام کی تبلیغ نہ کی تو گویا تو نے بعض کی تبلیغ بھی نہیں کی ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ اصل جزاء یہاں پر مقدر ہے اور اس کا سبب اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اور وہ اصل جزاء یہ ہے فَعَلَيۡكَ جَزَآءُ كِتۡمَانِ الۡوَحۡيِ[1] اور اس کا سبب عدم تبلیغ تھا اس لئے سبب کو مسبب کی جگہ ذکر کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ شرط میں خاص حکم کی تبلیغ کی نفی ہے اور جزاء میں مطلق تبلیغ ہی کی نفی ہے یعنی اگر تم نے یہ مَا اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ تبلیغ نہ کیا تو گویا تُو نے بالکل اس کے کسی پیغام کی تبلیغ ہی نہیں کی اور بعض نے یوں بھی کہا ہے کہ شرط میں قرآن مجید کی تبلیغ کی نفی ہے اور جزاء میں دوسرے معجزات کی تبلیغ کی نفی ہے۔

پر یہ سب تکلف سے خالی نہیں ہیں اور جو ہم نے مطلب لیا ہے اس میں کوئی ایزاد از خود ہر گز نہیں ہے۔ بلکہ اس پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہی نہیں کہ جواب کی ضرورت پیش آئے اور تمہید میں مَیں اللہ کے فضل سے بتا چکا ہوں کہ اس کے ماقبل کیا ہے اور مابعد کیا ہے اور اس کو ماقبل اور مابعد سے تعلق اور مناسبت کیا ہے اور اس مناسبت سیاق و سباق سے اس کا مطلب کیا ہے۔ پر ایک شیعہ کا گروہ ہے کہ جب کسی آیت کو اپنے مطلب کے لئے استعمال کرنے لگتے ہیں تو نہ الفاظ قرآنیہ کا لحاظ رکھتے ہیں اور نہ ماقبل اور مابعد کی مناسبت کا کچھ ذرہ خیال کرتے ہیں اور نہ قواعد مسلمۂ خود کا کچھ پاس رکھتے ہیں اور کسی غیر مستند روایت کی بنا پر اپنے مطلب کی بات بنا لیتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے یہاں پر بھی ایسا ہی غضب مارا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اس

[1] پھر آپ پر وحی کے چھپانے کی سزا ہو گی۔ (از مرتب)

آیت میں نہ حضرت علیؓ کا نام اور نہ ان کی طرف اشارہ و کنایہ ہے اور ما قبل اور مابعد میں بھی نہ حضرت علیؓ کا ذکر ہے اور نہ ان کی ولایت کا اور نہ اس واقعہ کا جس کی تبلیغ کا یہاں سے حکم لیتے ہیں اور نہ ہی اس کو ما قبل و مابعد سے کوئی ایک ذرہ بھی تعلق ہے بلکہ اس کو یہاں سے لے کر جب ما قبل اور مابعد پر نظر ڈالی جائے تو قرآن مجید بجائے حکیمانہ بلکہ معجزانہ کلام ہونے کے نعوذ باللہ منہ عامۃ الناس کے کلام سے بھی گر جاتا ہے جبکہ ان کی عقل ٹھکانہ پر ہو اور سوئے ہوئے بھی نہ ہوں کیونکہ پھر تو کبھی ایر ان کی کبھی توران کی کبھی زمین کی اور کبھی آسمان کی ہانکنے کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ وہ پہلے تو ایک روایت بیان کرتے ہیں چنانچہ ابن عباسؓ سے یوں روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ یہ آیت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ علیؓ کی ولایت کی لوگوں کو خبر کر دے تو آپ ڈرے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے چچازاد بھائی پر بخشش کی ہے اور اس کی حمایت کی ہے اور وہ اس میں مجھ پر طعن کریں گے تو خداوند تعالیٰ نے یہ آیت وحی فرمائی تو آپ نے غدیر خم میں علیؓ کی ولایت کا خطبہ پڑھا اور علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں سو علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے اے اللہ تو اس سے موالات رکھ جو کہ اس کے ساتھ موالات رکھتا ہے اور اس کے ساتھ عداوت رکھ جو کہ اس کے ساتھ عداوت رکھتا ہے اور شیعہ نے اور بہت سی زیادتیوں کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے اور روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ حضورؐ حجۃ الوداع سے واپس آرہے تھے اور ذی الحجہ کی 18 تاریخ تھی اور اتوار کا دن تھا اور یہ غدیر خم جُحفہ کے قریب ایک جگہ ہے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے ساتھ دو تین روایتیں اور بھی نقل کر دوں جن سے اس خطبہ کی تحریک کی وجہ معلوم ہوتی ہے اور پھر وجہ استدلال اور پھر اس کا جواب لکھوں۔

سو واضح ہو کہ محمدؒ بن اسحٰق نے یزید بن طلحۃ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا ہے کہ جب علیؓ یمن سے واپس آیا کہ مکہ میں آنحضرتؐ کو ملے تو آپ جلدی چلا آیا اور جو لشکر اس کے ساتھ تھا اس پر اپنے ساتھیوں سے ایک کو اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تو جو یمنی حُلّے جمع تھے ان

میں سے اس شخص نے ہر ایک سپاہی کو ایک حُلّہ پہنا دیا تو جب وہ نزدیک آیا تو علیؓ ان کے ملنے کے لئے نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہر ایک شخص پر ایک حُلّہ ہے تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے اس لئے ان کو پہنا دئے ہیں کہ لوگوں کو ملیں گے تو بن تن کر ملیں تو علیؓ نے حکم دیا کہ آنحضرتؐ کے ملنے سے پہلے ہی ان کو اتار دیں چنانچہ انہوں نے اتار دئے اور پھر وہ ان حُلّوں میں ڈال دئے جو کہ ساتھ تھے تو اس وجہ سے لشکر نے علی کی شکایت کی۔ پھر ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے علی کی شکایت کی تو آنحضرت ﷺ نے ہم میں کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا تو میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے لوگو تم علیؓ کی شکایت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ کی راہ میں بڑا سخت ہے۔ اور پھر ابن عباسؓ نے بریدۃ الاسلمی سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں علیؓ کے ساتھ یمن کے جنگ پر گیا تھا تو میں نے اس سے کچھ سختی دیکھی تھی تو جب میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو میں نے علیؓ کی شکایت کی تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا ہے اور فرمایا: یَا[1] بُرَیْدَۃُ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔[2] تو میں نے کہا ہاں پھر فرمایا جس کا میں مولیٰ ہوں تو علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔

(تفسیر روح المعانی جلد 3 صفحہ 360 سورۃ المائدہ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(مسند احمد بن حنبل جلد 7 صفحہ 616 حدیث 23333، جلد 4 صفحہ 217 حدیث 11839 عالم الکتب بیروت)

(مشکاۃ المصابیح کتاب المناقب باب مناقب علی بن ابی طالبؓ صفحہ 565 قدیمی کتب خانہ کراچی)

خطبہ غدیر خم کا اصل محرک:

سو ان روایتوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اصل محرک اس خطبہ کا وہ شکایتیں تھیں جو کہ بوقت واپسی یمنی ساتھیوں نے کی تھیں اور چونکہ وہ یمن سے واپس ہو کر غدیر خم میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور وہاں پر ہی شکایتیں بھی کی تھیں لہٰذا وہاں پر ہی ان کو رفع کرنے کے لئے خطبہ پڑھا۔

وجہ استدلال۔ یہ روایتیں تو شیعہ سنیوں کے نزدیک مسلم ہیں اور حدیث میں مولےٰ

[1] رسالہ میں "او" لکھا ہے۔ (از مرتب)

[2] اے بریدہ! کیا میں مؤمنوں کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز نہیں؟ (از مرتب)

بمعنے مُتَصَرِّفٌ فِي أُمُوْرِ النَّاسِ عَلَى الْإِطْلَاق[1] ہے اور اسی کو خلیفہ کہتے ہیں حدیث میں حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان ہوا اور آیت کریمہ جب اسی ولایت کی تبلیغ کے لئے نازل ہوئی اور یہ ولایت خلافت ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ سے حضرت علیؓ کی خلافت مراد ہے اور بَلِّغْ سے اسی کی تبلیغ کی تاکید ہوئی۔

الجواب۔ واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کا جو خطبہ ان روایتوں میں آیا ہے اس میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کو حضرت علیؓ پر لگایا تھا چہ جائیکہ خاص ان کی خلافت پر اس کو چسپاں کیا ہو اور نہ کوئی راوی یہ کہتا ہے کہ اس خطبہ میں آپ نے اس آیت یا اس کے کسی لفظ کو پڑھا ہے۔ سو اس سے یہ صاف فیصلہ ہو گیا کہ آنحضرت ﷺ نے تو اس آیت کو حضرت علیؓ کی نسبت اور خصوصاً پھر آپ کی خلافت کی نسبت ہرگز نہیں بتایا اور جن راویوں نے یہ کہا بھی ہے کہ یہ آیت علیؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ آنحضرتؐ نے یوں فرمایا یا بتایا ہے۔

اب ان کے پاس بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ یہ آیت چونکہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی اور ایک بڑا واقعہ ان کی نظر میں اس وقت یہی تھا تو انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ تبلیغ کا ارشاد آخر کسی بڑے عظیم الشان ہی امر کی نسبت ہو گا یہ کہہ دیا کہ علیؓ کی ولایت میں نازل ہوئی ہے اور بس اور اس کا بڑا بھاری ثبوت یہ ہے کہ اسباب نزول عموماً اسی طرح قرار دئے گئے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں بے حد اختلاف واقع ہے۔ تو جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں اور الفاظ قرآنی اور سیاق و سباق اس کے بالکل مخالف ہیں تو پھر یہ کہنا تو صاف صاف غلط ہوا کہ یہ آیت حضرت علیؓ کی خلافت کی تبلیغ کے لئے نازل ہوئی ہے یا یہ کہ غدیر خم کے واقعہ سے اس کو کوئی تعلق ہے۔

پھر میں ایسی روایتوں کا حال قاعدہ کلیہ کے طور پر بسط کے ساتھ بیان کر آیا ہوں کہ محض شیعہ صاحبان کے خود ساختہ جال ہوتی ہیں اور بڑی ہوشیاری اور دور اندیشی سے سنیوں کو ان میں پھنسایا ہوا ہوتا ہے اور خاص کر اس روایت کی نسبت تو سنیوں نے صاف ہی کہہ دیا

[1] لوگوں کے کاموں پر متعین کیا گیا۔ (از مرتب)

ہوا ہے کہ اس کی کوئی سند ثابت نہیں پھر خصوصاً جب ایک طرف خداوند تعالیٰ سورۂ نور میں صاف فرماتا ہے کہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ[1] الخ (النور:56) جس سے صاف ثابت ہے کہ خلیفہ نہ خود بنتا ہے اور نہ کسی انسان یا جماعت کے بنانے سے بنتا ہے بلکہ خدا کے بنانے سے بنتا ہے اور پھر عقل و نقل اس پر متفق ہیں کہ جو اصل کو مقرر کر سکتا ہے وہی اس کا خلیفہ بھی نصب کر سکتا ہے اور جو اصل کو مقرر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا وہ اس کا خلیفہ بھی مقرر نہیں کر سکتا تو اب اس میں تو شک نہیں کہ رسول تو اللہ کے سواء دوسرا کوئی ہر گز نہیں بنا سکتا لہٰذا اس کا خلیفہ بھی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں بنا سکتا۔

تو جب عقل و نقل اور قرآن مجید اس کے گواہ ہیں کہ خلیفہ بنانا بجز اللہ کے اور کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ خود ہی بنائے گا تو اب اسی قدر بات باقی ہے کہ واقعات کو دیکھا جائے کہ پھر اس نے کس کو بنایا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ جس کو وہ بنائے اس کو کوئی دوسرا روک دے اور خود بن جائے اور واقعہ اس کا شاہد ناطق ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد جو آپ کا خلیفہ ہوا اس کا نام ابو بکرؓ تھا نہ علی۔ نیز اسی آیت میں خداوند تعالیٰ نے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا[2] الخ (النور:56) فرما کر اپنے مقرر کردہ موعود خلیفوں کا یہ نشان مقرر کیا تھا کہ جو دین خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے ان کے ہاتھ پر اس دین کی تمکین اور پختگی اور وسعت کر دے گا اور ان پر پہلے سخت خوف کا زمانہ آوے گا اور پھر وہ امن سے بدلایا جاوے گا۔ تو یہ دونوں نشان ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں نہایت بیّن طور پر ثابت ہیں مگر خداوند تعالیٰ رحم کرے ان کی اگر کمی اور نہایت کمی ہے تو خلیفہ ثالث کے عہد کے بعد نہ اس دین کی تمکین ہوئی جو بقول شیعہ صاحبان ان کے لئے پسند کیا گیا تھا یا جس کو پھیلانا

[1] اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور جو دین اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اُسے مضبوطی سے قائم کر دے گا اور ان کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کر دے گا۔ (تفسیر صغیر)

چاہتے تھے اور نہ خوف کے بعد امن کا زمانہ آیا بلکہ وہی خوف حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ تک کھچا۔ تو اب ان آیات کریمہ اور واقعات مشاہدہ کے بر خلاف کوئی روایت کس طرح قابل قبولیت یا صالح تمسک و استدلال ہو سکتی ہے اور بفرض محال اگر صحیح بھی ہو اور قابل استدلال بھی ہو تو بھی نہ یہ کہنا صحیح ہے کہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ آیت خلافت علی میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ بتا آیا ہوں اور نہ یہ کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا آپ نے اعلان کیا تھا کیونکہ لفظ مولیٰ کے جو معنے انہوں نے لئے ہیں وہ یہاں پر ہر گز مراد نہیں ہو سکتے۔

اوّل تو اس وجہ سے کہ جو امر کہ اس خطبہ کا محرک ہے وہ حضرت علیؓ کی شکایت اور عداوت ہے اور اس کے رفع کے لئے وہ چیز یہاں پر لینی چاہیئے جو کہ اس کے مقابل ہو تو وہ محبت ہے نہ خلافت اور مولا بمعنی دوست اور محبوب ہی کے بہت کثرت کے ساتھ آتا ہے۔

دوم ظاہر ہے کہ اس کے بیان کے بعد جو دعا آپ نے کی ہے وہ ضرور اسی امر کے متعلق ہونی چاہئے تو وہ ہے اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔[1]

(مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 340 حدیث نمبر 950 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء)

تو اس میں وَالِ کو عَادِ اور وَالَا کو عَادَا کے مقابل لانا صاف بتاتا ہے کہ دعا میں تو موالات بمعنے محبت اور دوستی کے ہے نہ بمعنے خلافت لہٰذا اس سے پہلے بھی یقیناً وہی مراد ہے نہ خلافت۔

سوم۔ آنحضرتؐ نے یہ تو فرمایا نہیں کہ جن کا اس وقت مولیٰ ہوں میرے بعد ان کا مولیٰ علی ہو گا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جن کا میں مولیٰ ہوں ان کا علی بھی مولیٰ ہے تو اس صورت میں اگر مولیٰ بمعنے خلیفہ ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ امام برحق اور نائب اور منیب عنہ ایک وقت اور ایک محل پر جمع ہو جائیں اور یہ عقلاً اور شرعاً منع ہے اور اگر باوجود یہ فرمانے کے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے تو پھر بعد کی بھی کوئی حد تو مقرر نہیں کہ بلا فصل ایک آن اور سیکنڈ کے یا بافصل تو اس صورت میں جائز ہے کہ بافصل ہوں اور واقعات نے

[1] اے اللہ! جو اس سے دوستی کرے تُو بھی اُس سے دوستی کر اور جو اس سے دشمنی کرے تُو بھی اُس سے دشمنی کر۔ (از مرتب)

یہی شہادت دی ہے کہ وہ بلا فصل نہیں ہوئے بلکہ وہ تین کو چار کرنے والے ہوئے ہیں وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَآخِرًا[1] اور مقام کے مناسب وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ[2] (المائدہ:68) کے یہی معنے ہیں کہ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اپنے پہرہ داروں کو فرمایا کہ اب پہرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ نے میری عصمت کا خود ذمہ لے لیا ہے۔

(سنن الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ المائدۃ حدیث نمبر 3046)

پر ضرورت زمانہ کے لحاظ سے اس کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں کہ سب لوگوں میں سے اللہ تجھے ہی معصوم قرار دیتا ہے یا دے گا۔ غرض کہ یہ آیت اپنے دونوں پہلوؤں سے آنحضورؐ کی عصمت جسمانی اور عصمت روحانی کی پیشین گوئی ہے اور ایسے مقامات میں لَا یَهْدِیْ الخ کے معنی دینی ہدایت کے مناسب نہیں بلکہ یہی زیادہ موزون ہیں کہ جو امر وہ تمہارے مقابلہ پر چاہتے ہیں (یعنی اپنا کامیاب ہونا اور تمہارا ناکام اور تباہ کرنا اور تمہاری جماعت کا منتشر کرنا) خداوند تعالیٰ اس کے حاصل کرنے کی نہ ان کو کوئی راہ بتائے گا اور نہ اس پر چلنے کی توفیق دے گا اور نہ چلنے کی صورت میں منزل مقصود تک پہنچائے گا اور اس تمہید کے بعد خداوند تعالیٰ نے اس بات کو یوں ذکر فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ او کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں یہاں تک کہ تم توریت و انجیل اور اس کو قائم کرو جو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے (یعنی اہل کتاب ہونے کے دعوے سے تم کسی معتد بہ امر پر نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم توریت و انجیل کے ساتھ قرآن مجید پر بھی ایمان نہ لاؤ جس کی تصدیق کے سواء اب وہ بالکل نکمی ہو چکی ہیں اور پھر خالی ایمان ہی نہ ہو بلکہ اس کے مطابق ان کے احکام پر عمل و درآمد بھی ہو اور چونکہ توریت و انجیل کے اسی حصہ کے قائم کرنے کا حکم ہے کہ جس کی تصدیق قرآن مجید نے کر دی ہے لہٰذا قرآن مجید کے ساتھ ان کے قائم کرنے سے کسی طرح کا کچھ اشکال پیدا نہیں ہوتا اور مفسرین نے ان کے قائم کرنے کا اسی

[1] اور اوّل اور آخر تعریف اللہ کے لئے ہے۔ (از مرتب)
[2] اور اللہ تجھے لوگوں (کے حملوں) سے محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر صغیر)

قدر مطلب لیا ہے کہ ان کے بتانے کے مطابق قرآن مجید اور آنحضرتؐ پر ایمان لاویں اور بس اور گو یہ مطلب لینا کوئی وجہ نہیں رکھتا۔

لیکن اس صورت میں بھی قرآن مجید کے ساتھ ان کے قائم کرنے سے کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اہل کتاب کو یہ کہنا ان کی رگ عناد کو نہایت درجہ کی تحریک کرنا تھا اور عناد کے بھڑکنے سے ان کے گمراہی اور سرکشی میں بڑھنے کا اور بھی اندیشہ تھا لہٰذا فرمادیا کہ) جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کو سخت سرکشی اور کفر میں بڑھادے گا (اور ہر ایک نبی اور رسول اور پھر خصوصاً رحمۃ للعالمین رسولؐ کا تو سب سے اہم اور محبوب تر مطلوب تو لوگوں کی اور خصوصاً پہلے اہل کتاب کی ہدایت تھی اس لئے ضروری تھا کہ حضورؐ کو اس سے سخت افسوس لاحق ہو تو فرمایا کہ جب ان کے عناد اور تکبر کی یہ حالت ہے) تو تم ان لوگوں پر افسوس نہ کرو جو کہ کافر بننے والے ہیں۔

(یعنی نہ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ میں کوئی نقص ہے اور نہ تمہاری تبلیغ میں کوئی نقص اور کمی ہے بلکہ ان کا عناد شدید اور تکبر عظیم مستلزم کفر ہے جو ان دونوں کے ہوتے ہوئے ان سے منفک ہو سکتا ہی نہیں اور جس اقامت توریت و انجیل اور مَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ [1] (المائدۃ:67) کا ان کو حکم دیا گیا تھا اس کی تفسیر اور اس کے قاعدۂ کلیہ کے رنگ میں پیش کرنے کے لئے جو کہ اس حکم کے لئے بطور دلیل ٹھہرے فرمایا کہ) بیشک جو لوگ ایمان لائے ہیں (یعنی مومنین لوگ) اور جو یہودی بنے ہیں اور (اسی طرح) صابی لوگ اور عیسائی جو جو (ان میں سے) اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر (یعنی اوّل سے آخر تک) ایمان لایا اور اس نے سنوار والے کام کئے تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کُڑھیں گے (چونکہ پہلے اہل کتاب کو کہا گیا تھا کہ او کتاب والو تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ تم توریت و انجیل اور مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ کو قائم کرو اور یہ وہ بات تھی جو کہ اہل کتاب کو سخت طیش میں لانے والی تھی اور نیز قائم کرنے کا مطلب بھی واضح نہ تھا تو اہل کتاب کی خصوصیت کو اُڑانے اور اقامت کا مطلب بتانے کیلئے فرمایا ہے کہ اہل کتاب کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ خواہ

[1] جو ان پر اتارا گیا۔ (تفسیر صغیر)

مومن کہلانے والے ہوں یا یہودی بننے والے ہوں اور اسی طرح صابی ہوں یا عیسائی ہوں اپنے اپنے مذہب کے دور کے زمانہ میں اسی قدر سے وہ نجات یافتہ نہیں ہو سکتے کہ وہ بظاہر مومنوں میں داخل ہو جائیں یا یہودی بن جائیں اسی طرح صابی بن جائیں یا عیسائی بن جائیں بلکہ تب ہی وہ بے خوف و حزن ہو سکتے ہیں کہ ایمان بھی اوّل سے آخر تک رکھتے ہوں اور جو جو عمل صالح ان کے مذہب نے قرار دئے ہوں ان پر ان کا عمل و درآمد ہو اور یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ اس قسم کی آیتوں کا یہی منشاء ہوتا ہے نہ یہ کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد بھی یہود بدون ایمان بالقرآن و بخاتم النبیین اور سوائے عمل بالقرآن کے مجرد توریت پر ایمان لاکر اور اس پر عمل و درآمد رکھ کر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ہو سکتے ہیں اور لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا [1] (المائدۃ:49) وغیرہ کا بھی یہی مطلب ہے اور جہاں پر بعد نزول قرآن مجید کے پہلی کتابوں کے قائم کرنے کا ذکر ہے اوّل تو ان کے ساتھ قرآن مجید کے قائم کرنے کی بھی شرط ہے اور پھر ان کا وہ مطلب ہے جو کہ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ الخ کی تفسیر میں بیان ہوا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں کہیں نجات اور بے خوف و حزن ہونے کے لئے مجرد ایمان باللہ یا ایمان باللہ والیوم الآخر کی شرط بیان ہوتی ہے اور ایمان بالرسل اور ایمان بالملائکہ اور ایمان بالکتب کا بظاہر کوئی ذکر نہیں ہوتا جیسا کہ یہاں پر ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ نجات کے لئے ان تینوں غیر مذکورہ ایمانوں کی بالکل ضرورت نہیں ہے اور ان کے سواء ہی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جس قرآن مجید میں یہ آیتیں ہیں اسی میں تقویٰ یعنی نجات کے لئے مختلف مقامات میں ان کی شرط لگائی گئی ہوئی ہے۔

مثلاً قرآن عظیم کے ابتداء ہی میں جہاں هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ [2] (البقرۃ:3) فرمایا ہے وہاں جیسا الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ [3] (البقرۃ:4) فرما کر سب ایمانوں کی ضرورت بالاجمال بتائی ہے

[1] ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے (اپنی اپنی استعداد کے مطابق الہامی) پانی تک پہنچنے کے لئے ایک چھوٹا یا بڑا راستہ بنایا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ایسا ہی اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ [1] الخ (البقرۃ:5) فرما کر کتب سماویہ پر ایمان لانے کی ضرورت کی تصریح فرمائی ہے پھر وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ...نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصۡلِہٖ جَہَنَّمَ [2] (النساء:116) وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ [3] (النساء:65) فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ (النساء:66) [4] فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ [5] (النساء:60) وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ...فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ [6] (آل عمران:82-83)

پھر صاف صاف فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّ نَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ۔ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا وَ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ۔ [7] (النساء:151-152) وغیر ذالک جس سے ایمان بالکتب اور ایمان بالرسل کی ضرورت صاف صاف ثابت ہے اور نیز بعض سے ایمان باللہ اور ایمان بالرسل میں تلازم بیان ہوا ہے پس ایسے مقامات میں ان کی نفی نہیں بلکہ جس طرح وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ [8] (البقرۃ:9) میں

---

[1] اور جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور جو شخص (بھی) ہدایت کے پوری طرح کھل جانے کے بعد (اس) رسول سے اختلاف ہی کرتا چلا جائے گا...ہم اسے اسی چیز کے پیچھے لگا دیں گے جس کے پیچھے وہ پڑا ہوا ہے اور اسے جہنم میں ڈالیں گے۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور ہم نے کوئی رسول (بھی) سوائے اس غرض کے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے نہیں بھیجا۔ (تفسیر صغیر)

[4] پس تیرے رب کی قسم ہے کہ جب تک وہ (ہر) اس بات میں جس کے متعلق ان میں جھگڑا ہو جائے تجھے حکم نہ بنائیں ہرگز ایمان دار نہ ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

[5] پھر اگر تم (حکام سے) کسی امر میں اختلاف کرو تو اگر تم اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ (تفسیر صغیر)

[6] اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب اللہ نے (اہل کتاب سے) سب نبیوں والا پختہ عہد لیا تھا کہ جو بھی کتاب اور حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی (ایسا) رسول آئے جو اس کلام کو پورا کرنے والا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا.....اب جو (شخص) اس عہد کے بعد پھر جائے تو ایسے لوگ فاسق ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

[7] جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان (درمیان) کوئی راہ اختیار کریں۔ وہ لوگ یقیناً پکے کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[8] اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔ (تفسیر صغیر)

نفی نہیں بلکہ اوّل سے آخر تک ایمان لانا مراد ہے اسی طرح ایسے مقامات میں بھی اوّل سے آخر تک مراد ہے اور مفسرین نے اِنَّ کے بعد وَالصَّابِئِیْنَ کی بجائے وَ الصّٰبِئُوْنَ لانے کی بہت سی وجہیں بیان کی ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات متعدد چیزوں کو دو دو یا زیادہ سے ٹکڑے مرکب کرکے ذکر کیا جاتا ہے اور ان ٹکڑوں پر متنبہ کرنے کے لئے اعراب یا طرز میں کچھ فرق کیا جاتا ہے چنانچہ یہاں پر بھی ایسا ہی ہے کہ یہود کے ساتھ تو مومنوں کو جوڑا ہے اور نصاریٰ کے ساتھ صابیوں کو ذکر کیا ہے اور پہلے ٹکڑے کو اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اَلَّذِیْنَ هَادُوْا کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے کو اَلَّذِیْنَ تَصَابَئُوْا۔ اَلَّذِیْنَ تَنَصَّرُوْا کی بجائے الصّٰبِئُوْنَ۔ النَّصَارٰی کے ساتھ بیان کیا ہے اور جس طرح طرز کو بدلایا ہے اسی طرح اعراب کو بھی بدل دیا ہے۔ اِنَّ کا اسم تو اَلَّذِیْنَ ہے اور خبر مَنْ اٰمَنَ الخ کا جملہ ہے اور الصّٰبِئُوْنَ الخ مبتداء ہے كَذٰلِكَ مقدر اس کی خبر ہے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کیا بنی اسرائیل اقامت توریت اور ایمان مذکور (اور عمل صالح کرتے رہے ہیں یا کہ اس کے خلاف پر قائم رہے ہیں فرمایا کہ واللہ) یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کا پختہ عہد لیا تھا (اس عہد کی تفسیر بارہا گذر چکی ہے اور اسی کی وجہ سے توریت کو عہد عتیق اور انجیل کو عہد جدید کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے) اور (اس عہد کی تجدید و تاکید کے لئے) ہم نے ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے۔ (تو) جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ امر لایا جس کو ان کے جی (بُرا جانتے تو کیا بلکہ) چاہتے نہ تھے (تو) کسی کو انہوں نے (فقط) جھٹلایا اور کسی کو وہ قتل کر رہے ہیں (یعنی حق تو یہ تھا کہ وہ ہر رنگ میں ان رسولوں کی پیروی کرتے لیکن ان کی یہ حالت رہی ہے کہ جب کوئی رسول کوئی ایسا حکم لایا ہے جس کو ان کی ناپاک طبیعتیں نہیں چاہتی تھیں تو پھر پیروی تو درکنار اور نہ ماننا بھی کجا اُلٹے ان کے دشمن بن گئے اور اس دشمنی کے باعث باوجود ان کے راستباز یقین کرنے کے انہوں نے ان کی تکذیب کی اور بعض کی تکذیب ہی پر بس کی اور بعض کی تکذیب کے بعد ان کو قتل بھی کرنے لگے۔

اور لکھا ہے کہ قتل کو بلفظ مضارع ایک تو گذشتہ واقعہ کے استحضار کے لئے بطور

حکایت حال ماضیہ لایا گیا ہے اور دوم اس میں ان کے اس ارادہ اور کوشش کی نسبت اشارہ ہے کہ اب بھی وہ آنحضرتؐ کے قتل کی نسبت رکھتے ہیں۔

قتل انبیاءؑ:

باقی رہی قتل انبیاءؑ کی بحث تو وہ بار بار مفصل بیان ہو چکی ہے جس کا خلاصہ در خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنی طرف سے وہ کام کرتے ہیں جس سے انسان مر جایا کرتے ہیں اور زبان عرب میں کل فعل کے صیغے اسی پر دلالت کرتے ہیں کہ فاعل سے فعل صادر ہوا ہے اور اس پر ہر گز دلالت نہیں کرتے کہ مفعول نے اس کے اثر کو قبول بھی کر لیا ہے جیسا کَسَرْتُ الْاِنَاءَ فَانْکَسَرَ[1] کی مثال سے ظاہر ہے کہ اوّل نے مجرد وقوع فعل پر دلالت کی ہے اور فَانْکَسَرَ نے قبول اثر پر دلالت کی ہے۔ پر یہ خداوند تعالیٰ کا فعل تھا کہ ان کے اس فعل کا اثر انبیاءؑ پر نہیں ہونے دیا بلکہ ان کو محفوظ رکھا ہے جیسا حضرت ابراہیمؑ کی آگ اور حضرت مسیحؑ کی صلیب کا واقعہ شاہد ناطق ہیں اور انسان چونکہ بہت ضعیف اور بہت جلد باز ہے لہٰذا اس سے قصور ہو ہی جایا کرتا ہے اور ایسے عظیم الشان قصور کا بہت ہی جلد علم بھی ہو جایا کرتا ہے اور اس کے بدترین وبال سے آدمی بہت ڈر جاتا ہے اور ڈر کر پشیمان ہوتا اور توبہ اور استغفار کرتا ہے پر فرمایا کہ باوجود ایسے عظیم الشان جرم کے ان کی توبہ واستغفار کی بھی کوئی راہ نہ نکلی کیونکہ) انہوں نے خیال کیا کہ کچھ فتنہ (ابتلاء اور شر و عذاب) نہ ہو گا (جیسا کہ اب یہ لوگ گمان کرتے ہیں کیونکہ انہی کی طرح ان کے بڑوں کے بھی ایسے ہی خیالات تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ[2] (المائدۃ:19) اور یہ کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً[3] (البقرۃ:81) تو جب یہ خیال کیا تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ پشیمان نہ ہوں بلکہ اور گستاخ ہوں لہٰذا فرمایا کہ) پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے (یعنی جس طرح حق کے دیکھنے اور سُننے سے وہ اندھے اور بہرے تھے ایسے ہی وہ اپنی شرارتوں کے بدانجاموں اور تباہیوں سے بھی اندھے اور بہرے ہو گئے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ پھر ضرور ان کو وہ فتنہ پہنچے جس کے نہ ہونے کا انہوں نے گمان کیا تھا پس یہ

---

[1] میں نے برتن توڑا تو وہ ٹوٹ گیا۔ (از مرتب)

[2] ہم اللہ کے بیٹے (ہیں) اور اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3] ہمیں چند گنتی کے دنوں کے سوا (دوزخ) کی آگ ہر گز نہ چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)

کہنا گویا بلفظ دیگر یہ کہنا ہے کہ ان کی گستاخی کے باعث ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا لہٰذا فرمایا کہ) اس کے بعد پھر اللہ ان پر رجوع برحمت لایا۔ (تو اب ان کو عاجزی اور فروتنی اختیار کرنی چاہیئے تھی لیکن فرمایا کہ) پھر ان میں بہت سے اندھے اور بہرے ہوئے اور اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔ (اور مفسرین نے دو دفعہ اندھا اور بہرا ہونے اور ان کے درمیان میں خداوند تعالیٰ کے رجوع برحمت کرنے کے مصداق کی تعیین میں بہت سا اختلاف کیا ہے۔

زمخشری نے تو پہلے سے گوسالہ پرستی اور دوسرے سے اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً[1] (النساء:154) کہنا لیا ہے۔ پر اکثر مفسرین نے اس کو ردّ کیا ہے کیونکہ یہ تو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں ہوا ہے اور یہاں پر اس کے ذکر سے پہلے انبیاءؑ کے قتل کا ذکر ہے جو کہ اس وقت تک یقیناً ان سے سرزد نہیں ہوا تھا بلکہ یہ موسیٰؑ کے زمانہ کے پیچھے واقع ہوا ہے اور نہ ان دونوں واقعوں میں وہ ترتیب ہے جس پر لفظ ثُمَّ دال ہے اور اکثروں نے ان دونوں سے بنی اسرائیل کے دونوں افساد لئے ہیں جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ[2] الخ (بنی اسرائیل:5) کے ساتھ ہوا ہے اور پہلے افساد سے بنی اسرائیل کا وہ بگڑنا لیا ہے جس کی سزا میں بابلیوں کی قید میں گرفتار ہوئے تھے اور خداوند تعالیٰ کے رجوع برحمت سے بابلیوں کی قید سے ان کو چھڑا کر پھر ارض مقدسہ میں آباد کرنا اور بیت المقدس کا از سر نو پھر آباد کرانا ہے اور دوسرے افساد سے وہ مراد لیا ہے جو زکریاؑ اور حضرت یحییٰ اور پھر حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ان سے واقع ہوا ہے اور بعض نے اوّل سے وہ خرابی لی ہے جو کہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں ان سے واقع ہوئی تھی اور دوم سے وہ لی ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان میں تھی جیسا کہ وَ اللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ صاف اس پر دلالت کرتا ہے۔ پر حق یہی ہے کہ ہر ایک رسول کے وقت وہ گستاخی اور شرارت کرکے حَسِبُوْٓا اَلَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ کا مصداق ٹھہرتے اور اندھے اور بہرے بنتے پھر عذاب نازل کرکے یا قبل اس کے رجوع برحمت ہوتا اور خداوند تعالیٰ ان پر رحمت اور فضل

[1] تو ہمیں اللہ ظاہر میں دکھادے۔ (تفسیر صغیر)
[2] تم یقیناً اس ملک میں دوبار فساد کروگے۔ (تفسیر صغیر)

کرنے کے لئے اور رسول بھیجتا کہ پہلے کے وقت میں اگر انہوں نے فائدہ نہیں اُٹھایا تو اب اُٹھالیں لیکن پہلی دفعہ کی طرح اب پھر اکثر ان میں سے اندھے، بہرے ہو جاتے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کا زمانہ آگیا اور خداوند تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے کہ ان میں کوئی تبدیلی انہوں نے نہیں کی یعنی اب آخری حد پہنچ چکی ہے اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی لہٰذا اب ضرور ان کو سزا ملے گی اور جس طرح پہلے بنی اسرائیل کی عام خرابیاں بیان کر کے اخیر میں بالخصوص یہود کی شرارتیں وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ[1] الخ (المائدۃ:65) کے ساتھ بیان فرمائی تھیں اسی طرح اب بھی اہل کتاب کے عام قبائح کے ذکر کے بعد خاص نصاریٰ کے افتراؤں کو بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ واللہ) یقیناً وہ لوگ کافر بنے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ اللہ وہ مسیح بن مریم ہی ہے۔ (اس کی تفسیر عنقریب ہی گذر چکی ہے) حالانکہ مسیحؑ نے کہا تھا کہ او بنی اسرائیل تم خاص اللہ ہی کی عبادت کرو جو کہ میرا اور تمہارا رب ہے (یعنی عبادت کا استحقاق محض ربوبیت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ ربوبیت اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔)

یقیناً بات تو یہ ہے کہ جو کوئی جس نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا سو یقیناً اللہ نے اس پر جنت کو حرام کیا اور اس کا ٹھکانا آگ ہے (اور ان کا اپنے آباؤ اجداد کی نسبت یہ خیال رکھنا کہ وہ اور ان کی عظمت ہم کو بچادے گی یا یہ کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ[2] (المائدۃ:19) وغیرہ اَمانی سب غلط ہیں کیونکہ یہ لوگ ظالم اور مشرک قرار پا چکے ہیں) اور ظالموں یا (مشرکوں) کیلئے کوئی مددگار نہیں ہیں (اور انہی نصاریٰ میں سے ایک دوسرے فرقہ کا ایسا ہی افتراء بیان کرنے کے لئے جیسا کہ پہلے فرقہ کا بیان ہوا ہے فرمایا کہ واللہ) یقیناً وہ لوگ کافر بنے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ یقیناً اللہ تین میں سے ایک ہے (یعنی انہوں نے تین خدا قرار دیئے ہیں اور اللہ کو ان میں سے ایک قرار دیا ہے) حالانکہ کوئی متصرف بجز ایک متصرف کے ہرگز نہیں ہے۔ (سو معبود وہی ہوتا ہے جو کہ رب ہو اور رب وہی ہوتا ہے جو کہ مُتَصَرِّفٌ فِيْ جَمِيْعِ الْاَشْيَاءِ عَلَى الْاِطْلَاقِ[3] ہو تو جب ایسا متصرف ایک ہی ہے تو پھر

[1] اور یہودی کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ میں زنجیر پڑی ہوئی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ہم اللہ کے بیٹے (اور) اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[3] تمام چیزوں پر علی الاطلاق تصرف رکھنے والا۔ (از مرتب)

رب اور معبود بھی ایک ہی ہے نہ دو یا تین) اور اگر یہ لوگ اس سے باز نہ آئیں گے جو کہ یہ کہا کرتے ہیں تو ان میں سے کافر بننے والوں کو ضرور ہی دردناک عذاب پکڑے گا (تو چونکہ یہ نہایت درجہ کا بدیہہ البطلان عقیدہ ہے کہ جس کا بطلان بادی النظر میں معلوم ہو سکتا ہے تو اس لئے ان کے اصرار اور عدم رجوع پر اظہار تعجب کر کے فرمایا کہ) کیا یہ لوگ (اس کے ابطال مبرہن کو سنتے ہیں اور) پھر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اس سے مغفرت نہیں مانگتے حالانکہ اللہ بہت مغفرت کرنے والا، بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے (اور جب اس باطل ترین عقیدہ کے بطلان کے اعلیٰ درجہ کے ظہور کی طرف اظہار تعجب میں اشارہ کیا گیا تو اس لئے مناسب ہوا کہ اس کے بطلان کے ظہور پر تنبیہ کی جائے لہٰذا فرمایا کہ) مسیح بن مریم تو رسول ہی تھا (یعنی اس میں الوہیت کے آثار میں سے تو کوئی ایک بھی نہ تھا۔

ہاں اس کے بڑے سے بڑے کمالات اگر ثابت کرتے ہیں تو اس کی رسالت ہی ثابت کرتے ہیں اور بس) یقیناً اُس سے پہلے سب رسول فوت ہو گئے ہیں (تو گو تم میں سے کوئی اس کی زندگی یا مرنے کے بعد پھر کسی نرالی زندگی کا قائل ہو۔ لیکن اس کا رسول ہی ہونا اور رسالت سے آگے ایک ذرہ بھی نہ بڑھنا اور اُس سے پہلے سب رسولوں کا یکساں مر کر گذر جانا اور پھر کسی کا کسی نرالی زندگی کے ساتھ زندہ نہ ہونا اس کا بین ثبوت ہے کہ وہ مر گیا اور مرنے کے بعد ہر گز کسی نرالی زندگی کے ساتھ زندہ نہیں ہو گا اور جس کی یہ شان ہو وہ کیونکر اللہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نیز جب وہ رسول ہی ہے اور سب رسول جو اس سے پہلے تھے وہ مر کر گذر گئے ہیں اور جس طرح توریت کے واضح بیان کے مطابق تم مانتے ہو کہ جو مدعی قتل ہو وہ جھوٹا ہے اور جو صلیب پر لٹکایا جاوے وہ لعنتی ہے جس طرح کوئی پہلے رسولوں سے نہ قتل ہو کر اور نہ مصلوب ہو کر گذرا ہے اسی طرح وہ بھی نہ قتل ہوا ہے اور نہ مصلوب ہو کر گذرا ہے بلکہ اپنی طبعی موت سے فوت ہوا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ گو احمدی جماعت کی طرف سے یہ آیت وفات مسیح پر پیش نہیں کی گئی بلکہ بجائے اس کے آیہ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ[1] (آل عمران:145)

[1] اور محمدؐ صرف ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

پیش کی گئی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابو بکرؓ نے آیہ مَا مُحَمَّدٌ الخ کو بطور استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی وفات پر پیش کیا تھا بعینہٖ اسی طرح خدائے علیم و حکیم نے اس آیہ مَا الْمَسِیْحُ الخ کو حضرت مسیح کی طبع موت بطور استدلال پیش کیا ہے۔ تو جس طرح مَا مُحَمَّدٌ الخ کے ہوتے ہوئے آنحضرتؐ کے لئے کوئی نرالی زندگی قرار نہیں دی جاسکتی اسی طرح مَا الْمَسِیْحُ الخ کے ہوتے ہوئے مسیحؑ کے لئے پہلے رسولوں سے کوئی نرالی زندگی قرار نہیں دی جاسکتی۔

ایک اور بات یہاں پر یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ جب آیہ مَا مُحَمَّدٌ الخ کو مسیحؑ کی وفات ثابت کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے تو مخالفین کا پہلا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ خَلَتْ کے معنے اکیلے ملنے کے ہیں جیسا اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِھِمْ [1] (البقرۃ:15) میں ہے تو جب بتایا جاتا ہے کہ وہاں پر اِلٰی کی وجہ سے یہ معنے ہیں جیسا کہ کتب لغت میں آیا ہے تو پھر دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس کے معنے گذرنے کے ہیں نہ مرنے کے اور گذرنا اس طور پر بھی ہو سکتا ہے کہ اپنی ڈیوٹی سے کچھ مدت علیحدہ ہو گیا ہو یا اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ پر چلا گیا ہو جیسا کہ پنشن یافتہ اور تبدیل شدہ حکام کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں پر حاکم ہو گذرے ہیں۔

تو مسیحؑ کے بارہ میں اگر یہ معنے لئے جاویں تو اس کی وفات نہیں ثابت ہوتی۔ تو اس کے جواب میں اوّل تو وہ حوالے کتب لغت کے پیش کرنے چاہیئے جن کا نمونہ تشریح میں گذر چکا ہے جن میں صاف صاف موجود ہے کہ خَلَا کے معنے مَاتَ کے ہیں پھر اسی آیت کے آگے فرمایا اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ [2] (آل عمران:145) جس میں خلو کی دو ہی صورتیں بتائی ہیں اوّل موت دوم قتل۔ تو جب قرآن مجید نے خلو کو دو صورتوں میں بند کر دیا تو اب اس آیت میں ان دو صورتوں کے سواء اور کوئی صورت ہرگز نہیں لی جاسکتی اور ان دو میں سے بھی مسیحؑ کے بارہ میں قتل والی صورت تو خود قرآن مجید

[1] جب وہ اپنے سرغنوں سے علیحدگی میں ملیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] پس اگر وہ وفات پا جائے یا قتل کیا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟۔ (تفسیر صغیر)

نے نفی کر دی ہوئی ہے پس موت والی صورت قرآن مجید سے معین ہو گی فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ[1] (یونس:33) فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ[2] (الاعراف:186)

سوم ہم مَا مُحَمَّدٌ الخ سے پہلے مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ الخ کے معنے دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ دونوں آیتیں ایک ہی جیسی ہیں فرق اگر ہے تو فقط اس قدر ہے کہ ایک میں مَا کے بعد مُحَمَّدٌ ہے اور دوسری میں الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ہے اور دوم میں تو یقیناً نہ کوئی مفسر اور نہ کوئی مولوی صاحب مذکورہ بالا گزرنا لیتا ہے اور نہ مسیحؑ سے پہلے کے رسولوں میں سے کسی ایک میں وہ گزرنا فی الواقعہ پایا جاتا ہے اور نہ کسی میں وہ تسلیم کیا جاتا ہے بلکہ جو پہلی آیت کے بعد قرآن مجید نے اس گزرنے کی دو صورتیں بتائی ہیں انہی دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ان کثیر التعداد رسولوں میں سے ہر ایک میں تسلیم کی جاتی ہے۔ تو جب سب رسولوں کے لئے خَلَتْ کے معنے ان دو صورتوں میں منحصر ہیں تو کیا مسیح کے لئے اس لفظ کے کوئی اور معنے ہو جاویں گے۔

میں نے بارہا مخالفوں سے پہلے آیہ مَا الْمَسِیْحُ الخ کے معنے دریافت کئے ہیں اور پھر آیۃ مَا مُحَمَّدٌ الخ کے معنے دریافت کئے ہیں تو پھر ان کو سخت شرمندہ اور لاجواب ہونا پڑا ہے۔ امید ہے کہ جو دوست اس تحقیق کو خوب سمجھ کر ملحوظ رکھیں گے وہ اس سے بہت فائدہ اٹھائیں گے الغرض کہ یہ آیت جس طرح بڑے عیسائیوں کا ناطقہ بند کر کے اور انبیاءؑ کی طرح مسیح کی وفات کی ان پر حجت پوری کرتی ہے اسی طرح چھوٹے عیسائیوں پر مسیح کے لئے نرالی زندگی نہ ہونے بلکہ دوسرے انبیاءؑ کی طرح وفات یافتہ ہو کر گزر جانے کی وہ قوی ترین حجت ہے جو کہ خود خدائے علیم و حکیم نے پیش کی ہے نہ کسی احمدی یا اور انسان نے اور الٰہی استدلال پر بھی جو چون وچرا کریں تو ان کے ساتھ خدائے قدیر ہی سمجھے اور دوسری وجہ مسیحؑ کی الوہیت کے ابطال کے لئے یہ پیش کی ہے کہ) اس کی ماں بڑی راستباز ہے (یعنی اوّل تو اس کے لئے والدہ تھی اور والدہ کے پیٹ میں ایک مدت تک مقید و محدود رہنا اور رحم کے

[1] اور حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا کیا (حاصل ہو سکتا) ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] پھر وہ اس کھلی بات کے بعد کس بات کے ذریعہ ایمان لائیں گے۔ (تفسیر صغیر)

خون کا کھانا پھر معتاد طریق کے ساتھ روتے چلاتے ہوئے پیدا ہونا اور اس کی تربیت و پرورش کا محتاج ہونا ہی الوہیت کو باطل کرتا ہے۔

دوم پھر جس طرح مسیحؑ کے کمالات رسالت سے متجاز نہ تھے اسی طرح ان کی والدہ کے کمالات ایک صدیق اور صدیقہ سے آگے نہ تھے جو کہ نبوت سے بھی نیچے ہیں اور جس میں ہزار ہا خداوند تعالیٰ کے بندے اور بندیاں اس کے ساتھ شریک مساوی یا شریک غالب ہیں تو پھر اس کا بیٹا جو کہ اس کے قویٰ کا نمونہ اور اس کے آثار مرتبہ کا صحیح وارث اور قائم مقام ہے (جیسا کہ بیٹے بیٹی کی فلاسفی سے ثابت ہے اور بارہا ذکر ہو چکا ہے) کس طرح الٰہ ہو سکتا ہے۔

صِدِّيْقَةٌ کے معنے میرے نزدیک وہی ہیں جو کہ ابو بکر الصدیق یا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ[1] (الحدید:20) اور مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ[2] (النساء:70) میں صدیق کے معنے ہیں اور یہاں سے یہ مسئلہ اور نزاع بھی حل ہو جاتا ہے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں یا نہ تھیں اور مفسرین میں سے بعض نے تصدیق سے لیا ہے اور اس سے وہ تصدیق مراد لی ہے جو کہ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ[3] (التحریم:13) میں ہے اور بعض نے صدق بمعنے سچ سے لیا ہے اور بعض نے صدق بمعنے صدق معاملہ مع اللہ سے لیا ہے۔

اور تیسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ) وہ دونوں (ماں۔ بیٹا) کھانا کھایا کرتے تھے (یعنی تم خوب جانتے اور مانتے ہو کہ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے اور ان کا کھانا اس کی بین دلیل ہے کہ ان میں اور جانداروں کی طرح سلسلۂ تحلیل کے ذریعہ سے فنا جاری تھی اور بدل مایتحلل کے محتاج تھے جس کو کھانا کھانے سے پورا کرتے تھے اور اس ذریعہ سے دنیا کی ہزار ہا چیزوں کی طرف ان کی احتیاج ثابت ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے پاخانہ اور پیشاب کے محتاج تھے اور اسی کی وجہ سے بیماریوں کے محل اور دواؤں اور علاجوں کی طرف محتاج تھے اور ان احتیاجوں کی وجہ سے وہ بالکل دوسرے خاص اور عام اور اعلیٰ اور ادنیٰ انسانوں

[1] وہی صدیق کا درجہ پانے والے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] یعنی انبیاء اور صدیقین۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور اس نے اس کلام کی جو اس کے رب نے اس پر نازل کیا تھا تصدیق کر دی تھی اور اس (خدا) کی کتابوں پر بھی ایمان لائی تھی۔ (تفسیر صغیر)

کے ساتھ شریک و مساوی تھے اور ان پر کوئی فوقیت نہ رکھتے تھے لہٰذا ان کی ربوبیت کا وہم تک بھی نہیں ہو سکتا۔

بعض مفسرین نے یہ تین وجہیں نہیں قرار دیں بلکہ کہا ہے کہ پہلے تو مسیح کا ایک کمال بیان کیا کہ وہ رسول تھا اور پھر دوسرا کمال یہ بتایا کہ اس کی والدہ بھی صدیقہ تھی اور پھر یہ فرما کر اس کی الوہیت کا ابطال فرمایا کہ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے یعنی خود بھی فنا پذیر اور محتاج الی الاغیار تھا اور اس کا اصل یعنی والدہ بھی ایسی ہی تھی اور ان کے عنادی کفر اور اصرار پر متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اے ہر ایک دیکھنے والے یا اے رسول) تم دیکھو کہ کس طرح ہم ان کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں پھر تم دیکھو کہ وہ کہاں بھٹکائے جاتے ہیں۔

(آیات کے معنے جیسے نشانوں اور قرآن مجید کی آیتوں کے ہوتے ہیں اسی طرح کبھی دلائل کے بھی ہوتے ہیں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر دلائل ہی مراد ہیں اور ان کے ملزم کرنے کے لئے اور ان کے لاجواب ہونے کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم ان کو کہو کہ کیا تم اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ ضرر کا قابو رکھتی ہے اور نہ نفع کا (حالانکہ معبود کے لئے یہ ضروری ہے کیونکہ عبادت کی بنا ہی حسن اور احسان پر ہے اور مالک ضرر و نفع ہونا جیسا حسن اور کمال ہے ایسا ہی دوسرے کی نسبت یہ احسان بھی ہے اور اس کے مقابل عجز ہے جو کہ فی ذاتہٖ نہایت بدترین نقص ہے) حالانکہ اللہ بہت سننے والا، بہت جاننے والا ہے۔ (اس کے ساتھ دو باتیں بتائی ہیں ایک یہ کہ وہ تمہاری دعاؤں کو جو ضرر سے بچنے اور نفع حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو خوب جانتا ہے یعنی تمہاری کوشش کو کامیاب کرتا ہے۔

دوم یہ ہے کہ وہ تمہارے ان گندے کلمات کو سنتا اور تمہاری کفریات اور افتراؤں کو خوب جانتا ہے یعنی ان پر وہ تم کو سزا دے گا اور ان دو باتوں سے یہ ظاہر کیا ہے کہ جس کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو اس کے لائق نہیں کیوں کہ ضرر سے بچانے اور نفع کے پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا پر خداوند تعالیٰ اس کے سزاوار ہے کیونکہ وہ اس پر قادر ہے اور چونکہ

شرک مذکور میں ایک عاجز بندہ کو حد سے بڑھا کر الوہیت کے مرتبہ تک بلند کیا گیا ہے اور پھر بے وجہ محض آباء واجداد کی تقلید سے ایسا کیا گیا ہے اور انہوں نے بھی محض اپنی گری ہوئی خواہشات سے ایسا کیا تھا اس لئے فرمایا کہ تم ان کی ان باتوں کو لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے) کہو کہ او کتاب والو تم اپنے دین میں حد سے ناحق نہ بڑھو اور ان لوگوں کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو کہ یقیناً پہلے بہکے تھے اور انہوں نے بہتوں کو بہکایا تھا اور برابر راستہ سے بہکے ہیں۔

آیت 79 تا 87: لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ۔ کَانُوۡا لَا یَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ۔ تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ۔ وَ لَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ۔ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الۡیَهُوۡدَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا ۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقۡرَبَهُمۡ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنۡهُمۡ قِسِّیۡسِیۡنَ وَ رُهۡبَانًا وَّ اَنَّهُمۡ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ۔ وَ اِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ تَرٰۤی اَعۡیُنَهُمۡ تَفِیۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَقِّ ۚ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاکۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِیۡنَ۔ وَ مَا لَنَا لَا نُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَا جَآءَنَا مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَ نَطۡمَعُ اَنۡ یُّدۡخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الصّٰلِحِیۡنَ۔ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوۡا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزَآءُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ۔

تشریح الفاظ:

لَعْنَةٌ۔ رحمت الٰہیہ سے ہمیشہ کے لئے دور کرنا۔

لَا یَتَنَاهَوْنَ۔ تَنَاهِی سے ہے، باز رہنا۔

یَتَوَلَّوْنَ۔ تَوَلّٰی بمعنے موالات اور دوست بنانے کے ہے۔

سَخِطَ۔ سُخْطٌ سے ہے، غضب اور خفگی۔

قِسِّيْسِيْنَ۔ قِسِّيْسٌ کی جمع ہے اور یہ قُسٌّ سے ہے، جس کے اصل معنے رات میں کسی چیز کی تتبع اور تلاش کرنے کے تھے اور پھر علمائے نصاریٰ کا نام رکھا گیا کیونکہ وہ علوم کے حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کیا کرتے تھے پس قِسِّيْسِيْنَ کے معنے یہاں پر پادریوں کے ہیں۔

رُهْبَانٌ۔ رَاهِبٌ کی جمع ہے، جو کہ رَهْبَةٌ اور رَهْبَانِيَةٌ سے بنایا ہوا ہے اور رَهْبَةٌ کے اصل معنے خوف کے تھے اور پھر گرجا میں عبادت کرنے پر بولا گیا ہے اور پھر زہد و تعبد میں غلو کرنے اور اہل و عیال اور گھر بار سے علیحدگی اختیار کرنے پر بولا جاتا ہے اور یہی معنے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ[1] میں اور یہاں پر مراد ہیں۔

تَفِيْضُ۔ فَيْضٌ سے ہے، پانی وغیرہ کا بہنا۔ دَمْعٌ۔ آنسو۔

اَثَابَ۔ اِثَابَةٌ سے ہے۔ جو کہ ثَوَابٌ اور مَثُوْبَةٌ سے بنا ہوا ہے، بدلہ دینا۔

ترجمہ:

جو لوگ بنی اسرائیل سے کافر بنے وہ داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کئے گئے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے اور ہمیشہ حد سے بڑھتے تھے۔ وہ اس بدی سے باز نہ آتے جس کو کرتے۔ یقیناً وہ کیا ہی برا ہے جو کہ وہ ہمیشہ کرتے رہے۔ تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ وہ ان سے دوستی رکھتے ہیں جو کہ کافر بنے ہیں۔ یقیناً وہ بہت ہی برا ہے جو کہ ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے (وہ یہ ہے) کہ ان پر اللہ ناراض ہوا ہے اور عذاب میں وہ رہ پڑنے والے ہیں اور اگر وہ اللہ پر اور نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو کہ اس کی طرف اتارا گیا ہے تو وہ ان کو دوست نہ بناتے ولیکن ان میں سے بہت حکم عدولی کرنے والے ہیں (واللہ) تم ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان لائے ہیں سب سے سخت ترین عداوت والے یہود کو اور ان کو پاؤ گے جو کہ مشرک بنے ہیں اور (واللہ) تم ان کے لئے جو کہ ایمان لائے ہیں سب سے نزدیک تر محبت والے ان کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم یقیناً نصاریٰ ہیں۔

یہ اس وجہ سے کہ یقیناً ان میں سے کچھ پادری ہیں اور کچھ غالی زاہد ہیں اور یقیناً وہ

[1] اسلام میں رہبانیت نہیں۔ (از مرتب)

متکبر نہیں بنتے اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ اس رسول کی طرف نازل کیا گیا ہے تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ اس حق کے سبب آنسوؤں سے ابلتی ہیں جو کہ انہوں نے پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں سو تو ہم کو گواہوں کے ساتھ لکھ اور ہمارے لئے (مناسب) نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو کہ ہمارے پاس آیا ہے اور ہم اس کی طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو سنوار والوں کے ساتھ داخل کرے۔ تو اللہ نے ان کو اس کے بدلے جو انہوں نے کہا ہے وہ باغ دیئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں رہ پڑنے والے ہوں گے اور یہ مخلصوں کی جزاء ہے اور جو کافر بنے ہیں اور انہوں نے ہماری آیتوں (یا نشانوں) کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ والے ہیں۔

تفسیر:

جب اہل کتاب کے عظیم الشان اور بدترین افتراؤں اور ان کی تردید کے بعد ان کو خطاب کر کے حکم دیا گیا کہ تم اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور ان گمراہ آباء و اجداد کی ناپاک اور گری ہوئی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو کہ خود بھی حق سے محروم اور گمراہ تھے اور جنہوں نے اور بھی بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اوّل تو ہر ایک فرقہ اپنے اجداد کو حق پر اور قابل تعظیم خیال کرتا ہے بشرطیکہ ان کے مسلمہ مذہب کے برخلاف ثابت نہ ہوئے ہوں لیکن جو گمراہ فرقے کہ اجداد کے افتراؤں اور ان کی رسموں اور بدعتوں پر چلنے والے اور ان کے اقوال اور افعال کو سند پکڑنے والے ہوں ان کی نظروں میں تو ان کے اجداد مذہبی پیشواؤں کے منصب پر اور نہایت درجہ کے معظم و مکرم ہوتے ہیں لہٰذا وہ ان کی نسبت گمراہی کا فتویٰ کبھی نہیں مان سکتے اور ان کے گمراہ ہونے سے صاف انکار کرنے والے اور اس پر سخت جوش دکھانے والے ہوتے ہیں۔

پس ایسی صورت میں جب تک کہ ان کے مسلمات سے اور ان کی معتبرہ روایات اور تواریخ سے ان کی گمراہی ثابت نہ کی جائے تو تب تک وہ اس فتویٰ کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے۔ تو اسی قاعدہ کے مطابق ان کی گمراہی ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ) جو لوگ بنی اسرائیل

میں سے کافر بنے تھے وہ داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کئے گئے تھے۔ یہ اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے (پہلے تو یہ بتایا کہ تم جانتے ہی ہو اور تمہاری کتابوں اور تاریخوں اور روایتوں میں موجود ہے کہ داؤدؑ اور عیسیٰؑ کی زبان پر ان کو لعنت کی گئی ہے جو کہ بنی اسرائیل میں سے کافر ہوئے تھے اور پھر خداوند تعالیٰ کی لعنت کوئی شیعہ والی لعنت تو ہے ہی نہیں کہ کچھ اثر معرض ظہور میں نہ آئے بلکہ اس کی لعنت کے آثار دنیا کی ہر ایک آنکھ پر اپنا نقش نہایت ہولناک طور پر ثابت کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد لعنت کے موجب کفر یا خود لعنت کا سبب بتایا کہ پہلے تو نافرمانیاں کیا کرتے تھے اور ان میں حد سے بڑھتے جایا کرتے تھے اور پھر حد سے اس طرح نہ بڑھتے تھے کہ پہلی بدی کو چھوڑ کر پھر اس سے کوئی بڑی بدی کا ارتکاب کرتے ہوں بلکہ بتایا کہ پہلی بدی پر مصر رہتے اور باز نہ آتے اور اس پر اور بڑی بڑی بدیاں ایزاد کرتے جاتے تھے اور داؤد و عیسیٰ کی زبان پر لعنت کئے جانے کا عام مفسرین نے یہی مطلب لیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے زبور اور انجیل میں بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت فرمائی ہے اور بعض نے یہ بھی لیا ہے کہ اصحاب سبت پر داؤد نے لعنت کی بددعا کی تھی اور مائدہ کے کافروں پر عیسیٰؑ نے لعنت کی بددعا کی تھی اور حسنؒ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ اور امام باقرؒ سے یہی مروی ہے اور جب ان کے بڑوں کی گمراہی کا ثبوت دیا جا چکا تو اب پھر ان کی ایک اور بدی کا ذکر کرنے کے لئے جو کہ ان کے کفر کے ساتھ مناسبت شدیدہ کو اور ایمان سے نفرت اور بعد کو مستلزم ہے فرمایا کہ اور ہر ایک مخاطب یا اے ہمارے رسول) تم ان میں سے بہتوں کو دیکھتے ہو کہ وہ ان کو دوست رکھتے ہیں جو کہ کافر بنے ہیں (حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ جو کافروں سے دوستی رکھا کرتا ہے وہ عنداللہ انہی سے شمار ہوا کرتا ہے اور واقعہ میں بھی اس کا انجام کفر ہی ہوا کرتا ہے تو ان کا اہل کتاب ہو کر پھر کافروں کے ساتھ دوستانہ رکھنا اس کا بین ثبوت ہے کہ وہ حقیقت میں اہل کتاب نہیں ہیں۔

مفسرین نے کفار سے مشرکین مکہ اور کثیر سے کعب بن اشرف اور اس کے ہمرنگ لوگ لئے ہیں اور ابن عباسؓ اور مجاہد اور حسن سے مروی ہے کہ کفار سے اہل کتاب میں

سے کھلے کھلے معاندین اسلام مراد ہیں اور کثیر سے ان میں سے منافقین مراد ہیں اور حق یہ ہے کہ عام طور پر سب کفار اور سب ان کے ساتھ دوستی رکھنے والے مراد ہیں خواہ وہ کعب بن اشرف جیسے کھلے کینہ ور دشمن اسلام ہوں یا کہ ڈرپوک منافق ہوں اور اس کی برائی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ) واللہ وہ کیا ہی برا ہے جو کہ ان کے نفسوں نے ان کے لئے پیش کیا ہے (وہ یہ ہے) کہ اللہ ان پر ناراض ہوا ہے اور وہ عذاب میں رہ پڑنے والے ہیں اور اگر وہ اللہ اور اس نبی (یعنی اپنے نبی موسیٰؑ) اور اس (کتاب یا وحی) پر ایمان لاتے جو کہ اس کی طرف اُتاری گئی ہے تو ان کو دوست نہ بناتے ولیکن ان میں سے بہت حکم عدولی کرنے والے ہیں (اور پہلے چونکہ عام طور پر اہل کتاب کی حالت بیان ہوئی ہے جو کہ یہود و نصاریٰ دونوں کو شامل ہے اور خاص طور پر بھی ان میں سے ہر ایک کی حالت بیان کی گئی ہے اور خصوصًا ان کی عداوت کا ذکر عموم ہی کے رنگ میں ہوا تھا۔ چنانچہ فرمایا تھا کہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا [1] الخ (المائدۃ:60) جس سے عام طور پر یہود اور نصاریٰ کے ان حالات میں اور خصوصاً عداوت اور بغض میں یہود اور نصاریٰ مساوی ہیں لہٰذا اس مساوات کے رفع کرنے اور ہر ایک کا درجہ اور مرتبہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً تم سب لوگوں سے سخت تر عداوت والا ایمان لانے والوں کے لئے یہود کو اور ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہ شرک کرتے ہیں اور واللہ ایمان لانے والوں کے لئے سب سے نزدیک تر محبت والا تم ان کو پاؤ گے جو کہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم نصاریٰ ہیں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر النَّصَارٰی کیوں نہیں فرمایا حالانکہ یہ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ سے بہت مختصر ہے اور اس کی بجائے طویل عبارت کیوں لائی گئی ہے تو انہوں نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ تا اشارہ ہو جائے کہ نصاریٰ یہود کی نسبت حق کی طرف زیادہ قریب ہیں کیونکہ یہود کو جب حضرت موسیٰؑ نے جہاد اور نصرت کے لئے بلایا تھا تو انہوں نے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ [2] الخ (المائدۃ:25) کہا تھا اور ان کو جب بلایا تھا کہ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ [3] (الصف:15)

[1] تو (ان سے) کہہ کہ اے اہل کتاب! تم ہم پر اس کے سوا کوئی عیب نہیں لگاتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2] اس لئے تو اور تیرا رب (دونوں) جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

تو انہوں نے نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ[1] (الصف:15) کے ساتھ جواب دیا تھا اور اسی جواب کی طرف قَالُوۡۤا اِنَّا نَصٰرٰی میں ایماء ہے اور اسی ایماء کی وجہ سے اشارہ مذکورہ اس سے مفہوم ہوتا ہے اور جیسی کہ مفسرین کی عادت ہے کہ عام الفاظ سے بھی کوئی معین مراد لے لیا کرتے ہیں۔

اسی طرح یہاں پر بھی اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا الخ سے خاص نصاریٰ لئے ہیں اور کہا ہے کہ وہ نجاشی شاہ حبشہ اور اس کے ہمراہی ہیں اور مجاہد نے کہا ہے کہ یہ وہ ہیں جو کہ جعفرؓ کے ہمراہ مسلمان ہو کر آئے تھے اور وہ ستر آدمی تھے 62 آدمی تو حبشہ سے آئے تھے اور آٹھ اہل شام سے تھے اور وہ یہ ہیں بحیری راہب اور ابرھۃ، ادریس، اشرف، تمام، قثم، درید، ایمن۔ لیکن الفاظ سے عموم ہی ثابت ہوتا ہے اور ان کے اَقۡرَبُ الۡمَوَدَّۃِ[2] ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ) یہ اس وجہ سے کہ یقیناً ان میں سے کچھ علماء ہیں اور کچھ زاہد ہیں اور یقیناً یہ تکبر نہیں کرتے اور تکبر کی تفسیر حضور انورؐ سے بَطَرُ الۡحَقِّ وَغَمۡطُ النَّاسِ (حق کو پھینک دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا) آئی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الکبر وبیانہ حدیث نمبر 265)

اور یہود میں تکبر کے دونوں جزو اعلیٰ پیمانہ پر موجود تھے۔ وہ اپنے آپ کو اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ[3] (المائدۃ:19) قرار دیتے اور بنی اسمٰعیل کی نسبت یہ فتویٰ لگاتے تھے کہ لَیۡسَ عَلَیۡنَا فِی الۡاُمِّیّٖنَ سَبِیۡلٌ[4] (آل عمران:76) اور اسلام جیسے حق صریح سے اس قدر نفرت رکھتے تھے کہ بجز شاذ و نادر کے ان میں سے اس میں داخل نہ ہوئے تھے۔

بخلاف نصاریٰ کے کہ ان میں تکبر کے دونوں جزو نہ تھے چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ) جب انہوں نے اس کو سنا جو کہ اس رسول پر نازل کیا گیا ہے۔ تو تم ان کی آنکھوں کو دیکھتے ہو کہ آنسوؤں سے ابلتی ہیں اس حق کی وجہ سے جو

---

[3] خدا کے (قریب لے جانے والے) کاموں میں میرا کون مددگار ہے۔ (تفسیر صغیر)

[1] ہم اللہ (کے دین) کے مددگار ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] محبت میں زیادہ قریب۔ (از مرتب)

[3] اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے۔ (تفسیر صغیر)

[4] ہم پر امیوں کے بارہ میں کوئی گرفت نہیں۔ (تفسیر صغیر)

انہوں نے پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں سو تو ہم کو گواہوں کے ساتھ لکھ اور ہمارے لئے کیا ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر ایمان نہ لائیں جو کہ ہمارے پاس آیا ہے حالانکہ ہم طمع رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو سنوار والے لوگوں کے ساتھ داخل کرے (یعنی ان کے متکبر نہ ہونے کی وجہ سے جب ان میں سے کچھ لوگوں نے قرآن مجید کو سنا تو وہ اس پر ایمان لے آئے جس سے ظاہراً تو یہ ثابت ہوا کہ ان میں بَطَرُ الْحَقِّ نہیں اور ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ دوسرے لوگوں کو حقیر بھی نہیں جانتے اور وَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ کے معنے ابن عباسؓ سے یہ مروی ہیں کہ ہم کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے گروہ کے ساتھ لکھ دے جو کہ قیامت کے دن دوسری اُمتوں پر گواہ ہوں گے جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن باب قولہ تعالیٰ وکذلك جعلنٰکم امۃ وسطا... حدیث نمبر 4487)

اور جبائی نے یہ معنے لئے ہیں کہ ہم کو ان کے ساتھ لکھ دے جو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی حقیّت کی گواہی دیتے ہیں اور اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید سے صاف ثابت ہے کہ اہل کتاب کو پہلے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بڑی تاکید اور شان و شوکت سے سنا کر اور آپ کے اوصاف و علامات بتا کر آنحضرت ﷺ کی صداقت کا گواہ مقرر کیا گیا تھا اور پھر ان کے انکار اور کتمان شہادت کی وجہ سے فرمایا تھا کہ اگر تم شہادت نہ دیتے تھے تو پہلے کافر بھی تو نہ بنتے اور نصاریٰ میں سے ایمان لانے والوں کو چونکہ یہ سب ماجرا معلوم تھا اس لئے انہوں نے یہ کہا کہ ہم کو ان گواہوں کے ساتھ لکھ دے) تو اللہ نے اس کے بدلے جو کہ انہوں نے کہا تھا ان کو وہ باغ دئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں رہ پڑنے والے ہیں اور یہ مخلصوں کی جزاء ہے اور جو کافر بنے ہیں اور انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ دوزخ والے ہیں۔)

آیت 88 تا 94: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

لَا تَعْتَدُوْا۔ اِعْتِدَاءٌ سے ہے، حد سے گذرنا اور ظلم کرنا۔

لَغْوٌ۔ بے فائدہ چیز کو کہتے ہیں اور یمین لغو اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ کوئی شرعی

حکم متعلق نہ ہو اور اس کی تفسیر اور تعیین میں علماء اور اہل مذاہب کا بہت سا اختلاف ہے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں مفصل آئے گا۔

عَقَّدتُّمُ۔ عَقْدٌ سے ہے، گرہ دینا اور معاہدہ اور معاملہ کرنا۔

اَیْمَانٌ۔ یَمِیْنٌ کی جمع ہے، قسم۔ کِسْوَۃٌ۔ کپڑے پہنانے اور دینے۔

تَحْرِیْرٌ۔ آزاد کرنا اور چھانٹنا۔

رَقَبَۃٌ۔ گردن اور کبھی گردن وغیرہ بعض اعضاء بول کر کل جسم مراد ہوتا ہے اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔

مَیْسِرٌ۔ جوا۔ اَنْصَابٌ۔ بت یا عبادت اور قربانی کے لئے نصب کئے ہوئے پتھر۔

اَزْلَامٌ۔ جوئے کے تیر اور ان کی تشریح پہلے مفصل گذر چکی ہے۔

رِجْسٌ۔ ناپاکی اور ہر ایک چیز اور کام جس سے طبائع نفرت اور پرہیز کریں۔

اِحْذَرُوْا۔ حِذْرٌ سے ہے، بچنا۔

بَلَاغٌ۔ پہنچانا۔ جُنَاحٌ۔ گناہ۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم ان سے ستھری چیزوں کو حرام نہ کرو جو کہ اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو۔ یقیناً اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تم اس سے کھاؤ جو کہ اللہ نے تم کو حلال ستھرہ دیا ہے اور تم اس اللہ سے بچو کہ جس پر تم ایمان لانے والے ہو۔ اللہ تم کو اپنی قسموں میں لغو کرنے پر مواخذہ نہ کرے گا۔ ولیکن تمہارے قصداً قسموں کے پختہ کرنے پر تم کو مواخذہ کرے گا۔ سو اس کا اوتارا دس مسکینوں کا کھانا کھلانا اس درمیانہ کھانے سے جو تم اپنے لوگوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا گردن (غلام باندی) کا آزاد کرنا ہے۔ تو جس نے نہ پایا تو پھر تین دن روزے ہیں یہ تمہاری قسموں کا اتارا ہے جب کہ تم قسمیں کھاؤ اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے تاہو کہ تم شکر کرو۔

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں شراب اور جوا اور بت اور قسمت آزمائی کے

تیر گندے شیطان کے کام ہی سے ہیں۔ لہٰذا تم اس سے کنارہ کش رہو تا ہو کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہارے درمیان عداوت اور رنجش ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ تو کیا تم رکنے والے ہو اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو۔ تو اگر تم پھرے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر تو کھلا پہنچانا ہی ہے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوار والے کام کئے ہیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے جو کہ انہوں نے کھایا ہے جب کہ انہوں نے تقویٰ کیا اور ایمان لائے اور سنوار والے کام کئے پھر تقویٰ کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ کیا اور احسان کیا اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر:

جب خداوند تعالیٰ نے بطور مدح نصاریٰ کے رہبانوں کا ذکر کیا اور اس سے اہل اسلام کو رہبانیت کی ترغیب ہونے کا اندیشہ تھا اور حقیقت وہ تھی جس کو آنحضرت ﷺ نے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں) کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

(شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ جلد 6 صفحہ 386 دار الکتب العلمیۃ بیروت طبع اوّل 1996ء)

تو خداوند تعالیٰ نے اسی سے بچانے کے لئے اور نیز چونکہ پہلے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ[1] (المائدۃ:78) تو اب یہ بتانے کے لئے کہ ان کی گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ از خود غلط فتوی دے کر خداوند تعالیٰ کے حلال کردہ طیبات سے حرام کر دیا کرتے تھے۔ فرمایا کہ) ہاں ایمان والو تم ان چیزوں سے ستھری چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ نے حلال کیا ہے اور حد سے نہ بڑھو (یا ظلم نہ کرو) کیونکہ یقیناً اللہ حد سے گذرنے والوں (یا ظلم کرنے والوں) کو پسند نہیں کیا کرتا اور ان چیزوں سے کھاؤ جو کہ اللہ نے تم کو حلال ستھری دی ہیں اور اس اللہ سے بچو کہ جس پر تم ایمان لانے والے ہو۔

[1] ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے (خود بھی) گمراہ ہو چکے ہیں اور بہتوں کو (بھی) انہوں نے گمراہ کیا ہے اور سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

(پہلی صورت میں تو حرام نہ کرنے کے یہی معنے ہیں کہ تم ان سے اپنے نفس کو ایسا نہ روکو جیسا کہ حرام سے روکا کرتے ہیں یا یہ کہ تم ان چیزوں کی حرمت کو قسم اور نذر وغیرھما کے ساتھ اپنے پر خود لازم نہ کرو اور جو وَكُلُوْا الخ آیا ہے وہ انہی معنوں کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور دوسری صورت میں اس کا یہ مطلب ہے کہ تم جھوٹے از خود تراشیدہ فتووں کے ساتھ حلال چیزوں کو حرام نہ کرو اور حلال طیبات کا ایزاد اس بات کی طرف مشیر ہے کہ تحریم کی تو دو ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔

اوّل یہ کہ اس کو خداوند تعالیٰ نے حرام کر دیا ہوا ہے دوم یہ کہ وہ چیز غیر طیب ہو پر جب دونوں میں سے کوئی امر نہیں تو پھر حرام کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور چونکہ تحریم مذکور کا عام ذریعہ قسمیں ہوا کرتی ہیں اس لئے تحریم سے منع کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم بذریعۂ قسم کسی طیب و حلال چیز کو حرام کر بیٹھو تو اس کی نسبت یاد رکھو کہ) اللہ تم کو تمہاری قسموں میں لغویت کے ساتھ مواخذہ نہیں کرتا ولیکن تمہاری قسموں کو قصداً پختہ کرنے کے ساتھ مؤاخذہ کرتا ہے تو اس کا اوتارا دس مسکینوں کا کھانا کھلانا اس درمیانہ کھانے سے جو کہ تم اپنے لوگوں کو کھلاتے ہو۔ یا ان کو کپڑہ دینا ہے یا کسی گردن کا آزاد کرنا ہے۔ تو جس نے کچھ نہ پایا تو پھر تین دن کے روزے ہیں۔ یہ تمہاری قسموں کا اوتارا ہے جبکہ تم قسمیں کھاؤ۔ (ہم لغو قسموں بلکہ قسموں کے دوسرے قسموں کی تفصیل اور احکام پہلے مفصل بیان کر آئے ہوئے ہیں اور وہاں پر ہم نے یہ بھی بتایا تھا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو یمین لغو وہ ہے کہ گزشتہ امر کو حق خیال کر کے اس پر قسم کھائی جاوے اور حقیقت میں وہ حق نہ ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ ہے جو کہ عادۃً زبان پر قسم جاری ہوا کرتی ہے اور پھر یہ بھی بتایا ہوا ہے کہ ٹھیک کون سی بات ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم قسموں کے ساتھ کسی حلال و طیب کو حرام کرو تو قسمیں دو قسم کی ہیں ایک لغو سو اس کا تو نہ کچھ اعتبار ہے اور نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے لہٰذا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

دوسری وہ ہے جس میں قصداً عقد یمین ہو تو اس کے توڑنے پر مؤاخذہ ہوتا ہے پر اس سے بچنے کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا ہے لہٰذا جب تحریم حلال ہو تو ایسی قسم کو توڑ کر اس کا

کفارہ دے دینا چاہیئے تا کہ تحریم حلال بھی نہ ہو جو کہ سخت ممنوع ہے اور کفارہ کی وجہ سے کوئی مؤاخذہ بھی نہ ہو۔ لیکن اس سے قسم کا اعتبار ہی اُٹھ جاتا ہے کیونکہ پھر ہر ایک قسم کے کفارہ کی امید پر قسم کو توڑ دیں گے تو فرمایا کہ) اپنی قسموں کی تم حفاظت کرو (یعنی توڑنے سے ان کو محفوظ رکھو اسی کی مانند اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تا ہو کہ تم شکر کرو۔ (یعنی گو بعض مواقع پر قسم کو توڑ کر کفارہ دینا ہی مناسب ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فَلْيَأْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ، وَلْيُكَفِّرْ۔[1]

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرھا خیرا منھا... حدیث نمبر 4271)

لیکن جہاں پر یہ بات نہ ہو وہاں پر قسم کی حفاظت کرنی چاہیئے اور اس کو توڑنا نہ چاہیئے۔ مفسرین نے اس حفاظت کے ایک تو یہی معنے کئے ہیں اور دوسرے یہ کہ تم اپنی قسموں کو یاد رکھو تا کہ توڑنے پر کفارہ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ تم اپنی قسموں کی حفاظت اور قدر کرو اور ہلکی چیز خیال کر کے بہت قسمیں نہ کھاؤ۔ تو جب مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ اور طیبات کی تحریم سے منع کیا گیا تو اب یہ بتانے کے لئے کہ مومن کی شان سے یہ ہے کہ وہ اس کو حرام کرے جو کہ اللہ نے حرام کیا ہو اور جو غیر طیب اور دینی اور دنیوی نقائص پر مشتمل ہو اور نیز اُن نقائص کی مثال بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں شراب اور جوا اور نصب کئے ہوئے بت اور قسمت آزمائی کے تیر ناپاک (اور) شیطان ہی کے کام سے ہیں۔ لہٰذا تم اس (ناپاکی) سے کنارہ کرو تا ہو کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

(اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور ناکامی کے اسباب ہیں اور ان سے بچنا مظفر و منصور ہونے کا ذریعہ ہے اور وہ شیطانی کام اور وہ نقائص بتانے کے لئے فرمایا کہ) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے میں تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈال دے اور وہ تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو (یعنی مومن کی شان سے بعید ہے کہ وہ شیطان کے روکنے اور پھر ذکر الٰہی اور نماز سے روکنے سے رُک جائے اور پھر خصوصاً اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے خلاف۔ بلکہ تم) اللہ کی اطاعت کرو اور اس کامل رسول کی

[1] تو وہ اس کو بجالائے جو بہتر ہے اور (اپنی قسم کا) کفارہ دے دے۔ (از مرتب)

اطاعت کرو اور ان کی ہر قسم کی مخالفت سے) بچتے رہو۔ تو اگر تم (ان کی اطاعت سے پھر جاؤ (تو یاد رکھو کہ پہلے کی طرح اب تم معذور نہیں قرار دیئے جاؤ گے کیونکہ پہلے کھلی کھلی تبلیغ نہ تھی۔ لیکن اب) سو تم جان لو کہ ہمارے رسول پر تو کھلا کھلا پہنچانا ہے۔

(اور جیسا یہ مسلّم امر ہے کہ رسول اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کیا کرتے ایسا ہی سب جانتے ہیں کہ یہ رسول کھلی کھلی تبلیغ کر چکا ہے لہٰذا اب تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اور جب شراب کی ایسی سخت ممانعت ہوئی اور بہت سے لوگ پہلے اس کو استعمال کیا کرتے تھے تو ان کی نسبت فرمایا کہ) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے سنوار والے کام کئے ہیں ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے کھایا ہے جب کہ انہوں نے تقویٰ کیا اور احسان کیا اور اللہ احسان کرنے والوں کو بہت پسند کرتا ہے (یعنی یوں تو لوگ ہر ایک پر الزام لگا دیا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز کھاتا تھا اور فلاں پیتا تھا پر جب وہ ایمان لائے ہوں اور بار بار انہوں نے ایمان کا ثبوت دیا ہو اور تقویٰ اختیار کیا ہو اور بار بار تقویٰ کا ثبوت دیا ہو اور اعمال صالحہ بجالائے ہوں اور لازم اور فرض سے بڑھ کر انہوں نے لوگوں پر احسان کئے ہوں یا انہوں نے نہایت اخلاص ظاہر کیا ہو تو ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے کھایا ہے کیوں کہ جب اس قدر ان کے فرمانبردار اور متقی ہونے کی شہادتیں ہیں تو پھر کس طرح یہ مانا جاسکتا ہے کہ انہوں نے حرام خوری کی ہو گی اور اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ جب یہ کریں تو پھر سب حلال و حرام ان کے لئے درست ہے اور نہ یہ کہ حلال بھی ان کے لئے تب باعث گناہ نہیں کہ ان میں یہ امور ہوں اور اگر ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو پھر سب حلال بھی موجب گناہ ہیں۔

آیت 95 تا 101: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ الْهَدْيَ وَ الْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ۔ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

تشریح:

يَبْلُوَنَّ۔ بَلْوٌ سے ہے، جس کے معنے تفصیل کے ساتھ بار بار گذر چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا کرنا کہ پوشیدہ حالت ظاہر ہو جائے۔

تَنَالُ۔ نَیْلٌ سے ہے، پانا، پکڑنا۔ رِمَاحٌ۔ رُمْحٌ کی جمع ہے، نیزہ۔

حُرُمٌ۔ حَرَامٌ کی جمع ہے اور حَرَامٌ بمعنے مُحْرِمٌ ہے یعنی احرام باندھنے والا۔
نَعَمٌ۔ چارپائے۔ ذَوَا۔ ذُوْ کا تثنیہ ہے، بمعنے والے۔
وَبَالٌ۔ بری عاقبت اور انجام اور سزا۔
سَلَفَ۔ سَلَفٌ سے ہے، گذرنا۔
یَنْتَقِمُ۔ اِنْتِقَامٌ سے ہے اور وہ نِقْمَۃٌ سے ہے، جس کے معنے برا ماننے کے ہیں اور انتقام کے معنے بیر اور بدلہ لینے کے ہیں۔
سَیَّارَۃٌ۔ سَیَّارٌ کی مؤنث ہے، سیر کرنے والی جماعت۔
حَرَامٌ۔ عزت والا اور محترم اور محفوظ۔
قِیَامٌ۔ امور کا مصلح اور درست رکھنے والا۔
قَلَائِدُ۔ قِلَادَۃٌ کی جمع ہے اور اس کی تشریح گذر چکی ہے۔ یعنی ہار ڈالی ہوئی قربانیاں۔
بَلَاغٌ۔ پہنچانا۔ خَبِیْثٌ۔ ناپاک اور ناستھری چیز۔
اُوْلِیْ۔ بمعنے والے، معنے کے رو سے ذُوْ کی جمع ہے۔
اَلْبَابُ۔ لُبٌّ کی جمع ہے، مغز اور عقل۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں شکار میں سے اس چیز کے ساتھ تمہاری مخفی (حالت) کا اظہار کرے گا جس کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پائیں گے تا کہ اللہ اس کو ممتاز کر دے جو کہ اللہ سے غیب میں ڈرتا ہے۔ تو جس نے اس کے بعد تعدّی کی تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ہاں او وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم شکار کو نہ مارو اس حال میں کہ تم محرم ہو اور جس نے تم میں سے قصداً مارا تو (اس پر) مویشی سے اس کی مانند بدلا ہے جو کہ اس نے مارا ہے جس کا تم میں سے دو عدل والے حکم دیں (جو کہ) کعبہ تک پہنچنے والا ہدیہ (قرار دیا گیا ہو) یا کئی مسکینوں کا کھانا اوتارا ہے یا اس کے برابر روزے ہیں تا کہ وہ اپنے کام کی بری سزا چکھے۔ اللہ نے اس سے درگذر کیا ہے کہ گذر گیا اور جو لوٹے گا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ بہت غالب انتقام لینے والا ہے۔

تمہارے اور مسافر لوگوں کے نفع مند ہونے کے لئے تمہارے لئے سمندر کا شکار اور

اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم محرم ہو اور اس اللہ سے بچو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ اللہ نے کعبہ عزت والے گھر کو ان لوگوں کے لئے قائم رکھنے والا بنایا ہے اور عزت والے مہینے اور چڑھاوے کے جانور اور ہاروں والی قربانیوں کو۔ یہ اس لئے تا کہ تم جان لو کہ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کہ آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اس کو کہ یقیناً اللہ ہر ایک شے کو خوب جاننے والا ہے۔ خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا والا ہے اور کہ یقیناً اللہ بہت مغفرت کرنے والا، بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ اس رسول پر تو پہنچانا ہی ہے اور اللہ جانتا ہے جو کہ تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ تم کہو ناپاک اور ستھرہ برابر نہیں اگرچہ گندے کی کثرت تم کو خوش کرے۔ لہٰذا اومغزوالو تم اللہ سے بچو تا ہو کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر:

جب خداوند تعالیٰ نے تحریم کا ذکر فرمایا تو اس کا عام فلسفہ بیان کرنے اور الٰہی محرمات سے اجتناب کا گر بتانے کے لئے فرمایا کہ) ہاں او ایمان لانے والو اللہ شکار سے کسی چیز کے ساتھ تمہاری (مخفی حالت) ضرور ہی ظاہر کرے گا جس کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پائیں گے تا کہ اللہ ان کو ممتاز کر دے جو کہ غیب میں اس سے ڈرتے ہیں (یعنی تحریم کا عام فلسفہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے آیندہ انعامات اس کو چاہتے ہیں کہ انسان خداوند تعالیٰ کے اوامر کے بجالانے اور اس کی مناہی سے اجتناب کرنے میں اپنے مال وجان عزت وشہوات سب کچھ قربان کرے اور سب کے لئے ایسے موقعوں کا ملنا کہ وہ یہ سب کچھ شہداء کی مانند قربان کر دیں نہایت مشکل اور حکمت سے بعید تھا اور یوں تو ہر ایک دعویدار بن سکتا تھا کہ اگر موقعہ ملتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا لہٰذا خداوند تعالیٰ نے اس دعویٰ کے لئے چند علامات بطور شہادت کے رکھ دی ہیں مثلاً اپنے بقاء شخصی اور نوعی ضروریات کو اپنے مولیٰ کے حکم پر قربان کرنے کی شہادت ماہ رمضان کے روزوں کو قرار دے دیا جن میں ایک ماہ تک کچھ معتدبہ وقت کے لئے بقاء شخصی کے ضروریات سے کھانا پینا اور بقاء نوعی کے ضروریات سے ان کو اور جماع کو چھوڑنا شہادت قرار دے دیا اور اپنے اللہ کی رضاء کے لئے گھر بار اور جاہ و جلال اور عزت وآبرو اور آرام کو ترک کرنے کی شہادت حج کو قرار دے دیا۔

اسی طرح اپنے مولیٰ کے حکم کے لئے اپنے مرغوبات کو چھوڑنے کی شہادتوں سے تحریمات کو جاری فرمایا ہے تو جب اس حرام کے ارتکاب کا موقعہ پیش آتا ہے تو انسان کی وہ مخفی حالت جو اس سے پہلے دنیا کو معلوم نہیں ہوتی اور اس کو ایک خدائے علیم ہی جانتا ہوتا ہے خداوند تعالیٰ اس کے ذریعہ سے ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ مرغوبات کو حکم مولیٰ پر قربان کرنے والا ہے یا نہ اور اجتناب کا گر یہ بتایا کہ جس میں خوف خداوندی ہوتا ہے تو وہ ضرور ہی اجتناب کرتا ہے پر جس میں یہ نہ ہو وہ اجتناب نہیں کر سکتا۔

باقی رہا یہ سوال کہ خداوند تعالیٰ کا آزمانا اس کے علم غیب کے منافی ہے اور نیز لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الخ بھی یہ بتاتا ہے کہ اس کو پہلے علم نہیں ہوتا۔ تو اس کا مفصل جواب کئی بار گذر چکا ہے جس کی بناء دو امر پر ہے ایک اس پر کہ بلاء اور ابتلاء کے معنے آزمائش کے نہیں جیسے کہ لوگوں میں مشہور ہیں بلکہ اس کے معنے وہ ہیں جو کہ ابھی تشریح اور ترجمہ میں گذر چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے علم کی دو اقسام:

دوم یہ کہ خداوند تعالیٰ کا علم دو قسم ہے، ذاتی اور فعلی۔ ذاتی تو ہمیشہ ہے چیزوں کے وجود سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور فعلی کے یہ معنے ہیں کہ جان لینا کہ ذاتی علم کے مطابق واقع بھی ہو گیا ہے اور یہ وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے اور جہل پہلے کے نہ ہونے سے لازم آتا ہے نہ دوسرے سے اور مقاتل سے مروی ہے کہ یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ خداوند تعالیٰ نے مومنوں کو شکار کے ساتھ مبتلیٰ کیا تھا اور وہ محرم تھے اور وحشی جانور ان کے ڈیروں پر آگھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ ان کو ہاتھوں اور نیزوں کے ساتھ مار سکتے تھے۔

تو اس خبر کے بعد خلاف ورزی کی سزاء بتانے کے لئے فرمایا کہ) جو اس کے بعد حد سے گذرے گا (یا ظلم کرے گا) تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (اور اس خبر کے بعد اس کا تفصیلی حکم دینے اور بر تقدیر ارتکاب اس کا کفارہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) ہاں او ایمان لانے والو تم شکار کو نہ مارو اس حال میں کہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جس نے تم میں سے قصداً مارا تو (اس پر) چارپائیوں میں سے اس کی مثل جزاء ہے جو کہ اس نے قتل کیا ہے جس کا تم میں سے دو عدل والے فیصلہ دیں۔ اس حال میں کہ وہ کعبہ تک پہنچنے والا

چڑھاوا ہو یا چند مسکینوں کے کھانے کا اتارا یا اس کے برابر روزے ہیں تا کہ وہ اپنے کام کی سزا چکھے۔ گذشتہ سے اللہ نے درگذر کیا ہے اور جو لوٹا تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب (اور) انتقام والا ہے۔ (مفسرین اور ائمہ فقہ میں مِنَ النَّعَمِ میں بڑا اختلاف ہوا ہے کہ یہ جزاء اور مثل کا بیان ہے یا کہ مَا قَتَلَ کا بیان۔ امام شافعی اور اکثر اہل علم پہلی صورت کی طرف گئے ہیں اور ان کی دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ نَعَمٌ کو بعض اہل لغت نے تو اِبِلٌ سے مخصوص کیا ہے اور بعض نے باقی چارپائیوں پر بھی اس کا اطلاق بتایا ہے مگر تب کہ ان میں اِبِلٌ ہو پر اس میں تو شک نہیں کہ زیادہ تر اِبِلٌ اور بَقَرٌ پر ہی اطلاق ہوتا ہے نہ جنگلی جانوروں پر اور دوم یہ کہ حدیثوں اور آثار میں جنگلی جانروں کے بدلہ میں ان ہی چارپائیوں کا ہی دینا آیا ہے نہ ان کی قیمت کا مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ الضَّبُعُ صَيْدٌ وَفِيْهِ شَاةٌ (لگڑ بگڑ شکار ہے اور اس کے بدلہ میں بکری دینی ہے)

(التفسیر المظہری جلد 2 صفحہ 405 مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت طبع اوّل 2007ء)

اور امام ابو حنیفہؒ اور بعض اور علماء نے نَعَمٌ کو مَا قَتَلَ کا بیان قرار دیا ہے اور مِثْلُ سے مثل معنوی یعنی قیمت لی ہے اور وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہاں پر مثل مطلق آئی ہے اور یہ وہ ہوتی ہے جو کہ صورۃً اور معنیً ہو یعنی اسی کے نوع سے ہو اور ظاہر ہے کہ یہ تو یہاں پر بالاتفاق مراد نہیں لہٰذا پھر معنیً ہی مراد ہو گی۔

امام شافعیؒ تو اس جانور میں جس کی نظیر ہو جیسی ہرنی کہ اس کی نظیر بکری ہے نظیر دلاتے ہیں اور جس کی نظیر نہ ہو اس کے عوض میں وہ جانور دلاتے ہیں جو کہ صفات میں اس کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو چنانچہ کبوتر میں بکری دلاتے ہیں کیونکہ دونوں بعض صفات میں مشابہ ہیں۔ پر قرآن مجید کے الفاظ اور احادیث و آثار کے بیان کے مطابق یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظیر والے جانوروں میں نظیر اور بے نظیر جانوروں میں قیمت دی جائے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام یوسف کا تو یہ مذہب ہے کہ قاتل کے لئے اختیار ہے کہ بدلہ میں ہدیہ دے یا طعام دے یا روزے رکھے۔

لیکن امام محمدؒ اور امام شافعی کے ایک قول میں قاتل کے لئے اختیار نہیں بلکہ یہ اختیار

ان دو عدلوں کے لئے ہے اور وہ دونوں ان تینوں چیزوں میں سے جو کہہ دیں اس کو وہ کرنی پڑے گی اور یہ مسائل کتب فقہ میں بسط کے ساتھ مسطور ہیں اور جب محرم ہونے کی حالت میں شکار کی حرمت بیان ہوئی اور ظاہراً اس سے ہر قسم کے شکار کی حرمت مفہوم ہوتی تھی حالانکہ یہ ٹھیک نہ تھا لہٰذا تفصیل کے لئے فرمایا کہ) تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے نفع کے لئے حلال کیا گیا اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم محرم ہو (اور چونکہ یہ تحریم حدود اللہ میں سے ہے لہٰذا اس کی تاکید کے لئے فرمایا کہ) اس اللہ سے تم بچو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔

(اس کے بعد اس حرمت کی ایک خاص وجہ بیان کرنے کے لئے نیز اس وجہ سے کہ عام طبائع عموماً احکام الٰہی کے باریک فلسفہ کو بعض وقت نہیں سمجھ سکتیں بلکہ ان کی سمجھ ان احکام کے برعکس جاتی ہے چنانچہ یہاں پر بظاہر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ جب مسافر لوگ کعبہ میں احرام باندھ کر کثرت سے آتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے خرچ بھی ہوتے ہیں اور عرب لوگ سپاہیانہ زندگی رکھنے والے تھے جن کا گذارا عموماً شکار پر ہوتا تھا لہٰذا مناسب تو یہ تھا کہ احرام کی حالت میں اور خصوصاً زمین حرم کی زمین میں شکار حلال ہوتا لیکن خداوند تعالیٰ نے اس کو حرام کر دیا تو عام طبائع کے مطابق عام جواب بتانے کے لئے فرمایا کہ) اللہ نے کعبہ کو (جو کہ) عزت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قائم رکھنے والا (ان کے امور کا مصلح) بنایا ہے اور عزت والے مہینہ کو اور چڑھاوے (کے جانوروں) کو اور ہار والی قربانیوں کو۔ یہ اس لئے تاکہ تم جان لو کہ یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے جو کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین ہیں ہے اور (اس کو بھی) کہ یقیناً اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (یعنی جب خداوند تعالیٰ نے اس گھر کے لئے ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کو قبول کیا اور اس کو لوگوں کے قیام اور امن کا ذریعہ قرار دیا اور اسی طرح هَدْیٌ اور قَلَائِدُ کو۔

تو اب ظاہر ہے کہ اگر ایسا کرنے والا زمینی اور آسمانی تغیرات کا عالم اور ہر ایک چیز کی ہر ایک حالت کو جاننے والا نہ ہوتا تو کب اس کی یہ بات اس قدر دور دراز زمانہ میں باوجود ہزاروں تغیرات اور زبردست مخالفانہ کوششوں کے ٹھیک ٹھیک پائی جاتی اور اس میں

مُو بھر بھی فرق نہ آتا بلکہ آئے دن ترقی ہوتی۔ تو جب اس سے خداوند تعالیٰ کی ہستی اور اس کی حکمت و قدرت اور اس کے علم کامل کا ثبوت کامل ملتا ہے تو اب عام طبائع کے لئے تو اسی قدر جواب کافی ہے کہ یہ اس علیم کے احکام ہیں جس کا علم ہماری رسائی سے بالاتر ہے اور اپنے سے زائد علم والوں کی باتیں ہمیشہ تسلیم کی جاتی ہیں اور خاص طبائع کے لئے یہ وجہ بتائی کہ جب خدائے علیم نے اپنی ہستی اور علم و قدرت کے اثبات کے لئے کعبہ کو اور ھَدْیٌ اور قَلَائِدُ کو لوگوں کے لئے قیام کا ذریعہ بنایا تھا تو جس طرح فرضوں کے ارد گرد واجبوں اور سنتوں اور نفلوں کی دیوار فصیل قائم کی ہوئی ہے اسی طرح اس اہم ترین امر کے لئے یہ دیوار قائم کی کہ جس طرح اس سفر کے نشان اختیار کرنے کے بعد خشکی کی اشرف المخلوقات کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں ہونی چاہیئے اسی طرح اس کے ورے ورے کی خشکی کی جاندار چیزوں کے ساتھ بھی چھیڑ چھاڑ نہ ہونی چاہیئے۔

تو جب اس کا یہ مقصد ہے تو اب اس دیوار کا توڑنا حقیقت میں امن عام کی دیوار کا گرانا ہے اور جب یہ اس قدر خطرناک امر ٹھہرا تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) خوب جان لو کہ اللہ یقیناً سخت سزا والا ہے اور یقیناً اللہ بہت مغفرت والا اور بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ (اور اب کوئی عذر بھی باقی نہیں رہا کیونکہ) رسولؐ پر تو پہنچانا ہی ہے (جو کہ یقیناً وہ بوجہ احسن کر چکا ہے اور چھپنے چھپانے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ) اللہ اس سب کو جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ کہ تم چھپاتے ہو (اور اس بات کے بتانے کے لئے کہ اگر شکار حرام کیا تو اس کے عوض میں تم کو قربانیوں اور ہدیوں کے گوشت مفت میں دیئے ہیں اور پھر اس اعتراض کو اٹھانے کے لئے جو کہ اس معاوضہ پر ہو سکتا تھا کہ شکار کی نسبت اس میں قلت ہے فرمایا کہ) تم کہہ دو کہ (اس حالت میں شکار ناپاک ہے اور قربانیوں اور ہدیوں کے گوشت پاک اور ستھرے ہیں اور) ناپاک اور ستھری چیز برابر نہیں اگرچہ ناپاک چیز کی کثرت تجھے اچھی لگے اور اے مغز والو تم اللہ سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو۔

آیت 102 تا 109: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّ لَا سَآئِبَةٍ وَّ لَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ۔ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَ مَا اعْتَدَيْنَآ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

عَلٰی وَجۡهِهَاۤ اَوۡ یَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَیۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اسۡمَعُوۡا وَ اللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ۔

تشریح:

تُبۡدَ۔ اِبۡدَاءٌ سے ہے، ظاہر کرنا۔

تَسُؤۡ۔ اصل میں تَسُوۡءُ ہے، جو کہ سُوۡءٌ سے بنا ہوا ہے، دکھ دینا اور برا لگنا۔

بَحِیۡرَۃٌ۔ بَحۡرٌ سے ہے، جس کے معنے شق کرنے کے ہیں اور زمانۂ جاہلیت کی رسم تھی کہ جب اونٹنی پانچ بچے دیتی اور آخری بچہ نر ہوتا تو اس اونٹنی کے کان چھیدتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ کسی پانی یا چراگاہ سے نہ رد کی جاتی اور نہ اس پر کوئی سوار ہوتا اور نہ اس کو ذبح کرتے اور اس کو بَحِیۡرَۃٌ کہا کرتے تھے اور اس کی تفسیر میں بہت بڑا اختلاف ہے جو کہ تفسیر میں ان شاء اللہ آئے گا۔

اسی طرح سَائِبَۃٌ کے اصل معنے چھوڑنے والی یا چھوڑی ہوئی کے ہیں اور یہ اس اونٹنی کا نام ہے جو کہ دس بچے مادہ جنتی تو اس کو آزاد کر دیتے تھے اور اس میں بھی اختلاف آئے گا۔

وَصِیۡلَۃٌ۔ کے اصل معنے تو ملانے والی یا ملائی ہوئی کے ہیں اور یہ وہ بکری ہے جو کہ سات بچے دیتی اور آخری دفعہ نر و مادہ دیتی تو اس کا دودھ مرد ہی کھا سکتے تھے اور وہ سَائِبَۃٌ کی مانند ہوتی تھی۔

حَامٌ۔ حِمَایَۃٌ سے ہے، جو بمعنے منع اور حفاظت کے ہے اور یہ وہ نر اونٹ ہے جس کی بچی کی بچی گابن ہوتی تو اس کو آزاد کر دیتے تھے اور ان سب کی تفسیروں میں اختلاف ہے جو کہ ان شاء اللہ تفسیر میں آئے گا۔

حَسۡبُ۔ بمعنی کافی ہے۔

ضَرَبۡتُمۡ۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ضَرَبَ کبھی بمعنی چلنے کے بھی ہوتا ہے خواہ اس کے بعد فِیۡ ہو یا نہ ہو پر جب فِیۡ ہو تو زیادہ چلنے کے معنوں میں آیا کرتا ہے۔

اِرۡتَبۡتُمۡ۔ اِرۡتِیَابٌ سے ہے، اور وہ رَیۡبٌ سے ہے، شک اور تردد کرنا۔

ذَا قُرْبٰی میں ذَا بمعنے والا اور قُرْبٰی قرابت۔

عُثِرَ۔ عُثُوْرٌ سے ہے، اطلاع پانا۔

ترجمہ:

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم ان چیزوں کی نسبت سوال نہ کرو کہ اگر وہ ظاہر کی جاویں تو تم کو دکھ دیں اور اگر تم ان کو قرآن مجید کے نازل ہونے کے وقت میں دریافت کرو گے تو وہ تمہارے لئے ظاہر کی جاویں گی۔ اللہ نے اس (سوال) سے درگزر کیا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے پہلے ایسا سوال کیا ہے تو پھر وہ اس کے سبب سے کافر ہو گئے ہیں۔

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ (اونٹنی) بنائی ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ کوئی حام (سانڈھ) ولیکن جو لوگ کافر بنے ہیں وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور اکثر ان میں سے نہیں سمجھتے اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے اور اس کامل رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے۔ کیا (وہ ایسا ہی کہیں گے) اگرچہ ان کے بزرگ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ راستہ پاتے ہوں۔

ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم اپنی جانوں کو سنبھالو جب تم ہدایت یافتہ ہو گے تو وہ تم کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا جو کہ گمراہ بنا ہے۔ تم سب کا اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو اس پر آگاہ کرے گا جو کہ تم کیا کرتے تھے۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تمہارے درمیان کی شہادت جب کہ تم کو موت حاضر ہو جائے وصیت کے وقت دو (آدمی کی شہادت) ہے جو کہ تم میں سے ہوں یا اور دو (آدمی کی) جو کہ تمہارے غیر سے ہوں اگر تم زمین میں سفر کرو اور پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچے۔ اگر تم کو شک ہو تو تم ان کو نماز کے بعد روکو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے بدلے مول نہیں لیتے اگرچہ وہ (شخص کہ جس کے لئے ہماری شہادت ہے) قریب رشتہ والا ہو اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپاتے ہیں یقیناً ہم تو تب گناہ گاروں سے ہوں گے۔ تو

اگر اس پر اطلاع ہو جائے کہ وہ دونوں گناہ کے مستحق ہوئے ہیں تو پھر ان میں سے اور دو (آدمی کی شہادت) ہو جن پر وہ دو قریب ترین مستحق ہوئے تھے جو کہ ان دونوں کی جگہ کھڑے ہوں تو پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھاویں کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ پختہ ہے اور ہم نے کوئی تعدّی نہیں کی (اگر ہم نے تعدّی کی ہو) تو تب ہم یقیناً ہی ظالموں میں سے ہیں۔ یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ شہادت کو اپنے طریق پر لاویں یا وہ ڈریں کہ ہماری قسموں کے بعد قسمیں رد کی جاویں اور اللہ سے بچو اور سنو اور اللہ حکم عدولی کرنے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر:

جب یہ بیان ہوا کہ تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم فلاح پاؤ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ سخت تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہ ہر ایک چیز کی نسبت زیادہ سوچ بچار کرتے ہیں اور اہل علم سے دریافت کیا کرتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں ایسے لوگ بجز آپ کے اور کس سے دریافت کرتے اور حدیث صحیح میں آیا ہے کہ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى اَنْبِيَاءِهِمْ۔[1]

(صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر حدیث 3257)

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ دریافت کرنا فلاح کے خلاف اور ناکامی کا باعث ہے تو اس کے بعد اس سے روکنے کے لئے نیز جب یہ ذکر ہوا کہ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ[2] (المائدۃ:100) اور اس سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ رسولؐ کو جو حکم لوگوں کے لئے دیا جاتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو پہنچاوے اور لوگوں کے دریافت پر نہ رہے اور لوگوں کی یہ عادت تھی کہ باوجود اس کے جاننے کے پھر بھی چیزوں کی نسبت بہت دریافت کیا کرتے تھے تو اس کے بعد اس کے بتانے کے لئے کہ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ کے جاننے

[1] یقیناً تم سے پہلے لوگ اپنے سوالات کی کثرت کی وجہ سے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔(از مرتب)

[2] رسول پر صرف (بات کا) پہنچانا (واجب) ہے۔(تفسیر صغیر)

کے پھر رسول اللہ ﷺ سے چیزوں کی نسبت سوال کرنا ٹھیک نہیں ہے فرمایا کہ) ہاں او ایمان لانے والو تم ان چیزوں کی نسبت سوال نہ کرو کہ اگر وہ تمہارے لئے ظاہر کی جاویں تو وہ تم کو دکھ دیں (یا بری لگیں) اور اگر تم ان کی نسبت اس وقت میں سوال کرو گے جس میں قرآن مجید نازل کیا جاتا ہے تو وہ تمہارے لئے ظاہر کی جاویں گی۔

(یعنی زمانہ نبوت کے بعد تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ جو چیز لازم و فرض یا حرام و مکروہ نہیں وہ سوال کرنے پر فرض یا حرام کی جاوے لیکن اب تو زمانۂ نبوت ہے اور قرآن مجید جو شریعت کی کتاب ہے نازل ہو رہا ہے لہٰذا اب اگر تم بتائے ہوئے پر اکتفاء نہ کرو گے اور شکر گذاری اور ادب کو ترک کر کے نئی چیزوں کی نسبت سوال کرو گے تو اس ناشکری اور گستاخی اور نافرمانی (جو کہ اس ارشاد کے بعد میں ہو گی) کے باعث تمہارے لئے وہ ظاہر کی جاویں گی اور پھر تم خود بھی مشقت میں پڑو گے اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی باعث تکلیف ہو گے۔

اور اس کے سبب نزول کی نسبت صحیح مسلم اور دار قطنی وغیرھما میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وعظ فرمایا اور اس میں فرمایا یَآاَیُّھَا النَّاسُ[1] قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا (اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کرو) تو اقرع بن حابس نام ایک شخص نے عرض کیا کہ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (یا رسول اللہ کیا ہر سال حج کریں) تو حضورؐ چپ ہو گئے یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ یہی کہا تب آپ نے فرمایا کہ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ (اگر میں ہاں کہتا تو تم پر لازم ہو جاتا اور پھر تم ایسا نہ کر سکتے) پھر فرمایا کہ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سُؤَالِھِمْ وَاخْتِلَافِھِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِھِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَأْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْہُ (تم مجھے چھوڑ دو اس امر کی نسبت کہ میں نے وہ تم سے

[1] رسالہ میں یَآاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا لکھا ہے۔ (از مرتب)

چھوڑ دیا ہے کیوں کہ تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء پر زیادہ سوال و اختلاف کرنے ہی سے ہلاک ہوئے ہیں تو جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو تم بقدر طاقت اس کو بجالاؤ اور جب میں تم کو کسی شے سے منع کروں تو تم اس کو چھوڑ دو)

(صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر حدیث نمبر 3257)

(سنن الدار قطنی کتاب الحج حدیث نمبر 2672 جلد اوّل صفحہ 245 دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہ آیت کریمہ اسی بارہ میں نازل ہوئی ہے اور اس سبب نزول کے لحاظ سے بھی ماقبل کے ساتھ چسپاں ہے۔ تو جب یہ سوال اس حرج کا باعث قرار دیا گیا تو اس سے یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جس سوال (یعنی ہر سال میں حج کرنے) پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اس پر یہ حرج کیوں لازم نہیں ہوا تو فرمایا کہ) اللہ نے اس کی نسبت معاف کر دیا ہے (کیونکہ) اللہ بہت مغفرت کرنے والا، بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے (اور اس کے پہلے نظائر کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً ایسا ہی سوال ایک قوم نے کیا تھا تو پھر اس کے سبب سے وہ کافر ہو گئے تھے۔

(مفسرین میں اس سائل قوم کی نسبت اختلاف ہوا ہے وہ کون قوم تھی ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ عیسیٰؑ کی قوم ہے جنہوں نے مائدہ کا سوال کیا تھا اور ملنے پر وہ کافر ہو گئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صالح کی قوم ہے کہ انہوں نے ناقہ مانگی تھی اور جب ملی تو اس کے کونچے کاٹ ڈالے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کی قوم ہے جنہوں نے اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً[1] (النساء: 154) کا سوال کیا اور پھر کفر کیا یا گائے کے بیان کا سوال کیا اور پھر کفر کیا اور مقاتلؒ نے کہا ہے کہ مطلق بنی اسرائیل مراد ہیں جو اپنے انبیاءؑ سے عموماً ایسے سوال کر کے پھر نافرمانی کیا کرتے تھے اور سدیؒ نے کہا ہے کہ یہ قریش ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ سے مانگا تھا کہ صفا کو سونا بنادیں اور جبائی نے کہا ہے کہ عرب لوگ اپنی نسبوں کی نسبت آپ سے دریافت کرتے اور پھر بتانے پر نہ مانتے تھے۔

[1] ہمیں اللہ ظاہر میں دکھادے۔ (تفسیر صغیر)

لیکن قرآن نے اس کی تعیین نہیں کی اور واقعہ میں ایسے سوال بہت سے پہلے اور پچھلے لوگوں نے کئے ہیں اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ انسان کی عجیب حالت ہے کہ خداوند تعالیٰ کی لازم کی ہوئی یا حرام کی ہوئی چیزوں کی تو باوجود اپنے سوالوں کے پروا نہیں کرتے لیکن اپنے گمراہ اجداد کی از خود ایجاد کردہ مفتریات بدعات کی بڑی سرگرمی کے ساتھ پیروی اور قدر کرتے ہیں فرمایا کہ) اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کی ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر (یعنی ان کے اتباع اور مقلد) سمجھتے نہیں اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو کہ اللہ نے نازل کیا ہے اور اس کامل رسولؐ کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمیں وہ کافی ہے جس پر کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے۔ کیا (وہ ان کے لئے کافی ہو گا) اور اگرچہ ان کے بزرگ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ وہ ہدایت پاتے ہوں۔

(ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اکثم بن الجون کو فرمایا کہ یَا اَکْثَمُ عُرِضَتْ عَلَیَّ النَّارُ، فَرَأَیْتُ فِیھَا عَمْرَو بْنَ لُحَیِّ بْنِ قَمْعَةَ بْنِ خِنْدِفٍ یَجُرُّ قُصْبَتَهٗ فِی النَّارِ۔[1] پھر اس کے آخر میں فرمایا کہ اِنَّهٗ (عَمْرَو بْنَ لُحَیِّ) اَوَّلُ مَنْ غَیَّرَ دِیْنَ اِبْرَاھِیْمَ وَبَحَرَ الْبَحِیْرَةَ وَسَیَّبَ السَّائِبَةَ وَحَمَی الْحَامِیَ۔ (یہ پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمؑ کو بگاڑا اور سائبہ اور حامی کی رسوم جاری کیں)

(تفسیر روح المعانی جزء السابع صفحہ 57 سورۃ المائدۃ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 2000ء)

اور ایک دوسری روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اِنِّی لَاَعْرِفُ اَوَّلَ مَنْ سَیَّبَ السَّوَائِبَ وَنَصَبَ النُّصُبَ وَاَوَّلَ مَنْ غَیَّرَ دِیْنَ اِبْرَاھِیْمَ قَالُوْا مَنْ ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ عَمْرُو بْنُ لُحَیِّ اَخُوْ بَنِیْ کَعْبٍ لَقَدْ رَاَیْتُهٗ یَجُرُّ قُصْبَهٗ فِی النَّارِ یُؤْذِیْ اَھْلَ النَّارِ رِیْحُ قُصْبِهٖ وَاِنِّیْ لَاَعْرِفُ مَنْ بَحَرَ الْبَحَائِرَ قَالُوْا مَنْ ھُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ[2] رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ مُدْلِجٍ کَانَتْ لَهٗ نَاقَتَانِ فَجَدَعَ اٰذَانَھُمَا وَحَرَّمَ اَلْبَانَھُمَا وَظُھُوْرَھُمَا وَقَالَ ھَاتَانِ لِلّٰہِ

[1] اے اکثم۔ میرے سامنے آگ (دوزخ) لائی گئی۔ پس میں دیکھا کہ اس میں عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف آگ میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔ (از مرتب)

[2] رسالہ میں قَالَ کے بعد ھُوَ لکھا ہے۔ (از مرتب)

ثُمَّ احْتَاجَ اِلَيْهِمَا فَشَرِبَ اَلْبَانَهُمَا وَرَكِبَ ظُهُوْرَهُمَا قَالَ[1] فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ فِي النَّارِ وَهُمَا يَقْضَمَانِهِ[2] بِاَفْوَاهِهِمَا وَيَطَاْنِهِ[3] بِاَخْفَافِهِمَا۔[4]

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جلد 3 صفحہ 195-196 دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

اور میں پہلے تشریح میں ایک ایک تفسیر تو ان سب کی بتا چکا ہوں اب ان کے سوا دوسرے اقوال لکھتا ہوں جو کہ ان کی تفسیر میں آئے ہیں چنانچہ بَحِيْرَةٌ کی نسبت قتادہ سے مروی ہے کہ یہ وہ اونٹنی ہے جو کہ پانچ بچے دیتی پھر پانچویں کو دیکھا جاتا سو اگر وہ نر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے کھا لیتے اور اگر مادہ ہوتا تو اس کے کان چیر دیتے اور آزاد چھوڑ دیتے تو پھر نہ کوئی اس کا دودھ پی سکتا اور نہ اس پر سوار ہو سکتا اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اونٹنی ہے جو کہ پانچویں بچی ہو تو اس کا کھانا اور دودھ پینا عورتوں کے لئے جائز نہ ہوتا اور اگر مر جاتی تو پھر مرد و عورت اس میں شریک ہوتے تھے اور محمد بن اسحق اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ یہ سائبہ کی بچی ہے اور سائبہ کی تفسیر آگے آتی ہے اور وہ آزاد چھوڑی جاتی تھی اور بعض کے نزدیک وہ ہے جو کہ پانچ یا سات بچے دیتی اور بعض کے نزدیک دس بچے دیتی اور پھر آزاد کی جاتی اور مر جاتی تو اس کا کھانا خاص مردوں کے لئے حلال ہوتا تھا اور سعید بن المسیب کے نزدیک وہ ہے جس کا دودھ خالص بتوں کے لئے کیا جاتا تھا اور پھر دوسرا کوئی اس کو نہ دہتا تھا اور بعض کے نزدیک وہ ہے جو پانچ مادہ بچے دیتی تو پھر اس کے کان شق کر کے آزاد کر دیتے تھے اور

---

[1] رسالہ میں قَالَ نہیں لکھا۔ (از مرتب)

[2] رسالہ میں تَقْضَمَانِهِ لکھا ہے۔ (از مرتب)

[3] رسالہ میں وَتَطَاْنِهِ لکھا ہے۔ (از مرتب)

[4] میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے جانوروں کو سائبہ بنایا، بتوں کو نصب کیا اور سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے دین کو تبدیل کیا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہے؟ فرمایا عمرو بن لحی جو بنو کعب سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اسے دیکھا ہے کہ وہ جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچ رہا ہے۔ جہنمیوں کو اس کی انتڑیوں کی بدبو اذیت دیتی ہے۔ میں اسے بھی پہچانتا ہوں جس نے سب سے پہلے جانوروں کو بحیرہ بنایا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ کون ہے؟ فرمایا وہ بنو مدلج کا ایک آدمی ہے، اس کی دو اونٹنیاں تھیں، اس نے ان دونوں کے کان کاٹ دیئے ان کے دودھ اور ان پر سواری کو حرام کر لیا اور کہا یہ دونوں اللہ کے لئے ہیں پھر ان کی ضرورت پڑی تو ان کے دودھ کو پیا اور ان پر سواری کی۔ فرمایا میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے وہ (اونٹنیاں) اسے اپنے مونہوں سے کاٹ رہی ہیں اور اپنے پاؤں سے روند رہی ہیں۔ (از مرتب)

قاموس میں اس قول کے مطابق اس کو خاص بکریوں سے قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو بَحِیْرَۃٌ اور غَزِیْرَۃٌ دونوں کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک بوتہ یعنی اونٹنی کے بچہ کا نام ہے جس کے کان شق کر کے آزاد کر دیتے تھے اور سَائِبَۃٌ محمدؐ بن اسحق کے نزدیک تو وہ اونٹنی ہوئی جو کہ دس مادہ بچے دے اور پھر اس کو آزاد کیا جائے نہ اس پر سوار ہوں اور نہ اس کی پشم کاٹیں اور نہ اس کا دودھ پیا جائے ہاں مہمان کے لئے اجازت ہے کہ اس کا دودھ پیئے اور ابن عباسؓ اور مسعودؓ سے مروی ہے کہ یہ وہ اونٹنی ہے جو کہ بتوں پر چڑھائی جاتی اور کعبہ کے دربان کے حوالے کی جاتی اور اس کا دودھ بجز مسافروں جیسے لوگوں کے اور کسی کے لئے جائز نہ ہوتا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ سانڈھ ہے جو کہ بچی کی بچی یا بچے والا ہو جائے تو وہ آزاد کیا جاتا تھا اور بعض کا قول ہے کہ جب کوئی سفر بعید سے واپس آتا یا جنگ یا کسی دوسری مشقت سے اس کا چار پایہ نجات پالیتا تو وہ اس کو سائبہ بنا دیتا یا اس کی پیٹھ کا منکا یا کوئی ہڈی نکال کے اس کو آزاد کر دیتے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ آزاد جانور ہے جس پر مسافر لوگ حج کیا کرتے تھے۔ بعض یہاں تک بھی پہنچے ہیں کہ یہ وہ غلام ہے جس کو مالک آزاد کر دے اور اس پر کوئی مال اور میراث اور وَلَاءٌ (آزاد شدہ غلام کا ترکہ جو آزاد کرنے والے کا حق ہوتا ہے) نہ رکھی جائے۔ اسی طرح وَصِیْلَۃٌ کی جو تفسیر تشریح میں گذری ہے وہ تو امام فراء نے بیان کی ہے لیکن زجاج کہتے ہیں کہ یہ وہی بکری ہے لیکن اگر وہ بچہ دیتی تب تو وہ بتوں کے لئے ہوتا اور اگر بچی دیتی تو وہ خود ان کے لئے ہوتی اور جب نر و مادہ دو جنتی تو پھر اس نر بچہ کو بتوں پر نہ چڑھاتے اور کہتے کہ بچی نے اپنے ساتھ اپنا بھائی ملایا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ جب بکری پہلے بچہ دیتی اور پھر بچی جنتی تھی کہتے کہ وَصَلَتْ اَخَاھَا[1] اور اس بچہ کو ذبح نہ کرتے اور جب بچہ لاتی تو پھر کہتے کہ یہ ہمارے بتوں کی قربانی ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وہ بکری ہے جو کہ سات بچے جنے پھر ساتواں اگر مادہ ہوتا تو عورتیں اس سے نفع نہ اٹھا سکتیں تا وقتیکہ وہ مر نہ جائے پھر مرد و عورت دونوں اس کو کھاتے۔

[1] اس مونث نے اپنے ساتھ اپنا بھائی ملا لیا ہے۔ (از مرتب)

اسی طرح اگر وہ نر و مادہ جنتی تو کہتے کہ وَصَلَتْ اَخَاهَا اور پھر وہ مادہ اس نر کے ساتھ رکھی جاتی اور عورتیں اس سے نفع نہ اٹھا سکتیں تا وقتیکہ وہ مر جائے تو پھر مرد و عورت اس میں شریک ہوتے اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ پھر اگر وہ ساتواں نر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے خالص مرد ہی کھاتے اور عورتیں شریک نہ ہو سکتیں اور اگر مادہ ہوتی تو وہ بکریوں میں رکھی جاتی اور اگر نر و مادہ دونوں ہوتے تو کہتے کہ وَصَلَتْ اَخَاهَا تو پھر وہ دونوں رکھے جاتے لیکن اس سے بجز مردوں کے عورتیں نفع نہ اٹھا سکتی تھیں تا وقتیکہ وہ مر نہ جائے اور محمدؒ بن اسحٰق نے کہا ہے کہ یہ وہ بکری ہے جو کہ پانچ حملوں میں پے در پے دس بچیاں جنے۔ تو اس کے بعد وہ جو جنتی وہ خاص مردوں ہی کے لئے ہوتا تھا اور اگر نر و مادہ جنتی تو کہتے کہ وَصَلَتْ اَخَاهَا تو مادہ کی وجہ سے نر کو ذبح نہ کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ بکری اگر پانچ یا تین بچے دیتی تو پھر نر کو ذبح کرتے اور مادہ کو رہنے دیتے پر اگر نر و مادہ ہوں تو کہتے وَصَلَتْ اَخَاهَا اور اس کو بھی رکھ لیتے اور بعض نے کہا ہے کہ وَصِيْلَةٌ بکری یا بکرا نہیں ہے بلکہ اونٹنی ہے جو کہ پہلی ہی دفعہ مادہ جنے اور دوسرے حمل میں بے فاصلہ پھر مادہ جنے تو پھر اس کو کہتے کہ وَصَلَتْ اُنْثٰى بِاُنْثٰى[1] اور اس کو اپنے بتوں پر چڑھا کر آزاد کر دیتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ اونٹنی ہے جو کہ بے فاصلہ نر دس بچیاں پے در پے جنے تو پھر اس کو بتوں پر آزاد کر دیتے۔

اسی طرح حامی کی جو تفسیر تشریح میں گذری ہے وہ امام فراء کی ہے لیکن ابن عباسؓ اور ابو عبیدہؓ اور ابن مسعودؓ اور زجاج نے کہا ہے کہ جو سانڈھ کہ اس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو جاویں اس کی نسبت وہ کہا کرتے تھے کہ حَمَى ظَهْرَهٗ اور ہر طرح سے وہ آزاد کیا جاتا تھا اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ وہ سانڈھ ہے جو کہ اپنے مالک کے مال میں دس سال سانڈھ رہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی پشت سے سات مادہ پے در پے پیدا ہوں۔

یوں تو ان سب چیزوں میں ناظرین نے دیکھا ہے کہ بہت ہی اختلاف ہے جس سے حقیقت بالکل چھپ جاتی ہے لیکن اصل میں ان میں اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ اصل

[1] مؤنث کے ساتھ مؤنث مل گئی۔ (از مرتب)

رسوم توکل عربوں میں جاری ہو گئیں تھیں لیکن ان کی مختلف قوموں میں ان کی نوعیت جداگانہ تھی سو ہر ایک شخص نے کسی ایک جدا قوم کی رسم کی تفسیر کی ہے۔

جب یہ بھی بتایا گیا کہ خداوند کے ارشاد کی تو پروا نہیں کرتے اور اپنی اور اپنے بزرگوں کی بدعتوں کی سخت پابندی کیا کرتے ہیں اور اس کی مثالیں بھی ساتھ ہی بیان ہو گئیں تو اس کے بعد اس بات کے بتانے اور اس کی تردید کرنے کے لئے کہ بعض لوگ جب ایسے سوال کرتے ہیں تو ان کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں یا حقیقت میں ان کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ ان کی طبیعت میں اعتراضی مادہ بہت ہوتا ہے تو جب وہ کسی کو کوئی امر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو باوجودیکہ ان کو اس کی نسبت کوئی علم نہیں ہوتا پر یہ خیال کر کے کہ شاید ایسا نہ ہو اور ہمارے دریافت کرنے پر ہمارے خیال کی تائید ہو جائے اور اس کے برخلاف جواب ملے سوال کر دیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ)ہاں او ایمان لانے والو تم اپنی جانوں کو لازم پکڑو (یعنی ان کی اصلاح کرو اور ان کو ہر قسم کی بدیوں سے بچاؤ) جب تم ہدایت یافتہ ہو گے تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تم کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا (تو جب یہ حال ہے تو پھر تم کو اس کی نسبت دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

چونکہ مفسرین نے ما قبل کے ربط پر غور نہیں کی اس لئے ان کے خیال میں یہ معنے نہیں آئے اور انہوں نے ما قبل یعنی سوال سے اس کو قطع کر کے جدا طور پر اس کے معنے لئے ہیں اور پھر ان پر جو بحسب ظاہر سوال پیدا ہو جاتا تھا اس کے جواب دینے میں لگ گئے ہیں اور وہ سوال یہ ہے کہ جب اپنے ہدایت یافتہ ہونے اور اپنی جانوں کے لازم پکڑنے پر گمراہ ہونے والا یا اس کی گمراہی کچھ ضرر نہیں پہنچاتی تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تو کوئی ضرورت نہ رہی بلکہ ان کے چھوڑ دینے کی اجازت ہوئی۔

تو اس کا پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ انسان ہدایت یافتہ ہو سکتا ہی نہیں جب تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے اور اس کی تائید میں ایک حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو تم کتاب اللہ سے ایک آیت پڑھتے ہو اور اس کو رخصت خیال کرتے ہو حالانکہ خداوند تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر اور کوئی سخت آیت

نہیں نازل کی اور وہ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ واللہ یا تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو گے اور یا عذاب الٰہی تم پر عام ہو جاوے گا۔

(تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 197 دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

اور بعض نے اِهْتِدَاءٌ کے یہاں پر معنے ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کئے ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس زمانہ کے لئے ہے کہ امر بالمعروف کیا جاوے گا پر لوگ اس کو قبول نہ کریں گے چنانچہ بہت سے صحابہؓ سے اس کے مطابق نقل کیا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ ان کے وعظ و نصیحت پر ہدایت نہ قبول کرنے پر حسرت کھانے اور تنگ ہونے سے منع کرنے کے لئے ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی نسبت ہے جب کہ امر بالمعروف کرنے میں فساد کا اندیشہ ہو۔ تو اس وقت اس کو چھوڑ دینا درست ہے اور بعض نے تو اس اعتراض سے ڈر کر آیت کے معنے ہی یہ کر دیئے ہیں کہ اے ایمان والو تم اپنے نفسوں (یعنی اپنے ہم مذہبوں) کو لازم پکڑو (اور ان کی حفاظت کرو اور ان کی مدد کرو) تو پھر گمراہ لوگ تم کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے (یعنی تم کو پھر یہ تباہ اور قتل نہیں کر سکتے) جب کہ اس ہدایت کے مطابق عمل کرو گے۔

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ بعض وقت معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے کہ معترض کی حالت اچھی نہیں ہوتی اور جس پر اعتراض کیا جاتا ہے اس کی حالت اچھی ہوتی ہے اور پھر اس فیصلہ کا حق بھی اللہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں لہٰذا فرمایا کہ) تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے تو پھر وہ تم کو ان کاموں پر متنبہ کرے گا جو کہ تم کیا کرتے تھے (جب دوسروں پر اعتراض کی نسبت یہ ہدایت بیان ہو چکی تو اب یہ بیان کرنے کے لئے کہ خواہ کیسا ہی اعتبار کا موقعہ کیوں نہ ہو پھر بھی کسی امر کے ثابت ہونے کے لئے شہادت کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اوقات شہادت عادلاں بھی غلط اور قابل رد ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ کسی غلطی پر مجرد اطلاع ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کے بالمقابل بھی پھر معتبرہ شہادت کی ضرورت پیش آتی ہے فرمایا کہ) ہاں او ایمان لانے والو جب تم سے کسی ایک کو موت

حاضر ہو تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان کی شہادت تم میں سے دو عدل والوں (کی شہادت) ہے یا تمہارے غیر میں سے اور دو ہوں اگر تم زمین میں سفر کرو تو پھر تم کو موت کی مصیبت پہنچ جائے۔ اگر تم کو کچھ شک ہو تو تم ان کو نماز کے بعد روکو پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس (اللہ) کے بدلے کچھ نہیں لیتے اگرچہ وہ نزدیک ترین رشتہ والا تھا اور نہ ہم اللہ کی شہادت چھپاتے ہیں (اگر ہم چھپائیں) تب تو یقیناً ظالموں سے ہوں گے۔

(یہ تو ان وصیت کے گواہوں اور ان کی نسبت شک ہونے کے وقت کی نسبت ہے) تو اگر اس پر اطلاع پائی جائے کہ وہ دونوں یقیناً کسی گناہ کے مستحق ہوئے ہیں تو پھر اور دو جو کہ ان دونوں کی جگہ قائم ہوں ان میں سے جن پر وہ قریب ترین دو مستحق (گناہ) ہوئے تھے تو پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ یقیناً ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ حق ہے اور ہم نے کوئی تعدّی نہیں کی (اگر ہم نے ایسا کیا ہو) تب ہم یقیناً ظالموں سے ہیں۔

(واحدی نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس سورۃ میں سب سے مشکل ترین یہ آیت ہے اور امام رازی نے کہا ہے کہ یہ آیت حکم اور نظم اور اعراب کے لحاظ سے بہت مشکل ہے۔ علامہ تفتازانی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے مشکل ترین یہ ہے اعراب اور حکم کے لحاظ سے۔

مفسرین نے اس کا مطلب تو یہی لکھا ہے اور یہی مطلب حدیثوں سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مرنے کے وقت وصیت کرنا چاہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے لوگوں میں سے (جن سے بعض نے اپنے دین کے لئے ہیں اور بعض نے اپنی قوم اور رشتہ کے لئے ہیں) دو عادل گواہ بنالے اور اگر سفر میں ہونے کی صورت میں ان کو نہ پائے تو پھر غیر لوگوں سے (جو کہ بعض کے نزدیک غیر مذہب کے مراد ہیں اور بعض کے نزدیک غیر رشتہ دار مراد ہیں) اور دو ہوں۔ پھر اگر کچھ شک واقع ہو جائے ان کی شہادت کی سچائی میں تو ان سے نماز کے بعد قسم کرائی جاوے اور پھر اگر ان کے جھوٹ پر کسی قرینہ وغیرہ کے ساتھ اطلاع ہو تو میت کے رشتہ داروں سے دو آدمی ان کے مقابلہ میں مذکورہ طریق پر حلف کریں۔

باوجود اس اتفاق کے پھر مفسرین میں ایک تو یہ اختلاف ہوا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے یا اب تک قائم ہے اور منسوخ اس وجہ سے کہا ہے کہ شریعت میں شاہدوں پر پہلے قسم نہیں اور نہ شہادت کی تردید پھر کسی دوسرے کی قسم کے ساتھ ہو سکتی ہے اور نہ اہل اسلام پر غیر اہل اسلام کی شہادت سنی جا سکتی ہے۔ پر یہ سب وجوہات ضعیف ہیں اور اس قابل ہر گز نہیں کہ ان کی وجہ سے کتاب اللہ کا ایک صریح حکم منسوخ کر دیا جاوے۔

اسی طرح ان میں یہ اختلاف بھی ہوا ہے کہ یہاں پر شہادت اپنے معنوں میں ہے یا کہ یہاں پر اس کے کوئی اور معنے ہیں۔ اکثروں نے تو یہی کہا ہے کہ یہاں پر اس کے معنے اور ہیں اور لکھا ہے کہ اس کے معنے حاضر کرنے، حکم اور فیصلہ کرنے اور قسم کھانے اور جاننے اور وصیت کرنے کے ہیں اور یہاں پر آخری معنے مراد ہیں نہ گواہی دینی اور بعض نے اس کا انکار کیا ہے لیکن اصل بات یہی ہے کہ اور معنے لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور مفسرین نے اَلْاَوْلَیَانِ کو اسْتَحَقَّ کا فاعل ہی کہا ہے لیکن ان سے وہ دو اقرب رشتہ دار مراد لئے ہیں جو کہ ان پہلے دو گواہوں کی جگہ کھڑے ہوں گے اور رشتہ داروں پر ان کا مستحق ہونا جس چیز کی نسبت ہے وہ مقدر قرار دیا ہے۔

علامہ زمخشری کے نزدیک تو وہ مقدر اَنْ یُجَرِّدُوْھُمَا لِلشَّھَادَۃِ[1] ہے اور ابو البقاء نے مَا لَھُمْ وَتَرِکَتَھُمْ[2] بتایا ہے اور کہا ہے کہ جب اَلْاَوْلَیَانِ سے وہ دوسرے دو گواہ مراد ہوئے جو کہ رشتہ داروں میں سے ان کی جگہ کھڑے ہوں گے تو پھر بجائے اَلْاَوْلَیَانِ کے فاعل بنانے کے ضمیر تثنیہ اِسْتَحَقَّا کی فاعل قرار دی جاتی جو کہ اٰخَرَانِ کی طرف پھرتی اور عبارت یوں ہوتی کہ مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَحَقَّا عَلَیْھِمْ اَنْ یُّجَرِّدُوْھُمَا لِلشَّھَادَۃِ[3] (یا) اَلْمَال ہوتا لیکن اس کو ضمیر کی جگہ اس لئے رکھا ہے تاکہ سب رشتہ داروں میں سے بالخصوص ان دو کو گواہی کے لئے منتخب کرنے کی وجہ بھی ساتھ ہی ظاہر ہو جائے۔ پر اس میں شک نہیں کہ اس میں بہت بعید از فہم اور نہایت تکلف ہے اور اس کے مقابل میں ٹھیک وہی ہے جو کہ

[1] ان دونوں کو گواہی کے لئے لاؤ۔ (از مرتب)

[2] ان کا مال اور ان کا ترکہ۔ (از مرتب)

[3] ان لوگوں میں سے جن کے بارے معلوم ہو گیا ہو ان دونوں کو گواہی کے لئے لاؤ (از مرتب)

پہلے میں نے بیان کیا ہے کہ الْاَوْلَیَانِ فاعل ہے اور اس سے وہ پہلے دو گواہ مراد ہیں اور ان کے مستحق ہونے سے وہی ان کا مستحق گناہ ہونا مراد ہے اور وہ اَوْلیٰ یعنی اقرب اور احق بالشہادت کیوں ہیں اس لئے کہ میت اور موصی نے انہی کو مقرر کیا تھا اور غلطی پائی جانے سے پہلے انہی کی شہادت قابل قبول تھی۔

اس کے بعد اس طریق شہادت کا فائدہ بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہ اس کے بہت قریب ہے کہ شہادت کو اس کی حقیقت پر لائیں یا وہ ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد قسمیں پھیری جاویں گی (اور چونکہ چند ضروری احکام بیان ہوئے تھے جن کی نسبت تساہل اور فروگذاشت کا اندیشہ تھا لہٰذا ان کے بعد تاکیداً فرمایا کہ) اللہ سے بچو (یعنی یہ نہ خیال کرو کہ یہ ہمارے فائدہ ہی کے لئے چند باتیں بتائی ہیں تو اگر ان پر عمل نہ ہوا تو معمولی کچھ فائدہ ہاتھ سے جائے گا باقی خداوند تعالیٰ کی ناراضگی کا کچھ اندیشہ نہیں بلکہ خلاف ورزی پر ناراضگی اور سزا ہے لہٰذا اس سے بچو) اور (سب حکموں کو) سنو (اور قبول کرو (اور اگر نہ کروگے تو پھر تم فاسق ٹھہروگے) اور اللہ فاسقوں کو (کامیاب ہونے کی) ہدایت نہیں کرتا۔

آیت 110 تا 116: یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَا ذَاۤ اُجِبۡتُمۡ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ۔ اِذۡ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اذۡکُرۡ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکَ وَ عَلٰی وَالِدَتِکَ اِذۡ اَیَّدۡتُّکَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ تُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا وَ اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ وَ اِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّیۡنِ کَہَیۡـَٔۃِ الطَّیۡرِ بِاِذۡنِیۡ فَتَنۡفُخُ فِیۡہَا فَتَکُوۡنُ طَیۡرًۢا بِاِذۡنِیۡ وَ تُبۡرِیٔ الۡاَکۡمَہَ وَ الۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِیۡ وَ اِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِیۡ وَ اِذۡ کَفَفۡتُ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَنۡکَ اِذۡ جِئۡتَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ۔ وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اشۡہَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ۔ اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ہَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّکَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔ قَالُوۡا نُرِیۡدُ اَنۡ نَّاۡکُلَ مِنۡہَا وَ تَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُنَا وَ نَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ صَدَقۡتَنَا وَ نَکُوۡنَ عَلَیۡہَا مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ۔ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ اللّٰہُمَّ رَبَّنَاۤ اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوۡنُ لَنَا عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰیَۃً مِّنۡکَ وَ ارۡزُقۡنَا وَ اَنۡتَ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ۔ قَالَ اللّٰہُ اِنِّیۡ مُنَزِّلُہَا عَلَیۡکُمۡ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بَعۡدُ مِنۡکُمۡ فَاِنِّیۡۤ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُہٗۤ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

تشریح:

رُوحؑ کی تشریح گذر چکی ہے کہ مابہ الحیات اور کلام اور وحی الٰہی اور جبرائیلؑ کو کہتے ہیں اور قُدُسؑ کے معنے پاکیزگی کے ہیں۔

مَهْدٌ بھی گذر چکا ہے بچے کے سونے کی جگہ کو کہتے ہیں اور جنہوں نے اس کے معنے ماں کی گودی کے لئے ہیں انہوں نے غلطی کی ہے۔

اسی طرح کَهْلٌ کی تفصیل بھی گذر چکی ہے کہ تیس سال کے جوان کو کَهْلٌ کہتے ہیں۔

اِنْجِيْلٌ۔ بشارت۔

خَلْقٌ۔ گھڑنا، انداز کرنا، جسم کا پیدا کرنا، تصویر بنانا۔

هَيْاَةٌ۔ مصدر ہے، بمعنے مہیا اور تیار کرنے کے اور صورت و شکل کو بھی هَيْاَةٌ کہتے ہیں۔

نَفْخٌ۔ پھونکنا۔ طَيْرٌ۔ اڑنے والی چیز اور اڑنے والا پرندہ۔

تُبْرِئُ اور اَكْمَهُ۔ اَبْرَصُ ان سب الفاظ کی مفصل تشریحات سورۂ آل عمران ع 15 /5 میں گذر چکی ہیں۔

كَفَفْتُ۔ كَفٌّ سے ہے، روکنا۔

يَسْتَطِيْعُ۔ اِسْتِطَاعَةٌ سے ہے، کسی امر کی طاقت رکھنا اور کسی کی بات قبول کرنا اور ماننا۔

مَائِدَةٌ۔ مَيْدٌ سے ہے، جس کے معنے حرکت کرنے اور دینے کے ہیں اور بعض نے اس کو بمعنے مفعول لیا ہے یعنی دی ہوئی چیز اور بعض نے کہا ہے کہ جس طرح پھلدار درخت کو مُطْعِمَةٌ کہا جاتا ہے اسی طرح سے اس کو دینے والا کہا گیا ہے اور اب یہ نام ہے دستر خوان کا جس کو عربی زبان میں سُفْرَةٌ کہتے ہیں اور وہ عرب میں عموماً گول چمڑہ کا ہوتا تھا اور سُفْرَةٌ اصل میں تو اس کھانے کا نام تھا جس کو مسافر اپنے ساتھ رکھتا ہے اور پھر اس گول چمڑہ کا نام ٹھہر گیا جس پر کہ کھانا چنا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ خوان کیا ہے پر وہ غلط ہے کیونکہ خوان اس اونچی چوکی کا نام ہے جس پر کھانا رکھا جاتا ہے اور مَائِدَةٌ اس پر نہیں بولا جاتا۔

عِيْدٌ۔ عَوْدٌ سے ہے، جس کے معنے عَائِدٌ یعنی لوٹنے والے کے ہیں اور عموماً یہ ایک معیّن زمانہ پر بولا جاتا ہے جو کہ بار بار لوٹا کرتا ہے اور مطلق خوشی اور سرور پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترجمہ:

جس وقت کہ اللہ کل رسولوں کو جمع کرے گا پھر وہ کہے گا کہ تم کیا قبول کئے گئے۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ یقیناً تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ جب کہ اللہ نے

کہا اے عیسیٰ بن مریم تو میری وہ نعمت یاد کر جو کہ تجھ پر اور تیری والدہ پر ہے جب کہ میں نے پاکیزگی کی روح کے ساتھ تیری تائید کی کہ تو بچپن کے بستر ے میں اور جوان ہو کر لوگوں سے باتیں کرتا اور جب کہ میں نے تجھے وہ کتاب اور حکمت سکھائی اور (یعنی) توریت اور انجیل اور جب کہ تو پرندے کے تیار کرنے کی طرح کیچڑ سے میرے حکم سے بناتا تھا پھر تو اس میں پھونکتا تھا تو وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا اور تو شبکوری والوں اور پھل بہری والوں کو میرے حکم سے پاک کرتا اور جب تو میرے حکم کے ساتھ ان مردوں کو نکالتا اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب کہ تو ان کے پاس کھلی (باتیں) لایا تھا تو ان لوگوں نے کہا تھا جو کہ ان میں سے کافر بنے تھے کہ یہ تو کھلا جادو ہی ہے اور جب کہ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور تو گواہ ہو کہ ہم یقیناً فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ جب کہ حواریوں نے کہا کہ اور عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان اتار سکتا ہے اس نے کہا تم اللہ سے بچو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل اطمینان پکڑیں اور ہم جان لیں کہ یقیناً تو نے ہم کو سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہوں سے ہوں۔

عیسیٰ بن مریم نے کہا اے اللہ (اے) ہمارے تو ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان اتار جو کہ ہمارے لئے سرور ہو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور تیری طرف سے ایک نشان ہو اور تو ہم کو رزق دے اور تو سب دینے والوں سے بہتر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں یقیناً وہ تم پر نازل کرنے والا ہوں سو جس نے تم میں سے اس کے بعد کفر کیا تو یقیناً میں اس کو وہ عذاب دوں گا جو کہ جہانوں میں کسی ایک کو (بھی) میں وہ (عذاب) نہ دوں گا۔

تفسیر:

جب پہلے سے یہی مضمون چلا ہوا تھا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ہم نے انبیاءؑ اور کتابیں بھیجیں لیکن وہ ان کی نافرمانی پر مصر رہے اور اس وجہ سے ان پر لعنت نازل ہوئی اور وہ قسم قسم کے عذابوں میں گرفتار ہوئے اور اس سے پہلے رکوع میں قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ

مِّنۡ قَبۡلِ[1] الخ (المائدۃ:103) فرما کر اس کی نہایت درجہ کی تاکید فرمادی تھی کہ تم کو ان کی طرح نہ بننا چاہیئے اور پھر اس کے آخر میں وَ اتَّقُوا اللّٰہَ وَ اسۡمَعُوۡا[2] (المائدۃ:109) فرما کر اس فرمانبرداری کی مکرر تاکید کی تھی اور وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ[3] (المائدۃ:109) فرما کر یہ بتایا تھا کہ اگر تم نافرمانی کر کے قوم فاسق ٹھہرو گے تو گو تم میں سے جو نیک اور فرمانبردار ہوں گے ان کو ان فاسقوں کی گمراہی اور نافرمانی کچھ ضرر نہ دے گی لیکن شخصی انعامات کے علاوہ جو قومی انعامات ہیں ان کے حاصل کرنے کی ہدایت بوجہ قوم فاسق ہونے کے ہرگز نہ ملے گی تو اب اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ ”اس فرمانبرداری اور نافرمانی کا معیار اپنے یا لوگوں کے کہنے یا ظاہر داری پر نہیں ہے یہاں تک کہ خود انبیاءؑ کی رائے اور قول پر بھی اس کی بناء نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی بناء علام الغیوب کے علم پر ہے۔“ فرمایا کہ) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کرے گا تو وہ فرمائے گا کہ تم کیا قبول کئے گئے۔ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں ہے۔ یقیناً تو تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔

(تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ کے ساتھ متعلق ہے اس لئے کہ یہ اس کا مفعول مطلق ہے اور معنے یہ ہیں کہ اَیَّ اِجَابَۃٍ اُجِبۡتُمۡ مِّنۡ قِبَلِ اُمَمِکُمۡ اِجَابَۃَ قَبُوۡلٍ اَوۡ اِجَابَۃَ رَدٍّ[4] اور کہا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی تقدیر بِمَاذَا اُجِبۡتُمۡ ہے اَیَّ بِاَیِّ شَیۡءٍ اُجِبۡتُمۡ[5] اس بنا پر سوال جواب سے ہو نہ اجابت سے اور حرف جار حذف کر کے مجرور کو منصوب کر دیا ہو لیکن اس کو ضعیف کہا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے اور حق بھی یہی ہے کہ یہ سوال اجابت بمعنے قول سے ہے ورنہ جواب تو انبیاءؑ کو معلوم ہی ہیں اور ان جوابوں پر مدار نجات بھی نہیں ہے کیونکہ منافق کا جواب تو اٰمَنَّا ہی ہوتا ہے اور اس کی باتیں تو اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ[6] (المنافقون:5) اور

---

[1] تم سے پہلے ایک قوم ایسی باتوں کے متعلق سوال کر چکی ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے حکموں کی اچھی طرح اطاعت کرو۔ (تفسیر صغیر)

[3] اور (یاد رکھو) اللہ سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (تفسیر صغیر)

[4] تمہاری امتوں سے پہلے کون سے دعا قبول کی گئی، دعا قبول کی گئی یا رد کر دی گئی۔ (از مرتب)

[5] یعنی کس چیز (نفی یا قبولیت) کا تمہیں جواب دیا گیا۔ (از مرتب)

[6] اور اگر وہ کوئی بات کرتے ہیں (تو ایسے شاندار طریقے سے کہ) تو ان کی بات کو (باوجود ان کے حالات جاننے کے) سن لیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1] (البقرۃ:205) ہوتی ہیں حالانکہ وہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ[2] (البقرۃ:9) اور فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ[3] (النساء:146) ہوتے ہیں اور فزع اور گھبراہٹ سے بھول جانا یا جواب نہ دے سکنا بھی ٹھیک نہیں کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ[4] (النمل:90) ہوں گے۔ پس یہ یقینی امر ہے اور مفسرین نے بھی یہی پسند کیا ہے کہ یہ سوال و جواب قبولیت وعدم قبولیت کی نسبت ہے۔ اس کے بعد بنی اسرائیل میں اس کی نظیر بتانے کے لئے کہ قوم فاسق قرار پانے کے بعد قومی انعامات اور قومی فضلوں کے حاصل کرنے کی ہدایت سلب ہو جاتی ہے فرمایا کہ یاد کرو) جب کہ اللہ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ بن مریم تو اپنے پر اور اپنی ماں پر میری نعمت یاد کر جب کہ میں نے پاکیزگی کی روح کے ساتھ تیری تائید کی تھی۔ تو بچپن کے بسترے پر اور پھر جوان ہونے کی حالت میں لوگوں سے باتیں کرتا اور جب کہ میں نے کتاب اور حکمت یعنی توریت اور انجیل تجھے سکھائی اور جب کہ تو میرے حکم کے ساتھ پرندے کے تیار کرنے کی (یا پرندے کی شکل کے) مانند کیچڑ سے بناتا تھا پھر اس میں تو پھونکتا تھا تو وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا اور تو شبکوری والے (یا اندھے) اور پھل بہری والے کو میرے حکم سے چھڑاتا تھا اور جب کہ تو مردوں کو میرے حکم سے نکالتا تھا (اس کی تفسیر سورۃ آل عمران ع 4 کی تفسیر میں مفصل بیان ہو چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے) اور جب کہ میں نے تجھ سے بنی اسرائیل کو روکا جب کہ تو ان کے پاس کھلے نشان (یا باتیں) لایا تھا (روکنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ تجھے قتل نہ کر سکے اور میں پہلے اس پر مفصل بحث کر چکا ہوں کہ اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بنی اسرائیل حضرت مسیحؑ کو چھو بھی نہیں سکے جیسا کہ مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے لکھا ہے جس نے دیکھنا ہو آیۃ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ[5] (النساء:159) والے رکوع کی تفسیر میں دیکھے۔

---

[1] جن کی باتیں (اس) دنیا کی زندگی کے متعلق تجھے (بہت) پسندیدہ معلوم ہوتی ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] حالانکہ وہ ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔ (تفسیر صغیر)

[3] جہنم کی گہرائی کے سب سے نچلے حصہ میں۔ (تفسیر صغیر)

[4] اور ایسے لوگ اس دن خوف سے محفوظ رہیں گے۔ (تفسیر صغیر)

[5] اللہ نے اسے اپنے حضور میں عزت (و رفعت) دی تھی۔ (تفسیر صغیر)

یعنی جب کہ یہ سب انعامات مسیحؑ پر ہوگئے تھے اور خداوند تعالیٰ نے مسیحؑ کو ان فضلوں کے ساتھ اپنا احسان یاد دلا کر شکر بجالانے کا ارشاد بھی فرمادیا تھا (اور اسی کو پھر بینات لانے کے ساتھ دوبارہ واضح کیا ہے) تو اس حالت میں ضروری تھا کہ بنی اسرائیل مسیحؑ پر ایمان لاتے پر چونکہ وہ پہلے قوم فاسق ٹھہر چکے تھے اس لئے اکثروں کو تو ان میں سے ہدایت نصیب نہ ہوئی) تو جو ان میں سے کافر بنے تھے انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا (یا جدا کرنے والا) جادو ہی ہے (اور پھر اس کا اثر انہی لوگوں تک محدود نہیں رہا بلکہ ان میں سے جو ایمان لائے تھے اور ان کو کچھ ہدایت ہوئی تھی وہ بھی اس سے خالی نہ رہے اور اس کی وجہ سے ان کی اہتداء میں بھی ایسا عظیم الشان نقص پیدا ہوا جس کی وجہ سے حقیقی اہتداء کی نسبت ان کا اہتداء کالعدم رہا ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ یاد کرو) جب کہ ہم نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور تو اس پر گواہ ہو کہ یقیناً ہم فرمانبرداری کرنے والے ہیں (پر باوجود اس کے اس وقت کو یاد کرو) جب کہ حواریوں نے کہا تھا کہ او عیسیٰ بن مریم کیا تیرا رب آسمان سے ہم پر کھانے کا دستر خوان اتار سکتا ہے (خالص دنیا اور اس کی آسائش چاہی اور وہ بھی ان الفاظ سے کہ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اور پھر رَبُّنَا کی بجائے بھی رَبُّكَ کہا ہے جیسا کہ فرعون یا گائے کی نسبت گستاخ اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰؑ کو کہا تھا اور یہ سب امور بظاہر ان کے دعویٰ ایمان و اسلام کے خلاف تھے اس لئے حضرت مسیحؑ نے) کہا کہ تم اللہ سے بچو اگر تم (حقیقت میں) مومن ہو (لیکن بجائے اس کے کہ آپ کے اس ارشاد سے وہ اس سوال سے باز آتے انہوں نے اس کے فوائد بیان کئے اور دنیوی فائدہ کے ساتھ دینی فائدہ بھی ضم کر دیا بلکہ اس کی کثرت بیان کی اور کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل اس کے ساتھ اطمینان پکڑیں اور ہم یہ جان لیں کہ یقیناً تو نے ہم کو سچ کہا ہے اور ہم اس پر گواہ ہوں (تو جب) عیسیٰؑ بن مریمؑ (نے حواریوں کا اصرار دیکھا تو) کہا کہ اے ہمارے رب تو ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان اتار جو کہ ہمارے لئے عید (یا سرور) ہو ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور

تیری طرف سے نشان ہو اور ہم کو رزق دے (یا ہم کو نصیب کر اس پر شکر کرنا جیسا کہ جبائی سے مروی ہے یا مائدہ جیسا کہ عموماً مفسرین نے کہا ہے) اور تو سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے (تو مسیحؑ کی اس دعا کو) اللہ تعالیٰ (نے قبول فرمایا اور اس کے جواب میں) فرمایا کہ یقیناً میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں تو جو تم میں سے کفر کرے گا تو یقیناً میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو کہ جہانوں میں سے کسی کو وہ (عذاب) نہ دوں گا۔

(عام طور پر مفسرین نے اس فائدہ کو اور اس کے سوال کو اپنے ظاہر پر ہی رکھا ہے البتہ حسن اور مجاہد سے ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ جب قوم کو اس کا علم ہوا جو کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا تھا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے تو پھر وہ نازل نہیں ہوا لیکن عام مفسرین کا یہی قول ہے کہ وہ نازل ہوا اور اس کے نزول کی کیفیت میں مختلف روایتیں آئی ہیں اور زیادہ یہی آیا ہے کہ ایک سرخ رنگ کا دستر خوان ڈھانپا ہوا نازل ہوا تھا اور اس میں ایک بڑی مچھلی بھونی ہوئی رکھی تھی جس میں کانٹے نہ تھے اور اس سے چکنائی بہہ رہی تھی اور اس کے ارد گرد گندنا کے سوا سب ترکاریاں رکھی ہوئی تھیں اور اس کے سر کے پاس سِرکا اور دُم پاس نمک اور ترکاریوں کے ارد گرد پانچ روٹیاں تھیں جن میں سے ایک پر زیتون اور دوسری پر کھجوریں اور تیسری پر پانچ انار تھے اور چوتھی پر شہد اور پانچویں پر پنیر تھا اور ان کو حکم تھا کہ نہ خیانت کریں اور نہ ذخیرہ کریں تو انہوں نے دونوں باتیں کیں تب خداوند تعالیٰ نے مائدہ نازل کرنا تو بند کر دیا اور خیانت اور ذخیرہ کرنے والوں کو بندر اور خنزیر بنا دیا۔ چنانچہ مذکورہ آیت میں یہی عذاب بعض کے نزدیک ہے اور اکثروں کے نزدیک وہ عذاب قیامت کے دن ہوگا چنانچہ لکھا ہے کہ سب سے سخت عذاب والے اصحاب مائدہ میں سے کفر کرنے والے اور آل فرعون اور منافقین ہوں گے۔ پر اصل بات یہ ہے کہ یہ مائدہ وہی ہے جو کہ اس وقت میں بھی عیسائی قوم پر نازل ہو رہا ہے اور ساتھ ہی وہ اس کے نزول کے بعد کافر بھی ہیں اسی وجہ سے یاجوج وماجوج سے ننانوے جہنمی ہوں گے اور باقی سے ایک۔)

آیت 117 تا 121: وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

تشریح:

تَوَفَّیْتَ۔ تَوَفِّیْ سے ہے اور تَوَفِّیْ یقیناً اور قطعاً وَفَاۃٌ سے ہے، نہ وَفَاءٌ سے اور وَفَاۃٌ باجماع اہل لغت و اتفاق کتب لغت بمعنے موت ہے صحاح جوہری وغیرہ کتب لغت میں یہی لکھا ہے کہ اَلْوَفَاۃُ اَلْمَوْۃُ اور اسی طرح ان میں صاف لکھا ہوا ہے کہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ یہاں پر دو باتیں ضرور یاد رکھنی چاہیئے ایک یہ کہ مخالف دھوکہ دے کر کہا کرتے ہیں کہ تَوَفِّیْ کا مادہ وَفَاءٌ ہے اور یہ بالکل غلط ہے، وَفَاءٌ بے شک ایک مادہ ہے لیکن اس مادہ سے کسی لغت کی کتاب میں باب تَفَعُّل کا آنا ہرگز نہیں لکھا جس سے تَوَفِّیْ ہے بلکہ انہوں نے تَوَفِّیْ کو مادہ وَفَاۃٌ سے لکھا ہے جس کے معنے بجز موت کے اور آئے ہی نہیں۔ دوم یہ کہ اہل لغت

نے بالتصریح اور بالاتفاق کہہ دیا ہوا ہے کہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے معنے قَبَضَ رُوْحَہٗ ہیں اور ان معنوں کے سواء اور نہ انہوں نے اس کے لکھے ہیں اور نہ کسی عبارت میں آئے ہیں پس دوسرے الفاظ پر جو کہ وَفَاءٌ سے مشتق ہیں اس کو قیاس کرنا محض جہالت اور غلط ہے۔ کیوں وہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے بھرنے اور پورا لینے وغیرہ کے معنے کسی کتاب لغت سے پیش نہیں کرتے اور بجائے نقل کے قیاس کو دخل دیتے ہیں۔

رَقِیْبٌ۔ رِقْبَۃٌ اور رِقْبَانٌ سے ہے، حفاظت اور انتظار کرنا۔

ترجمہ:

اور (یاد کرو) جب کہ اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ تم مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا دو معبود بنالو۔ اس نے کہا تیری پاکیزگی (کا میں یقین رکھتا ہوں) میرے لئے (مناسب) نہ تھا کہ میں وہ بات کہوں جو کہ میرے لئے حق نہیں۔ اگر میں نے وہ (بات) کہی ہوگی تو یقیناً تو اس کو جانتا ہوگا تو اس کو جانتا ہے جو کہ میرے جی میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو کہ تیری ذات میں ہے۔ بے شک تو تو غیبوں کو خوب ہی جاننے والا ہے۔

میں نے تو ان کو بجز اس کے نہیں کہا جو کہ تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ تم میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو اور میں ان پر نگران تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔ سو جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر ایک چیز پر نگران ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو مغفرت کر دے تو بے شک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ یہ راستبازوں کو ان کی سچائی کے نفع دینے کا دن ہے۔ ان کے لئے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ہمیشہ رہ پڑنے والے ہیں ان میں۔ اللہ ان سے راضی ہوا ہے اور وہ اس سے راضی ہوئے ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین اور اس کی سلطنت ہے جو کہ ان میں ہے اور وہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر:

جبکہ یہ بیان ہو چکا کہ جو لوگ بنی اسرائیل میں سے مسیحؑ پر ایمان بھی لائے تھے وہ بھی حقیقی اور کامل اہتداء سے ایسے گرے ہوئے تھے کہ محض دنیا کے لئے انہوں مائدہ مانگا اور وہ بھی هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ[1] الخ (المائدۃ:113) کے ساتھ جس سے آئندہ کفر کا خطرہ تھا اور اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے پر فرمایا کہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ[2] الخ (المائدہ:116) تو اب ضروری ہوا کہ ان کا وہ آئندہ کا کفر بیان کیا جائے۔ تو فرمایا کہ یاد کرو) جبکہ اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے ان لوگوں کو کہا تھا کہ تم مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا دو معبود پکڑو (اس میں شک نہیں کہ مسیحی عموماً حضرت مسیحؑ کو تو اِلٰہٌ قرار دیتے ہیں اور رومن کیتھولک عیسائی حضرت مریم کو بھی معبود ٹھہراتے ہیں اور جو حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ اور اللہ کہتے ہیں ان کے نزدیک بہر حال وہ اللہ کی والدہ ہونے کی وجہ سے بھی معبود قرار پاجاتی ہیں اور یہ سوال عیسائیوں کے اسی ہی گندے عقیدہ پر توبیخ کے لئے ہے ورنہ خداوند تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے لئے کسی اور سے کوئی امر دریافت کرے۔

رہا یہ کہ سوال ہو چکا ہے کہ آئندہ قیامت کو ہو گا۔ جب یہ دیکھا جائے کہ لفظ قَالَ ماضی ہے اور اس پر لفظ اِذْ داخل ہے جو کہ مضارع کو بھی بمعنے ماضی کر دیتا ہے اور یہاں پر ماضی کی تاکید تو ضرور ہے اور تاکید احتمال مجاز کو رد کر دیا کرتی ہے اور پھر بخاری کی حدیث میں فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَا دُمْتُ فِيْهِمْ، فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ[3] آیا ہے۔

(الصحیح البخاری کتاب تفسیر القرآن باب وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَا دُمْتُ فِيْهِمْ... حدیث نمبر 4625)

جس میں آنحضرتؐ نے مسیحؑ کے یہ جواب دینے کو بلفظ قَالَ بیان فرمایا ہے جو کہ ماضی

---

[1] کیا تیرے رب میں طاقت ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] پس جو کوئی بھی اس کے (نازل ہونے کے) بعد ناشکری کرے گا۔ (تفسیر صغیر)

[3] تو میں کہوں گا جس طرح اس نیک بندے نے کہا تھا "اور جب تک میں ان میں (موجود) رہا، میں ان کا نگران رہا مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا (میں نہ تھا)۔ (از مرتب)

ہے اور اپنی نسبت یہ جواب دینا بلفظ اَقُوْلُ فرمایا ہے جو کہ مستقبل ہے۔ تب تو یہ سوال ہو چکا ہے۔ رہا یہ کہ کب ہوا ہے تو اس کے مناسب مسیحؑ کی وفات کے بعد عالم برزخ کا زمانہ ہے اور بعض مفسرین نے بمعنے ماضی اس کو لیا بھی ہے لیکن اکثر اسی طرف گئے ہیں کہ یہ سوال قیامت کے دن ہو گا۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ حضرت مسیحؑ کا جواب ذکر فرماتا ہے کہ) اس نے کہا کہ (میں ہمیشہ) تیری پاکی (کا خیال رکھتا رہا ہوں) میرے لئے لائق نہیں کہ میں وہ کہوں جو کہ میرے لئے حق نہیں (یعنی تُو تو شریک سے منزہ ہے اور میرے لئے ہر گز مناسب نہیں تھا کہ میں ایسی ناگفتنی بات کہتا) اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو ضرور تُو اس کو جانتا ہو گا (یعنی تو گواہ ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا) تو تُو اس کو جانتا ہے جو کہ میرے جی میں ہے اور میں اس کو نہیں جانتا جو تیری ذات میں ہے۔ یقیناً تُو تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے (یہاں تک تو ایسا کہنے کی نفی کی اور اس پر خداوند تعالیٰ کو ہی گواہ قرار دیا لیکن اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہی نہیں کہ میں نے یہ نہیں کہا بلکہ میں نے اس کے برعکس ان کو کہا جس سے ایسا کرنے کی صاف صاف ممانعت ثابت ہوتی ہے فرمایا کہ) میں نے تو ان کو وہی کہا ہے جس کا تو نے حکم دیا تھا کہ تم اللہ کی ہی عبادت کرو جو کہ میرا رب اور تمہارا رب ہے (جس سے صاف صاف شرک کی ممانعت کرنا ثابت ہوتا ہے اور اس کے بعد یہ بتانے لئے کہ "پھر میں نے اس زبانی ممانعت صریحہ ہی پر اکتفاء نہیں کی بلکہ اخیر وقت تک میں اس کی نسبت ان کی نگرانی بھی کرتا رہا ہوں" فرمایا کہ) میں ان پر نگران رہا تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔

(تو جب یہ بتا دیا کہ میں اخیر وقت تک ان کی نگرانی کرتا رہا ہوں تو اب یہ بتانے کے لئے کہ "ان میں یہ خرابی اور یہ شرک میری موجودگی اور میری زندگی میں شروع اور پیدا ہی نہیں ہوئی کہ میرے کہنے کا احتمال پیدا ہوتا بلکہ یہ تو ان میں میری وفات کے بعد پیدا ہوئی ہے اور پھر وہ وفات بھی میرے ارادہ اور مرضی سے نہیں ہوئی کہ میں ان کی نگرانی کے فرض کو خود بخود وفات کے ساتھ ترک کر کے قصوروار ٹھہرا ہوں بلکہ وہ وفات بھی خود تو نے ہی اپنے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے حتمی وعدہ کے مطابق دی ہے" فرمایا کہ) تو جب تُو نے مجھے وفات دے دی (میری روح کو قبض کر لیا) تو پھر تو ہی ان پر نگاہبان تھا اور تو ہر ایک چیز پر نگران ہے۔

(یہ وہ آیت ہے کہ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مسیحؑ کی وفات پر اصل دلیل بتایا ہے اور باقی آیات و احادیث کو بطور مؤیدات کے پیش کیا ہے۔ لیکن میں نہایت افسوس کے ساتھ ناظرین کو بتاتا ہوں کہ میں نے اس آیت کو کثرت کے ساتھ اپنے طلباء اور دیگر احباب سے دریافت کیا ہے اور بہت سے مولوی صاحبوں کو تقریروں اور مناظروں اور وعظوں میں اس کو پیش کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے لیکن عموماً ان کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت اقدسؑ کے اس طریق استدلال کو چھوڑ دیتے ہیں کہ جس نے سب مخالفین کو لاجواب کر دیا تھا اور ایسے غیر موجہ اور ناقص طریق سے اس کو پیش کرتے ہیں کہ مخالفوں کو دھوکہ دینے کا خوب موقع مل جاتا ہے بلکہ میں نے اپنے اس طویل تجربہ میں ایک ہی طالب العلم اور اپنے ایک ہی لائق عالم دوست کو اصل طریق پر اس کو پیش کرتے ہوئے دیکھا ہے اور بس اور دوسرے اسی قدر کہہ دیتے ہیں کہ یہاں پر مسیحؑ نے جب خود اقرار کر دیا ہے کہ جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ وہ مر گئے ہیں اور بعض اس کے علاوہ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ تَوَفِّیْ کے معنے بجز قبض روح کے اور یہاں پر کوئی نہیں اس لئے کہ تَوَفِّیْ کا فاعل جب اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو اس کے معنے بجز قبض روح کے نہیں آتے۔

پہلی تقریر کے مقابلہ پر تو مخالف دو دھوکے یا بلفظ دیگر دو جواب دیتے ہیں۔

نمبر1۔ یہ کہ لفظ تَوَفِّیْ وَفَاءٌ سے ہے، جس کے اصل معنے پورا کرنے اور پورا لینے کے ہیں جیسے اِیْفَاءٌ اور اِسْتِیْفَاءٌ وغیرہ الفاظ جو کہ اسی مادہ سے ہیں اس کے شاہد ہیں اور یہاں پر بمعنے موت نہیں گو کبھی کبھی یہ مجازاً بمعنے موت بھی آجایا کرتا ہے۔

نمبر2۔ یہ کہ تَوَفِّیْ کو اگر یہاں پر بمعنے موت لیا بھی جائے تو بھی اس سے یہ دعوی ثابت نہیں ہوتا کہ مسیحؑ اب مر گیا ہوا ہے اس لئے کہ تَوَفَّیْتَنِیْ گو فعل ماضی ہے جو کہ اس پر دلالت کیا کرتا ہے کہ یہ کام زمانۂ گذشتہ میں ہوا ہے لیکن یہ مطلق گذشتہ زمانہ میں ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ زمانۂ تکلم کی نسبت جو گذشتہ زمانہ ہوتا ہے اس میں ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے اصل تکلم کا زمانہ تو قیامت ہے کیونکہ

خداوند تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیحؑ سے یہ سوال کرے گا اور قیامت ہی میں حضرت مسیحؑ یہ جواب دیں گے۔

پس تَوَفَّیْتَنِیْ کا ماضی ہونا اس کو نہیں چاہتا کہ اس ہمارے زمانہ سے پہلے مسیحؑ فوت ہو گئے بلکہ اس کو چاہتا ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت مسیحؑ کسی وقت میں مر جاویں گے خواہ وہ وقت ہمارے زمانہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زمانہ میں ان کا فوت ہو جانا یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں کیونکہ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اب تک تو آسمان پر زندہ ہیں اور پھر کبھی قیامت سے پہلے زمین پر اتریں گے اور چالیس سال حکومت کر کے پھر قیامت سے پہلے ہی مریں گے اور دوسری تقریر میں چونکہ کسی قدر تَوَفِّیْ کے معنوں کی نسبت پیش بندی ہے گو وہ کسی قدر ناقص اور ناتمام ہے لہٰذا اس کے مقابلہ پر بعض تو دوسرے ہی جواب پر اکتفاء کرتے ہیں اور بعض اس قدر اضافہ کے ساتھ پہلے کو بھی پیش کر دیتے ہیں کہ یہ تمہارا خود ساختہ قاعدہ ہے کسی لغت کی کتاب سے تم اس کا حوالہ نہیں دے سکتے کہ تَوَفِّیْ کا فاعل جب اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو پھر اس کے معنے بجز قبض روح کے اور نہیں ہوتے۔ لیکن جب تَوَفِّیْ کی نسبت کتب لغت سے پہلے ان کو یہ بتایا جائے کہ ایک مادہ وَفَاءٌ ہے اور دوسرا وَفَاۃٌ ہے اور وَفَاۃٌ کے معنے بجز موت کے اور نہیں اور تَوَفِّیْ جو باب تفعُّل سے ہے یہ وَفَاۃٌ ہی سے آیا ہے اور وَفَاءٌ سے اس کا آنا کسی لغت والے نے نہیں لکھا اور یہی وجہ ہے کہ سب کتب لغت میں تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ[1] آیا ہے اور لغت کے اسی فقرہ (یعنی تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ) کو ہم بدیں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ جب اس کا فاعل اللہ ہو (جیسا کہ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ میں اللہ فاعل ہے) اور مفعول ذی روح ہو (جیسا کہ تَوَفَّاہُ میں ہٗ جو زید کی طرف پھرتا ہے ذی روح مفعول ہے) اور پھر ان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ کسی لغت کی کتاب یا قرآن مجید و حدیث یا نظم و نثر تقریر و تحریر متقدمین و متاخرین مومن و کافر کی کسی کتاب اور عبارت میں متنازعہ فیہ کے سوا اس قاعدہ کلیہ کے خلاف بتائیں تو پھر وہ پہلے جواب سے بالکل ساکت ہو جاتے ہیں۔

[1] اللہ نے اس کی توفّی کی یعنی اسی نے اس کی روح قبض کر لی۔ (از مرتب)

چنانچہ اسی کی وجہ سے مولوی ثناء اللہ اس کا قائل ہے کہ تَوَفِّیْ ضرور بمعنے وفات ہے اور پھر استدلال کی تقریریوں کی جائے مسیحؑ سے یہ سوال خواہ برزخ میں ہو چکا ہے یا قیامت کو ہو گا بہر حال یہ سوال عیسائیوں کی موجودہ شرک کی نسبت ہے کہ یہ تم نے ان کو تعلیم دی ہے اور حضرت مسیحؑ کے جواب کا صحیح خلاصہ اور مفاد یہ ہے کہ میں نے یہ ان کو نہیں کہا بلکہ میں اپنی موجودگی میں ان کی نگرانی کرتا رہا اور ان میں اگر یہ شرک ہوا ہے تو میری تَوَفِّیْ کے بعد ہوا ہے اور پھر تو ہی ان کا نگہبان تھا اور اس سے صاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح عیسائیوں کے اس موجودہ شرک کو اپنی تَوَفِّیْ کے بعد اور اپنی تَوَفِّیْ کو ان کے مبتلاء شرک ہونے سے پہلے بتاتے ہیں۔

تو اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے عیسائیوں کی جس شرک کو اپنی تَوَفِّیْ کے بعد بتایا ہے وہ شرک تو اب بلکہ زمانۂ نزول قرآن مجید میں بھی عیسائیوں میں موجود تھا اور ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ تَوَفِّیْ مسیحؑ اس زمانہ بلکہ زمانۂ نزول قرآن مجید سے بھی پہلے ہو گئی ہو جس کو مسیحؑ نے ان کی شرک سے پہلے بیان کیا ہے۔

پس مسیحؑ کی تَوَفِّیْ کا اس وقت سے بلکہ زمانۂ نزول قرآن مجید سے پہلے ہونا ہم ماضی سے نہیں ثابت کرتے بلکہ اس قبلیت و بعدیت سے ثابت کرتے ہیں جو کہ خود حضرت مسیحؑ نے اپنی تَوَفِّیْ اور عیسائیوں کے موجوہ شرک میں واضح اور صاف طور پر بیان کی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ اگر تَوَفِّیْ نہیں تو پھر عیسائی بھی ابھی مشرک نہیں حالانکہ قرآن مجید ان کو مشرک بیان کرتا ہے اور ہم ان کے اس شرک کو خود مشاہدہ کرتے ہیں تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیحؑ کی تَوَفِّیْ نزول قرآن مجید سے پہلے ہو چکی ہے اور پہلے ہم ثابت کر آئے ہیں تَوَفِّیْ کے معنے یہاں پر بجز موت اور قبض روح کے اور ہر گز نہیں ہیں تو اب ثابت ہو گیا کہ نزول قرآن مجید سے پہلے حضرت مسیحؑ فوت ہو چکے ہیں اور باوجود ان کے فوت ہونے کی پھر عیسائیوں نے مسیحؑ اور مسیحؑ کی والدہ کو اللہ بنایا ہے وَھٰذَا ھُوَ الْمُرَادُ۔[1]

میں نے اس طریق استدلال کو بہت سے مخالف مولویوں کے آگے پیش کیا ہے تو وہ

[1] اور یہی ہماری مراد ہے۔ (از مرتب)

کچھ جواب نہیں دے سکے۔ حتّٰی کہ مُدہ کے مباحثہ میں مولوی ثناء اللہ بھی اس کے جواب سے بالکل عاجز رہ گیا تھا۔ ہاں اس نے نہایت اوسان باختہ ہو کر اس کے مقابلہ میں یہ عذر تراشا تھا کہ حضرت مسیحؑ نے چونکہ اپنی امت کی سفارش اور شفاعت کرنی تھی اور شفاعت کے موقع پر جرم کا ذکر مناسب نہیں تھا لہٰذا انہوں نے ان کے اس شرک کو ذکر نہیں کیا۔ پر ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ یہ عذر کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے اور ایک قرآن خواں کی زبان سے یہ کس طرح نکل سکتا ہے اور اس طریق استدلال سے کیا تعلق اور جوڑ ہو سکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ قرآن مجید میں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ[1] (البقرۃ:256) اور یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا[2] (طٰہٰ:110) وغیرھما آیتوں کو پڑھ کر پھر کس جرأت سے یہ کلمہ منہ پر لایا جاسکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے آگے اپنی اس قوم کے لئے شفاعت کریں گے کہ جس کی نسبت خداوند تعالیٰ خود مسیح پر یہ سوال کرے گا کہ یہ مشرک کہ تجھ کو اور تیری والدہ کو میرے سوا اور دو معبود قرار دیتے رہے کیا یہ تو نے ان کو کہا تھا اور پھر طرفہ یہ ہے کہ یہ شفاعت ان مشرکوں کے لئے کریں گے بھی اس وقت جبکہ وہ اس توبیخی سوال کا جواب دے رہے ہوں گے۔

یہ اسلام کے علماء ہیں کہ ایک طرف تو آنحضرت ﷺ کے شفیع اور موذون الشفاعۃ ہونے میں ان کو کلام ہے دوسری طرف مسیحؑ کو بے اذن بلکہ بے امکان اذن مشرکوں کے لئے شفاعت کرتا ہوا بتا رہے ہیں۔ تُف ہے ایسے علم اور ایسے ان کے اسلام پر۔ پھر یہ سوال از آسمان و جواب از ریسمان کا مصداق ہے۔ پیش تو یہ کیا گیا ہے کہ چونکہ مسیحؑ کا یہ جواب ہے کہ ان میں یہ شرک میری وفات کے بعد پیدا ہوا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی وفات کے پیدا ہونے والا شرک تو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ اس وقت سے پہلے ان کی وفات بھی ہو چکی تھی اور اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ مسیحؑ نے چونکہ ان کی شفاعت کی اس لئے ان کے اس جرم کو ذکر نہیں کیا۔

---

[1] کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور میں سفارش کرے۔ (تفسیر صغیر)

[2] اس دن شفاعت سوائے اس کے جس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت رحمٰن (خدا) دے گا اور جس کے حق میں بات کہنے کو وہ پسند کرے گا کسی کو نفع نہ دے گی۔ (تفسیر صغیر)

موضع مُد میں یہ بے تُکا جواب تو ہم نے سنا تھا پر جب مباحثہ رام پور میں یہ استدلال پیش ہوا تو ہم بڑی توجہ سے سننے لگے کہ شاید اس طویل زمانہ میں مولوی فاضل صاحب نے اس کا کوئی جواب گھڑ لیا ہو گا کیونکہ مُد میں وہ پریزیڈنٹ سے یہ سن چکے تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے اس آیت کا کوئی جواب نہیں پیش ہوا لہٰذا ان کو اپنی تقریر کا رخ اس کے جواب کی طرف پھیرنا چاہیئے لیکن جب رام پور میں انہوں نے جواب دیا تو ہموآش درکاسہ تھا بلکہ اس پہلے جواب سے ایک حرف بھی نہ بدلا تھا۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چونکہ حضرت اقدسؑ اس آیت کی نسبت یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح اس سے مسیحؑ کی وفات ثابت ہوتی ہے اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ وہ دوبارہ نہ آئیں گے خواہ فوت ہو گئے ہوں جیسا کہ یہاں سے ثابت ہے یا زندہ ہوں جیسا کہ مخالف کہتے ہیں کیونکہ ”جب واقعہ یہ ہے کہ وہ دوبارہ آکر عیسائیوں کو مار مار کر اسلام میں داخل کریں گے تو ضرور ہے کہ وہ ان کو اس شرک میں مبتلا دیکھیں گے اور ان کو ان کی اس شرک کا خوب علم ہو گا تو پھر قیامت کے دن جب کہ سچائی ہی سے بچاؤ ہو گا احکم الحاکمین کے سامنے وہ کس طرح یہ جھوٹ بولیں گے کہ مجھے ان کے اس شرک کا علم نہیں۔“

”تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل صاحب نے کبھی حضرت کے اس قول کا یہ جواب گھڑا ہے تو جب وہ لاجواب استدلال سنا تو گھبرا کر بے سوچے یہ گھڑا ہوا جواب اس لاجواب استدلال کے جواب میں پیش کر دیا ورنہ اس کو ہرگز اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن فاضل صاحب کا گھڑا ہوا جواب جیسا اس لاجواب استدلال کو نہیں توڑ سکتا بلکہ اس کے مقابلہ میں ہی نہیں آتا ایسا ہی وہ اس دلیل کو بھی نہیں رد کر سکتا جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس آیت کریمہ سے مسیحؑ کے دوبارہ آنے کی نفی بیان فرمائی ہے۔

کیونکہ اوّل تو یہ بات ہی سراسر غلط ہے کہ کوئی نبی اور رسول قیامت کے دن بغیر اذن الٰہی کے الٰہی دربار میں شفاعت کرے گا۔ قرآن مجید میں مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ صاف آیا ہوا ہے اور پھر یہ بھی صاف بات ہے کہ کفار اور مشرکین کے لئے شفاعت کرنے کی کب اجازت ہو سکتی ہے۔ نیز جب کفار و مشرکین کے لئے شفاعت کا قبول نہ ہونا

بالکل یقینی اور قطعی امر ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا اور مفسرین نے صاف لکھا ہے کہ اس قول سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ تو پھر اس یقینی غیر نافع اور غیر مقبول شفاعت کے لئے یا بلفظ دیگر یوں کہیے کہ لغو اور بے فائدہ شفاعت کے لئے وہ خدا کس طرح اذن دے گا جس کا کوئی فعل لغو نہیں ہوتا یا ایک عظیم الشان رسول خدا کے سامنے ایسی لغو حرکت کیوں کر سکتا ہے حالانکہ عام مومنوں کی شان یہ ہے کہ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ[1] (المومنون:4) پھر اس کے علاوہ یہ بھی غلط ہے کہ شفاعت کے موقعہ پر قصور کا ذکر نہ کرنا ضروری ہے۔

فاضل صاحب کو اگر حضرت موسیٰؑ کی وہ سفارشیں ملحوظ ہوتیں جو کہ مختلف اوقات میں ان کو قوم کے لئے کرنی پڑی ہیں یا کم از کم بادشاہوں ہی کے آگے جو سفارشیں ہوا کرتی ہیں تاریخ سے ان کو ان کا علم ہوتا تو بشرط حیاء ایسی بات منہ پر نہ لاتے اور پھر یہی نہیں کہ انہوں نے قوم کے اس قصور کا ذکر نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کی نسبت اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔

کیا ان کا خداوند تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ "تو نے ان کو یہ شرک سکھایا تھا۔" یہ کہنا کہ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ صاف اس کا اقرار نہیں کہ میرے ان میں موجود رہنے کے زمانہ میں تو انہوں نے یہ شرک نہیں کیا اور ان کا یہ کہنا کہ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ صاف اس کا اقرار نہیں کہ میری وفات کے بعد اگر ان سے ایسا ہوا ہو تو اس کا مجھے علم نہیں اور پھر تعجب ہے کہ فاضل صاحب دوسروں پر یہ الزام رکھا کرتے ہیں کہ طریق مناظرہ سے ناواقف ہیں لیکن تعجب ہے کہ جب تک اس اقرار لاعلمی کی نفی اور ابطال نہ کیا جائے جس پر کہ دوبارہ آمد کی ممانعت کی بنا رکھی گئی ہے تو پھر اس عدم ذکر کا ذکر کرنا کیا کام آسکتا ہے۔

پس صاف معلوم ہو گیا کہ جس طرح فاضل صاحب کا یہ بے تکا جواب جس طرح اس وفات مسیحؑ کے لاجواب استدلال سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اسی طرح مسیحؑ کی آمد ثانی کی ممانعت کے استدلال کا بھی یہ کسی طرح جواب نہیں ہو سکتا۔ ہاں آمد ثانی کی ممانعت کے

[1] اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

استدلال پر بعض مخالف مولوی صاحبان نے ایک اور اعراض کیا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں ایک مخالف مولوی صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ مرزا صاحب نے مسیحؑ کی آمد ثانی کی ممانعت پر جو استدلال فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ الخ سے اس طرح کیا ہے کہ "موقعہ تو یہ تھا کہ حضرت مسیحؑ سوال مذکور کے جواب میں یوں کہتے کہ خداوندا میں جب دوبارہ زمین پر اترا تھا تو بے شک میری قوم اس شرک میں مبتلا تھی لیکن میں نے ان کو راہ راست بتایا جنہوں نے وہ قبول کیا وہ تو بچ گئے پر جنہوں نے وہ قبول نہ کیا تو میں نے ان کو تلوار سے ہلاک کیا تو پھر مجھ پر یہ الزام کس طرح لگایا جاتا ہے کہ میں نے ان کو یہ تعلیم دی ہے۔

پس بجائے اس کے مسیحؑ کا اقرار لاعلمی کرنا یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دوبارہ نہ آئیں گے ورنہ تو پھر لازم آئے گا کہ وہ خداوند تعالیٰ کے سامنے اس دن (نعوذ باللہ) جھوٹ بولیں گے کہ جس دن سچائی ہی فائدہ دے گی۔" یہ استدلال غلط ہے کیونکہ قیامت کے دن دوسرے انبیاءؑ سے بھی جب یہ سوال ہو گا کہ مَاذَآ اُجِبْتُمْ [1] (المائدۃ:110) تو باوجودیکہ ان کی قوموں نے جو کچھ ان کو جواب دیا ہے وہ ضرور ان کو معلوم ہی ہے پھر بھی وہ یہ جواب دیں گے لَا عِلْمَ لَنَا۔ تو جس طرح باوجود علم کے ان کا لَا عِلْمَ لَنَا کہنا جھوٹ نہیں اسی طرح مسیحؑ کا اقرار لاعلمی بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔

تو میں نے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں یہ اعتراض زبانی عرض کیا تو حضورؑ نے فرمایا کہ یہ اعتراض غلط ہے اور اس کی غلطی کی بنا مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے معنے نہ سمجھنے پر ہے۔ کیونکہ اس کے یہ معنے نہیں کہ تم کو کیا جواب دیا گیا بلکہ یہ تو ان کی قبولیت کی نسبت سوال ہے۔ کیونکہ مدار نجات قبولیت ہے نہ زبانی جواب اور ظاہر ہے کہ انبیاءؑ کو قبولیت کا علم نہیں ہے وہ تو عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ [2] (المائدۃ:8) ہی جانتا ہے اور مسیحؑ سے تو ظاہری شرک کی نسبت سوال ہے جس کا دوبارہ آنے کی صورت میں ضرور ان کو علم ہونا چاہیئے اور یہ حقیقت میں بہت عمدہ جواب ہے اور کتب تفاسیر میں بھی مَاذَآ اُجِبْتُمْ کے یہی معنی پسند کئے گئے ہیں۔

[1] تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ (تفسیر صغیر)
[2] سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا۔ (تفسیر صغیر)

اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ''مسیح اور اس کی والدہ کو معبود قرار دینے والے تو یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس وجہ سے اوّل تو ہماری نجات ہو گی اور اگر ہم قصور وار بھی ٹھہرے تو مسیحؑ ہماری شفاعت کرے گا اور ہم کو بچالے گا پر واقعہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ مسیحؑ ان کو مجرم بھی قرار دے گا اور شفاعت تو درکنار بلکہ وہ ان سے اپنی لاتعلقی اور بیزاری اور ان کی سزا اور بخشش کو بالکل مساوی اپنے نزدیک بتائے گا۔'' فرمایا کہ اس جواب کے بعد مسیحؑ نے یہ بھی کہا یا کہے گا کہ) اگر تو ان کو عذاب دے (تو وہ بالکل بجا ہو گا) کیونکہ یقیناً وہ تیرے بندے ہیں (اور میرے اور میری والدہ کے بندے ہر گز نہیں ہیں اور انہوں نے اس کے برخلاف ہم کو معبود قرار دیا ہے اور یہ ایسا جرم ہے جس پر ضرور سخت ترین عذاب ہونا چاہیئے اور اس کے علاوہ اس میں یہ بھی بتایا کہ وہ عذاب سے اپنے آپ کو بچا بھی نہیں سکتے اور نیز خداوند تعالیٰ پر کوئی نقص بھی عائد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ بندے ہیں کر ہی کیا سکتے ہیں اور مالک حقیقی کو اپنے مملوک حقیقی پر ہر طرح کا حق حاصل ہے۔ اس سے تو ان کو مستحق سزا ٹھہرایا اور سزا اور نجات کو مساوی ٹھہرانے کے لئے اس کے بعد کہا) اور اگر تو ان کو بخش دے (تو پھر یہ بخشنا گو ہماری سمجھ سے بالا بلکہ خلاف ہے اور تیری عام سنت کے بھی خلاف ہے کیونکہ مشرک کو تُو معاف نہیں کیا کرتا اور وہ بوجہ باغی ہونے کے تا قیام بغاوت قابل عفو ہر گز نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی نہ تو کوئی تجھے روک سکتا ہے اور نہ ہی تیرے اس فعل کی وجہ سے تجھ پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اس لئے) کہ یقیناً تو نہایت غالب (اور) بہت حکمت والا ہے (اور اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ ایک رسول قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے مغفرت کی سفارش کر رہا ہے جن کے مشرک اور اصحاب النار ہونے کا اس کو پورا پورا علم حاصل ہو چکا ہے اور تفسیر روح المعانی وغیرہ معتبر تفاسیر نے اس کو وضاحت کے ساتھ ساتھ بیان کر دیا ہے اور گو مفسرین کو یہاں پر بجائے غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ کے عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ فرمانے کی وجہ میں بہت کچھ مشکل پیش آئی اور بہت دور دور کی توجیہات انہوں نے پیش کی ہیں یہاں تک کہ سب سے اعلیٰ ترین توجیہ انہوں نے اس کو قرار دیا ہے کہ عَزِیْزٌ کا تو پہلے جملہ یعنی اِنْ تُعَذِّبْھُمْ کے ساتھ تعلق ہے اور حَکِیْمٌ

دوسرے یعنی اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ کے ساتھ چسپاں ہے حالانکہ فَاِنَّهُمۡ الخ اور فَاِنَّكَ دونوں شرطوں کی جزاؤں کے قائم مقام ہونے کے باعث اس توجیہ کو صاف رد کرتے ہیں۔ پر اللہ کے فضل و کرم سے ہم نے ان کی نہایت اعلیٰ درجہ کی مناسبت سوائے کسی ہیر پھیر کے بیان کر دی ہے فَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بتانے کے لئے کہ پھر مسیحؑ کے اس جواب پر ہم کیا فیصلہ کریں گے فرمایا کہ) اللہ نے کہا کہ یہ دن ہے سچوں کو ان کی سچائی کے نفع دینے کا (یعنی مسیحؑ نے سچ کہا ہے اور اس کا اس کو نفع پہنچے گا اور عیسائیوں نے جھوٹ کہا ہے اور اس کا وہ خمیازہ ضرور ہی اٹھاویں گے چنانچہ وہ فائدہ اور نفع یہ ہے کہ) ان کے لئے وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہ پڑنے والے ہیں۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (رہا یہ کہ یہ کس طرح ہو گا مردے کیونکر زندہ ہوں گے اور حساب کس طرح ہو گا تو فرمایا کہ) اللہ ہی کے لئے سب کی حکومت ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر ایک چاہی ہوئی چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

(تفسیر القرآن جلد 6 نمبر 4 بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر 1911ء صفحہ 301-400)

سورۃ الانعام

مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ/سِتٌّ وَّسِتُّوْنَ اٰیَۃً[1]

آیت 1 تا 11: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔ وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ۔ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۔ اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَیْدِیْهِمْ لَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ وَقَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۔

[1] ۔ سورۃ الانعام مکی سورۃ ہے اور اس کی (بسم اللہ سمیت) 166 آیات ہیں۔ (از مرتب)

تشریح الفاظ:

یَعۡدِلُوۡنَ۔ عَدۡلٌ سے ہے جو بمعنی تسویہ اور برابر کرنے اور بمعنی عدول اور تجاوز کرنے کے آتا ہے۔

تَمۡتَرُوۡنَ۔ اِمۡتِرَاءٌ سے ہے اور یہ مَرۡی اور مِرَاءٌ سے ہے جس کے معنے شک و تردد اور جھگڑا کرنے کے ہیں۔

اَنۡبٰٓؤُا۔ نَبَأٌ کی جمع ہے، خبر۔

یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ۔ اِسۡتِهۡزَاءٌ سے ہے اور یہ هُزۡءٌ سے ہے جس کے اصل معنے ہلانے اور خفیف اور حقیر کرنے کے ہیں۔

قَرۡنٌ زمانہ کی ایک مقدار کا نام ہے اور اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک صدی اور بعض کے نزدیک اس سے زائد اور بعض کے نزدیک کم ہے۔ اور انشاء اللہ تفسیر میں آئے گا۔ اور کبھی اس سے ایک زمانہ کے لوگ مراد ہوتے ہیں۔

مَكَّنَّا۔ تَمۡكِيۡنٌ سے ہے ٹھہرانا اور قدرت دینا۔

مِدۡرَارًا۔ دَرَأَ[1] سے ہے بہت گرنے والا۔

قِرۡطَاسٌ۔ کاغذ اور ورق۔

لَبَسۡنَا۔ لَبَسَ سے ہے جس کے اصل معنے تو کپڑے کے ساتھ کسی چیز کو ڈھانپنے کے تھے اور پھر اشتباہ اور خلط اور مطلق پوشیدہ کرنے پر بولتے ہیں۔

حَاقَ۔ امام راغب کے نزدیک تو حَقٌّ سے ہے اور ایک قاف کو الف کے ساتھ بدل دیا گیا ہے اور بعض نے حُوۡقٌ سے اور بعض نے حَيۡقٌ اور حُيُوۡقٌ اور حَيَقَانٌ سے کہا ہے اور سب کے نزدیک معنے احاطہ اور شمول کے ہیں البتہ استعمال اس کا شر ہی میں ہوا کرتا ہے اور بس۔

ترجمہ:

سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور

[1] ۔دَرَّ ہونا چاہیے۔(از مرتب)

نور کو بنایا ہے۔ پھر جو لوگ کافر بنے ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں (یا جو لوگ اپنے رب کے کافر بنے ہیں وہ تجاوز کرتے ہیں) وہ وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک تاریخ مقرر کی۔ اور اس کے نزدیک تاریخ مقرر ہے اور پھر تم جھگڑتے (یا شک کرتے) ہو۔ اور آسمانوں اور زمین میں وہی متصرف (یا معبود یا اللہ) ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ اور تمہارے ظاہر کو جانتا ہے اور اس کو (بھی) جانتا ہے جو تم کماتے ہو۔ اور تمہارے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت ان کے پاس نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر یقیناً انہوں نے اس حق کو جھٹلایا ہے جبکہ یہ ان کے پاس آیا۔ لہٰذا ان کے پاس اس کی خبریں آجاویں گی جس کی وہ تحقیر کرتے تھے۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کس قدر سنگتیں ہلاک کی ہیں جن کو ہم نے زمین میں اس قدر جمایا تھا (یا طاقت دی تھی) کہ تم کو اس قدر نہیں جمایا (یا طاقت نہیں دی) اور آسمان کو ہم نے کثرت سے برسانے والا چھوڑا تھا اور ہم نے نہروں کو (ایسا) بنا دیا تھا کہ وہ ان کے نیچے بہتی تھیں۔ تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کیا اور ہم نے ان کے بعد اور سنگت پیدا کر دی۔ اور اگر ہم کاغذ میں تجھ پر کوئی کتاب اتارتے اور پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ چھوتے تو ضرور وہ لوگ کہتے جو کافر بنے ہیں کہ یہ تو کھلا کھلا (یا جدا کرنے والا) جادو ہی ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ اس پر کیوں کوئی فرشتہ نہیں اترتا حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو ضرور اس امر کا فیصلہ ہو جاتا اور پھر وہ مہلت نہ دیئے جاتے۔ اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو ضرور ہم اس کو مرد بناتے اور ضرور ہم ان پر مشتبہ کر دیتے جو کہ وہ اشتباہ کر رہے ہیں۔ اور ضرور تجھ سے پہلے رسولوں کی تحقیر کی گئی ہے تو جنہوں نے ان پر تمسخر کیا تھا ان پر وہ محیط ہو گیا جس کے ساتھ انہوں نے ان کی تحقیر کی تھی۔

تفسیر:

سورۃ الانعام کا تعارف اور پچھلی سورۃ سے تعلق

اس سورۃ کو سورہ انعام کہتے ہیں کیونکہ اس میں مشرکین عرب کے ان شرکی

خیالات کی تفصیل اور ان کی پوری پوری تردید ہے جو کہ وہ چارپایوں کی نسبت رکھتے تھے۔ نیز اس میں مشرکین کی وہ جہالتیں مذکور ہیں جن کی وجہ سے وہ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف:180) ٹھہرے ہیں۔ میں نے پہلے مفصل طور پر بتایا ہوا ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کا خاص التزام پایا جاتا ہے کہ ہر ایک سورۃ کے شروع کو پہلی سورۃ کی آخری آیتوں کے ساتھ خاص تعلق ہوتا ہے۔

چنانچہ جلال الدین سیوطی اور بعض دیگر مفسرین نے یہاں پر بالخصوص اس سوال کو اٹھایا ہے کہ اس سورۃ کے ابتداء کو پہلی سورۃ کی آخری آیتوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ پھر بعض نے تو اسی قدر پر کفایت کی ہے کہ پہلی سورۃ فصل قضاء پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورۃ حمد کے ساتھ شروع ہوئی ہے اور یہ دونوں متلازم ہیں جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کے دوسرے مقام پر فرمایا ہے وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1] (الزمر:76) اور جلال الدین سیوطی نے کہا ہے کہ سورہ مائدہ کا خاتمہ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ[2] (المائدۃ:121) پر تھا اور اس سورۃ کو اس کی شرح اور تفصیل کے ساتھ شروع فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ سورۂ مائدہ میں اکثر حلت و حرمت کے احکام بیان فرمائے ہیں چنانچہ اس کے شروع میں ہی فرمایا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ[3] (المائدۃ:2) پھر فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ[4] الخ (المائدۃ:4) پھر يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ[5]

---

[1] ۔ اور ان (لوگوں) کے درمیان پورے پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ سب تعریف اللہ ہی کو حاصل ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ اے ایماندارو! (اپنے) اقراروں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے چرندوں (کی قسم) کے چارپائے سوائے ان کے جو تمہیں (قرآن میں) پڑھ کر سنائے جائیں گے حلال قرار دیئے گئے ہیں، بشرطیکہ تم (اس اجازت کی وجہ سے) احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہ سمجھ لو۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ تم پر مردار..... حرام کیا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[5] ۔ (مسلمان) تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا (کچھ) حلال کیا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

الخ(المائدۃ:5) پھر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ[1] الخ(المائدۃ:88) اور اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ[2] الخ(المائدۃ:91) اور لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا[3] الخ(المائدۃ:94) پھر لَیَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِّنَ الصَّیْدِ[4] الخ(المائدۃ:95) پھر مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ[5] الخ(المائدۃ:104) وغیرہ ذالک۔

اور ان احکام میں مخالفین کا سخت انکار تھا اس لئے اس سورت کے اخیر میں اس امر کے بتانے کے لئے (کہ خداوند تعالیٰ کے لئے تحلیل و تحریم کا حق کیوں ہے اور تمہارے آباؤ اجداد و شرکاء وغیرھم کو یہ حق کیوں حاصل نہیں ہے) فرمایا تھا کہ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[6]۔ (المائدۃ:121) لیکن ان کا انکار شدید اور اصرار بلیغ اور ان کے تمسکات و اعذار اور اعتراضات و سوالات تفصیل کامل کو چاہتے تھے اس لئے اس کے بعد کی سورۃ میں اس کی تفصیل اور ان کے تمسکات کے ابطال اور ان کے اعذار و اعتراضات کے جوابات بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الخ (یعنی سب تعریف اس ذات کے لئے ہے جو کہ سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کمال سے متصف ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو (انداز سے) پیدا کیا ہے (جو کہ مخلوقات کے لئے بناء اور فرش و مستقر ہیں) اور ظلمتوں اور نور کو پیدا کیا ہے اور پھر (باوجودیکہ یہ جامع ربوبیت اور انعامات و احسانات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور سب جانتے ہیں کہ اور کوئی نہ ان میں شریک ہے۔ اور نہ ان میں سے کوئی ایک کسی دوسرے نے کیا ہے) جو لوگ کافر بنے ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ (ادنیٰ ادنیٰ چیزوں بلکہ احکام شرعی میں

---

[1]۔ اے ایماندارو! جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے اس میں سے پاکیزہ (چیزوں) کو حرام نہ ٹھہراؤ۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ شراب اور جوا۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور (نیز) انہوں نے نیک کام کیے ہیں..... جو کچھ (بھی) وہ کھائیں اس پر انہیں کوئی گناہ نہیں (ہو گا) (تفسیر صغیر)

[4]۔ اللہ ایک (حقیر) چیز یعنی شکار کے ذریعہ سے..... تمہاری آزمائش کر کے رہے گا۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ نہ (تو) اللہ نے بحیرہ (کے بنانے) کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ ہر امر پر پورا (پورا) قادر ہے۔ (تفسیر صغیر)

وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا[1] (المائدۃ:105) کہہ کر اپنے آباء واجداد کو برابر کرتے ہیں (یا جو لوگ اپنے رب کے کافر بنے ہیں وہ (اس خدا کی عبادت اور عبودیت سے دوسروں کی عبادت اور عبودیت کی طرف) تجاوز کرتے ہیں۔

(پس پہلی سورۃ میں جس تحلیل و تحریم کو بیان فرمایا تھا اور کفار نے اس کا انکار کیا تھا اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[2] (آل عمران:65) بنا کر بلکہ اپنے آباؤ اجداد کو یہ مرتبہ دے کر اس انکار کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا[3] (المائدۃ:105) اور ایسا کرنا کچھ جاہل مشرکین ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ بیان کر دیا تھا کہ اہل کتاب بلکہ اہل کتاب کا آخری گروہ بھی اس مرض میں سخت ترین مبتلا ہے۔ تو اس سورۃ میں پہلے ہی سب محامد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص بتا کر یہ سمجھایا کہ جب قولی اور لسانی تعریف کا استحقاق حقیقت میں کسی دوسرے کے لئے نہیں تو پھر عبودیت و عبادت (براہ راست کسی کے فرمان کو واجب الاطاعت جاننا اور اس کی اطاعت کرنا اور کسی کو اعلیٰ درجہ کی تعظیم کا مستحق خیال کرنا اور کسی کی اعلیٰ درجہ کی تعظیم کرنا) جو کہ لسانی تعریف سے بدرجہا بڑھ کر ہیں یا یوں کہو کہ جو حقیقی اور اکمل ترین تعریف ہیں کسی دوسرے کے لئے ان کا استحقاق کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور جب مطلقاً عبادت اور عبودیت کا اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے استحقاق نہیں تو پھر تحلیل و تحریم کا استحقاق بجز اللہ تعالیٰ کے کسی دوسرے کے لئے ہر گز نہیں ہو سکتا تا کہ ان میں آباؤ اجداد یا دوسرے اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کا قول یا ان کا عمل و در آمد قابل تمسک ہو سکے۔

سب محامد اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں ہیں؟

اب رہا یہ کہ سب محامد اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کیوں ہیں تو اس کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو انداز سے پیدا کیا ہے اور اندھیرے اور نور کو بنایا

[1]۔ ہم نے جس (بات) پر اپنے باپ دادا کو پایا تھا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنایا کریں۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ ہم نے جس (بات) پر اپنے باپ دادا کو پایا تھا (وہ) ہمارے لئے کافی ہے۔ (تفسیر صغیر)

ہے۔ اور اس سے تخصیص یوں ثابت ہوتی ہے کہ عبادت ہو یا عبودیت ہو یا حمد ہو اس کی بناء حسن و احسان پر ہے جن پر ربوبیت مشتمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں عموماً حکم عبادت کو ربوبیت پر مرتب کیا ہے اور کبھی اللہ پر کیونکہ وہ بھی حسن و احسان دونوں پر مشتمل ہے گو اللہ کی صریح دلالت حسن پر ہے اور رب کی احسان پر۔ اور خلق سمٰوٰت اور خلق ارض ربوبیت کی جامع حقیقت ہے کیونکہ اوّل سب علوی اسباب و ضروریات انسانی پر اور دوم خود انسان اور اس کی سب سفلی ضروریات پر مشتمل ہے۔ اور ان دونوں کے مجموعہ سے انسان کی تربیت کامل ہوتی ہے۔ چنانچہ پ 1 ع 3 کی آیت یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً[1] (البقرۃ:22-23) میں عبادت کو ربوبیت پر مرتب کیا ہے اور رب کی تفسیر اَلَّذِیْ خَلَقَ الخ اور اَلَّذِیْ جَعَلَ الخ کے ساتھ فرمائی ہے۔ اس کا اختصاص تو مخالفوں کے نزدیک بھی مسلم تھا جیسا کہ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[2] (لقمان:26) کے جواب میں لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ[3] (لقمان:26) کا آنا صاف دکھاتا ہے۔

تو پھر اس کے اختصاص ربوبیت کا اختصاص ہوا اور ربوبیت کے اختصاص سے حمد کا اور حمد کے اختصاص سے بطریق اولیٰ عبادت و عبودیت کا اختصاص ثابت ہوا۔ اور گو اس سے اختصاص حمد ثابت ہو جاتا تھا اور ان دو خلقوں کے علاوہ کسی اور چیز کے خلق یا ان میں سے کسی حصہ یا ان کے فروع میں سے کسی کے بیان اور تفصیل کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ اصل مقصد تو احکام شرعی کے استحقاق و عدم استحقاق کا بیان کرنا تھا لہٰذا اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ان کے فروعات میں سے خاص طور پر ظلمتوں اور نور کے بنانے کا ذکر فرمایا تاکہ روحانی ظلمت اور نور (یعنی کفر و فسق اور جہالت اور ایمان و اطاعت اور علم و ہدایت کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ جس طرح انسان کی ادنیٰ جزو یعنی جسم کے لئے

---

[1]۔ اے لوگو! اپنے (اس) رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں (بھی) اور انہیں (بھی) جو تم سے پہلے گزرے ہیں پیدا کیا ہے تاکہ تم (ہر قسم کی آفات سے) بچو۔ (وہی ہے) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونے اور آسمان کو چھت کے طور پر بنایا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔ (تفسیر صغیر)

ظلمت و نور ہیں اور ان کی ضرورت بھی ہے اور رب رحیم نے ان کو بنایا بھی ہے۔ اسی طرح اس کی اشرف جزو یعنی روح کے لئے بھی ضرورت ہے اور خداوند تعالیٰ نے اس کے لئے بھی ضرور پیدا کئے ہوں گے۔ اور چونکہ خلق آسمان و زمین کی طرح ظلمت اور نور کا بنانا بھی خداوند تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور تسلیم بھی کیا جاتا ہے لہٰذا روحانی ظلمت و نور کا جَعَلَ بھی اسی سے مخصوص ہو گا اور دوسرے کسی کو اس میں دخل نہ ہو گا۔ لیکن بتایا کہ باوجود اس کے مخالفین یعنی) جو لوگ کافر بنے ہیں (وہ اس سے اس قدر دور بہک گئے ہیں کہ) وہ اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں یا جو لوگ اپنے رب سے کافر بنے ہیں وہ (اس سے) تجاوز کرتے ہیں (اور عبادت اور عبودیت کو غیر کے لئے بھی تجویز کرتے اور روحانی ظلمت و نور کے بنانے اور قرار دینے میں اوروں کو بلکہ اپنے آباؤ اجداد کو شریک ہی نہیں بلکہ اس کو انہی کے ساتھ مخصوص قرار دیتے یا کم از کم اپنے رب کے مقابلہ میں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا[1] الخ (المائدۃ:105) سے صاف ظاہر ہے۔

یہاں پر ہم نے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ کے دو ترجمے کئے ہیں اس لئے يَعْدِلُوْنَ کے بھی دو معنے ہو سکتے ہیں 1۔ برابر کرتے ہیں 2۔ تجاوز کرتے ہیں۔ اور بِرَبِّهِمْ کا تعلق بھی دو احتمال رکھتا ہے۔ 1۔ يَعْدِلُوْنَ کے ساتھ متعلق ہو۔ 2۔ كَفَرُوْا کے ساتھ متعلق۔ تو اگر يَعْدِلُوْنَ میں پہلے معنے لئے جاویں تو پھر بِرَبِّهِمْ میں پہلا احتمال لیا جاویگا۔ اور ترجمہ یہ ہو گا کہ جو لوگ کافر بنے ہیں وہ اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ کس کو تو وہ یا تو اس لئے ذکر نہیں کیا کہ پہلے کلام سے صاف معلوم ہو چکا ہے کہ بعض بزرگوں اور اپنے آباؤ اجداد کو اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ بناتے تھے اور یا اس لئے تا کہ تعمیم اس سے سمجھی جائے جس ادنیٰ سی مخلوق کو چاہتے ہیں اپنے اللہ کے ساتھ برابر کر دیتے ہیں۔ اور اگر يَعْدِلُوْنَ کے دوسرے معنے لیں تب بِرَبِّهِمْ میں دوسرا احتمال لیا جاوے گا۔ یعنی جو لوگ اپنے رب کے کافر بنے ہیں وہ تجاوز کرتے ہیں۔ رہا یہ کہ کس سے کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس سے جس کا اس سے پہلے ذکر ہوا ہے اور وہ ہے حمد اور پھر عبودیت و عبادت کے اختصاص باللہ کا۔

[1]۔ ہم نے جس (بات) پر اپنے باپ دادا کو پایا تھا (وہ) ہمارے لئے کافی ہے۔ (تفسیر صغیر)

مفرد اور جمع کے صیغے لانے میں حکمت

مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ خداوند تعالیٰ آسمان کو بلفظ جمع اور زمین کو بلفظ مفرد اور اسی طرح ظلمت کو بلفظ جمع اور نور کو بلفظ مفرد کیوں ذکر فرمایا ہے۔ حالانکہ واقعہ میں یا جیسا کہ نصوص و اخبار سے بظاہر ثابت ہوتا ہے سب جمع ہیں اور پھر بہت سی توجیہات اس کے لئے بیان فرمائی ہیں۔ لیکن مجھے ان میں سے کوئی قابل ذکر معلوم نہیں ہوئی۔ اس لئے میں ان کو تو یہاں پر ذکر نہیں کرتا البتہ جو توجیہہ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی اور پسند کرائی ہے وہ میں ذکر کر دیتا ہوں۔ آسمان و زمین میں تو یہ وجہ ہے کہ یہ موقعہ تعداد بیان کرنے کا تو ہے نہیں کہ اصل تعداد بیان ہو بلکہ یہاں پر تو اثر اور نعمت اور مخاطبین کے فائدہ کے لحاظ سے جمع یا مفرد لانا ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ آسمان کے تو سب طبقات سے جدا جدا آثار و فوائد انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں بخلاف زمین کے کہ اگر پرانے خیال کے مطابق ہی ان کو سات مانا جائے تو بھی اس زمین کے باشندوں کو دوسری زمینوں پر نہ سکونت ہے اور نہ ایک ہی وقت سب سے یکساں فوائد پہنچ رہے ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق ایک ہی سے ہے تو اس وجہ سے شمار انعامات میں آسمان کو جمع اور زمین کو مفرد ذکر فرمایا ہے۔ اور ظلمت اور نور میں یہ وجہ ہے کہ اور چیزوں کے نور مستفاد ہیں اور حقیقی نور ایک ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔ بخلاف ظلمتوں کے کہ اوروں کی طرف منسوب ہیں اور وہ متعدد ہیں۔ اور روحانی نور اور ظلمت کا بھی یہی حال ہے کہ حقیقی شریعت کا تو ایک وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ ہی منبع ہے بخلاف ادیان باطلہ اور سیل ضلالت کے کہ وہ شیطانوں اور ان کے باطل ارباب اور ان کے آباؤ اجداد وغیرہم کی طرف منسوب ہیں۔ لہٰذا نور کو مفرد اور ظلمت کو جمع ذکر فرمایا ہے۔

اصل مقصد روحانیت کی طرف توجہ کرنا

اسی طرح مفسرین نے آسمان و زمین کی نسبت خلق اور ظلمت و نور کی نسبت جَعَلَ فرمانے کی نسبت بھی بہت سی توجیہات بیان کی ہیں جن میں بڑی قوی اور عام مقبول یہ وجہ بتائی ہے کہ خَلَقَ کے معنوں میں انداز بھی ماخوذ ہے اور جَعَلَ میں نہیں۔ اور پہلے دونوں

چونکہ انداز کو قبول کر سکتے ہیں اس لئے ان میں تو خلق کو ذکر کیا اور پچھلے دونوں از قسم کیفیات ہونے سے چونکہ بالذات انداز کے قابل نہیں تھے اس لئے جَعَلَ کو ذکر فرمایا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ بھی اور ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اصل مقصد تو ان کا پیدا کرنا ہی تھا اس لئے دونوں میں خَلَقَ ہی ہوتا لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ظلمت اور نور کے ذکر سے اصل مقصد روحانی ظلمت اور نور کی طرف متوجہ کرنا تھا جو کہ دین حق اور ادیان باطلہ ہیں تو ان میں چونکہ خلق کا استعمال ٹھیک نہ تھا اس لئے ان میں جَعَلَ کو استعمال کیا جو کہ ایجاد اور قرار دینے پر مشتمل ہے۔ اور چونکہ بَطَرَ الْحَقِّ (حق کے ردّ کرنے) کی بناء اپنے اور قومی تکبر پر ہوتی اور بغاوت کی جرأت جو کہ کفر کی صحیح تفسیر ہے اپنی طاقت کے اعتماد اور حاکم کی طاقت کے نہ جاننے یا کمزور سمجھنے پر ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی عظمت کا اظہار

لہٰذا خداوند تعالیٰ نے ان کے تکبر کی قلعی کھولنے اور اپنی طاقت و جبروت کی عظمت دکھانے کے لئے اختصاص عبادت کے بعد فرمایا کہ) یہ اللہ جس کی اطاعت کا تمہیں کہا جاتا ہے اور اس کے کفر و بغاوت سے تمہیں منع کیا جاتا ہے اور جس کی نسبت ثابت کیا گیا ہے کہ تحلیل و تحریم اور عبادت و حمد کا استحقاق اسی کے لئے ہے) وہ ہے جس نے تم کو کیچڑ (یا کیچڑ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے (اور مردہ مٹی سے ایک زندہ جاندار بلکہ جانداروں میں سے اشرف جاندار بنا دیا اور زندہ ہونے کے بعد) پھر اس نے ایک تاریخ مقرر کی (جس پر پہنچ کر تم باوجود مردہ سے زندہ ہونے کے پھر مردہ ہو جاؤ گے۔ اور زندگی کے بعد اگر تم بالکل آزاد ہوتے یا وہ اجل تمہارے اپنے قبضہ میں یا کسی اور کے اختیار میں ہوتی تو پھر بھی تمہارے اس انکار و مکابرہ کی کوئی وجہ ہوتی لیکن ہولناک)۔

اَجَلٌ سے مفسرین کی مراد اور اصل مطلب

اَجَلٌ مقرر شدہ اس (اللہ) کے پاس ہے اور پھر تم جھگڑتے ہو (یعنی باوجود یکہ خود تو تمہاری یہ کائنات ہے کہ کیچڑ سے بنائے گئے ہو اور پھر یہ بھی نہیں کہ بننے کے بعد پھر

زندے رہو گے بلکہ تمہاری موت کے لئے ایک تاریخ مقرر کی ہوئی ہے اور اس طرف خداوند تعالیٰ کی یہ شان جبروت ہے کہ اسی نے پہلے تم کو مٹی جیسی جمادو، ادنیٰ چیز سے کیسا زندہ اور اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اور پھر اس کے بعد پھر زندہ مردہ کرنے کی تاریخ مقرر کی ہے اور ایک مقرر تاریخ اس کے پاس ہے۔ اور تم من کل الوجوہ اس کے محتاج ہو اور خطرے میں ہو کہ وہ تم سے کیا کرتا ہے پر باوجود اس کے تم اس کے احکام کی بغاوت کرتے اور جھگڑتے ہو۔ یہ بات تو پہلے بار بار گذر چکی ہے کہ مفسرین مُمْتَرِیْنَ وغیرہ کے معنے عموماً شک کے کرتے ہیں اور میں نے ثابت کیا ہے کہ ان مقامات پر اس کے معنے شک کے نہیں بلکہ جھگڑنے کے ہیں اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔ دوم مفسرین نے دونوں اجلوں سے مراد معین کرنے میں بہت اختلاف کیا ہے پر زیادہ تر انہوں نے اسی کو پسند کیا ہے کہ پہلی اجل سے موت کی تاریخ مراد ہے اور دوسری سے بعثت اور دوبارہ زندہ کرنے کا وقت مقرر مراد ہے۔ بے شک یہی ٹھیک ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے وہی پہلی مراد ہو اور خوف اور عظمت بتانے کے لئے اس کو نکرہ لایا گیا ہو۔

سیاق وسباق کے لحاظ سے آیت کریمہ کا مطلب

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ ان کے مرنے کے بعد زندہ اور مبعوث ہونے کے کفر کے بیان کے لئے نازل ہوئی ہے۔ لیکن سیاق وسباق پر نظر کرنے سے یہ غلط معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ اس بات کے بیان کرنے کے لئے ہے کہ تم باوجود ایک کمزور اور ناچیز ہستی اور من کل وجوہ محتاج الی اللہ ہونے اور خداوند تعالیٰ کے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] (المائدہ:121) اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ[2] (ھود:108) اور تمہارے سب آراموں اور عذابوں پر قابو یافتہ ہونے کے پھر بھی تم اس کی اطاعت لازم کے احکام سے بغاوت کرتے اور جھگڑتے ہو۔ اور چونکہ تکبر کے بعد کسی کے مددگار و معاون ہونے اور سزا سے بچانے کا بھروسہ اور سزا دینے والے سے پوشیدہ رہ جانے کی امید بھی جرم وبغاوت پر جرأت دلایا کرتے ہیں۔

---

[1]۔ ہر امر پر پورا (پورا) قادر۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ جو چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

جیسا کہ بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کے قصص اور زمانہ جاہلیت کے اخبار اور پھر روزانہ مشاہدات سے ظاہر ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے ان کے تکبر کے توڑنے کے بعد اپنے تصرف تام اور عام و شامل اور اپنے علم کامل اور محیط و مشتمل بر جمیع اشیاء و افعال و احوال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) وہی آسمانوں اور زمین میں متصرف (یا سب نقائص سے پاک اور سب صفات کمال کا جامع یعنی معبود حقیقی) ہے (پس اللہ کے معنے جب متصرف کے لئے جاویں تب تو وہی پہلا بیان شدہ مطلب ہے گو بالتبع اس میں اس سورۃ شریفہ کے مذکورہ سابقہ دعویٰ کی دوسری دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حمد اور عبادت کا حقیقی استحقاق اسی کے لئے ہے جو کہ سب نقائص سے پاک اور سب صفات کمال کا مستجمع ہو۔ تو جب زمین و آسمان کا خالق وہ ایک ہی ہے تو پھر حمد و عبادت کا حقیقی مستحق بھی ایک ہی ہے۔ اور اگر اس کے وہ معنے لئے جاویں جو دوسرے نمبر میں لکھے گئے ہیں تو دوسری دلیل ہی کا بیان ہو گا یہ تو اس کے تصرف تام کا ذکر ہوا لیکن اس کے علم کی یہ شان ہے کہ) وہ تمہارے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اور اس کو جانتا ہے جو کہ تم کماتے ہو (اس میں بھی بظاہر تو علم الٰہی کا عموم اور شمول بیان کیا گیا ہے۔ جس سے اصل مقصد یہ ہے کہ کوئی جرم یا مجرم اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا ہے۔

خدا ہی ربّ ہے

لیکن اس میں بھی اسی اصل دعویٰ کی تیسری دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ رب بھی وہ ہو سکتا ہے اور روح کی اصلاح اور ضیاء کے لئے بھی وہی احکام شرعی دینے کا مستحق ہو سکتا ہے جو کہ پوشیدہ اور ظاہری باتوں اور ضرورتوں اور مَا یَحْتَاجُوْنَ اِلَیْہِ[1] اور قولوں اور فعلوں کو اور جو کچھ انسان خیر و شر سے کماتا ہے اس سب کو خوب جانتا ہو۔ اسی وجہ سے یہاں پر اگر خالی علم کا کمال اور شمول بیان کرنا ہوتا تب تو بِکُلِّ شَیْءٍ وغیرہ کہا جاتا۔ پر یہاں تو تین چیزیں خصوصیت سے لی ہیں سرّ اور جہر اور مَا کَسَبَ لیکن وہ بھی مطلق نہیں بلکہ کُمْ اور تُمْ کی طرف منسوب تا کہ باطنی عقائد اور مخفی ملکات و اعمال و نیات اور ظاہری افعال اور عبادات اور اعمال کے جزاء و سزا کے استحقاق کے جاننے کی ضرورت سمجھائی جائے کیونکہ جو مستحق

[1]۔ جس کے وہ محتاج ہوں۔ (از مرتب)

عبادت ہو گا یا جو شرعی احکام کا دینے والا ہو گا اور اس کے لئے جزا و سزا کا دینا بھی ضروری ہو گا اور جزا و سزا کا دینا عقائد و نیات تو اعمال ظاہرہ اور باطنہ اور انکی کیفیات و کمیات اور انکی قیمت و اجر کی مقدار کے جاننے پر مبنی ہے۔ تو جب تکبر کے بعد امداد اور پوشیدگی کا احتمال بھی باطل کیا گیا تو اب اس مشہور عذر کے ابطال کے لئے (جو کہ ایسی قوی دلائل یا مواعید کے موقعہ پر شریر لوگ پیش کیا کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بے شک خداوند تعالیٰ کے احکام کو ماننا اور ان کی پوری تعمیل کرنی چاہیے اسی طرح اس کے وعید سے بھی ضرور ڈرنا چاہیے کیونکہ نہ کسی کی امداد ان سے بچا سکتی ہے۔ اور نہ پوشیدہ رہ کر کوئی بچ سکتا ہے۔ لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ثابت بھی تو ہو کہ یہ احکام الٰہی یا وعید الٰہی ہیں اور جو احکام ہمارے پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کی نسبت اب تک ہم کو کوئی نشان نہیں بتایا گیا۔

خدا کے نشانوں سے اعراض

فرمایا کہ) انکے پاس کوئی نشان ان کے رب کے نشانوں سے نہیں آتا رہا پر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوئے ہیں۔ (یعنی ضرور نشان آتے رہے اور آتے بھی ایسے رہے کہ جو ان کے رب کی طرف سے تھے اور ظاہر ہے کہ اپنے دائمی محسن کی چیزوں کو رنگ و بو وغیرہ آثار سے بہت جلد انسان شناخت کر لیتا ہے اور ان کا رب چونکہ اپنی ربوبیت اور ذات و صفات میں یکتا اور بے مثل ہے اس لئے اس کے نشان بھی اپنی بے مثلی سے ان کے رب کی طرف سے ہونے کا پتہ صاف بتاتے رہے ہیں اور محسن کی باتوں سے کوئی اعراض نہیں کیا کرتا۔ چہ جائے کہ پھر اس کے نشان ہوں جو کہ خواہ کسی کی طرف سے ہوں ضرور دل پر اثر کرتے ہیں۔ لیکن یہ اپنے رب کے نشانوں سے اعراض ہی کرتے رہے ہیں۔ تو جب نشان آچکے تو اب یہ لوگ عدم علم یا عدم ثبوت کی وجہ سے معذور نہیں ٹھہر سکتے بلکہ) ضرور انہوں نے تو حق کی (جو کہ نشانوں کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔) تکذیب کی ہے جبکہ وہ ان کے پاس آیا (اور مکذب کے لئے اپنے بچاؤ کے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔) لہٰذا ان کے پاس اس کی خبریں آئیں گی جس کی وہ تحقیر کرتے تھے۔ (مفسرین نے تو اس کا یہی مطلب لکھا ہے کہ اس تکذیب اور استہزاء کی سزا دنیا یا آخرت یا دونوں میں ضرور تم کو ملے گی۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ علاوہ سزا ملنے کے اس میں بالاصالہ یہ بات بتائی ہے کہ جس کی تم باوجود نشانوں کے تکذیب اور ہنسی کرتے رہے اس کی صداقت و حقانیت کی خبریں تمہیں پہنچیں گی۔ یعنی اس کی صداقت دنیا پر ثابت ہو کر سب دنیا میں پھیل جائیگی اور وہ کامیاب ہو گا اور تم محروم رہ کر اس کی کامیابی کی خبروں سے جلو گے، پر اس سے اصل عذاب نہ ٹلے گا۔ چنانچہ ایسے عذروں والوں کا مکذب ٹھہرنا اور پھر ان کا عذاب الٰہی سے ایسے عذروں کے ساتھ نہ بچ سکنا بلکہ عذاب میں گرفتار ہونا اس کے کثرت کے ساتھ نظائر موجود ہیں) کیا یہ جانتے نہیں کہ کس قدر سنگتیں ان سے پہلے ہم نے ہلاک کی ہیں (اور یہ نہیں کہ وہ بے استحکام تھے اور یہ اپنے استحکام کی وجہ سے بچ جاویں گے یا وہ ربوبیت کے آثار و افضال سے پہلے ہی محروم تھے اور یہ چونکہ ان سے فیضیاب ہیں جو کہ الٰہی رضامندی اور مہربانی کا نشان ہیں۔ اس لئے یہ بچ جاویں گے بلکہ) ہم نے ان کو زمین میں وہ قدرت (استحکام) دی جو کہ تم کو نہیں دی اور ہم نے بادل کو ان پر بہت برسانے والا بھیجا اور ہم نے نہروں کو ایسا کر دیا کہ ان کے نیچے بہتی تھیں تو پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کر دیا۔ اور انکے بعد ہم نے اور سنگت کو پیدا کیا۔ (تو جس طرح انکے نہ عذر کام آئے نہ طاقت کام آئی اور نہ ربوبیت کے سابقہ فضلوں کا کچھ لحاظ ہوا۔ بلکہ اپنی بدیوں کے بدلے پکڑے گئے اور ہلاک ہوئے اسی طرح تمہارے اعزاز وغیرہ بھی تم کو نہیں چھڑا سکتے اور نہ تمہارا ہلاک کرنا اور تمہارے عوض اور لوگوں کو تمہارے ملک میں آباد کرنا اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کچھ اس پر گراں یا مشکل ہو سکتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کا اپنی قوم کے لئے تڑپ

جب یہ ایسے کھلے نظائر بیان ہوئے تو ان ہلاک ہونے والے بد بختوں کو ان سے کیا فائدہ ہونا تھا۔ اگر فائدہ ہونے والا ہوتا تو پھر وہ ہلاک ہونے والے ہی کیوں ہوتے لیکن ان سے اس رحیم و کریم دل پر بہت بڑا اثر ہوا جو کہ قوم کے بیجا و بے حد ایذاؤں اور ظلموں کے عین وقت میں اپنے مولیٰ کو اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔[1]

(الجامع لشعب الایمان، فصل فی حدب النبیؐ... حدیث 1375 الجزء 3 صفحہ 45 مکتبۃ الرشد ناشرون 2004ء)

[1]۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ علم نہیں رکھتے۔ (از مرتب)

کے ساتھ مخاطب کرنے کا عادی اور کہ جس نے اپنے دور از ادراک بشریت اور اپنے آقا کی قبولیت اور نوازش دائمی پر نظر کرکے اپنے آقا سے اپنے موذیوں کے لئے پہلے ہی سے یہ عہد لے رکھا تھا کہ میری بد دعا انکے حق میں نیک دعا ہو۔ اور جس کے رحم کو خدائے علیم بھی اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ انکے ایمان نہ لانے پر خطرہ ہے کہ تم اپنی جان ہی نہ کھو دو۔ اور ظاہر ہے کہ جس دل کی یہ حالت ہو وہ اپنی قوم کی ہلاکت کے نظائر سن کر کس قدر بے قرار ہو سکتا ہے کہ جن کے اسلام میں داخل کرنے کے لئے میں آیا تھا وہ اسلام سے محروم جاتے ہیں۔ اور اگر وہ ہلاک نہ کئے جاتے تو پھر امید ہو سکتی تھی کہ کبھی نہ کبھی کسی نشان یا کسی وعظ و نصیحت یا کسی تقریب یا سرزنش سے راہ راست پر آتے تو خداوند کریم نے اس کے جواب میں اس پیارے کو مخاطب کرکے فرمایا کہ) اگر تم پر کاغذ میں کتاب اتارتے اور پھر یہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو یقیناً وہ لوگ کہتے جو کہ کافر بنے ہیں کہ یہ تو کھلا کھلا (یا جدا کرنے والا) جادو ہے۔ (یعنی جو لوگ ہلاک ہونے والے ہوتے ہیں پھر کسی بیّن سے بیّن نشان سے بھی راہ راست پر نہیں آیا کرتے بلکہ ہر ایک بات کے لئے کوئی نہ کوئی حیلہ ضرور ہی تلاش کر لیا کرتے ہیں۔ اور کلبی وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ نضر بن الحرث، عبد اللہ بن ابی امیّہ، نوفل بن خویلد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے رسول اللہؐ کو کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے پر ایمان نہیں لا سکتے جب تک کہ تم لکھی ہوئی کتاب اللہ کی طرف سے نہ لاؤ اور اس کے ساتھ چار فرشتے نہ ہوں جو کہ شہادت دیں کہ بے شک یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے اور تم اللہ کے رسول ہو۔

(التفسیر المظہری جلد 2 صفحہ 436 سورۃ الانعام، دار الکتب العلمیۃ بیروت 2008ء)

کفار کا نشانوں کا انکاری ہونا

اور اس آیت کریمہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ جب کوئی نشان آتا اور وہ اس سے اعراض کرتے تو اس وقت وہ اپنے اعراض کے لئے ایسے ہی رکیک اور خود تراشیدہ باتیں پیش کرکے اپنے ایمان کو انکے ہونے کے ساتھ معلق کرتے تھے۔ گویا خداوند تعالیٰ کا انتظام انکی مرضی کے تابع ہے اور نیز جو نشانات خداوند تعالیٰ پیش کرتا ہے وہ تو لغو ہیں اور نشان ہونے کے

قابل ہی نہیں اور اصل نشان وہی ہیں جو کہ یہ پیش کرتے ہیں۔ اور یا ایسے نشان مانگتے جن کے بعد نہ ایمان مطلوب کی گنجائش رہے اور نہ انکو مہلت مل سکے۔ اور مذکورہ بالا سبب نزول میں بھی انکے سوال کے دو حصے تھے ایک لکھی ہوئی کتاب اور دوم فرشتوں کا ساتھ شہادت دینا۔ سو پہلے قسم کی مثال یا انکے سوال کے پہلے حصہ کا جواب تو ہو چکا۔ اور دوسری قسم کی مثال یا دوسرے حصہ کے جواب کی نسبت فرمایا) اور انہوں نے کہا کہ اس پر کیوں کوئی فرشتہ نہیں اتارا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو یقیناً بات فیصلہ کی جاتی اور پھر وہ مہلت نہ دیے جاتے۔ (یعنی قطع نظر اس سے کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں یا اگر ہو سکتا ہے تو پھر کس طریق پر) پہلے ہم یہ بتاتے ہیں کہ اگر انکے سوال کے حصہ دوم کے مطابق کوئی فرشتہ شہادت کے لئے ساتھ بھیجا جائے تو پھر ایمان بالغیب کے درجہ سے نکل کر یہ مشاہدات کی حد میں آجاتا اور دین کا سارا معاملہ ایسا کھل جاتا جیسا کہ مابعد از موت ہو گا اور جس طرح بعد از موت جب انکشاف ہو جاویگا تو پھر نہ انسان مکلف بالا یمان رہے گا اور نہ اس وقت ایمان لانے پر کوئی اجر یا ثواب مل سکتا ہے۔ اسی طرح جب اس صورت میں بھی پورا پورا انکشاف ہو گیا تو اب نہ وہ مکلف بالا یمان رہیں گے اور نہ ایمان لانے پر کوئی اجر اور ثواب ان کو مل سکتا ہے۔ کیونکہ تکلیف اور اجر کا دارو مدار ہی غیب پر ہے پر جب وہ نہ رہا اور مشاہدہ ہو گیا تو پھر نہ تکلیف رہی۔ اور نہ اجر کی امید رہی پھر تو ماننا سورج چاند وغیرہ مشاہدات کے ماننے کی طرح ہو گا اور ظاہر ہے کہ انسان کے وجود کی بنا ہی مکلف ہونے اور ثواب وعقاب کے قابل ہونے پر ہے جیسا کہ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی[1] (القیامۃ:37) اور مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ[2] (الذریت:57) سے ثابت ہے۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ان کے وجود کا اصل مبنی اور منشاء مفقود ہو جاتا تو پھر حکیم مطلق انکو صفحہ دنیا سے فوراً لپیٹ دیتا اور بالکل انکو مہلت نہ مل سکتی۔

مفسرین کا عجیب نکتہ

تعجب ہے کہ ہمارے مفسر عموماً آسان اور واضح بات کو چھوڑ کر ایسی نرالی راہ اختیار کر

[1]۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس کو بے لگام چھوڑ دیا جائے گا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

لیتے ہیں جو کہ عقل و فہم سے بہت بعید ہوتی ہے اور پچھلے مفسر اس پر اعتراضوں کے توپل باندھ دیتے ہیں لیکن اصل بات کی طرف وہ بھی نہیں جاتے۔ چنانچہ یہاں پر یہ بات بڑی پکی اور واضح تھی اس کو چھوڑ کر عموماً یہ لکھا ہے کہ فرشتہ کو چونکہ اصل صورت پر حضرت نبی کریم ﷺ کے سوا دوسرا جو کوئی دیکھے وہ فوراً مر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے رسولؑ نے کبھی فرشتہ کو اصل صورت پر نہیں دیکھا۔ لہٰذا جب وہ اصل صورت میں انکے سامنے آتا تو وہ فوراً مر جاتے۔ اب یہ دعویٰ ایسا ہے کہ نہ اس کی کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ قرآن مجید و احادیث سے انہوں نے کوئی نقل کی ہے اور نہ واقعہ میں کوئی ہے۔ اور بعض نے یہ کہا بھی تو دوسروں نے انکو معتزلہ اور خارج از اہل السنتہ والجماعۃ قرار دے دیا۔ اور جب یہ بتا دیا کہ ان کے سوال کے پورا کرنے میں یہ خرابی لازم آتی تو اب یہ بتانے کے لئے کہ یہ کس صورت میں پورا ہو سکتا ہے۔ اور جس صورت میں پورا ہو سکتا ہے اس صورت میں پھر وہی تمہاری پہلی لے دے ہو سکتی ہے جو کہ دوسرے نشانوں کی نسبت تم کرتے ہو فرمایا کہ) اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو ضرور اس کو مرد بناتے اور ضرور ہم ان پر مشتبہ کر دیتے جیسے کہ وہ مشتبہ کرتے ہیں۔ (یعنی اگر انکا یہ سوال پورا کیا جاتا تو ظاہر ہے کہ فرشتہ کو اپنی اصلی حالت پر تو یہ دیکھنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اس وقت تک انہوں نے کسی فرشتہ کو نہیں دیکھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اگر فرشتہ شہادت کے لئے بھیجا جائے تو وہ انسانی جامہ میں بھیجا جائے جیسا کہ عام معتاد طریق بھی یہی ہے کہ انبیاءؑ و صلحا کو وہ کسی مرد کی صورت میں دکھائی دیتے رہے ہیں جیسا کہ حنیف ابراہیمؑ اور مبشر مریمؑ وغیرہ کا ذکر آیا ہے۔ اور جب وہ مرد کی شکل میں آتا تو ان پر اس کے فرشتہ ہونے کا مشتبہ ہو جاتا اور جس طرح کہ وہ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کے معاملہ اور انکے نشانوں کو مشتبہ کیا کرتے ہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ خود ان پر مشتبہ کر دیتا۔ اور پھر اصل غرض کسی طرح حاصل نہ ہوتی۔

شوخی کی وجہ سے کفار پر عذاب

اس کے بعد اس بات کے بتانے کے لئے کہ جب یہ سوال ان کا واقعہ میں اپنی اصل

صورت میں نہ پورا ہو سکتا تھا اور نہ اس کے پورا ہونے پر وہ ایمان لا سکتے اور نہ اس کے اجر کے پانیوالے ٹھہرتے تھے اور نہ اس کے بعد یہ مہلت پا سکتے تھے۔ اور جس صورت میں ہو سکتا ہے اس صورت میں یہ بالکل دوسرے نشانوں کی طرح انکی بے ہودہ چہ میگوئیوں کا محل بن جاتا اور غرض مطلوب اس سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی تو پھر آخر وہ بھی عقلمند انسان ہیں انہوں نے یہ سوال ہی کیوں کیا ہے فرمایا کہ) یقیناً تم سے پہلے رسولوں پر ہنسی کی گئی ہے تو جنہوں نے ان سے مسخری کی تھی ان کو اس نے گھیر لیا کہ جس کے ساتھ وہ مسخری کیا کرتے تھے۔ (یعنی محض تمسخر کے لئے انہوں نے ایسا سوال کیا ہے اور یہ نہیں کہ انہوں نے تم ہی سے تمسخر کیا ہے بلکہ تم سے پہلے رسولوں پر بھی لوگ اسی طرح تمسخر کرتے رہے ہیں۔ ولیکن اس تمسخر سے جس طرح ان رسولوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ اس تمسخر اور شوخی کی وجہ سے ان پر وہ عذاب محیط ہو گیا جس کے ساتھ وہ تمسخر کیا کرتے تھے سو اسی طرح تم کو بھی ان کے اس تمسخر سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا بلکہ انہی پر وہ عذاب محیط ہو جاویگا جس کے ساتھ وہ ہنسی کیا کرتے ہیں۔

آیت 12 تا 21: قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَ لَهٗ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ۔ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۔ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً۔ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى۔ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

كَتَبَ۔ كِتَابَةٌ سے ہے جس کے معنے لکھنے اور مقرر کرنے اور لازم اور ضروری قرار دینے کے ہیں۔

خَسِرُوْٓا۔ خَسِرَ اور خُسْرَانٌ سے ہے جس کے معنے گھاٹا پانے، ہارنے، بھٹکنے، ہلاک ہونے کے ہیں۔

سَکَنَ۔ سُکْنٰی سے ہے جس کے معنے آباد اور مقیم ہونے کے ہیں یا سکون سے جو حرکت کی ضد، بمعنے ٹھہرنے کے ہے۔

فَاطِرٌ۔ فَطْرٌ سے ہے۔ انشاء وایجاد ابتداءً۔

یُطْعِمُ۔ اِطْعَامٌ رزق دینا۔

اَسْلَمَ۔ اِسْلَامٌ سے ہے جس کے معنے بار بار گذر چکے ہیں۔ اعنی فرمانبرداری کرنا، حوالے کرنا وغیرہ۔

عَصَیْتُ۔ عِصْیَانٌ سے ہے، نافرمانی کرنا۔

یُصْرَفْ۔ صَرْفٌ سے ہے پھیرنا۔

فَوْزٌ کامیابی اور پاس ہونا۔

یَمْسَسْ۔ مَسٌّ سے ہے چھونا اور پکڑنا اور جب اس کے بعد بآ آئے تو پہنچانا۔

قَاهِرُ۔ قَهْرٌ سے ہے غالب ہونا اور قابو رکھنا۔

ترجمہ:

تم کہو زمین میں چلو پھر دیکھو کہ مکذبین کا انجام کیسا ہوا ہے۔ تم کہو کس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تم کہو اللہ ہی کے لئے ہے اس نے اپنی ذات پر رحمت لازم کی ہے۔ وہ ضرور ہی تم کو قیامت کی طرف جمع کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جنہوں نے اپنی جانیں ہار دی ہیں وہ ایمان نہ لاویں گی اور اسی کے لئے ہے جو کہ رات اور دن میں بستا ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ تم کہو کیا میں اللہ کے سوا کسی کو اپنا والی بناؤں جو کہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے۔ اور وہ کھلاتا ہے اور اس کو نہیں کھلایا جاتا۔ تم کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ان سب سے میں اول ہوں جنہوں نے فرمانبرداری کی ہے اور تو مشرکوں سے نہ ہو۔ تم کہو کہ میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں جس سے اس دن وہ پھیرا گیا اس پر اس نے ضرور رحم

کیا اور یہ کھلی کامیابی ہے اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو کوئی اس کے لئے دور کرنے والا نہیں۔ مگر وہی اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اور وہی اپنے بندوں پر پورا قابو رکھنے والا اور وہی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔ تم کہو کون بڑی شہادت والا ہے۔ تم کہو میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے۔ اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے۔ تاکہ میں تم کو اور جن کو یہ پہنچے ڈراؤں۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہیں تم کہو کہ میں گواہی نہیں دیتا تم کہو وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ اور میں یقیناً ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو جن کو ہم نے وہ کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا جانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ جو لوگ اپنی جانوں کو ہار بیٹھے ہیں سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

تفسیر:

کفار کے معذب ہونے کا ثبوت

چونکہ انکے سوال کی بناء تمسخر پر بتانے میں ان تمسخر کرنے والے مکذبین کے معذب ہونے کا ذکر تھا۔ تو اب اس کے ثبوت کا پتہ دینے اور پھر انکے آثار عذاب کے مشاہدہ سے عبرت پکڑنے کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اس سرزمین میں چلو اور پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ اور جب مکذبین کے انجام سے عبرت پکڑنے کا ذکر ہو گیا تو اس کے اصل فلسفے کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ وہ سب کچھ کس کے لئے ہے جو کہ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ اس کا جواب بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ اللہ ہی کے لئے ہے اور ان کا عقیدہ اور اظہار بھی یہی ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ شرک وغیرہ گندوں میں مبتلا تھے اور سخت ترین متعصب تھے۔ اور ظاہر ہے کہ باطل پرست اور پھر متعصب سے جب عین مباحثہ و مناظرہ کے وقت کسی ایسے امر کی نسبت اعتراف و اقرار چاہا جائے جس کو وہ مانتا ہو اور گو جہالت اور غفلت کی وجہ سے وہ پہلے

نہ جانتا ہو کہ میرا یہ امر مسلم میرے متنازع فیہ دعویٰ کا سخت متناقض اور تباہ کن ہے۔ لیکن اب اس کو علم ہو گیا ہو تو وہ کبھی مجلس مناظرہ میں اس امر کا اعتراف نہ کرے گا بلکہ ہر حیلہ سے ٹلائے گا۔ کہ کہیں میرا دعویٰ باطل نہ ہو جائے اور مجھے زک اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ تو انکی اس حالت کے سمجھانے کے واسطے بجائے انکی طرف سے جواب حاصل کرنے کے فرمایا کہ (تم کہو کہ اللہ ہی کے لئے ہے۔)

حق کو ماننا ضروری امر ہے

مفسرین نے ان سے جواب نہ لینے اور نبی کریم ﷺ یا ہر ایک مناظر مومن کو یہ کہنے کا حکم دینے کے وجوہ بہت سے بیان کئے ہیں کہ تم کہو کہ خاص اللہ ہی کے لئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کی نیابت میں جواب کی تقریر کی گئی ہے۔ یا یہ ان کو اصل جواب پر مجبور کرنے کے لئے کہا، یا یہ کہ جواب کے غایت درجہ کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ اور بعض نے تو حد ہی کر دی۔ اور کہا کہ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کا مطلب دوسروں سے دریافت کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خود اس امر کی طرف توجہ کرو۔ اور قُلْ لِلّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم توجہ کرو اور حق تک تمہاری نظر پہنچ جائے تو پھر اس کا اقرار اور اعتراف کرو۔ وعلیٰ ہذا القیاس لیکن ٹھیک توجیہ وہی ہے جو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

اور سب کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ پہلے رسولوں کے مکذبین باوجود بڑی طاقتوں اور جہتوں اور سازوسامان اور ثروتوں کے تکذیب رسل اور شوخی کی سزا سے اس لئے نہ بچ سکے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہیں تو جب یہ خود اور انکے نفع اور ضرر کی سب چیزیں اور ان چیزوں کے اسباب اور مواد و اصول سب اسی کے تصرف میں ہیں اور دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں۔ تو پھر نفع رساں چیزوں کا روکنا اور مضر اشیاء کا مسلط کرنا اس پر کیا دشوار ہو سکتا ہے۔ اور دوسرا کون ہے کہ اس کی اپنی اشیاء میں تصرف کرنے میں مانع اور خلل انداز ہو سکے۔ جب یہ بیان فرمایا اور اس سے بالتبع یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب اس نے جب پہلے مکذبین کو تکذیب کے سبب سے ہلاک کیا تھا اور جب

وہ عذاب دینا چاہے تو پھر کوئی اس سے نہیں بچ سکتا۔ تو پھر یہ لوگ بھی اگر ان کی طرح مکذب رسول اور مستوجب سزا ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اب تک بچے ہوئے ہیں اور ان پر عذاب نازل نہیں ہوا۔ تو اس کا جواب دینے کے لئے فرمایا کہ) اس نے اپنی ذات پر رحمت لازم ٹھہرائی ہے وہ ضرور تم کو قیامت کے دن تک جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے۔)

خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہونے کی وجہ سے مہلت دیتا ہے

میں پہلے کئی دفعہ بتا چکا ہوں کہ قیامت کئی معنوں میں مستعمل ہے جن میں سے ایک تو وہ قیامت کبریٰ ہے جس کو عام لوگ جانتے ہیں۔ دوم قوم کی تباہی کا جو خاص وقت ہوتا ہے اور اس کو بھی یوم قیامت کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں۔ اور یہاں پر دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔ اور جواب ان دوسرے معنوں کے لحاظ سے ہے یعنی بے شک مجرمین پر فرد جرم لگ چکا ہے لیکن تاخیر محض اس وجہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ اس لئے وہ ایک عرصہ تک مہلت دیا کرتا ہے۔ ہاں یہ مہلت یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ (قومی تباہی کے وقت) سے نہیں بڑھے گی بلکہ کچھ پہلے کچھ پیچھے ہلاک ہوتے ہوئے اس وقت تک جمع ہو جاویں گے جیسے کہ قیامت کبریٰ کے وقت تک سب لوگ اور سب قومیں جمع ہو جاویں گی۔ رہا یہ احتمال کہ اس وقت شرارت بھی کر لیں اور پھر اس وقت کے آنے سے پہلے سب ایمان لا کر سب عذاب سے بچ بھی جائیں تو اس کا جواب یہ دیا کہ) جو لوگ اپنی جانیں ہار بیٹھے ہیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (یعنی جن کی تکذیب اور شوخی اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ان پر فرد جرم لگ چکا ہے یا بلفظ دیگر یوں کہو کہ وہ اس بازی میں اپنی جانوں کو ہار بیٹھے ہیں وہ پھر ایمان نہیں لا سکتے۔ کیونکہ فرد جرم لگتا ہی اس وقت ہے کہ جب وہ یقیناً اپنی جانیں ضائع کر چکتے ہیں اور ایمانی قابلیت بالکل سلب کر دیتے ہیں۔

انسانوں کی دو اقسام۔ نور و ظلمت والے

چنانچہ اس کے ثبوت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ رات میں سکون (قرار) پکڑتا ہے اور جو کچھ کہ دن میں سکون پکڑتا ہے۔ (یعنی جس طرح دو قسم کے جانور تم مشاہدہ کرتے ہو ایک وہ جو کہ اندھیرے میں کچھ کاروبار

نہیں کر سکتے۔ لہذا رات کے وقت وہ قرار اور سکون پکڑتے ہیں اور دن میں اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جن کو ظلمت کے ساتھ تعلق ہے اور نور سے نفرت ہے وہ ان پہلے جانداروں کے برعکس رات کو اڑتے پھرتے ہیں اور دن کو سکون اور قرار پکڑتے ہیں۔ سو بالکل انہی کی طرح انسانوں میں بھی دو قسم کے افراد ہیں ایک وہ جو کہ نور سے تعلق رکھتے ہیں دوم وہ جو کہ ظلمت کے فرزند ہیں۔ اور جس طرح ان جانداروں میں یہ تبدیلی نہیں ہوتی کہ رات میں قرار پکڑنے والے دن میں قرار پکڑنے لگیں اور دن میں قرار پکڑنے والے رات میں پکڑیں۔ اسی طرح انسانوں کے ان افراد میں بھی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اور جس طرح ان چاروں کی فطرت کے مقتضاء کو خداوند تعالیٰ جانتا اور ان کی فطرتی دعاؤں اور نداؤں کو سنتا اور پھر ان کو پورا کرتا اور ان کے مطابق ان کے ضروریات اور مَایَحْتَاجُ اِلَیْہِ[1] مہیا کرتا ہے اسی طرح ان افراد انسانی کا حال بھی ہے ان کے ساتھ بھی وہ ان کی فطرتوں کی اقتضاء کے مطابق معاملہ کرتا ہے کیونکہ) وہی کامل سننے والا پورا جاننے والا ہے۔ (پس یہ کبھی نہیں ہوتا کہ فطرت تو ظلمت چاہتی ہو اور وہ نور دے یا فطرت نور چاہتی ہو اور وہ ظلمت دے۔

غیر اللہ کو والی بنانے کی تردید

اس کے بعد اس بات کا عملی ثبوت بتانے کے لئے کہ وہ کسی طرح ایمان نہیں لائے چنانچہ اس لاجواب اور بلیغ تبلیغ پر وہ ایمان نہیں لائے بلکہ الٹے تبلیغ کرنے والے کو مقتضاء تبلیغ کے خلاف اپنے ساتھ شریک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نیز اس بات کے بتانے کے لئے بھی کہ اس عظیم الشان تبلیغ کا ان پر کیا اثر ہوا فرمایا کہ) تم کہو کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے اور وہ رزق دیتا ہے اور وہ رزق دیا نہیں جاتا۔ (مذکورہ بالا اشارہ تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ اور غیر اللہ کے والی بنانے کی تردید کا خلاصہ یہ ہے کہ تم بھی اس کو تو مانتے ہو کہ زمین و آسمانوں کا پیدا کرنے والا وہی ایک اکیلا وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ

[1]۔ جس کا محتاج ہو۔ (از مرتب)

خدا ہے۔ اور یہی ہماری سب ضروریات اور مَا یَحْتَاجُ کے اصل منبع ہیں تو جس خدا نے سوائے کسی دوسرے کی وساطت اور دخل کے یہ عظیم الشان منبعے ہمارے لئے خود بخود پیدا کر دیے۔ بلکہ ہماری ساری تربیت بدون کسی کی وساطت کے وہ کر رہا ہے تو پھر کسی واسطہ یا مستقل طور پر کسی اور والی کی ہمیں ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ اور ان کے جھوٹے معبودوں پر تعریض کرنے کے لئے فرمایا کہ) اور وہی رزق دیتا ہے۔ اور وہ رزق نہیں دیا جاتا (یعنی ہماری قریب ترین ضروریات اور تربیتوں سے رزق ہے تو وہ بھی وہی دیتا ہے اور وہ خود نہ رزق کا محتاج ہے اور نہ کوئی اس کو رزق دیتا ہے بخلاف تمہارے جھوٹے والیوں کے کہ وہ خود محتاج ہیں۔

خدا تعالیٰ کا اوّل فرمانبردار

اور پھر غیر اللہ کے والی بنانے کی ایک سہل تردید بیان فرمانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ یقیناً مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں اور (یہ کہ) ہرگز تو مشرکوں سے نہ ہو (یعنی جن کو تم اللہ کے اور اپنے درمیان واسطہ اور اپنے والی قرار دیتے ہو نہ تو خود خداوند تعالیٰ نے تم کو یہ حکم دیا ہے اور نہ ان والیوں نے تم کو اس کی نسبت کچھ کہا ہے بلکہ تم محض اپنے خیال سے ان کو اپنا والی بنا رہے ہو اور تم نے خود ان کی اطاعت کو اپنے پر لازم سمجھ رکھا ہے لیکن مجھے تو خود رَبُّ الْعَالَمِیْن نے حکم دیا ہوا ہے۔ اور اسی قدر نہیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہو کہ دوسروں کو کہو کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری کریں بلکہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار تو بن۔ پھر اسی پر بس نہیں کی کہ تو میرا اوّل فرمانبردار بن بلکہ مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ تو مشرکوں سے نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اوّل تو خود تجویز کرنا اور مامور ہونا آپس میں فرق عظیم رکھتے ہیں پھر جبکہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے براہ راست مامور ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں دوسروں سے مامور ہونا یا خود تجویز کرنا ہستی ہی کیا رکھتا ہے۔ پھر خصوصاً مذہب میں جس کی بنیاد ہی ماموریت پر ہے۔

ربّ کی نافرمانی کا انجام

پھر تیسرا فرق اور تردید بتانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی

کروں تو یقیناً میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (یعنی دوسرے تو نہ رب ہیں کہ عذاب کا خطرہ ہو اور نہ ان کا کوئی حق ہے کہ اس کے خلاف پر اندیشہ ہو اور نہ ان کا کوئی حکم ہے کہ اس کی خلاف ورزی پر ڈرو۔ بخلاف اس کے اللہ میرا رب ہے لہٰذا اس کا حق عبادت و اطاعت ہم پر لازم و ثابت ہے اور وہ عذاب بھی دے سکتا ہے۔ پھر اس نے مجھے خاص اپنی اطاعت کرنے اور مشرکوں سے نہ ہونے کا حکم بھی دیا ہوا ہے۔ تو اب جس طرح غیروں کی طرف سے نافرمانی کی صورت میں یقیناً کوئی عذاب کا اندیشہ نہیں یا عَلٰی سَبِیْلِ التَّنَزُّل[1] یقینی اندیشہ نہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ کی نسبت نافرمانی کی صورت میں یقینی طور پر عذاب کا خوف ہے۔ اور پھر عذاب بھی کسی معمولی وقت کا نہیں بلکہ وہ بھی بڑے دن کا جس کا اثر دائمی زندگی پر پڑتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ) جس سے اس دن وہ (عذاب) پھیرا گیا تو یقیناً اس نے اس پر رحم کیا اور یہ کھلی کامیابی ہے (گو پہلے یوم عظیم کے عذاب کا ذکر تھا لہٰذا آئندہ زندگی کے متعلق بھی اسی کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔

خدا کے عذاب سے بچنے میں اشارہ

لیکن اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اس دن سے پہلے اس دن کے عذاب کا ڈر رکھنا اس دن میں صرف عذاب سے بچنے کا نہیں بلکہ اللہ کی رحمت کے مور د بننے کا مستوجب ہے۔ لہٰذا آئندہ زندگی کی نسبت رحمت کا ذکر فرمایا اور اس میں جیسا یہ صاف بتایا ہے کہ اس دن جس سے عذاب پھیرا گیا تو اللہ نے اس پر ہمیشہ کے لئے رحم کر دیا اور پھر کبھی عذاب کا خوف و خطرہ باقی نہ رہا۔ اسی طرح اس میں اشارۃً یہ بھی بتایا کہ اس دن عذاب کا پھیرا جانا نہ انسان کے اختیار میں ہے اور نہ اس کی کسی کوشش سے ہو گا بلکہ اس کے فضل سے ہو گا ہاں اس کے فضل کے لئے جذب کرنے کی کوشش انسان کو کرنی چاہیے۔

خوف کا امید سے تعلق

اس کے بعد خوف کے ساتھ امید کو ملانے اور یوم عظیم کے ساتھ سارے زمانوں کو

[1]۔ اپنے مؤقف سے نیچے اترتے ہوئے، بفرض محال۔ (از مرتب)

ختم کرنے کے لئے فرمایا کہ) اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے خیر پہنچائے تو پھر وہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قادر ہے (یعنی پھر کوئی ٹھاکر وغیرہ ناراض ہو کر اگر اس خیر کو روکنا چاہے تو ہر گز وہ نہیں روک سکتا کیونکہ خداوند تعالیٰ کے لازمی صفات سے ہے کہ جو وہ کرنا چاہتا ہے کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اسی کے بندے ہیں اور اس کا اپنے بندوں کے ساتھ انسان کا بادشاہوں جیسا تعلق نہیں۔ کہ ان کے ملازم اور غلام بعض اوقات اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے بندے اس کے مقابلہ میں ایسا ہر گز نہیں کر سکتے کیونکہ) وہی اپنے بندوں پر پورا قابو رکھنے والا ہے۔) کیونکہ وہی ان کا خالق، رازق اور ربّ ہے اور اس سے بھی اگر قطع نظر کی جائے تو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ) وہی حکمتوں والا پوری خبر رکھنے والا ہے۔ جو کہ کامیابی کی جڑھ ہیں۔ اور جب غیر اللہ کے والی بنانے کی تردید کے وجوہات بیان ہو گئے۔ اور ان میں سے جامع ترین وجہ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ الخ تھی جس کے ماننے سے سب نزاعوں کا فیصلہ ہو جاتا تھا اور سب قضیے طے ہو جاتے تھے۔

سب سے بڑی شہادت والی چیز

اس لئے ان وجوہات کے بعد اس کا ثبوت بتانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کونسی چیز سب سے بڑی شہادت والی ہے (اور جواب اس کا تو بالکل واضح اور ان کے مسلمات میں سے تھا لیکن تعصب اور خوف الزام اور ہار کے ڈر سے ان کے جواب سے پہلو تہی کرنے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اللہ (اور جب سب سے بڑی شہادت والا وہی ہے تو پھر وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ (شہید کے لفظ میں اس کی شہادت کا باقی شہادتوں سے بڑا ہونے کا ثبوت بھی بتایا گیا ہے کیونکہ شہید جیسا گواہ کو کہتے ہیں ایسا ہی اس کو بھی کہتے ہیں جو سارے وقت اور ہر حالت میں پوری طرح سے حاضر ہو اور فریقین کی ہر ایک حالت میں اور ہر ایک وقت میں اور ہر ایک جگہ میں دونوں کے ساتھ حاضر اور

نگران بجز اس کے اور کوئی نہیں ہے اور شہادت کی بنیاد اسی مشاہدہ پر ہے۔ اور جیسا کہ میں بار ہا بتا چکا ہوں کہ شَهَادَةُ الله اس طور پر نہیں ہوتی یا ہو سکتی کہ وہ کسی مجمع میں حاضر ہو کر یا فرداً فرداً ہر ایک کے پاس آ کر گواہی دے بلکہ اس کی شہادت اس طور پر ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات سے مختص خارق عادت افعال کے ذریعہ سے شہادت دیا کرتا ہے اس لئے اس شَهَادَةُ الله کا پتہ دینے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) میری طرف یہ قرآن (مجید) وحی کیا گیا ہے۔ تا کہ میں اس کے ساتھ تم کو اور اس کو ڈراؤں جس کو یہ پہنچے (یعنی خداوند تعالیٰ کی شہادتوں میں سے ایک عظیم الشان شہادت خود قرآن مجید ہے جو کہ جس طرح اپنے غیر محدود کمالات و اقتدار کی وجہ سے بتاتا ہے کہ میں اس شہنشاہ کا کلام ہوں جو کہ سب نقائص سے پاک اور سب کمالات سے متصف اور مقتدر ہے اسی طرح وہ اپنے بے مثل و بے نظیر ہونے سے بھی بتا رہا ہے کہ میں اس ذات کا کلام ہوں۔ جو کہ اپنی ذات و صفات اور افعال و آثار میں بے مثل و بے نظیر ہے۔

رسول کریم ﷺ کا رسول ہونا

اور پھر اس کا خاص مجھ پر نازل ہونا میرے اس خاص تعلق کی گواہی دیتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں رسالت کہا جاتا ہے۔ اور پھر یہ کوئی مجرد شہادت ہی نہیں بلکہ یہ منکرین و مکذبین کے انذار پر بھی مشتمل ہے اور پھر ہے بھی اَوَّلًا اور بالذات تمہارے انذار کے لئے اور ثَانِيًا اور بالتبع ان سب کے لئے جن کو یہ پہنچے۔ پس اس حالت میں اس شہادت کا انکار بڑا بھاری خطرناک ہے۔ تفسیروں میں کلبی کی روایت سے آیا ہے کہ کفار مکہ نے آنحضرت ﷺ کو کہا تھا کہ اے محمدؐ کیا خداوند تعالیٰ کو تیرے سوا کوئی اور رسول نہ ملا تھا۔ ہم کو تو کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو تیری تصدیق کرتا ہو ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے تیری نسبت دریافت کیا تھا تو انہوں نے یہی کہا ہے کہ ہمارے ہاں تو اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ سو اب تو ہی ہمیں بتا کہ کون ہے جو کہ تیرے رسول اللہ ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور ابن جریر نے ایک اور روایت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ نحام

بن زید اور قروم بن کعب اور بحری بن عمرو آپ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا او محمدؐ کیا تو اللہ کے ساتھ اور کوئی اِلٰہٌ نہیں جانتا تو آپ نے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اسی کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے اور اسی کی طرف میں بلاتا ہوں۔

(جامع البیان (تفسیر الطبری) جلد 7 صفحہ 192، دار احیاء التراث العربی بیروت)

تو پھر خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور جب آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دعویٰ پر سب سے برترین شہادت بیان ہو گئی تو اب یہ بتانے کے لئے کہ تمہارے دعویٰ پر تو بڑی شہادت تو درکنار کوئی شہادت بھی نہیں پیش ہو سکتی بلکہ تم باوجود مدعی ہونے کے خود بھی شہادت نہیں دے سکتے۔ فرمایا کہ) کیا تم یقیناً شہادت دے سکتے ہو کہ یقیناً اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود (اور متصرف) ہے (یعنی ہرگز نہیں دے سکتے اس لئے کہ شہادت کی بنا مشاہدہ پر ہے اور تم کو ہرگز اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہے۔

شہادت کس کی قبول ہو سکتی ہے

اور اگر خلاف واقعہ تم محض تعصب سے شہادت کے مدعی بنو بھی تو میں کسی طرح اس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ اوّل تو مجھے اس بات کا علم اور مشاہدہ ہے اور خداوند تعالیٰ کی طرف سے علم ہے کہ اس کے ساتھ دوسرا کوئی نہ متصرف ہے اور نہ معبود ہے دوم مجھے خداوند تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ) تو کہہ دے کہ میں گواہی نہیں دیتا۔ (بلکہ مجھے اس کے برعکس حکم دیا گیا ہے کہ) تو کہو وہ (اللہ) تو ایک ہی معبود ہے۔ اور میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو (اور عَلٰی سَبِیْلِ التَّنَزُّل اگر انسانوں اور پھر خصوصاً اہل کتاب ہی کی شہادت چاہتے ہو تو سنو کہ) جن لوگوں کو ہم نے وہ کتاب دی ہے۔ (یعنی وہ اس کتاب کا علم بھی رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی رکھتے ہیں اور حقیقی اور سچے اہل کتاب ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے شہادت بھی انہی کی قابل قبولیت ہو سکتی ہے نہ جاہلوں اور فاسقوں وفاجروں کی تو۔) وہ اس کو جانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (اس میں سچا فلسفہ ایمان بالغیب کا بتایا گیا ہے۔ کیونکہ باوجود یہ کہ انسان کو اپنے بیٹے کی نسبت پورا یقین ہوتا ہے اور اس یقین کی بنا پر اہم ترین امور کو

سرانجام دیتا ہے۔ اس کی پرورش نہایت ذمہ داری اور تکلیف برداشت کرنے سے بجالاتا ہے، اس کو اپنا وارث بناتا ہے۔ اور اپنی بیٹیوں، بہنوں وغیرہ سے پردہ نہیں کراتا وغیر ذالک لیکن باوجود اس کے اگر اس پر شکوک پیش کئے جائیں تو ان کی کافی گنجائش ہوتی ہے اور بالکل اس کا قلع و قمع نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ کوئی مدعی بن کر اس پر منطقی دلائل پیش کر سکتا ہے۔

یہی حال بعینہٖ ایمانیات کا بھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس قسم کے اہل کتاب نے ضرور شہادت دی ہے اور خود ایمان لائے ہیں۔ اور اگر ان پر مومن ہونے کے باعث شبہ کیا جائے تو پھر وہ اہل کتاب پیش ہوسکتے ہیں جو کہ ایمان تو کسی وجہ سے نہیں لائے لیکن انہوں نے مباہلہ سے انکار کرنے وغیرہ اپنے حالات و اعمال سے اپنی اس معرفت کی عملی شہادت دے دی ہے۔ رہا یہ کہ پھر وہ ایمان کیوں نہیں لائے سو اس کا وہی جواب ہے جو کہ پہلے بھی مذکور ہو چکا ہے کہ) جو لوگ اپنی جانیں ہار چکے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے۔

آیت 22 تا 31: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَ اِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ وَ قَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

تَزْعُمُوْنَ۔ زَعْمٌ سے ہے خیال کرنا اور کہنا۔ اور یہ حق و باطل دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

فِتْنَةٌ کے اصل معنے جیسے کہ امام راغب نے لکھے ہیں سونے کو آگ میں ڈالنے کے

ہیں۔ تا کہ اس کا کھرا کھوٹا ہونا معلوم ہو جائے اور پھر کئی معنے میں استعمال ہوا ہے جیسا عذاب۔ آزمائش اور بلاو مصیبت۔ کفر۔ گناہ۔ گمراہی اور معذرت۔

یَسْتَمِعُ۔اِسْتِمَاعٌ سے ہے کان لگانا اور بظاہر اچھی طرح سننا۔

اَکِنَّۃٌ۔ کِنَانٌ کی جمع ہے جس کے معنے پردے کے ہیں۔

وَقْرٌ۔ بوجھ اور گرانی۔

یُجَادِلُوْنَ۔ مُجَادَلَۃٌ سے ہے اور گو اصطلاح مناظرہ میں یہ مذموم جھگڑنے پر بولا جاتا ہے لیکن لغت اور محاورہ میں مطلق مباحثہ پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے لئے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[1] (النحل:126) آیا ہے۔

اِنْ هٰذَا میں اِنْ بمعنے نفی ہے۔

اور اَسَاطِيْرُ کے معنی مفصل گذر چکے ہیں جن کا خلاصہ جھوٹی یا لکھی ہوئی باتیں ہیں۔

يَنْئَوْنَ۔نَأْيٌ سے ہے۔ جس کے معنے دور ہونے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس نے اس (اللہ) کے نشانوں کو جھٹلایا۔ بات تو یہ ہے کہ یقیناً ظالم لوگ بچ کر کامیاب نہیں ہوا کرتے۔ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں کو کہیں گے جنہوں نے شریک بنائے ہیں کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ پھر ان کا عذر بجز اس کے اور کچھ نہ ہو گا کہ وہ کہیں گے ہمیں اللہ کی قسم ہے جو کہ ہمارا رب ہے کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ دیکھو کس طرح اپنی جانوں پر انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور ان سے وہ کھویا گیا جو کہ وہ افتراء کیا کرتے تھے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ تمہاری طرف بظاہر خوب کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر اس کے ناپسند سمجھنے کی وجہ سے پردے ڈالے ہوئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈالا ہوا ہے۔) اور اگر وہ ہر ایک نشان دیکھیں۔ (تو

[1]۔ اور اس طریق سے جو سب سے اچھا ہو۔ ان سے (ان کے اختلافات کے متعلق) بحث کر۔ (تفسیر صغیر)

بھی)وہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ تمہارے پاس آئے تو تجھ سے جھگڑنے لگے جو لوگ کافر ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہی ہیں۔

اور وہ اس سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ اس سے دور ہوتے ہیں۔ اور وہ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ اور کاش کہ تو اس وقت دیکھے جبکہ وہ آگ پر کھڑے کئے جاویں گے پھر کہیں گے ہائے کاش ہم واپس کئے جاتے اور اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کرتے اور ہم مومن ہوتے۔ اور ان کے لئے وہ ظاہر ہو گیا جس کو وہ پہلے چھپایا کرتے تھے۔ اور اگر وہ پھر واپس کئے جاتے تو ضرور ہی اس کی طرف لوٹتے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔ اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہی ہمارے نزدیک زندگی ہی ہے اور یقیناً ہم اٹھائے نہ جاویں گے اور کاش کہ تم اس وقت دیکھتے جبکہ یہ اپنے رب پر (آگے) کھڑے کئے جاویں گے۔ وہ کہے گا کیا یہ حق نہیں ہے۔ کہیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی۔ وہ کہے گا تو اس سبب سے تم عذاب چکھو کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔

تفسیر:

اللہ تعالیٰ کی رسولوں کے حق میں شہادت

جب آنحضرت ﷺ کے دعویٰ کی نسبت شہادت اللہ کے تحت میں قرآن مجید کی شہادت کا بیان ہو چکا اور یہ بھی بتایا گیا کہ ان کے دعویٰ کے لئے کوئی شہادت نہیں تو اب ایک اور شہادۃ اللہ پیش کی جاتی ہے جو کہ ہر ایک رسول کی رسالت پر خداوند تعالیٰ نے دی ہے تو فرمایا کہ) اس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔

(یعنی دو حال سے خالی نہیں یا تو واقعہ میں محمد رسول اللہؐ اللہ کے رسول اور قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے اور جو ان کی تصدیق کے لئے نشان پیش کئے گئے ہیں وہ حقیقت میں آیات اللہ اور نشان ہیں اور یا واقعہ میں ایسا نہیں اور محمدؐ یونہی دعویٰ رسالت کر رہے ہیں اور از خود کلام بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہہ رہے ہیں۔ سو اس آخری صورت میں تو نعوذ باللہ منہ

آپ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے ہوئے اور پہلی صورت میں آپ برحق ہوئے اور ان کے منکر اور مخالف مکذب آیات اللہ ٹھہرے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک تو ضرور ہی ہے اور ہر ایک صورت کا مرتکب ایسا ظالم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔

اور خداوند تعالیٰ کا قانون اس کی نسبت یہ ہے کہ) بات تو یہ ہے کہ ظالم لوگ بچ کر کامیاب نہیں ہوتے۔ (تو جب ظالم کامیاب نہیں ہوتا تو جو اَظْلَمُ ہو تو پھر وہ تو کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور راستباز کے مقابلہ میں ضرور ناکام ہلاک اور تباہ ہوتا ہے۔ سو اب یہ دیکھنا ہے کہ دونوں فریق میں سے کون کامیاب اور کون ناکام ہوتا ہے۔ تو جو کامیاب ہوا تو یہ کامیابی خداوند تعالیٰ کی طرف سے اس کی صداقت منجانب اللہ کی شہادت ہو گی اور جو ناکام ہوا تو اس کی ناکامی اس کے دعویٰ کے بطلان پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہو گی۔

رہا یہ کہ پھر یہ کامیابی تو بعد میں معلوم ہو گی اور سردست تو اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تو اس کا جواب بار بار میں نے آیت اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ[1] (الانبیاء:45) کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ مفسرین نے اس کا مطلب کچھ اور ہی سمجھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا سے مراد مشرک اور یہود و نصاریٰ ہیں اور افتراء علی اللہ سے مشرکوں کو غیر اللہ کو الٰہ بنانا۔ فرشتوں کو بنات اللہ۔ اور هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ[2] (یونس:19) وغیرہ کہنا اور عیسائیوں اور یہود کا مسیح بن اللہ اور عزیر بن اللہ کہنا اور تحریف کرنا وغیرہ مراد ہے اور اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ سے بھی وہی مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ کام کئے ہیں ان سے کوئی بڑھ کر ظالم نہیں یعنی نہ ان سے کوئی زیادہ ظالم ہے اور نہ ان کے مساوی ہے اور کہا ہے کہ گو زبان کے لحاظ سے بظاہر زیادتی ہی کی نفی ہے لیکن عرف میں زیادتی اور مساوات دونوں کی نفی ہوتی ہے۔

---

[1] ۔ پس کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم ان کے ملک کی طرف بڑھ رہے ہیں اور کناروں کی طرف سے اس کو چھوٹا کرتے جا رہے ہیں۔ تو کیا (اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ) وہ غالب آئیں گے؟ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ یہ (ہمارے معبود) اللہ کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ (تفسیر صغیر)

واؤ کی بجائے اَوْ لانے کی حکمت

اور پھر ان کو یہ مشکل بھی پیش آئی ہے۔ کہ اس صورت میں اَوْ نہ لانا چاہیے تھا جو کہ تردید پر دلالت کیا کرتا ہے۔ بلکہ واؤ چاہیے تھی تو اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اَوْ لایا گیا ہے کہ ان کاموں میں سے ہر ایک اَظْلَمْ بنانے میں کافی ہے۔ لیکن حق یہی ہے کہ اس کا مطلب وہی ہے جو کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور وہی مقام کے بھی مناسب ہے اور اس پر اَوْ کا لانا بھی صاف قرینہ اور گواہ ہے۔ اور پھر عنقریب اسلام کو فتح عظیم حاصل ہونے اور مشرکین کے شرک سے بیزار ہونے اور خلاف معتاد اور انبیائے سابقین کی امتوں کے حال سے بڑھ کر اور برتر طریق پر اسلام کے اس غلبہ اور باطل کی اس شکست کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جو کہ نمونہ قیامت کی طرح ہو گی فرمایا کہ) جس دن ہم ان سب کو جمع کر لیں گے پھر کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو گمان (یا شرکاء کہا) کرتے تھے۔

پھر ان کا کوئی عذر نہ ہو گا۔ بجز اس کے کہ وہ کہیں گے ہمیں اللہ کی قسم ہے جو کہ ہمارا رب ہے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ دیکھو کس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر جھوٹ بولا ہے۔ اور ان سے وہ کھویا گیا جو کہ وہ افتراء کیا کرتے تھے۔

فریقین میں غالب آنے والے کا فیصلہ

(یہ واقعہ اصالۃً تو قیامت کے دن پیش ہونے والا ہے لیکن جیسا کہ بار بار بتایا گیا ہے مقام کی مناسبت سے بطور بطن دنیوی حال بھی اس سے لیا جاسکتا ہے۔ خصوصاً جب ہم تاریخ اور احادیث میں صاف پڑھتے ہیں کہ اس لمبے مقابلہ میں اخیر پر لوگوں کی نظریں اس پر لگی ہوئی تھیں کہ محمدؐ اور قریش کا سخت مقابلہ مدت سے لگا ہوا ہے اور ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ میرا معبود میری امداد کرے گا سو اب ہم کو اس کا انتظار کرنا چاہیے کہ فریقین سے کون غالب ہوتا ہے پس جو غالب ہو گا ہم یقین کریں گے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا اور اس کا معبود برحق ہے اور جو مغلوب ہوا تو وہ جھوٹا اور اس کا معبود باطل ہے اور یہ بھی کہ نبی کریم ﷺ

اور دوسرے اہل حق نے فتح مکہ کے بعد بعض مشرکوں اور مشرک عورتوں سے دریافت کیا تھا کہ اب بتاؤ کہ تمہارے یہ ٹھاکر کیا ہیں اور اب تم ان کو کیا خیال کرتے ہو تو انہوں نے صاف جواب دیا کہ اگر یہ معبود اور الٰہ ہوتے تو ضرور یہ ہماری مدد کرتے اور ہم کو غالب کر دیتے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اور بہت سی ایسی باتیں فتح مکہ کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ جن سے اس کی تائید و تصدیق ہوتی ہے۔

اور جب یہ دو شہادتیں بیان ہوئیں جن میں سے ایک تو سماع سے متعلق ہے اور دوسری رویت سے تو اب طبعاً سوال پیدا ہوتا تھا کہ ان کو ان سے کچھ فائدہ ہوا یا نہ تو اس کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) بعض ان میں سے وہ ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں (لیکن حقیقت میں) ہم نے ان کے سمجھنے کو برا جاننے کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے ڈالے ہوئے ہیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (یہ تو اس سمعی شہادت کی نسبت فرمایا اب رہی مرئی تو فرمایا کہ) اگر ہر ایک نشان دیکھیں تو بھی اس پر ایمان نہ لاویں گے۔ یہاں تک کہ جب تمہارے پاس آویں گے تو تم سے جھگڑیں گے۔ جو لوگ کافر بنے ہیں (وہ اپنے کفر عنادی کے باعث) کہیں گے یہ تو پہلوں کی کہانیاں ہی ہیں۔ اور وہ اس (قرآن مجید سے) منع کرتے اور اس سے دور ہوتے (اور اس میں خیال کرتے ہیں کہ ہم خود بھی بچ جاویں گے اور دوسروں کو اس سے روک لیں گے لیکن حقیقت میں ان کا یہ خیال غلط ہے بلکہ) وہ اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں و لیکن سمجھتے نہیں (یعنی جو ہدایت پانے والے ہیں ان کو تو یہ روک نہیں سکتے۔

قیامت اور دوبارہ زندہ ہونا

ہاں اس سے یہ خود ضرور بچیں گے۔ پر یہ بچنا نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے اس لئے اس کا نتیجہ جہنم ہے چنانچہ فرمایا کہ) کاش تم دیکھتے جبکہ یہ آگ پر کھڑے کئے جاویں گے تو کہیں گے ہائے کاش کہ ہم واپس کیے جاتے اور اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کرتے اور ہم مومنوں سے ہوتے۔ (اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ان کا یہ کہنا کوئی شوق

ایمان اور حق کے پاس سے نہیں ہو گا اور نہ اس وجہ سے کہ پہلے ان کو حقانیت اور صداقت کا پتہ نہ لگتا تھا اور اب لگ گیا ہے یا پہلے کوئی نشان نہیں دیکھا اور اب دیکھ لیا ہے بلکہ اصل باعث اس عذاب کا ظاہر ہونا ہے جس پر پہلے شکوک وغیرہ سے پردہ ڈالا کرتے تھے فرمایا کہ) بلکہ ان کے لئے وہ ظاہر ہو گیا ہے جس کو یہ چھپایا کرتے تھے اور اگر واپس کئے گئے (تو اس وعدہ پر ہر گز قائم نہ رہیں گے بلکہ) ضرور اس کی طرف لوٹ آئیں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔ اور یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ اور کہا کہ یہ (زندگی) یہی قریب زندگی ہے اور ہم اٹھائے نہ جاویں گے۔

(یعنی جو باتیں اب بنا رہے ہیں اور جس طرح اب قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے سے منکر ہیں اگر ان کو مرنے کے بعد ان کے ان وعدوں پر واپس بھی کیا جاوے تو بھی ایسی ہی باتیں بنائیں گے اور اسی طرح قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے سے انکار کریں گے۔ (اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ اس وقت تو حق کو بڑے شوق سے قبول کریں گے پر اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا فرمایا کہ) کاش تم دیکھتے کہ جب یہ اپنے رب پر پیش کئے جاویں گے تو وہ کہے گا کیا یہ حق نہیں۔ وہ کہیں گے ہاں (یہ حق ہے) ہمیں اپنے رب کی قسم ہے۔ وہ کہے گا تو پھر اس سبب سے عذاب کو چکھو کہ تم ہمیشہ کفر کیا کرتے تھے۔

آیت 32 تا 42: قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۔ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ وَقَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

بَغْتَةً، اچانک۔

فَرَّطْنَا۔ تفریط سے ہے کمی کرنا۔

اَوْزَارَ۔ وِزْرٌ کی جمع ہے بوجھ۔

یَزِرُوْنَ۔ وِزْرٌ سے ہے بوجھ اٹھانا۔

یَجْحَدُوْنَ، جَحْدٌ سے ہے انکار کرنا۔

تَبْتَغِیَ۔ اِبْتِغَاءٌ سے ہے چاہنا اور تلاش کرنا۔

نَفَقًا اس بل کو کہتے ہیں جس کا دوسری طرف بھی راستہ اور دہانہ ہو۔ اور اصل میں یہ چوہے کی بل کا نام ہے جس کے دونوں طرف راستہ ہوتا ہے اور ایک کو کھلا اور دوسرے کو بند اور مخفی رکھتا ہے پس بند کو نَافِقَاءٌ اور کھلے کو قَاصِفَاءٌ بولتے ہیں۔

سُلَّمًا، سیڑھی۔

یَسْتَجِیْبُ۔ اِسْتِجَابَةٌ سے ہے جس کے اصل معنے جواب یا قبولیت چاہنے کے ہیں لیکن کبھی یہ بمعنے اجابۃ یعنی جواب دینے اور قبول کرنے کے آتا ہے۔

دَآبَّةٌ۔ دَبِیْبٌ سے ہے زمین پر چلنا۔

جَنَاحَیْهِ۔ جَنَاحٌ کا تثنیہ ہے، پَر۔

اُمَمٌ۔ اُمَّةٌ کی جمع ہے جس کے بہت سے معانی بارہا ذکر ہو چکے ہیں۔

صُمٌّ۔ بہرے۔ بُکْمٌ۔ گنگ۔

اَرَءَیْتَکُمْ۔ اصل میں أَ اور رَأَیْتَ اور کُمْ سے مرکب ہے اور اس کا لفظی ترجمہ ہے کیا تو نے اپنے آپ کو دیکھا ہے لیکن محاورہ میں یہ بمعنے اَخْبِرُوْنِیْ (بتاؤ تو سہی کے) ہوتا ہے۔

ترجمہ:

اور یقیناً انہوں نے ٹوٹا پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب وہ گھڑی ان پر اچانک آگئی تو بولے ہائے افسوس ہمارے اس میں قصور کرنے پر اور وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو کیا ہی برا ہے جو وہ اٹھا رہے ہیں۔ اور

نزدیک زندگی تو لہو و لعب ہی ہے۔ اور پچھے کا گھر ان کے لئے یقیناً بہت بہتر ہے جو کہ بچتے ہیں۔ کیا (تم ایسا کرتے ہو) پھر سمجھتے نہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ بے شک وہ تجھے کڑھن میں ڈالتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔ سو یقیناً وہ تجھے نہیں جھٹلاتے ولٰکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور یقیناً تجھ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنے جھٹلائے جانے اور اپنے اذیت دیے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری نصرت آئی اور اللہ کی باتوں کے لئے کوئی بدلانے والا نہیں ہے۔ اور تمہارے پاس رسولوں کی بعض خبریں آچکی ہیں۔

اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر گراں گذرتا ہے تو اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ زمین میں کوئی بِل تلاش کرو یا بلندی میں کوئی سیڑھی پھر تم ان کے پاس کوئی نشان لے آؤ۔ (تو بھی یہ ایمان نہ لاویں گے) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ضرور ہدایت جمع کرتا۔ سو تم جاہلوں سے (امید وار) نہ ہو۔ قبول تو وہی کرتے ہیں جو کہ سنتے ہیں۔ اور مردے سو اللہ ان کو اٹھائے گا پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جاویں گے۔ اور انھوں نے کہا کہ کیوں اس پر اپنے رب کی طرف سے کوئی نشان نہیں اتارا جاتا تم کہو کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ کوئی نشان اتارے ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور زمین میں جو چلنے والی چیز ہے۔

اور جو پرندا اپنے پروں کے ساتھ اڑنے والا ہے وہ تمہارے ہی جیسے گروہ ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی۔ پھر وہ اپنے رب کے پاس جمع کئے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ بہرے اور گنگے اندھیروں میں ہیں۔ جس کو اللہ چاہتا ہے اس پر گمراہی کا حکم لگاتا ہے۔ اور جس کو وہ چاہتا ہے سیدھے راستہ پر کرتا ہے۔ تم کہو بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارے پاس عذاب آجائے یا وہ گھڑی اچانک تم پر آجائے تو کیا تم اللہ کے سوا کو پکاروگے۔ اگر تم سچے ہو۔ بلکہ تم اسی کو پکاروگے۔ پھر اگر وہ چاہے گا تو اس کو دور کردے گا جس کی طرف تم اس کو بلاؤ گے اور تم ان کو بھول جاؤ گے۔ جن کو تم شریک بناتے ہو۔

تفسیر:

جب شہادتوں کے ہوتے ہوئے ان کے ایمان نہ لانے بلکہ اگر قیامت کے عذاب کا مشاہدہ کر کے دنیا میں واپس ہونے کی آرزو کریں اور ایمان لانے کا وعدہ کرنے پر واپس بھی

کر دیے جاویں پھر بھی ایمان نہ لانے کا ذکر ہو چکا تو اب ان کے خسارہ کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً انہوں نے خسارہ پایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ہے (یعنی باوجود یکہ بعث اور حشر اور حساب پر ایسے براہین و شہادات اور نشانات پائے ہیں کہ جن سے یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے پھر بھی انہوں نے نہ خداوند تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کا لحاظ کیا اور نہ اس عذاب عظیم کا کچھ خیال کیا اور ان سب باتوں سے دیدہ و دانستہ انکار کر دیا۔ سو انکار کی وجہ سے وہ بڑے گھاٹے میں پڑے ہیں کہ تھوڑی سی قومیت یا خسیس سے دنیوی فوائد یا ناپاک ہٹ اور خودی اور تکبر کی وجہ سے اس دائمی زندگی کے آرام اور عزت و آبرو کو دیدہ و دانستہ ہاتھ سے دے دیا اور بجائے اس دائمی سکہ کے عذاب عظیم اپنے ہاتھ سے اپنے لئے سہیڑ لیا۔ اور پھر دنیا میں بھی بجائے ان فضلوں کے جن کا اتباع سید الرسل کے لئے وعدہ کیا گیا تھا۔ اپنے لئے رسوائی اور تباہی حاصل کی۔

لقاء اللہ کی وضاحت

مفسرین میں سے بِلِقَآءِ اللّٰہِ کے معنے بِلِقَآءِ جَزَاءِ اللّٰہِ کیے ہیں۔ یعنی انہوں نے اللہ سے پہلے مضاف اَعْنِیْ جَزَاءٌ کو مقدر مانا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ لِقَآءِ اللّٰہِ بعث وغیرہ سے استعارہ ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ اور حسن سے مروی ہے کہ آپ نے لِقَاءِ وَعْدِ اللّٰہِ معنے کئے ہیں تو اس صورت میں بھی مضاف مقدر ہوا لیکن وہ لفظ وعدہ ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں البتہ ملاقات اسی حساب و کتاب کے لئے ہے اور وہی اس سے مراد ہے، اور یہ بتانے کے لئے کہ اس خسارہ پر یہ لوگ خود بھی افسوس کریں گے۔ لیکن بے وقت فرمایا کہ) یہاں تک کہ جب ان پر وہ گھڑی (یعنی دنیوی پکڑ کی یا اخروی گرفت کی آئے گی) تو کہیں گے ہائے افسوس ہمارے اس (زندگی) میں قصور کرنے پر۔

فِیْھَا سے کیا مراد ہے

فِیْھَا سے ابن عباسؓ نے تو یہی دنیوی زندگی لی ہے اور حسن نے وہ ساعت لی ہے اور اس میں کمی کرنے کے معنے اس کے حقوق کی رعایت میں کمی کرنے کے لئے ہیں۔ اور بعض

نے اس سے جنت مراد لی ہے یعنی اس کے حاصل کرنے میں کمی کی ہے۔ اور بعض نے مَا کو موصولہ بمعنے اَلَّتِی لے کر اس سے اعمال لئے ہیں اور فِیْہَا کی ضمیر ان کی طرف پھیری ہے۔

دنیاوی واخروی حالتوں میں فرق

اور ان کا یہ افسوس کرنا اس حالت میں ہو گا کہ) وہ اپنی پیٹھوں پر اپنے بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ (یعنی اپنی بدیاں اور گناہ اور اس میں شک نہیں کہ احادیث سے نہایت کثرت کے ساتھ اس کا پتہ ملتا ہے کہ برزخ اور قیامت میں اعمال صالحہ اور بدیوں کے لئے خاص خاص صورتیں اور رنگ اور شکلیں دی جاویں گی۔

چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے جو ظالم شخص مرتا ہے تو قبر میں ایک شخص اس کے پاس آتا ہے۔ جو کہ نہایت بد شکل سیاہ رنگ نہایت بدبودار میلے کچیلے کپڑوں والا ہوتا ہے۔ تو وہ اس کو کہتا ہے کہ تو کیا ہی بد شکل ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ تیرے اعمال بھی ایسے ہی بد شکل تھے پھر کہتا ہے تو کیا ہی بدبودار ہے تو وہ کہتا ہے کہ تیرے اعمال بھی ایسے ہی بدبودار تھے پھر کہتا ہے کہ تیرے کپڑے کیا ہی میلے ہیں وہ کہتا ہے تمہارے اعمال بھی ایسے ہی میلے تھے۔ پھر اس سے دریافت کرتا ہے۔ کہ تو کون ہے تو وہ کہتا ہے۔ کہ میں تیرے عمل ہوں پھر وہ قبر میں اس کے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو وہ اس کو کہے گا کہ دنیا میں تو میں تجھ کو شہوات اور لذات پر سوار کرتا تھا اور اب تو مجھے اٹھائے گا تو پھر وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گا اور آخر دوزخ میں جاڈالے گا۔

(تفسیر در المنثور جلد 3 صفحہ 239 سورۃ الانعام، دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور اگر کسی کو یہ بات عجیب معلوم ہو تو کم از کم اس کو یہ خیال کر لینا چاہیے کہ اس جہان میں انسانی حواس اور آنکھیں بھی اور ہی ہوں گی۔ چنانچہ یہ فرق اس جہان میں بھی نظر آتا ہے کہ جن کو کشفی حواس ملتے ہیں وہ بہت سی چیزوں کو مختلف شکلوں اور رنگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں اور جن کو وہ نہیں دی جاتیں وہ باوجود پاس ہونے کے ان کو مشاہدہ نہیں کر سکتے بلکہ مشاہدہ کرنے والوں پر بعض اوقات تعجب اور انکار بھی کرتے ہیں۔ ہاں یہ بالکل سچ ہے کہ اس جہان کی چیزیں اس جہان کے حواس سے مشاہدہ نہیں ہو سکتیں اور اس میں کوئی

خرابی بھی نہیں ہے۔ اور ان بوجھوں کی برائی کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا کہ) دیکھو وہ کیا ہی برا ہے جو وہ اٹھاتے ہیں۔

قیامت کی خیر وشر کی عظمت

(اور پھر دنیا کے خیر وشر کے مقابلہ میں قیامت کی خیر وشر کی عظمت جتانے کے لئے فرمایا کہ) نزدیک زندگی تو لہو لعب ہی ہے۔ اور آخری گھر یقیناً ہی بہت بہتر ہے (پر اس کی بہتری بخلاف دنیا کے خاص) ان لوگوں کے لئے (ہے) جو کہ (کفر وشرک اور ہر ایک قسم کی بدی سے یا یوں کہو کہ خداوند تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے) بچتے ہیں۔ کیا (تم غفلت کو نہیں چھوڑتے اور سوچتے نہیں۔) پھر سمجھتے نہیں (یا پھر اپنے آپ کو روکتے نہیں۔ اور چونکہ مکذبین تکذیب پر اسی لئے جرأت کیا کرتے ہیں کہ غفلت کے باعث ان کا خیال اس طرف جاتا ہی نہیں کہ اس تکذیب میں نعوذ باللہ منہ خداوند تعالیٰ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور کہ اس کی سزا خداوند تعالیٰ دینے والا ہے بلکہ ان کے ذہن میں رسول ہی آیا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ نہایت بے باک اور شوخ ہو جاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ نے ان کو اس اصلیت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ان آیتوں کو اس کے بعد ذکر فرمایا جو کہ اپنے اسباب نزول کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے نازل کی گئی ہیں۔

ہادی کی محبت وشوق

اور میں نے بارہا بتایا ہے کہ اسباب نزول اور ترتیب وضعی اور ذکری میں عموماً فرق ہوا کرتا ہے۔ تو فرمایا کہ) یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ضرور ہی وہ تم کو رنج میں ڈالتا ہے جو کہ یہ کہتے ہیں۔ کیونکہ

اوّل تو ہادی کو سب سے زیادہ اس کا شوق ہوتا ہے کہ لوگ ہدایت قبول کریں۔

دوم خداوند تعالیٰ اور اس کی باتوں اور نشانوں کی اس کے دل میں بہت بڑی عظمت اور ان کی نسبت بہت بھاری غیرت ہوتی ہے اور ان کی تحقیر وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا۔

سوم اس کو بار بار یہی خیال آتا ہے کہ لوگ اس لئے شاید ہدایت نہیں پاتے کہ میری تبلیغ میں کوئی نقص ہے۔

چہارم اس کو یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ میں اپنا فرض منصبی نہیں پورا کر سکا کیونکہ یہ لوگ ابھی ہدایت پر نہیں آئے۔ تو فرمایا کہ) سو یہ یقیناً تیری تکذیب نہیں کرتے۔ بلکہ ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (یعنی نہ تیری تبلیغ میں کچھ کمی ہے اور نہ یہ ہدایت پانیوالوں سے ہیں کیونکہ حق کو خوب جانتے ہیں اور پھر دیدہ و دانستہ اس کا انکار کر رہے ہیں۔ اور اس حد کی شوخی ان کے ظلم پر ظلم کرنے کا نتیجہ ہے اور اس میں وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ تیری تکذیب کر رہے ہیں اور تم ان کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ یہ تو ایسے ظالم ہیں کہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کر رہے ہیں اور دیدہ و دانستہ ان کا انکار کر رہے ہیں لہٰذا خداوند تعالیٰ خود ان کو سزا دے گا جیسی کہ اس کے پہلے سے یہی سنت جاری ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ) اور تم سے پہلے یقیناً کئی رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے اپنی تکذیب اور اپنے اذیت پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری نصرت آئی۔ (پھر کیا تھا مکذب اور موذی تباہ ہوئے اور خدا کے برگزیدہ مظفر و منصور ہوئے اور اس سنت کے بیان میں ضمناً آنحضرت ﷺ کو نصرت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اور اس کے حتمی اور اٹل ہونے کو یوں بیان فرمایا کہ) اللہ کی پیشن گوئیوں کو کوئی بدلانے والا نہیں ہے (جیسا کہ اس کی اسی سنت مستمرہ سے ثابت ہوتا ہے لہٰذا فرمایا کہ) یقیناً تمہارے پاس رسولوں کا بیان آیا ہے۔ (جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ضرور ان کو اللہ کی نصرت ملتی رہی ہے اور ان کے مخالف ناکام اور وہ مظفر و منصور ہوتے رہے ہیں۔

نشانوں سے اعراض کی حقیقت

یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ تو اس صورت میں ہے کہ اگر آپ کا رنج ان کی تکذیب کی نسبت ہو لیکن اگر ان کے اعراض اور ایمان نہ لانے کے باعث ہو تو اس کی نسبت فرمایا کہ) اگر تم پر ان کا اعراض کرنا گراں گذرا ہے۔ (کہ وہ ایمان نہیں لاتے اور ان کے منہ مانگے نشان دکھائے جاتے تو شاید وہ ایمان لے آتے۔) تو اگر تم طاقت رکھتے ہو کہ زمین میں کوئی بِل تلاش کر و یا آسمان میں کوئی سیڑھی پھر ان کے پاس کوئی نشان لے آؤ۔ (تو وہ پھر بھی ایمان نہ لاویں گے۔ کیونکہ جو نشان ان کو بتائے گئے ہیں وہ حق کے پہچاننے کے لئے کافی تھے تو جب انہوں نے حق کو پہچان کر پھر بھی تکذیب کی ہے اور

گستاخ ہو کر خود تجویز کردہ نشان مانگے ہیں۔ تو یہی ان کی محرومی کا نشان ہے اور یہی الٰہی منشاء معلوم کرنے کی بین امارت تھی۔

ہدایت دینے کا خدائی قانون

اسی لئے فرمایا کہ) اگر اللہ چاہتا (اور وہ تب چاہتا کہ یہ لوگ اپنے خبث و تکبر اور بغض و عناد سے خود بخود اس کے اٹل قانون کے مطابق محروم الہدایت نہ ہو چکے ہوتے سو اب اس قانون کے مطابق وہ اپنے اختیار سے تو ایمان نہ لاسکتے تھے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اپنے قانون کے خلاف ان کی ہدایت نہیں چاہی۔

ہاں وہ اس پر بھی قادر تھا کہ اگر وہ چاہتا تو جبراً اور بے اختیار ان کو ہدایت دے دیتا لیکن اس صورت میں ایمان لغو ہوتا اور خداوند تعالیٰ لغو کام کو نہیں چاہتا۔ ہاں اگر چاہتا) تو ضرور ہی ان کو ہدایت پر جمع کر دیتا (پس باوجود ایسے زبردست اور بیّن نشانات کثرت کے ساتھ دیکھنے اور حق کی شناخت ہو جانے کے پھر بھی ہدایت نہ پانا اس کی دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی ہدایت نہیں چاہی اب جبکہ ان کی یہ حالت ہے تو کیا خداوند تعالیٰ کے برگزیدہ رسول کو جو کہ زمین پر الٰہی منشاء پورا کرنے میں خلیفۃ اللہ ہے ایسے عنادی اور ضدی جاہلوں کے ایمان کی حرص و طمع اور امید رکھنی چاہیے یا نہ تو فرمایا کہ) لہٰذا تم ان جاہلوں سے (ہدایت پانے کے امیدوار) ہرگز نہ ہو۔

(اس میں شک نہیں کہ مِنْ وغیرہ جن کو نحو کی اصطلاح میں حرف جر کہتے ہیں ان کے معنے اور ان کے متعلق مقام اور سیاق و سباق کے مناسب ہی لیے جایا کرتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس کے ماقبل ان کے ایمان لانے کی حرص اور بڑھے ہوئے شوق کا ذکر ہے اور پھر ان کے ایمان سے ناامید کیا گیا ہے لہٰذا فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ کے یہاں پر یہی معنے مناسب ہیں جو ہم نے کیے ہیں نہ یہ کہ تم جاہل لوگوں سے نہ بنو۔

کفار کے ایمان نہ لانے کی وجہ

اس کے بعد اس کی وجہ بیان کرنے کے لئے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے؟ فرمایا کہ) قبول تو وہی کرتے ہیں (یا جواب وہی دیتے ہیں۔) جو کہ سنتے ہیں (یہ تو بالکل ظاہر ہے البتہ یہ

بات کہ پھر یہ تو کان رکھتے ہیں اور بظاہر نہ بہرے ہیں اور نہ ان کے کانوں میں کسی قسم کی گرانی معلوم ہوتی ہے تو پھر کیوں نہیں سنتے۔ تو اس کا جواب آگے آتا ہے اور اس کی وجہ کہ قبول کرنے اور جواب دینے کے لئے تو اَجَابَ یُجِیْبُ اِجَابَۃٌ آتا ہے تو یُجِیْبُ کی جگہ یَسْتَجِیْبُ کیوں فرمایا جو کہ طلب جواب کے معنے دیتا ہے تو اس کی وجہ بہت ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ باب طلب پر دلالت کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب کوئی جواب دے گا یا قبول کرے گا اور اپنے اختیار سے کرے گا تو پہلے اس میں ارادہ اور مشیت اس کی پیدا ہو گی اور جب وہ پختہ ہو جاوے گی تو تب وہ جواب دے گا تو وہ ارادہ اور اس کی طلب بھی انہی میں پیدا ہوتی ہے جو کہ سنتے ہیں۔ اور یہ سننے کے قابل ہی نہیں کیونکہ) مردوں کو اللہ اٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جاویں گے۔

روحانی مردہ کا علاج

(یعنی یہ عنادی کافر روحانی مردہ ہیں سو جس طرح جسمانی مردے نہیں سن سکتے اسی طرح روحانی مردے بھی حق اور روحانی باتوں کے سننے کے ناقابل ہو جاتے ہیں سو ان کا اور کوئی ذریعہ نہیں بجز اس کے کہ قیامت کے دن جب اٹھائے جاویں اور اپنے مالک کے آگے پیش ہو کر ان پر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ مرضیں اور ناپاکیاں تمہاری اپنی حاصل کی ہوئی ہیں تو پھر آگ اور زقوم اور حمیم وغیرھا کے ساتھ ان کا علاج کیا جائے اور اسی کی طرف ثُمَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان کے مردہ پن کے دکھانے کے لئے فرمایا کہ) انہوں نے کہا کیوں اس پر کوئی نشان اس کے رب کی طرف سے نہیں نازل کیا جاتا۔

بیّن نشانات سے انکار کی وجہ

(یعنی باوجودیکہ ہزاروں بیّن ترین نشان دکھائے گئے ہیں جو کہ اپنی کمیت و کیفیت اور شان و عظمت کے لحاظ سے پہلے کسی نبی اور رسول کو نہیں ملے پھر بھی یہ لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ اس پر کیوں کوئی نشان اپنے رب کی طرف سے نہیں نازل کیا جاتا جس کی طرف سے بھیجے جانے کا یہ دعویٰ کر رہا ہے اور یہ ان کے مردہ ہونے کی پختہ علامت ہے۔ اور مفسرین نے آیت

سے آیت ملجئتہ مراد لی ہے۔ یعنی وہ مطلق آیت کی نسبت یہ نہیں کہہ رہے بلکہ خاص وہ آیت چاہتے ہیں جو کہ ان کو اسلام لانے پر مجبور اور مضطر کر دے۔ لیکن جس طرح یہ لفظوں سے بعید ہے بلکہ از خود ایک قید ایزاد کرنا ہے اسی طرح یہ اس مقام سے بھی بعید ہے۔

نشان دکھانے میں ایمان بالغیب کی حد ضرور ملحوظ ہوتی ہے

تو اس کے جواب میں فرمایا کہ تم کہو کہ یقیناً اللہ تو نشان نازل کرنے پر قادر ہے۔ ولیکن اکثر ان میں سے جانتے نہیں۔ (یعنی خداوند تعالیٰ نے جس طرح پہلے نشان نازل فرمائے ہیں اسی طرح وہ اب بھی نازل کر سکتا ہے۔ لیکن وہ تو جو نشان نازل کرے گا اس میں ایمان بالغیب کی حد ضرور ملحوظ ہو گی تو پھر جس طرح تم نے پہلے نشانوں کو نہیں مانا اسی طرح ان کو بھی نہ مانو گے اور اگر تم اس قسم کا نشان چاہتے ہو جس میں کسی طرح کا خفاء اور کسی چون وچرا کی گنجائش باقی نہ ہو اور سورج کی طرح جس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہ ہو تو اس پر بھی وہ قادر ہے لیکن پھر نہ ایمان کا کچھ فائدہ ہو گا اور نہ پھر تم کو کسی قسم کی مہلت مل سکے گی۔ اسی طرح اگر مجبور کرنے والا نشان مطلوب ہے تو پھر بھی وہ اس پر قادر ہے پر تم نہیں جانتے کہ نہ اس ایمان پر کوئی ثمرہ مرتب ہو گا اور نہ ایسے نشانوں کا بتانا تمہارے لئے مفید ہو سکتا ہے۔

اَکْثَرَھُمْ کہنے کی وجہ

اور اَکْثَرَکُمْ کی بجائے اَکْثَرَھُمْ کہنے میں ایک تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جہالت میں ایسے بڑھ گئے ہیں کہ اب خطاب کے لائق ہی نہیں رہے۔ دوم اس میں چونکہ ان کو جاہل کہنا تھا اور حسن خطاب کا یہی طریق ہے کہ سخت بات کے ساتھ خطاب نہ کیا جائے اس لئے اَکْثَرَھُمْ فرمایا۔

کفار کو مال واسباب اور آرام و آسائش ملنے کی وجہ

تو اب یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جب یہ لوگ ایسے مردہ ہو گئے اور الٰہی منشاء کے بالکل دور جا پڑے ہیں اور وہ ان پر سخت ناراض ہے تو پھر ان کو دنیا کا مال و اسباب اور آرام و آسائش کی چیزیں کیوں مل رہی ہیں۔ جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح دنیوی

آسائش ورہائش میں کوئی فرق نہیں اسی طرح قیامت کو بھی کوئی نہ ہو گا۔ تو اس کے جواب میں فرمایا کہ زمین میں جو چلنے والی چیز ہے یا پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہے تمہاری ہی مانند وہ بھی گروہ ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں کی۔ پھر وہ اپنے رب کے پاس جمع کئے جاویں گے۔ (یعنی پرندوں اور چلنے والے جانداروں اور انسانوں میں باوجود یکہ بہت بڑا فرق ہے پھر بھی اس کی ربوبیت سب پر ایسی محیط ہے کہ جس طرح وہ تمہارے لئے تمہاری تربیت کے اسباب وضروریات وغیرہ دیتی ہے اسی طرح ان کو بھی دیتی ہے اور کوئی فرق نہیں کرتی ہاں فرق اس وقت ہو گا جب اپنے رب کے پاس جمع ہونگے۔

رحیمیت اور ربوبیت میں فرق

تو پھر چونکہ وہاں پر محض رحیمیت کا ظہور ہو گا اس لئے جو اس سے فیض حاصل کرنے کے قابل ہونگے وہ حاصل کریں گے اور جو نہ ہونگے وہ نہ کریں گے۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی حال ہے کہ اس عالم میں چونکہ رحیمیت کے مقابلہ میں ربوبیت کا دائرہ بہت وسیع اور اس کا اثر بہت واضح ہے۔ اس لئے اس میں ہر قسم کے انسان ربوبیت کا یکساں فیض حاصل کر رہے ہیں پر اپنے رب کے پاس جمع ہونے کے بعد چونکہ رحیمیت کا دورہ ہو گا اس لئے وہاں پر ضرور فرق نمایاں ہو گا۔

روحانی زندوں اور مردوں میں فرق

اسی طرح اس سے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ باوجود چرند و پرند اور انسانوں میں مناسب حال تربیت اور ضروریات کے مہیا کرنے اور دینے میں فرق نہ ہونے کے پھر بھی ان میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے اور کبھی کوئی ایک انسان اور بیل اور کتے کو برابر نہیں خیال کر سکتا ہے اور نہ کوئی انسان اپنی ان کے ساتھ تبدیلی پسند کر سکتا ہے۔

سو اسی طرح روحانی زندوں اور مردوں میں بھی گو جسمانی تربیت اور ضروریات کے مہیا کرنے اور دینے میں کوئی فرق نہ نظر آئے پھر بھی ان میں وہ فرق ہے جو کہ ایک انسان اور بیل اور کتے میں ہے۔ اور اس فرق کا پورا ظہور اور امتیاز حشر کے بعد ہو گا۔ اور جب ان کے مردہ ہونے کی حیثیت میں محروم الہدایت ہونا بیان ہو گیا۔

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا.... کی ایک اور تفسیر

تو اب ایک اور طریق سے اسی کو بتایا جاتا ہے کہ) جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے۔(وہ اپنے اس تکبر اور عناد کی وجہ سے (کہ جس کے سبب سے انہوں نے باوجود حق کو پہچان لینے کے پھر بھی حق سے انکار اور نشانوں کی تکذیب کا فیصلہ کر لیا ہے۔) اب حق کو قبول کرنے کے بالکل قابل نہیں رہے کیونکہ اس کے تین ہی تو طریق اور ذریعے ہیں نمبر 1 کان۔ نمبر 2 زبان۔ نمبر 3 آنکھ اور یہ تینوں ضائع کر چکے ہیں کیونکہ یہ لوگ) بہرے اور گونگے اندھیروں میں ہیں (ایک اندھیرا تو رسم ورواج اور الف وعادت کا ہے۔ دوسرا تکبر۔ تیسرا عناد شدید۔ چہارم قومیت۔ پنجم مال وجاہ کا بے حد شوق۔ اور حق تو یہ تھا کہ یہ تین جدا جدا ان کے حالات تھے سو جس طرح پہلے دو حالوں کو واو عطف کے ساتھ ذکر کیا تھا اسی طرح تیسرے کو بھی واو کے ساتھ لایا جاتا لیکن چونکہ واو کے ساتھ ذکر کرنے سے یہ تینوں جداگانہ اور ایک دوسرے کے مقابل معلوم ہوتے تھے جیسا کہ واو کا مقتضی ہے اور یہاں پر یہ سمجھانا مقصود تھا کہ یہ تیسری حالت ان پہلی دو حالتوں سے کوئی جدا اور ممتاز نہیں ہے بلکہ وہ دونوں اس میں موجود ہیں اس لئے واو ترک کر کے ایسے طور پر ذکر کیا ہے جیسی کہ ظرف مذکور ہوا کرتی ہے۔ اور بالآخر یہ بتانے کے لیے کہ اب ان پر گمراہی کا فتویٰ لگ چکا ہے فرمایا کہ) اللہ جس کو چاہتا ہے اس پر گمراہی کا حکم لگاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو سیدھے راستہ پر کر دیتا ہے (بالآخر اصل مسئلہ یعنی غیر اللہ کے ولی بنانے کے ابطال پر فطرتی شہادت بتانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو بتاؤ تو سہی کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آجائے یا وہ گھڑی آجائے تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو (یعنی ہرگز نہ پکارو گے) بلکہ خاص اسی کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو وہ اس کو دور کرے گا جس کی طرف تم اس کو پکارتے ہو اور تم ان کو بھول جاؤ گے جن کو شریک بناتے ہو۔ (یعنی مصیبت کے وقت ضرور انسان باقی سب کو عاجز اور بے کار سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے اور ایک وحدہ لاشریک ہی کو پکارتا ہے اور اس کا ہر ایک کو تجربہ ہے اور یہی اس پر فطرتی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا دوسرا کوئی ولی نہیں ہے)

آیت 43 تا 51: وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡبَاۡسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمۡ یَتَضَرَّعُوۡنَ۔ فَلَوۡ لَاۤ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَا تَضَرَّعُوۡا وَ لٰكِنۡ قَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ مَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔ فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖ فَتَحۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَبۡوَابَ كُلِّ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوۡا بِمَاۤ اُوۡتُوۡۤا اَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً فَاِذَا هُمۡ مُّبۡلِسُوۡنَ۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَ اَبۡصَارَكُمۡ وَ خَتَمَ عَلٰی قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَیۡرُ اللّٰهِ یَاۡتِیۡكُمۡ بِهٖ اُنۡظُرۡ كَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ ثُمَّ هُمۡ یَصۡدِفُوۡنَ۔ قُلۡ اَرَءَیۡتَكُمۡ اِنۡ اَتٰىكُمۡ عَذَابُ اللّٰهِ بَغۡتَةً اَوۡ جَهۡرَةً هَلۡ یُهۡلَكُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ وَ مَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ فَمَنۡ اٰمَنَ وَ اَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ وَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا كَانُوۡا یَفۡسُقُوۡنَ۔ قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَكُمۡ اِنِّیۡ مَلَكٌ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

اُمَمٌ۔ اُمَّةٌ کی جمع ہے جس کے بہت سے معانی بارہا گذر چکے ہیں۔

بَاۡسَآءُ۔ فقر۔ ضَرَّآءُ۔ بیماری۔

یَتَضَرَّعُوۡنَ۔ تَضَرُّعٌ سے ہے عاجزی اور فروتنی کرنا۔

بَأْسٌ۔ جنگ اور عذاب۔

قَسَتْ۔ قَسْوَۃٌ سے ہے سخت ہونا۔

نَسُوْا۔ نِسْیَانٌ سے ہے بھولنا اور ترک کرنا۔

اَبْوَابٌ۔ بَابٌ کی جمع ہے۔ دروازہ۔

مُبْلِسُوْنَ۔ اِبْلَاسٌ سے ہے جس کے معنے حزن۔ حسرت۔ یاس اور سکوت اور چہرہ کے متغیر ہونے کے ہیں۔

دَابِرٌ کے معنے آخر اور اصل اور جڑھ کے ہیں۔

یَصْدِفُوْنَ۔ صَدْفٌ اور صُدُوْفٌ سے ہے جس کے معنے اعراض اور انحراف اور اونچے محل کے ہیں۔

ترجمہ:

اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف بھیجے ہیں پھر ہم نے ان کو مفلسی اور بیماری کے ساتھ پکڑا تا ہو کہ وہ تضرع کریں۔ سو جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا تو کیوں انہوں نے تضرع نہ کی و لیکن ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے لئے ان کاموں کو خوب صورت کر دکھایا جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ تو جب وہ اس کو بھول گئے کہ جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر ایک چیز کے دروازے کھول دیے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے ساتھ خوش ہو گئے جو ان کو دیا گیا تھا تو اچانک ہم نے ان کو پکڑا پھر تو فوراًوہ ناامید تھے۔ پھر ان لوگوں کی جڑھ کاٹی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا۔ اور سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ جہانوں کا رب ہے۔ تم کہو بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور بینائی کو لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون متصرف ہے کہ وہ اس کو تمہارے پاس لائے۔ تم دیکھو کہ کس طرح ہم پھیر پھیر کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں اور پھر (بھی) وہ پھرتے ہیں۔ تم کہو کہ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک یا سامنے آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا بھی کوئی ہلاک ہو گا۔ اور ہم رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہی بھیجا کرتے ہیں۔ سو جو کوئی ایمان لایا

اور اس نے سنوار والے کام کیے تو نہ ان پر کوئی خوف رہا اور نہ وہ کڑتے ہیں۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو اس کے سبب سے عذاب پکڑے گا کہ وہ ہمیشہ حکم عدولی کرتے رہے ہیں۔ تم کہو کہ مَیں تم کو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مَیں غیب کو جانتا ہوں اور نہ مَیں تم کو کہتا ہوں کہ بے شک مَیں فرشتہ ہوں۔ مَیں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کہ میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ تم کہو کہ کیا اندھا اور خوب دیکھنے والا برابر ہیں۔ کیا (تم ایسا کہتے ہو) پھر سوچتے نہیں ہو۔

تفسیر:

جب یہ بیان ہوا کہ اگر تمہارے پاس عذاب یا وہ گھڑی آجائے تو تم اللہ کے سوا اور کسی کو نہ پکارو گے بلکہ تم اللہ ہی کو پکارو گے تو وہ اگر چاہے گا تو تم سے وہ دور کر دے گا جس کی طرف تم نے اس کو پکارا ہے اور جن کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو ان کو بھول جاؤ گے۔ اور اس سے طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور آپ کے ساتھ استہزاء اور شوخی کے برتاؤ سے مخالفین کو عذاب الٰہی سے نہ ڈرنا چاہیے کیونکہ آگے پیچھے جو چاہا کر لیا لیکن تکلیف آنے پر اکیلے خداوند تعالیٰ کو پکار کر اپنا پیچھا چھوڑا لیا۔

استہزاء کے عذاب کی حقیقت

تو اس سوال کے جواب یا یوں کہیے کہ اس خیال خام کی تردید کے لئے فرمایا کہ) یقیناً ہی ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف (رسولؑ) بھیجے ہیں۔ (اور انہوں نے اسی طرح ان کی تکذیب کی اور ان کے ذلیل اور تباہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی) تو ہم نے ان کو مفلسی اور دکھ کے ساتھ پکڑاتا ہو کہ وہ تضرع کریں (کیونکہ تکبر ہی عموماً حق سے روگردان کیا کرتا ہے تو جب انسان مصیبت زدہ ہو کر اپنے مولیٰ کے آگے عاجزی کرتا ہے تو علاوہ اس کے کہ وہ رحیم مولیٰ اس پر رحم کر کے عموماً بچالیتا ہے۔ انسان میں حق کی قبولیت کی استعداد بھی جلوہ گر ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی بد کرداریوں اور شوخیوں اور بڑائیوں سے اپنے پر فرد جرم لگوا چکے تھے لہٰذا) کیوں جب ہمارا عذاب ان کے پاس آیا تو انہوں نے تضرع نہ کی۔

بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کاموں کو ان کے لئے خوبصورت کر دکھایا جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ تو چونکہ یہ تکالیف کوئی سزا کے طور پر نہ تھیں بلکہ ان کی تذکیر اور اصلاح کے لئے تھیں اور انہوں نے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا لہٰذا وہ ختم ہو گئیں اور ختم ہو نے کے بعد پھر جو ان کی حالت ہوئی اس کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) جب انہوں نے اس کو چھوڑ دیا جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر ایک چیز کا دروازہ کھول دیا (یعنی جب انہوں نے افلاس اور دکھوں سے تضرع اور رجوع الی الحق نہ کیا تو بالمقابل اس کے ہم نے ان کو ہر ایک قسم کی آسائش کے اسباب دے دیئے تاکہ پوری پوری شوخی اور بے خوفی میں بڑھ کر جلد تر مورد عذاب بن جائیں۔ لیکن مفسرین نے مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ سے وہ احکام لئے ہیں جن کا شریعت میں ان کو حکم دیا گیا ہے لیکن مقام کے مناسب وہی ٹھیک ہے جو کہ ہم نے لکھا ہے۔

دَابِرَ الْقَوْمِ کی تفسیر

اس کے بعد فرمایا کہ) یہاں تک کہ جب وہ اس پر خوش ہوئے جو کہ ان کو دیا گیا تھا تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا تو پھر یکایک وہ ناامید تھے (یعنی باوجود پہلے تجربوں کے اس وقت انہوں نے خداوند تعالیٰ کو نہیں پکارا کیونکہ پکارنا تو امید پر مبنی ہوتا ہے، پر وہ تو اس وقت بالکل ناامید ہو گئے) تو ان لوگوں کی جڑھ کاٹی گئی جنہوں نے ظلم کیا تھا، (لہٰذا اور کوئی بھی اگر ایسا ظلم کرے گا تو ضرور اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بجائے دَابِرُهُمْ دَابِرُ الْقَوْمِ الخ فرمایا اور یہ بتانے کے لئے کہ گو وہ لوگ ان کے رشتہ دار ہی ہوتے ہیں جو باقی رہتے ہیں۔ یعنی متبعین رسل اور رشتہ داروں کو اپنے رشتہ داروں کی ہلاکت سے سخت رنج پہنچا کرتا ہے پر چونکہ وہ لوگ راضی بالقضا ہونے کے علاوہ الٰہی منشا کو دنیا میں قائم کرنے والے اور اس کو اپنا اہم ترین مقصد یقین کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی ہلاکت ان کے لئے رنج دہ نہیں ہوئی بلکہ ان کے لئے نہایت خوشی کا باعث ہوئی اور انہوں نے اس کو خداوند کریم کا عظیم الشان احسان خیال کیا۔

خدا تعالیٰ رب العالمین ہے

نیز یہ بتانے کے لئے کہ ان کی ہلاکت سے یہ لازم نہیں آتا کہ خداوند تعالیٰ رب العالمین نہ رہے اور خاص اتباع الرسل ہی کا رب ہو بلکہ چونکہ ان کی ہلاکت اس لئے ہوئی تاکہ یہ اصلاح عالم میں پھیل جائے اور اس کی روکیں اٹھ جائیں اس لئے ان کا ہلاک کرنا اس کا ثبوت ہے کہ وہ رب العالمین ہے۔ فرمایا کہ) سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جو کہ جہانوں کا رب ہے۔

عذاب الٰہی کا ردّ اور بچاؤ ممکن نہیں

(اور جب ان کی ہلاکت سے صاف صاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ جب کسی پر کوئی عذاب اتارنا چاہتا ہے تو پھر نہ کوئی اسکو ردّ کر سکتا ہے اور نہ ان کا کوئی بچاؤ ہو سکتا ہے۔ اس لئے موجودہ معاندین کو عبرت دلانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ تمہاری شنوائی اور آنکھوں کو لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون متصرف ہے کہ اس کو تمہارے پاس لائے۔ (یعنی کوئی نہیں اور خاص کر یہ سزا اس لیے ذکر فرمائی تاکہ اس میں ان کی اس حالت کی طرف اشارہ ہو کہ اب یہ لوگ کسی طرح سے حق کو نہیں پہچان سکتے۔ چنانچہ اسی بات پر متنبہ کرنے اور اس کا ثبوت دینے کے لئے فرمایا کہ) تم دیکھو کہ کس طرح ہم پھیر پھیر کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں پھر (باوجود اس کے) وہ اعراض کرتے ہیں۔

عذاب الٰہی سے کون لوگ ہلاک ہوتے ہیں

(پھر اس بات کے بتانے کے لئے کہ ہم جو اس قدر کوشش کر رہے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اگر الٰہی عذاب نازل ہوا تو اس میں رسول اللہؐ اور ان کے اتباع یا اور لوگ شریک ہوں گے بلکہ عذاب جب کبھی اترے گا تو اس کے ساتھ خاص شریر ہی ہلاک ہوں گے۔ فرمایا) تم کہو کہ بتاؤ تو سہی کہ اگر اللہ کا عذاب اچانک (بدوں کسی خبر و پتہ کے) یا سامنے سے تمہارے پاس آیا تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک کیا جاوے گا (ہر گز

نہیں بلکہ خاص ظالم ہی ہلاک کئے جاویں گے۔ اور الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ کو اس ہلاکت کی وجہ بتانے کے لئے ذکر فرمایا ہے ورنہ یہاں پر تو اِلَّآ اَنْتُمْ کہنا مناسب تھا۔

اور اس کا فلسفہ بتانے اور نیز اس کو سنت مستمرہ قرار دینے کے لئے فرمایا کہ) ہم تو رسولوں کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بھیجا کرتے ہیں (یعنی ہر ایک رسول مبشر اور منذر ہوا کرتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ) جو ایمان لایا اور اس نے اصلاح کی ان پر تو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ کڑھتے ہیں اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان کو اس سبب سے عذاب پکڑے گا کہ وہ ہمیشہ حکم عدولی کیا کرتے تھے (اور چونکہ وہ شریر لوگ ان باتوں کو رسول اللہؐ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور اس کا ان کو کچھ خیال نہ آتا تھا کہ ان امور کا کرنے والا خداوند تعالیٰ ہے اور وہی اپنے رسولؐ کی معرفت ان کی خبر دیتا ہے۔ تو ان کے خیال کی تردید اور اصلیت پر اطلاع دینے کے لئے نیز جب ان کو رسول اللہؐ کے مبشر اور منذر ہونے کی خبر دیجاتی تھی تو وہ اس کے وقوع میں جلدی کیا کرتے تھے تو اس کے جواب کے لئے بھی فرمایا کہ) تم کہو کہ مَیں تمہیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مَیں غیب کو جانتا ہوں اور نہ مَیں تم کو کہتا ہوں کہ مَیں فرشتہ ہوں (تا کہ مَیں اپنے ارادہ سے جو چاہوں کر لوں یا کم از کم تم کو اس کی خبر دے دوں کہ فلاں وقت ایسا ہو گا بلکہ) میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو کہ میری طرف وحی کیجاتی ہے (سو اس وحی کی وجہ سے مَیں الٰہی منشاء سے صحیح علم رکھتا ہوں اور تم لاعلم ہو اسی وجہ سے فرمایا کہ) تم ان کو کہو کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں (ہرگز نہیں) کیا (تم اس کو سنتے ہو) پھر سوچتے نہیں ہو۔

آیت 52 تا 56: وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ وَ كَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ۔ وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

لَا تَطْرُدْ۔ طَرْدٌ سے ہے جس کے معنے ہٹانے اور دھتکارنے کے ہیں۔

غَدٰوةٌ۔ چاشت کا وقت یا صبح سے دوپہر سے پہلے تک۔

عَشِيٌّ۔ زوال آفتاب سے بعد کا وقت

وَجْهٌ۔ منہ اور طرف۔

فَتَنَّا۔ فِتْنَةٌ سے ہے جس کے بہت سے معانی بار بار مذکور ہو چکے ہیں۔

تَسْتَبِيْنَ۔ اِسْتِبَانَةٌ سے ہے جو بمعنے ظہور ہے۔

مُجْرِمِيْنَ۔ مُجْرِمٌ کی جمع ہے جو کہ اِجْرَامٌ سے ہے جس کے معنے کاٹنے اور قطع تعلق کرنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور اس کے ساتھ ان کو ڈرا جو ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس جمع کئے جاویں گے کہ

ان کے لئے اس کے سوا نہ کوئی والی ہے اور نہ سفارش کرنے والا ہے تا ہو کہ وہ بچیں اور تم ان کو نہ ہانکو جو کہ اپنے رب کو اس کی توجہ چاہتے ہوئے صبح اور شام پکارتے ہیں۔ نہ ان کے حساب سے تم پر کوئی چیز ہے اور نہ تمہارے حساب سے ان پر کچھ ہے تا کہ تم ان کو ہانکتے۔ پھر تو تم ظالموں سے (قریب) ہو جاؤ گے۔ اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ساتھ مبتلا کیا تا کہ وہ کہیں کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان سے احسان کیا ہے۔ کیا اللہ شکر گذاروں کو سب سے بڑھ کر جاننے والا نہیں ہے۔

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آویں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تم ان کو کہو کہ تم پر سلام ہو۔ تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت مقرر کی ہے کہ تم میں سے جس نے جہالت کے ساتھ بدی کی پھر اس نے اس کے بعد رجوع کیا اور اصلاح کی تو یقیناً وہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں (تا کہ معلومہ فوائد حاصل ہوں) اور تا کہ قطع تعلق کرنے والوں کا راستہ کھل جائے۔

تفسیر:

سیاق سے تعلق

جب یہ بیان ہو چکا کہ یہ لوگ مردہ اور اندھے بہرے اور گنگ ہیں اور ہر گز حق کو نہ سنیں گے اور ایسے لوگوں کا انجام عذاب الٰہی میں گرفتار اور تباہ ہونا ہے اور اس سے طبعاً سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر تبلیغ کس کو کی جائے تو فرمایا کہ) تم اس (قرآن مجید) کے ساتھ ان کو ڈراؤ جو کہ اس سے ڈرتے ہیں کہ ہم اپنے رب کے پاس جمع کئے جاویں گے کہ ان کے لئے اس (ربّ العالمین) کے سوا نہ کوئی والی ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے۔

ڈرتے وہی ہیں جنہیں کچھ خدا کا خوف ہو

یعنی جو لوگ کچھ خوف خدا رکھتے ہوں اور جزا و سزا کے قائل ہوں وہ انذار کے قابل ہوتے ہیں اور ایسے لوگ ضرور بدیوں سے بچنے اور نیکیوں کے لئے کوشش کرنیوالے ہوتے ہیں پر چونکہ جہالت کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل ہو گئے ہیں کہ اللہ کے سوا بھی ان کے

کوئی والی ہیں اور ان کے لئے شفاعت کنندہ ہیں جو کہ ان کو سزا سے بچالیں گے اس لئے خوف خدا اور جزاو سزا کے قائل ہونے کا اثر ان پر بالکل ظاہر نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کا انذار اسی میں ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی ان کا والی ہے اور نہ ان کا کوئی سفارشی ہے۔

ہمارے مفسرین نے اس کو انذار کے نیچے داخل نہیں کیا بلکہ کہا جائے کہ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ۔ يُّحْشَرُوْٓا يَخَافُوْا کی ضمیر سے حال ہے اور اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ اس کے ساتھ ان کو ڈر اجو کہ یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ ہمارے لئے ہمارے رب کے سوا نہ کوئی والی ہے اور نہ کوئی سفارشی ہے اس سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس جمع کئے جاوینگے۔ اور ان معنوں سے یہ لازم آتا ہے کہ انذار انہی کے ساتھ مخصوص ہو جائے جو کہ پہلے موحد اور شرک کے نفی کرنیوالے ہوں۔ اور یہ صریح غلط ہے لہٰذا ٹھیک معنے وہی ہیں جو کہ ہم نے بیان کئے ہیں اور مفسرین والے معنے کسی طرح درست نہیں ہیں۔

کفار کے عذر

اور یہ عام قاعدہ ہے کہ جو لوگ دیدہ و دانستہ حق کو نہیں قبول کیا کرتے اور اتمام حجت ان پر ہو جاتا ہے تو وہ اپنے خیال میں ان ہونی اور نہایت مضر باتوں کو بطور عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ فلاں فلاں امر ہو جائے یا فلاں بات تم کر دو تو تب ہم اس کو قبول کریں گے اور بدوں اس کے ہم ہر گز اس کو قبول نہیں کر سکتے تو اس کے مطابق انبیاء کے مخالف عموماً ایک یہ عذر بھی کیا کرتے ہیں کہ چونکہ تمہاری اتباع رزیل لوگ ہیں اور ہم شریف اور معزز ہیں اس لئے ہم ان کی سوسائٹی میں شریک نہیں ہو سکتے تو اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے ساتھ ملیں تو ان رزیل لوگوں کو تم علیحدہ کر دو۔

اسی کے مطابق صنادید مکہ نے بھی آنحضرت ﷺ کو کہا تھا چنانچہ احمدؒ طبرانی نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ قریش کے سرداروں کی ایک جماعت آنحضرت صلعم کے پاس سے گذری اور آپ کے پاس اس وقت صہیب اور عمار اور بلال اور خباب اور اور ان جیسے چند

اشخاص تھے تو ان سرداروں نے کہا کہ اے محمدؐ تم تو ان لوگوں کے ساتھ خوش ہو اور اپنی قوم پر تم نے ان کو پسند کر لیا ہے۔ کیا اللہ نے ہمارے درمیان سے ان پر کوئی خاص فضل و احسان کر دیا ہوا ہے کیا ہم ان کے پیرو بنیں۔ سو تم ان کو دفع کر دو تب ہم تمہاری پیروی کر سکتے ہیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اسی طرح اور بہت سی روایتیں آئی ہیں۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، الجزء4، أبوا لکنود عن خباب، حدیث 3693، صفحہ 75، داراحیاء التراث العربی، 2002ء)

جن سے بحیثیت مجموعی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے ضرور یہ کوشش کی تھی کہ آنحضرت ﷺ ضعفاء مومنین کو اپنے پاس سے ہانک دیں اور ان کی معیت کو اپنے شریک نہ ہونیکی وجہ قرار دیا تھا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلعم نے ان ضعیف مومنوں کے علیحدہ کرنے کا قصد کر لیا تھا یا کفار سے وعدہ کر دیا تھا تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی پر یہ کسی طرح سے درست نہیں ہو سکتا۔ آپ گو اپنی قوم کے ایمان لانے کے بہت ہی شائق تھے پر جو ضعیف لوگ ایمان لا چکے تھے اور وہ بار ہا اپنے ایمانوں کی صداقت ثابت کر چکے تھے ان کی قدر و منزلت بھی آپ کے نزدیک کچھ کم نہ تھی۔ اور پھر آپ وحی الٰہی کے ماتحت چلنے والے تھے۔ معمولی امور میں بھی وحی کا انتظار کرتے تھے اور رضاء الٰہی ہر امر میں مد نظر رکھتے تھے۔ اور اس موقعہ پر بھی جب آپ نے منشاء الٰہی کا انکشاف چاہا تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ) تم ان لوگوں کو نہ ہانکو جو کہ اپنے رب کو صبح و شام اس کی توجہ چاہتے ہوئے پکارتے ہیں (اور یہ وہ وجہ ہے جس کے باعث سے وہ زیادہ قابل قدر اور مستحق معیت ہیں اور علاوہ اس کے تمہیں اس کا حق بھی حاصل نہیں ہے چنانچہ فرمایا کہ) نہ تو تجھ پر ان کے حساب سے کچھ ہے اور نہ تمہارے حساب سے ان پر کچھ ہے۔ (اور ان دونوں فقروں کے مجموعہ کا ماحصل محاورہ میں یہ ہے کہ ہر ایک اپنے نفس کا ذمہ وار ہے اور سب کا معاملہ خداوند تعالیٰ سے ہے اور کسی کو کسی پر کوئی حق نہیں کہ خداوند تعالیٰ کے ردّ اور قبول کرنے کے سواء ردّ اور قبول کرے۔ اور اسی سے دو فقرے لانے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے کہ یہاں پر پہلے فقرہ سے مطلب پورا ہو جاتا ہے اور دوسرا فقرہ زائد اور بے وجہ لایا گیا ہے۔ جس کا بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے

کہ تاکید اور مبالغہ کے لئے دوسرا فقرہ لایا گیا ہے۔ اور علّامہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ دونوں فقرے مل کر بمعنے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1](النجم:39) کے ہیں اور یہ دونوں فقرے نہی اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہیں جو کہ نکتہ مذکورہ کے بیان کے لئے لایا گیا ہے۔

ظالموں کا گروہ

اور چونکہ جس امر کا حق حاصل نہ ہو اس کا کرنا ظلم ہوتا ہے جس سے نبی اور رسول کو طبعاً نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ اسی ظلم کو عدل کے ساتھ تبدیل کرنے کے لئے مبعوث ہوا کرتے ہیں لہٰذا اس ہانکنے کا نتیجہ اور جواب یہ بتایا کہ) پھر تو تم ظالموں کے (یعنی مشرکوں کے کیونکہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ[2](لقمان:14) اور جو کہ یہ حق تلفی کرانی چاہتے ہیں کہ تم مؤمنوں کو ہانک دو۔ قریب اور ان کے ساتھ معیت رکھنے والے اور ان کے طرف دار اور ان کے جتھے سے) ہو جاؤ گے اور یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ تم ظالموں سے یعنی ظالموں کی جماعت اور گروہ سے ہو جاؤ گے۔ پر اس سے یہ ہر گز نہیں لازم آتا کہ نعوذ باللہ منہ آپ نے ان کو ہانکا یا ان سے ہوئے یا ایسا ہونا ممکن تھا کیونکہ نہ اس عبارت سے ایسا مفہوم ہوتا ہے اور نہ انبیاء معصومین کی شان اس کی قابل اور صالح ہوتی ہے لیکن باوجود اس کے پہلے معنے مجھے زیادہ پسند اور شان رسالت کے زیادہ موزون اور سوال وجواب سے بعید تر ہیں۔

غرباء وضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت اور کفار کا طعن

اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ بات انہی کفار کو بالخصوص پیش نہیں آئی بلکہ پہلے انبیاء کے مخالفین کو بھی یہ بات پیش آئی ہے اور یہ بھی نہیں کہ اتفاقاً ایسا ہوتا رہا ہے بلکہ ہم نے خود ارادۃً ایسا کیا ہے تاکہ دونوں گروہوں کی وہ مخفی حالت کہ جس کو ہمارے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا عالم ظہور اور مشاہدہ میں آجائے فرمایا کہ) اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ظاہر کر دیا ہے (جس طرح اس وقت غرباء وضعفاء کو سابق بالایمان اور کفار

[1]۔ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (تفسیر صغیر)

کو عزو شرف دنیوی میں فائق بنا کر ہم نے ہر ایک فریق کے مخفی نقص و کمال کو ظاہر کیا ہے اسی طرح ہم پہلے انبیاء کے وقت میں بھی غرباء وضعفاء کو سابقین بالا یمان اور کفار کو عزت و شرافت دنیوی میں فائقین بنا کر ان کے مخفی نقص و کمال کو ظاہر کرتے رہے ہیں کہ انبیاءؑ کے مخالفین عموماً اکابر اور دنیوی نظروں میں معزز ترین اور سابقین مومنین کے عموماً ضعفاء اور مساکین ہونے کی وجہ سے معاندین یہ کہتے رہے ہیں کہ اگر یہ ایمان کوئی عمدہ چیز ہوتی تو یہ لوگ کب ہم پر سبقت لے جاتے یا یہ کہ کیا ان ذلیل اور حقیر لوگوں کو خداوند تعالیٰ نے ہم پر چن لیا ہے اور خاص ان پر یہ فضل کر دیا ہے۔

اور کبھی یہ کہتے کہ تمہارے ساتھ یہ رزیل لوگ جمع ہو گئے ہیں لہٰذا ہم شریف لوگ ان کے ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ نہیں مل سکتے۔ اور مؤمنین کا یہ کمال ظاہر ہوتا کہ وہ دنیوی عظمتوں اور نعمتوں اور آراموں کو پاؤں کے نیچے کچل کر حق پر قدم جما لیتے تھے اور گاہے کسی ضعیف القلب اور ضعیف الایمان شخص کا یہ ضعف ثابت ہو جاتا کہ وہ ان اکابر کی عظمت سے دب جاتے یا ان کی نعمتوں اور آراموں پر للچاتے تھے چنانچہ یہاں پر ان معاندین کے نقص مخفی کو اس طور پر ظاہر فرمایا کہ) تاکہ وہ کہیں کیا یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیاں میں سے احسان کیا ہے (حالانکہ خداوند تعالیٰ نے ہر ایک امر میں ہم کو ان پر مقدم کیا ہے اور ان کو تمہارے ماتحت اور غلام بنایا ہے۔ یہ تو وہ معنے ہیں جو کہ مجھے پسند ہیں لیکن مفسرین میں سے اکثر محققین نے تو یہ کہا ہے کہ كَذٰلِكَ میں کاف جو حرف تشبیہ ہے وہ زائد ہے اور ذَا کا مشاراً الیہ مذکورہ فتن ہیں اور اس سے مراد فقط ان کا تحقق ہے اور بس۔

اور بعض مفسرین نے کاف کو تشبیہ کے لئے مانا ہے اور مشاراً الیہ فتن مذکورہ کو قرار دیا ہے جس سے ان پر یہ اعتراض پڑا ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ ایک ہی چیز ہوئی جو کہ جائز نہیں تو اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مشبہ تو وہ فتن ہیں جن پر کلام مذکور دلالت کرتا ہے اور مشبہ بہ بھی وہی فتن ہیں۔ لیکن اس حیثیت سے کہ ذہن میں وہ مقرر اور ثابت ہیں۔ اور یہ سب بے جا تکلف ہے اور اس اعتراض میں پڑنے کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے بَعْضُهُمْ کی ضمیر کا مرجع آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے معاندین ہی لئے ہیں نہ عام انسان۔ اور جب عام انسان مرجع ہوں تو پھر کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

اسی طرح امام رازیؒ نے کفار اور مؤمنین دونوں کا ابتلاء یہاں سے سمجھا ہے لیکن دوسرے مفسرین نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صحابہؓ کی شان اس سے ارفع تھی کہ وہ کفار کی دنیوی حالت پر رشک کرتے یا ان کے دل ان کی حالت راحت پر للچاتے لیکن ہم نے دونوں کی نسبت لیا ہے ہاں کامل مومنوں کی نسبت اظہار کمال ہے اور اظہار نقص خاص ضعیف الایمان لوگوں کی نسبت لیا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

مؤمنین میں ترجیح کی بنیاد ان کی شکر گزاری پر ہے

تو ان کے اس قول کا خداوند تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ) کیا اللہ شکر کرنے والوں کو خوب جاننے والا نہیں ہے (یعنی ان کی ترجیح کی بنیاد ان کی شکر گزاری پر ہے اور گو تم ان کی شکر گذاری سے ناواقف ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور جب ان کی ترجیح بوجہ ان کی شکر گذاری اور فرمانبرداری کے ہوئی تو پھر مومنوں کو اس کی خبر کرنی چاہیے تاکہ آئندہ وہ اور شکر گذاری کریں۔

انسان پر مصیبت اس کی اپنی کوتاہی سے آتی ہے

لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تم کہو کہ تم پر سلامتی ہے (اور ہو۔ یعنی کفار کی طرف سے ایک ایسی تحریک بڑے زور و شور سے ہوئی تھی کہ تم کو تمہارے مصلح اور خدا کے بعد سب سے زیادہ پیارے سے جدا کیا جائے لیکن خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو سلامتی تمہارے شامل حال ہے اس نے تم کو اس عظیم الشان مصیبت اور سخت ترین نقصان سے بچالیا۔ لیکن چونکہ یہ سچا اور دائمی اصول ہے کہ کوئی مصیبت انسان کو پیش نہیں آتی جب تک کہ خود اس سے کوئی قصور نہ ہو جائے اس لئے ضروری ہوا کہ ان کے لئے جو یہ مصیبت پیش آئی تھی اس کا بھی کوئی باعث ہو اور جب خداوند تعالیٰ نے باوجود اس باعث کے اس کو رفع و دفع کر دیا تو اس کا بھی کوئی سبب ہو۔

لہٰذا فرمایا کہ) تمہارے ربّ نے اپنی ذات پر رحمت مقرر کر دی ہے (کہ) ٹھیک بات

یہ ہے کہ جس کسی نے تم سے جہالت کے ساتھ بدی کی۔ پھر اس کے بعد وہ باز آیا اور اس نے اصلاح کی تو بے شک وہ (اللہ) بہت مغفرت کرنے والا بہت رحم کرنیوالا ہے۔

(یعنی ضرور نا سمجھی کی وجہ سے کوئی قصور ان سے سرزد ہوا۔ خداوند تعالیٰ چونکہ ستّار ہے اس لئے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ گو وہ اسی قدر ہو کہ آنحضرت ﷺ کی صحبت کی بے مثل نعمت جو ان کو محض فضل الٰہی سے ملی ہوئی تھی دنیا کے ضروری کاروبار میں مشغول ہونے کے باعث وہ اس کی ایسی قدر نہ کر سکے ہوں جس قدر کہ کرنی چاہیے تھی۔ اور یہ ان امور میں سے ہے جن کو شرعی اصطلاح میں ذنوب کہا جاتا ہے جن سے بتقاضاء بشریت انسان بچ نہیں سکتا گو ان کا خلاف یقیناً بہتر اور موجب ثواب کثیر ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا، سونا، صحبت کرنا یہ وہ امور ہیں کہ اگر انسان ان کے بالمقابل عبادت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول ہو اور جو وقت ان پر لگاتا ہے وہ عبادت وغیرہ میں لگائے تو یقیناً یہ بہتر اور موجب ثواب کثیر ہوتا لیکن بتقاضائے بشریت انسان ان کو بالکل ترک نہیں کر سکتا اسی طرح صحبت رسول اللہ کا حال ہے کہ گو اس میں سارا وقت لگانا اور اس سے ہر وقت فائدہ اٹھانا یقیناً دنیوی کاروبار میں مشغول ہونے سے بہت بہتر ہے لیکن بلحاظ بشریت ان کو بالکل ترک نہیں کر سکتا اور جب ان کو کرتا ہے تو نا سمجھی سے کسی قدر اس تناسب سے زیادہ دنیوی کاموں میں وقت صرف کرتا اور مشغول ہو جاتا ہے کہ جس تناسب سے بمقابلۂ صحبت رسول اللہ ﷺ ان کو وقت دینا چاہیے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حقیقت میں اس نعمت عظمیٰ کی بے قدری کو مستلزم ہے اور اس کی بے قدری موجب حرمان ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایک نعمت کی بے قدری اس سے محروم ہو جانے کو چاہتی ہے۔ سو اسی وجہ سے اس حرمان کی مصیبت پیش آنے لگی تھی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ تمہارے ربّ کو چونکہ تمہاری روحانی تربیت ہی منظور ہے نہ تمہاری تباہی اس لئے اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے پر اس رحمت اور فضل و کرم کو مقرر کر رکھا ہے کہ تم میں سے جو کوئی نا سمجھی سے کوئی قصور کرے اور پھر وہ اس سے باز آجائے اور باز آکر آئندہ کے لئے اس کی اصلاح بھی کر لے تو پھر وہ یقیناً اس کو مغفرت کر دے گا اور اسی قدر پر بس نہ کرے گا۔ بلکہ علاوہ مغفرت کے

اس پر رحم بھی کرے گا کیونکہ یہ اس کی صفات لازمہ میں سے ہے کہ وہ بہت مغفرت کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ اور اس کے بتانے کے واسطے کہ خیر ان سے قصور ہوا اور پھر کسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور جو مصیبت اس کی وجہ سے ان پر آنے لگی تھی اس سے ان کو بچا دیا لیکن اس کی کیا ضرورت تھی کہ اس کو کتاب میں بیان کرے۔

وَلِتَسْتَبِيْنَ کی تفسیر

فرمایا کہ) اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں (بہت سے فائدوں کے لئے) اور تاکہ قطع تعلق کرنے والوں کا رستہ کھل جائے۔ (یعنی ایسی باتوں کا بیان نہ تو قصہ کہانی کے طور پر ہے اور نہ احسان نمائی اور عیب شماری کے طور پر ہے بلکہ ہدایت اور بہت سے دینی فوائد کے لئے ہے اور پھر خصوصاً اس لئے تاکہ جو لوگ اپنے شامت اعمال کے باعث اپنے مولیٰ سے قطع تعلق کر کے تباہ ہوتے ہیں ان کا راستہ کھل جائے اور مومن ہمیشہ اس راستہ سے بچ سکیں اور اس میں شک نہیں کہ آپ بیتی اور چشم دید سے جو انکشاف اور عبرت اور یقین کامل حاصل ہو سکتا ہے وہ اور سے ہر گز نہیں ہوتا۔ اور قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے کہ ایک فعل کے بعد جو علت بیان کی جاتی ہے اس پر واؤ عاطفہ لائی جاتی ہے تو اس وجہ سے اس کی نحوی ترکیب اور نظم عبارت مشکل ہو جاتے ہیں۔ تو اکثر مفسرین اس سے پہلے ایک اور علت اپنی طرف سے مقدر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس مقدر پر عطف ہے اور چونکہ یہ پہلی عبارت سے خود ظاہر ہوتی تھی لہٰذا ذکر نہیں کی گئی۔ اور واؤ لا کر اس کے مراد ہونیکی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن محققین کا یہ خیال ہے کہ مقدر کوئی نہیں بلکہ اس فعل کے بہت سے نتائج اور آثار ہوتے ہیں جن میں سے ایک کا ذکر کرنا مقصود ہوتا ہے اور خالی ایک کے ذکر کرنے سے اختصاص کا وہم اور شبہ ہوتا تھا تو اس شبہ اختصاص کے رفع کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ علاوہ اس کے اور بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں وہ واؤ ذکر کرتے ہیں جو کہ کثرت پر دال ہوتی ہے اور اسی توجیہ کے مطابق ہم نے بھی وَلِتَسْتَبِيْنَ الخ کی تفسیر کی ہے)

آیت 57 تا 61: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ كَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ۔ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ۔ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ وَ هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ وَ یَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبْعَثُكُمْ فِیْهِ لِیُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

بَیِّنَةٌ۔ بَیَانٌ سے ہے جس کے معنے اس چیز کے ہیں جس کے ساتھ دوسری چیز خوب کھل جائے اور ثابت ہو جائے۔ اور امام راغب نے اس کے معنے دلالت واضحہ یا حجت فاصلہ بین الحق والباطل کے بھی قرار دیے ہیں۔ تب بَیِّنَةٌ بمعنے جدا کرنے کے ہو گا۔

تَسْتَعْجِلُوْنَ۔ اِسْتِعْجَالٌ سے ہے جو کہ عَجَلَةٌ سے بنا ہوا ہے۔ اور اِسْتِعْجَالٌ کے معنے ہیں جلدی چاہنی۔

یَقُصُّ۔ قَصٌّ سے ہے جس کے معنے ہیں بیان کرنا اور کسی کے آثار قدم پر اور پیچھے چلنا جیسا کہ سورۃ کہف میں آیا ہے کہ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا[1] (الکہف:65)

فٰصِلِیْنَ۔ فَاصِلٌ کی جمع ہے اور فَاصِلٌ۔ فَصْلٌ سے ہے جس کے معنی فیصلہ کرنے اور بیان کرنے کے ہیں۔

[1]۔ پھر وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ (تفسیر صغیر)

مَفَاتِح۔ مِفْتَحٌ کی جمع ہے جس کے معنے کھولنے کے آلہ کے ہیں جیسے چابی وغیرہ۔
یَتَوَفّٰی۔ تَوَفِّیٌ سے ہے جس کے معنے مفصل بیان ہو گئے ہیں اور یہاں پر بھی قبض روح ہی کے معنے ہیں۔ پر بِاللَّیۡلِ کے قرینہ سے یہاں پر اس سے قبض روح وقت النوم مراد ہے۔
جَرَحۡتُمۡ۔ جَرْحٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو زخم لگانے کے ہیں لیکن ابن عباسؓ اور قتادہؒ سے اس کے معنے کسب کے یہاں پر مروی ہیں اور اس صورت میں یہ جَوَارِحُ الطُّیُوۡر سے ماخوذ ہو گا یعنی جَوَارِحُ الطُّیُوۡر ان پرندوں کو کہا کرتے ہیں جو کہ شکاری ہوتے اور اپنی خوراک خود کماتے ہیں۔ سو اس وقت اس کے معنے کمانے کے ہوں گے۔

ترجمہ:

تم کہو کہ یقیناً میں اس سے منع کیا گیا ہوں کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ کہو میں تمہاری گری ہوئی خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا۔ تب تو میں یقیناً بہک گیا اور میں ہدایت یافتہ لوگوں سے نہیں ہوں۔ تم کہو کہ یقینا میں اپنے رب کی طرف سے کھلی شہادت پر ہوں اور تم نے اس کو جھٹلایا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں جس کی تم جلدی کرتے ہو۔ حکم تو اللہ ہی کے لئے ہے وہ حق کو بیان کرتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تم کہو کہ اگر میرے پاس وہ ہوتا کہ جس کو تم جلد چاہتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان اس امر کا فیصلہ کیا گیا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں ان کو وہی جانتا ہے اور وہ اس کو جانتا ہے جو کہ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے۔ اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں ہے اور نہ کوئی ہرا اور نہ خشک۔ مگر وہ کھلی (یا بیان کرنے والی) کتاب میں ہے۔ اور وہ وہ ہے جو کہ رات میں تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے اور وہ اس کو جانتا ہے جو کہ تم نے دن میں کمایا ہے۔ پھر وہ تم کو دن میں اٹھاتا ہے تاکہ مقرر شدہ تاریخ گذاری جائے۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ پھر وہ تم کو ان کاموں سے آگاہ کرے گا جو کہ تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر:

مشرکین کی آرزو پر خدا تعالیٰ کا اطلاع دینا

جب مشرکین کی اس آرزو کی نسبت کہ "نبی کریم ضعفائے اہل اسلام کو دھتکار دیں تو تب شاید وہ آپ کے ساتھ مل سکیں اور جب تک وہ جدا نہیں کئے گئے تب تک وہ ہر گز نہیں مل سکتے۔" خداوند کریم نے آنحضرت ﷺ کو یہ بتا دیا کہ ان کو مت جدا کرو کیونکہ وہ شکر گذار لوگ ہیں۔ اور پھر یہ کہہ کر کہ اِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[1] الخ(الانعام:55)اس امر کی مومنوں کو اطلاع بھی کر دی کہ جس کی وجہ سے یہ مصیبت ان پر ٹوٹی تھی تو اب ان مشرکین کے جواب اور ان کے ناامید کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ یقیناً مَیں اس سے منع کیا گیا ہوں کہ میں ان کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو(یعنی تمہارا مومنوں کو علیحدہ کرانا اس وجہ سے نہیں جس کو تم ظاہر کرتے ہو کہ پھر ہم تم سے مل سکیں گے یعنی مومن مسلمان ہو جاویں گے بلکہ اس امید پر ہے کہ پھر محمدؐ کو ہم اپنے تابع کر لیں گے۔ تو اس کی نسبت ان کو بتایا کہ اہم ترین اختلاف تو ہمارے اور تمہارے درمیان شرک و توحید اور غیر اللہ کی عبادت اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے سو اسکی نسبت پہلی تو یہ بات ہے کہ میں اس سے روکا گیا ہوں۔ اور خداوند تعالیٰ کی ممانعت کے بعد تو کسی طرح سے میں اس میں تمہارا متبع اور تمہارا ساتھی ہر گز نہیں ہو سکتا۔

رہی اور باتیں تو ان کی نسبت فرمایا کہ) تم کہو میں تمہاری گری ہوئی خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا(اور نہ کرونگا۔یعنی جن باتوں کی طرف تم بلاتے ہو یا جن پر تم ہو نہ تو وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور نہ عقل ہی ان کو چاہتی ہے اور نہ ان کے لئے کوئی سند اور دلیل ہے بلکہ وہ محض تمہارے نفسوں کی خواہشیں ہیں اور نفس سفلی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سفلی اور گری ہوئی باتیں چاہا کرتا ہے۔ تو باوجود اس کے اگر میں پھر بھی تمہاری گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کروں

[1]۔جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تو(انہیں) کہہ تم پر ہمیشہ سلامتی ہو۔ تمہارے رب نے اپنے آپ پر(تمہارے لئے) رحمت کو فرض کر لیا ہے۔(تفسیر صغیر)

تو) یقیناً تب میں گمراہ ہوا اور میں ہدایت پانیوالوں سے نہیں ہوں (کیونکہ دین میں تو بجز الٰہی رہنمائی کے جو راستہ لیا جاوے وہ گمراہی ہے اور دنیوی کاموں میں عقل کو بھی دخل ہے۔

رسول اللہؐ خود ہادی ہیں

لیکن تم جس طرف بلاتے ہو وہ دونوں سے خالی ہے پھر اس کو اختیار کرنا صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے اور میں اوروں کو گمراہی سے بچانے میں لگا ہوا ہوں چہ جائیکہ میں خود ہی اس کو اختیار کروں یعنی ایسا کرنا میری فطرت اور طبیعت کے بالکل متضاد ہے اور پھر میں تو دوسروں کے لئے ہادی بن کر آیا ہوں تو کیا ایسی گمراہی اختیار کرنے پر میں ہادی تو کیا خود ہدایت یافتہ بھی نہیں رہتا لہٰذا تمہاری مجھ سے یہ امید رکھنی اجتماع ضدین کی امید رکھنا اور محض غلط اور لغو ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ میرا ہادی ہونا اگر یونہی بھی ہوتا تو بھی تمہاری گری ہوئی خواہشوں کا تابع ہونا اس کے صریح منافی تھا۔ چہ جائیکہ میں تو اس کا نہایت کھلا کھلا ثبوت رکھتا ہوں اور علیٰ وجہ البصیرت ہادی ہوں فرمایا کہ) تم کہو کہ یقیناً مَیں کھلے ثبوت پر ہوں اپنے رب کی طرف سے (یعنی یہ خالی میرا دعویٰ ہی نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ہدایت دے کر لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے اور نہ یہ کہ کسی ظنی امر سے مجھے ایسا خیال پیدا ہو گیا ہے بلکہ جس ربّ نے مجھے بھیجا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے اس کی کھلی کھلی شہادتیں بھی قائم کر دی ہوئی ہیں۔

لیکن چونکہ بظاہر ان لوگوں کے مقابلہ میں یہ کہنا ٹھیک نہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ وہ تو صاف صاف انکار کرتے تھے کہ تم نے اب تک کوئی ثبوت نہیں پیش کیا اور نہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی شہادت تمہارے پاس ہے تو اس شبہ کو اٹھانے کے لئے فرمایا) اور تم نے اس کی تکذیب کی ہے (یعنی ان ثبوتوں اور شہادتوں کو تم خوب جانتے ہو اور ان کی تردید سے بالکل عاجز ہو لیکن باوجود اس کے محض عناد کے ساتھ ان کو جھٹلا رہے ہو۔ سو اب بھی گو تم ایسا ہی کہہ دو گے لیکن دل تمہارے اس کو خوب جانتے ہیں کہ میں اپنے رب کی طرف سے کھلے کھلے ثبوت پر ہوں تو پھر میں کس طرح تمہارے تابع ہو سکتا ہوں اور تم کس طرح میرے بہکانے کے لئے کوشش کر سکتے ہو تو جب ان کی تکذیب کا ذکر ہوا تو اس سے بالطبع یہ

سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر حضرت محمد صلعم سچے رسول ہیں اور ان کے پاس خداوند تعالیٰ کی شہادتیں ہیں اور کفار ان کو دیدہ و دانستہ جھٹلا رہے ہیں تو پھر ان کفار پر ضرور عذاب نازل ہونا چاہیے تھا وہ کیوں نازل نہیں ہوتا۔

عذاب جلدی نہیں آتا:

تو اس کے جواب کے لئے فرمایا کہ) میرے پاس وہ (عذاب) نہیں ہے جس کو تم جلد چاہتے ہو (یعنی تکذیب پر عذاب ہونا تو ضروری ہے لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ فوراً ہی ہو جائے ہاں انسان چونکہ جلد باز ہے اس لئے تم اس کی جلدی چاہتے ہو۔ سو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتا تو بتقاضائے بشریت میں بھی اس کے دینے میں جلدی ہی کر دیتا لیکن وہ میرے قبضہ میں تو نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خداوند تعالیٰ کے علم میں یہی مقدر تھا کہ وہ اہل حق کے ہاتھوں سے ان مکذبین کو سزا دلائے گا جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہے تو اس صورت میں یہ کہنا کہ وہ عذاب میرے پاس نہیں اخیر میں جا کر غلط ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ عذاب قتل ہی ٹھہرا تو آپ کے پاس ہی ہے تو اس کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) حکم تو اللہ ہی کے لئے ہے (نہ اس کی اجازت کے سوا ہم کر سکتے ہیں اور نہ اس کے حکم کے سوا ہمارے کرنے سے کچھ ہو سکتا ہے۔

اب یہ سوال وجوابات تو ہوئے پر ان سے یہ مشکل پیش آتی ہے کہ کلام الٰہی میں تو اصول ہدایت ہونے چاہئیں نہ یہ کہ خاص لوگوں کے متعلق سوالات اور جوابات درج کئے جاویں تو اس کے رفع کرنے کے لئے اور نیز انسان کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی قصہ یا واقعہ عبرت وغیرہ کسی اہم ترین فائدہ کے لئے ذکر کیا جائے تو ان کی توجہ عموماً ان فوائد سے غافل ہو کر نفس قصہ اور واقعہ کے استماع کی طرف ہو جاتی ہے اور پھر سنانے والے حکیم کو بار بار اس فائدہ کی طرف ان کو متوجہ کرنا اور ان کی غفلت کو دور کرنا اور متنبہ کرنا پڑتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اصل مقصد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ سب سے اچھا بیان (یا فیصلہ) کرنے والا ہے (بتا دیا کہ اصل مقصد اظہار حق ہے۔ رہا یہ کہنا کہ بجائے اس کے اور طریق سے بیان کیا جاتا ہے سو وہ اللہ ہے جو کہ سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کمال کا

جامع ہے اور انسانی طبائع کا پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا وہ سب بیان کرنے والوں سے بہت بڑھ چڑھ کر اور بہت بہتر بیان کرنے والا ہے اس کی نسبت ایسا نہیں کہا جا سکتا۔

عذاب جلد مانگنا بلحاظ بشر ہونے کے ہے:

اور اس کی حکمت بتانے کے لئے کہ خداوند تعالیٰ نے اس عذاب کو اپنے پاس کیوں رکھا ہے اور اپنے رسول کے اختیار میں اس کو کیوں نہیں کیا اور نیز تاخیر عذاب میں جو خداوند تعالیٰ کے رحم و کرم اور حِکَم ہیں ان کی طرف توجہ دلانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اگر میرے پاس وہ ہوتا جس کی تم جلدی چاہتے ہو۔ کیونکہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ[1] (الانبیاء:38) کے ارشاد کے مطابق انسان طبعاً جلد باز ہے تو اس کے مطابق تم عذاب کو جلد چاہتے ہو گو اس میں تمہارا نقصان ہے تو پھر میں بھی بلحاظ بشر ہونے کے ضرور اس کی جلدی چاہتا اور پھر) یقیناً میرے اور تمہارے درمیان اس بات کا فیصلہ کیا جاتا (پر یہ خداوند تعالیٰ ہی کا کام ہے کہ باوجود یکہ وہ تمہارے ظلموں اور گستاخیوں کو دیکھتا ہے اور پھر بھی مہلت دیتا ہے۔

خدا کا مہلت دینا حکمت کی وجہ سے ہے:

ہاں بے شک اس کی مہلت بے وجہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے جس کو لوگ خود نہیں جان سکتے۔ چنانچہ یہاں پر ظاہر ہے کہ سب لوگ تو ایسے ظالم نہیں کہ وہ محروم الایمان ہو چکے ہوں بلکہ بہت سے ان میں سے قابل ہدایت بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں سے لوگ ایمان لا رہے ہیں۔ سو اگر ابھی سے عام عذاب نازل ہوتا اور عذاب کا قاعدہ بھی یہی ہے کہ جب وہ نازل ہوتا ہے تو عام ہو جاتا ہے ورنہ تو پھر حق و باطل میں دن اور رات کی طرح امتیاز ہو جاتا اور ایمان بالغیب کی حد سے نکل جاتا۔ تو پھر وہ لوگ بھی ہلاک ہو جاتے جو کہ قبول حق کی قابلیت رکھتے ہیں۔ پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو ہدایت کے قابل نہیں ان کو بالکل سزا نہ ہو اور عذاب سے بچے رہیں۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے فرمایا) اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے (جو کہ اپنے ظلم کی وجہ

[1]۔ انسان کے اندر جلد بازی کا مادہ رکھا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

سے مستحق سزا ہو چکے ہیں۔ لہٰذا وہ بچ نہیں سکتے ہاں دوسروں کی طفیل ان کو مہلت ملی ہوئی ہے تو خداوند تعالیٰ ایسی حکمت برتے گا کہ ظالم معذّب بھی ہو جائیں اور دوسرے اس عذاب سے محفوظ بھی رہیں اور ایمان بالغیب کا مرتبہ بھی قائم رہے۔

کامل علم صرف خدا کے پاس ہے:

رہا یہ کہ وہ کس طریق پر ہو گا یا اپنے رسول کو کیوں نہیں بتا دیتا (یعنی جس طرح امور غیب کے جاننے کے ذرائع نہ انسان کے پاس ہیں اور نہ وہ ان ذرائع کو جانتا ہے اسی طرح ان کے کرنے اور سرانجام دینے کے جو ذرائع اور اسباب ہیں وہ بھی نہ کسی کے پاس ہیں اور نہ ان کو اللہ کے سوا کوئی دوسرا جانتا ہے۔ بخلاف انسان کے کہ غیب کے علمی اور خارجی ذرائع کا جاننا تو کجا وہ جن کو مشاہدات قرار دیتا ہے ان پر بھی اس کا علم محیط نہیں ہو سکتا بلکہ ان پر بھی اسی کا علم محیط ہے۔

چنانچہ فرمایا کہ) وہ سب کچھ جانتا ہے جو کہ خشکی میں ہے اور سمندر میں ہے (اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون خشکی میں ہیں اور ہدایت کے پانی سے محروم ہیں اور کون سمندر میں ہیں اور ہدایت کے پانی سے سیراب ہونے والے ہیں۔ تو جب اس کو وہی جانتا ہے تو پھر اس کے سوا دوسرا یہ کام کب کر سکتا ہے کہ محروم الہدایت لوگوں کو سزا دے اور ہدایت پانے والوں کو عذاب سے بچالے اور اس کے جاننے کے بعد پھر اس کا جاننا بھی سزا دینے کے لئے از بس ضروری ہے کہ کس کی شوخی اور شرارت اب اس آخری حد کو پہنچ چکی ہے کہ جس پر وہ اپنے کرنے والے کو مستوجب سزا اور عذاب شدید ٹھہراتی ہے اور کس کی شوخی اور شرارت ابھی اس حد تک نہیں پہنچی تو اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے دوسرا احاطۂ علمی یہ بیان فرمایا کہ) کوئی پتّا نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہوتا ہے (اس میں شک نہیں کہ موسم خزاں میں درخت کے پتّے گرتے اور ایک وقت آتا ہے کہ سب ہی گر جاتے ہیں پر ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ سب کے سب ایک ہی سیکنڈ میں معاً گر پڑیں بلکہ بہت سے دنوں میں یکے بعد دیگرے گرتے ہیں اور وہ علیم خدا ہی جانتا ہے کہ اس قدر پتوں میں سے کونسا پتا اب اس آخری حد پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس کا درخت سے قطع تعلق کیا جائے اور کون ابھی اس حد کو نہیں پہنچا تو جو اس حد کو پہنچا ہوا ہوتا

ہے اس کو گرادیا جاتا ہے اور جو نہیں گرایا جاتا بلکہ چند دن کے بعد جب وہ اس حد کو پہنچتا ہے تو پھر وہ بھی گرادیا جاتا ہے اور کوئی انسان اس تفصیل کو ہرگز نہیں جانتا تو اسی طرح ان شریروں کی بھی حالت ہے۔ اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہیں جانتا کہ کون ان میں سے اب گرنے والے پتے کی طرح شجرۃ الخبیثۃ سے گرنے اور بے تعلق ہونے کی حد تک پہنچ گیا ہے تاکہ اس کو گرادیا جائے اور کون ابھی اس حد تک نہیں پہنچا تاکہ اس کو ابھی مہلت دی جائے اور فوراً نہ گرایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ احاطۂ علم کے لئے بالخصوص پہلے مَافِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور سقوط ورقہ کے علم کو ذکر فرمایا ہے پھر اس کے بعد یہ بیان فرما کر کہ) نہ کوئی زمین کے اندھیروں میں دانہ ہے اور نہ کوئی تر اور خشک ہے مگر وہ کھلی (یا بیان کرنے والی) کتاب میں ہے (یہ بتایا ہے کہ جس طرح بیج جب زمین میں ڈالا جاتا ہے تو خداوند تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کونسا دانہ اگنے کے قابل ہے اور کون اگنے کے قابل نہیں ہے اور پھر اگنے کے بعد کون تر و تازہ رہ کر نشوونما پائے گا اور پھل لائے گا اور کون خشک ہو کر تباہ ہو جاوے گا۔ اسی طرح جو لوگ محروم الہدایت نہیں ہوئے بلکہ ان کے دلوں میں ہدایت کا تخم بویا جاوے گا ان کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کون ان میں سے ردّی دانہ کی طرح اگنے کے قابل نہیں اور کون اگنے کے بعد تر و تازہ رہ کر نشو و نما پائے گا اور پھولے پھلے گا اور کون خشک ہو جاوے گا۔ سورۃ فتح میں حضرت مسیح کی انجیل کی نسبت فرمایا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وقت میں ہدایت قبول کرنے والوں کی تمثیل اس میں کھیتی کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ لہٰذا یہاں پر حَبَّۃٌ اور رَطْب ویَابِس سے یہی مراد لینا موزون ترین ہے۔

حَبَّۃٌ۔ رَطْبٌ وَّیَابِسٌ۔ وَرَقَۃٌ۔ کِتَابٌ مُبِیْن کی مختلف تفاسیر:

باقی مفسرین نے حَبَّۃٌ اور رَطْبٌ وَّیَابِسٌ سے بہت سی مرادیں بیان کی ہیں یہاں تک کہ امامیہ نے حضرت ابی عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وَرَقَۃٌ سے تو وہ بچہ مراد ہے جو مدت حمل پوری کرنے سے پہلے ہی گر جائے اور حَبَّۃٌ سے مراد ولد ہے اور ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ رحم ہیں اور رَطْبٌ سے وہ ولد مراد ہے جو کہ زندہ رہے۔ یَابِسٌ سے وہ جو کہ مر جائے اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ عرش کے نیچے ایک بڑا درخت ہے جس

کے پتوں پر جدا جدا مخلوقات کے نام وغیرہ درج ہیں تو جب اس کا کوئی پتا گرتا ہے تو جس شخص کا نام اس پر ہوتا ہے وہ بھی مر جاتا ہے اسی طرح کِتَابٌ مُبِیْنٌ سے کسی نے لَوْحٌ مَحْفُوْظٌ لی ہے اور کسی نے قرآن مجید اور کسی نے کہا ہے کہ کتاب کوئی نہیں مراد بلکہ اس سے فقط حفاظت کا بتانا مقصود ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ تمہارا حال میرے پاس لکھا ہوا موجود ہے حالانکہ اس سے مقصود محض علم اور یاد ہوتی ہے اور بس۔ اسی طرح رَطْبٌ ویَابِسٌ سے کسی نے تو عام ہر ایک تر اور خشک چیز لی ہے اور کسی نے خاص تر اور خشک میوے ہی لیے ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رَطْبٌ وہ زمین مراد ہے جو اگاتی ہے اور یَابِسٌ سے وہ جو کہ نہیں اگاتی اور انہی سے دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ رَطْبٌ سے پانی اور یَابِسٌ سے مٹی مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ رَطْبٌ سے زندہ اور یَابِسٌ سے میت مراد ہے۔

لیکن ایسی روایتوں اور ایسی تخصیصوں اور بعید از لفظ مراد کی طرف جانا نہ ٹھیک ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے اور جب کمال قدرت اور احاطۂ علمی کا بیان بطرز مذکور ہو گیا جس میں بتایا گیا ہے کہ وہی جانتا ہے کہ کون محروم الہدایت ہے اور کون نہیں اور کون محروم الہدایت ہونے کے علاوہ اپنی شوخیوں سے مستوجب نزول عذاب ہو چکا ہے اور کون ابھی نہیں ہوا اور جو محروم الہدایت نہیں۔ ان میں سے کس کے قلب میں ہدایت کا تخم اگے گا اور کس کے دل میں نہ اگے گا اور اگے گا تو پھر کس کا شجر ہدایت رطب رہے گا اور کس کا خشک ہو جاوے گا اور کون گرنے والے پتّے کی طرح ابھی گرایا جاوے گا اور کس کے گرانے میں ابھی وقفہ ہے۔

بعث بعد الموت کی مثال:

تو اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اسی عذاب پر بس نہ ہو گی بلکہ مرنے کے بعد پھر تم اٹھائے جاؤ گے اور اصل سزا پھر دی جاوے گی۔ رجوع الی اللہ اور تُنَبِّئُ بِمَا عَمِلُوا کا ذکر کیا ہے لیکن چونکہ وہ بعث بعد الموت کو بعید از عقل خیال کرتے تھے اس لئے اس سے پہلے اس کی ایسی نظیر بیان کرنے کے لئے جس سے یہ استبعاد رفع ہو جائے فرمایا کہ) اللہ وہ ہے جو کہ رات میں تمہاری روحوں کو قبض کرتا ہے اور وہ اس کو جانتا ہوتا ہے جو کہ تم نے دن میں کمایا

ہوتا ہے پھر وہ تم کو اس میں اٹھاتا ہے (یعنی جس کو تم بعید جانتے ہو اور اس کی وجہ سے اخروی عذاب سے بھی انکار کرتے ہو وہ حقیقت میں کوئی مستبعد امر نہیں بلکہ روزمرہ تم اس کے نظائر مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ چنانچہ نیند جس کو تم عرف عام میں اخو الموت کہا کرتے ہو۔ اس کی حقیقت تو اس قدر ہے کہ اللہ تمہاری روحوں کو رات میں قبض کر لیتا ہے اور ان کو اپنے قابو میں کر لیتا ہے اور پھر جب نیند کا زمانہ ختم ہوتا اور دن آتا ہے تو وہ تمہاری روحوں کو پھر واپس اور آزاد کر دیتا ہے اور پھر یہ بھی بخوبی جانتے ہو کہ قبض روح سے پہلے دن میں اس نے جو کچھ کمایا ہوتا ہے اور جو جو اسباب سکھ اور دکھ اس نے حاصل کئے ہوتے ہیں انہی کے مطابق اور بالکل انہی کے موافق قبض روح کے بعد پھر روح کے واپس ملنے پر یعنی قبض روح کی رات کے بعد کے دن میں سکھ یا دکھ اٹھاتا ہے اور یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ قبض روح کی رات سے پہلے دن میں تو اس نے دکھ کے کام کئے ہوں اور قبض روح کی رات کے بعد کے دن میں اس کو ان دکھ کے کاموں سے سکھ ملے تو موت اور اس کے ماقبل اور مابعد کی بعینہ یہی حالت ہے۔

قبض روح میں فرق:

ہاں فرق اگر ہے تو اسی قدر ہے کہ نوم والے قبض روح کے بعد پھر اسی دنیا میں وہ روح واپس کی جاتی ہے اور موت والے قبض روح میں دنیا میں واپس نہیں ہوتی بلکہ قیامت کو واپس ہوتی ہے اور اوّل میں کچھ آثار روح جسم میں مشہود و محسوس ہوتے ہیں اور دوّم میں نہیں۔ پر اگر فرق بالکل نہ ہوتا تو پھر یہ نظیر نہ ہوتی بلکہ عین اس کا ہوتی اور اس نظیر کے پیش کرنے سے جس بات کی طرف ان کو متوجہ کرنا مقصود ہے اس کی تصریح کرنے کے لئے فرمایا کہ) پھر تمہارا اسی کی طرف لوٹنا ہے (یعنی جس طرح تم کو نیند کے بعد وہ زندہ کرتا ہے اسی طرح موت کے بعد بھی تم کو زندہ کرے گا) پھر تم کو ان کاموں پر آگاہ کرے گا جو کہ تم کیا کرتے تھے (یعنی جس طرح جاگنے کے بعد پھر تم نیند سے پہلے کے اپنے اعمال سے سکھ یا دکھ اٹھاتے ہو اسی طرح موت کے بعد زندہ ہو کر تم اپنی موت سے پہلے کے اعمال کے مطابق سکھ دکھ اٹھاؤ گے۔)

آیت 62 تا 71: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى
اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ. ثُمَّ رُدُّوْٓا
اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ. قُلْ مَنْ
يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً لَئِنْ
اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ. قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ
كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ. قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ
عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ
بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ. وَ
كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. لِكُلِّ نَبَاٍ
مُّسْتَقَرٌّ وَّ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ
الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. وَمَا عَلَى
الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ.
وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ
بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّ لَا
شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا
كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ.

تشریح الفاظ:

قَاهِرٌ۔ قَهْرٌ سے ہے غلبہ اور قابو والا۔

حَفَظَةً۔ حَافِظٌ کی جمع ہے نگہبان۔

تَوَفَّتْ۔ تَوَفِّیٌ سے ہے روح کا قبض کرنا اور مارنا۔

لَا یُفَرِّطُوْنَ۔ تَفْرِیْطٌ سے ہے نقصان اور کمی کرنا۔

حَقٌّ۔ کے معنے بارہا بتا چکا ہوں کہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کہ اس قدر محکم اور مضبوط ہو کہ کوئی چیز اس کو جگہ سے نہ ہلا سکے بلکہ جو اس سے ٹکر لگائے وہ جگہ سے ہل جائے اور نقصان اٹھائے لیکن مفسرین نے چونکہ یہ معنے نہیں لئے اس لئے یہاں پر کوئی تو بمعنے عدل اور کوئی بمعنے صَادِقُ الْوَعْدِ لیتا ہے۔

حٰسِبِیْنَ۔ حَاسِبٌ بمعنے حساب کرنے والا، کی جمع ہے۔

تَضَرُّعٌ۔ عاجزی اور اظہار اضطراب و بے قراری اور چونکہ یہ دوسروں پر ضرور ظاہر ہو جاتا ہے اس لئے اس کے مقابلہ میں خُفْیَةٌ کہنا ٹھیک ہے اور یا تقابل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہاں پر یہ بتانا ہے کہ اس وقت کی دعا میں بالخصوص تضرع اور اخفاء ہوتا ہے۔ بخلاف اور وقتوں کی دعاؤں کے کہ ان میں تضرع کا نام نہیں ہوتا اور اگر دکھاوے کے طور پر کوئی کرے تو کرے لیکن خفاء کی حالت میں کوئی نہیں کرتا۔

کَرْبٌ۔ وہ غم جو کہ دل میں جاگزین ہو اور اس اضطراب کو بھی کہتے ہیں جو کہ ایسے غم سے لاحق ہوا کرتا ہے۔

یَبْعَثُ۔ بَعْثٌ سے ہے بھیجنا۔ اٹھانا۔

یَلْبِسُ۔ لُبْسٌ سے ہے خلط کرنا اور ملانا۔

شِیَعًا۔ شِیْعَةٌ کی جمع ہے قوم اور گروہ جو کسی ایک امر پر مجتمع ہوں۔

یُذِیْقَ۔ اَذَاقَةٌ سے ہے چکھانا۔

بَأْسٌ۔ جنگ و قتال۔

وَکِیْلٌ۔ کارساز و ذمہ دار۔ اور محافظ۔ اور مقرر کیا ہوا اور داروغہ۔

نَبَاءٌ۔ خبر۔ پیشن گوئی۔

مُسْتَقَرٌّ۔ ٹھہرنے کی جگہ اور ٹھہرنے کا وقت۔

یَخُوْضُوْنَ۔ خَوْضٌ سے ہے کسی چیز میں گھسنا اس میں غور و فکر کرنا اور نکتہ چینی اور عیب گیری کرنا۔

اِمَّا۔ اصل میں اِنْ مَا ہے جن میں سے اِنْ کے معنے اگر اور مَا محض تاکید کے لئے ہے۔

یُنْسِیَنَّ۔ اِنْسَآءٌ سے ہے جو نسیان سے ہے بھلوا دینا اور چھوڑا دینا۔

ذِکْرٰی۔ یاد اور یاد دہانی اور نصیحت۔

ذَرْ۔ امر ہے۔ وَذَرَ یَذِرُ وَذْرًا سے ہے جس کے معنے چھوڑنے کے ہیں۔

غَرَّتْ۔ غُرُوْرٌ سے ہے۔ دھوکے میں ڈالنا۔

تُبْسَلُ۔ اِبْسَالٌ سے ہے اور وہ بَسْلٌ سے بنا ہوا ہے جس کے اصل معنے منع کے ہیں اور انہی معنوں کی رو سے اَسَدٌ بَاسِلٌ کہا جاتا ہے یعنی وہ شیر جو شکار کو بھاگ جانے سے منع کرتا ہے اور بمعنے شجاعت اور بمعنے حرام بھی آتا ہے۔ کیونکہ ان میں بھی منع کے معنے پائے جاتے ہیں اور امام راغبؒ نے یہاں پر اس کے معنے ثواب سے محروم کئے جانے کے کئے ہیں اور ابن عباسؓ سے بروایت ابی حاتم اس کے معنے تَسَلُّم یعنی حوالے کئے جانے کے آئے ہیں اور بروایت ابن جریر تَفَضُّح یعنی شرمندہ کئے جانے کے آئے ہیں اور ابن عباسؓ ہی سے ایک اور روایت میں اس کے معنے تَحَبُّس یعنی قید کئے جانے آئے ہیں۔

تَعْدِلُ۔ عَدْلٌ سے ہے جس کے معنے فدیہ اور بدلہ دینے اور فدیہ دیکر اپنے آپ کو چھوڑانے کے ہیں اور عَدْلٌ فدیہ کو بھی کہتے ہیں۔

شَرَابٌ۔ مطلق پینے کی چیز کو کہتے ہیں۔

حَمِیْمٌ۔ گرم پانی۔

ترجمہ:

اور وہی اپنے بندوں پر قابو رکھنے والا ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے اس کی روح قبض کرتے

ہیں اور وہ کمی نہیں کرتے۔ پھر وہ یقیناً اپنے پکے آقا اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ ہاں اسی کے لئے حکم ہے اور وہ سب حساب لینے والوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تم کہو کہ تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے (جبکہ) تم اس کو عاجزی اور پوشیدگی (کی حالت) میں پکارتے ہو کہ واللہ اگر تو نے ہم کو اس سے نجات دی تو یقیناً ہی ہم شکر گذاروں سے ہو جاویں گے۔ تم کہو کہ اللہ ہی تم کو اس سے نجات دیگا اور (وہی تم کو) ہر ایک غم سے (نجات دیا کرتا ہے) پھر تم شرک کرتے ہو۔ تم کہو کہ وہی اس پر قادر ہے کہ تمہارے پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا ملائے تم کو مختلف گروہ ہونے کی حالت میں اور تم کو ایک دوسرے کی جنگ کا مزہ چکھائے۔ تم دیکھو کہ کس طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تا ہو کہ وہ سمجھ جائیں اور تیری قوم نے اس کو جھٹلایا ہے حالانکہ وہی حق ہے۔

تم کہو کہ میں تم پر داروغہ نہیں ہوں۔ ہر ایک خبر کے لئے ٹھہرنے کا وقت ہے اور تم آگے جان لوگے اور جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو کہ ہماری آیتوں میں نکتہ چینی کرتے ہیں تو تم ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بات میں لگ جاویں اور اگر شیطان تم کو بھلادے تو یاد آنے (یا یاددہانی) کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور جو لوگ بچتے ہیں ان پر ان کے حساب سے کچھ چیز بھی نہیں ہے ولیکن نصیحت کرنی ہے تا ہو کہ وہ بچیں۔

اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل و تماشا بنا رکھا ہے اور ان کو نزدیک زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے اور اس خوف سے اس کے ساتھ نصیحت کر کہ کوئی جان اس کے ساتھ گرفتار ہو جائے جو کہ اس نے کمایا ہے۔ اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی والی ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا ہے اور اگر وہ ہر قسم کا بدلہ دے تو اس سے وہ نہ لیا جاوے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہ اس کے سبب سے گرفتار کیے گئے ہیں جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ ان کے لئے گرم پانی پینا ہے اور دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ ہمیشہ کفر کرتے رہے ہیں۔

تفسیر:

سیاق کے ساتھ تعلق

جب بعد البعث رجوع الی اللہ اور بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْن [1](الانعام:109) پر ان کو متنبہ کرنے کا ذکر ہوا۔ جس میں ان کی جزاء و سزا کی طرف اشارہ ہوا اور عام طور پر یہی ہے کہ بادشاہوں اور حاکموں کے اعلان سزا ہونے پر بھی لوگ اس امر اور قانون کی خلاف ورزی کی جرأت کیا کرتے ہیں اور عموماً اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اپنی یا اپنے معاونین کی طاقت و قوت یا فرار کے ساتھ بچ جانے کا خیال رکھا کرتے ہیں اور یا ان کے خیال میں یہ احتمال راسخ ہو جاتا ہے کہ ہماری خلاف ورزی پوشیدہ رہ سکتی ہے تو اس کے دفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہی اپنے بندوں پر قابو رکھنے والا ہے۔

(یعنی دوسرے بادشاہوں اور حاکموں پر اللہ تعالیٰ کو قیاس نہ کرنا چاہیے کہ جس طرح طاقت اور فرار کے ساتھ ہم ان کی سنگین ترین سزاؤں سے بچ جایا کرتے ہیں اسی طرح ہم اللہ کی سزا سے بھی بچ جائیں گے اور بتایا کہ اس لئے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ دونوں میں زمین اور آسمان کے فرق سے بھی زیادہ فرق ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اور ربّ العالمین ہونے کی وجہ سے اپنے بندوں پر ہر رنگ اور ہر طریق سے پورا پورا قابو رکھتا ہے اور نہ وہ ایک لمحہ کے لئے اس سے بے نیاز اور اس کے تصرف سے باہر ہو سکتے ہیں اور نہ باہر ہو کر باقی رہ سکتے۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ قادر مطلق اور خالق اور ربّ نہ ہونے کے باعث اپنے غلاموں پر بھی پورا قابو نہیں رکھتے چہ جائے ساری رعیت پر ایسا قابو رکھتے ہوں۔ سو ان کا قابو نہ رکھنا ہی اس کی جڑھ ہے کہ ان کے غلاموں تک ان پر غالب اور ان سے بے نیاز اور ان کے تصرف سے باہر ہو سکتے ہیں تو باوجود اس فرق عظیم کے خداوند تعالیٰ کو ان پر قیاس کر کے اس کی سزا سے بچ نکلنے کی امید لگانا صریح غلط ہے۔

---

[1]۔ جو وہ کرتے تھے۔ (تفسیر صغیر)

خدا کی خلاف ورزی کا پوشیدہ رہنا

رہا خلاف ورزی کا پوشیدہ رہنا تو اس کی نسبت فرمایا کہ) وہ تم پر نگران بھیجتا ہے (یعنی پہلے تو خود علیم اور عالم الغیب اور عالم السر و اخفی ہے اور پھر اتمام حجت کے لئے اس نے فرشتے نگران تم پر مقرر کئے ہوئے ہیں جو نہ کسی وقت سست ہوں اور نہ غافل اور نہ کسی طرف مشغول تو اس لحاظ سے بھی دوسرے بادشاہوں پر اس کو قیاس کر کے پوشیدہ رہنے کی امید لگانا محض فضول ہے۔ اکثر مفسرین نے تو اس سے الکرام الکاتبون ہی لیے ہیں جیسا دوسرے مقام پر آیا ہے وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ[1] (الانفطار: 11 تا 12) اور بعض نے ان سے مُعَقِّبَاتٌ فرشتے لئے ہیں جن کا ذکر دوسرے مقام پر بدیں الفاظ آیا ہے کہ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ[2] (الرعد: 12) اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر عام مراد ہیں جو کہ دونوں کو شامل ہیں۔

اور اسی بات کو مدلل طور پر بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ حفاظت اور نگرانی جاری رہتی ہے) یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک پر جب موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کی روح کو قبض کرتے ہیں اور وہ کوئی کمی نہیں کرتے (یعنی موت وہ چیز ہے جس سے عموماً لوگ گھبراتے ہیں اور بچنے کے لئے ہزاروں حیلے اور کوشش کیا کرتے ہیں۔ خصوصاً پھر تم لوگ جو کہ اخروی زندگی کے منکر ہو تم تو اس زندگی کو بہت چاہتے ہو اور باوجود اس کے پھر تم جانتے ہو کہ کوئی بھی نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی طاقت و قوت کسی کو بچاتی ہے اور نہ بھاگنا کچھ کام آتا ہے اور پھر ہم بذات خود بھی اس کام کو نہیں کرتے بلکہ ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کام کو کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کے ذمہ کام کیا ہوتا ہے اس میں ذرہ بھر کمی نہیں کرتے۔ تو جب تم ان سے اپنے آپ کو کسی طرح نہیں بچا سکتے تو بعد ازاں تو اس سے بھی معاملہ سنگین تر ہو جاتا ہے) کیونکہ پھر اپنے مضبوط آقا کی طرف وہ پھیرے

---

[1] ۔ اور یقیناً تم پر (تمہارے خدا کی طرف سے) نگران مقرر ہیں۔ (جو) شریف (اور) ہر بات کو لکھنے والے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اس کی طرف سے اس (رسول) کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی (ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ) آنے والی (ملائکہ کی) ایک جماعت (حفاظت کے لئے) مقرر ہے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ (تفسیر صغیر)

جاویں گے (اور لفظ مولیٰ اور حق میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہی ان دونوں کو اور صفات اور اسماء پر اختیار کرنے کی وجہ ہے۔

آخرت اور حساب

اور یہ خیال رکھنا کہ وہاں پر ہمارے ٹھاکر اور بڑے ہم کو بچالیں گے تو اس کو یوں دفع کیا کہ) ہاں (وہاں پر ظاہر اور باطن میں) اسی کے لئے حکم ہے (اور دوسرے کسی کے لئے کوئی دخل نہیں ہے۔ رہا یہ خیال کہ گو ان محافظوں نے سب کچھ لکھا پر ساری دنیا کے سب لوگوں کے عمر بھر کے نیک وبد کے دفتروں کی پڑتال اور حساب کرنا یہ کب کوئی کر سکتا ہے یا کم از کم یہ جلدی کب ہو سکتا ہے بلکہ اس پر تو عمر دنیا سے بھی لمبے زمانہ کی ضرورت ہے۔ تو اس کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ سب حساب کرنے والوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے (یعنی خدائے علیم وقدیر کو اپنے پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

شرک کی نفی کی ایک طبعی دلیل

اور چونکہ ٹھاکروں وغیرہ کے بچانے نہ بچانے کا ذکر اَلَا لَهُ الْحُكْمُ میں آگیا ہے اس لئے شرک کی نفی کی ایک طبعی دلیل سمجھانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ تم کو خشکی اور سمندر کے اندھیروں (یعنی ان کے مصائب) سے کون بچاتا ہے اس حالت میں) کہ تم اس کو تضرع کرتے ہوئے اور خفیہ پکارتے ہو (یہ کہتے ہوئے) کہ واللہ اگر تو نے ہم کو اس (مصیبت) سے نجات دی تو یقیناً ہی ہم شکر گذاروں سے ہو جاویں گے (یعنی مصیبت میں جب تم مبتلا ہوتے ہو تو پھر سب کو بھول جاتے ہو جن کو تم آرام کے وقت اپنے معبود قرار دیا کرتے ہو اور جن کے بچانے اور نفع پہنچانے کی امید رکھا کرتے ہو کیونکہ اس وقت تم کو خوب معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ہر گز ہم کو اس سے نہیں چھوڑاتے اور نہ چھوڑا سکتے ہیں بلکہ اس وقت خاص اللہ تعالیٰ ہی کو تم پکارتے ہو۔ یہ تو ان کی فطرت کی شہادت ہوئی۔

ضرر اور دکھ سے نجات واقعہ کے لحاظ سے

اب رہی ضرر اور دکھ سے نجات واقعہ کے لحاظ سے تو اس کی طرف بالخصوص متوجہ

کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ اللہ ہی تم کو اس مصیبت سے نجات دیتا ہے اور ہر ایک غم سے (جس میں تم مبتلا ہوتے ہو پھر نجات وہی وحدہٗ لا شریک تم کو دیتا ہے نہ کوئی اور۔ پر باوجود اس کے) پھر تم شرک کرتے ہو (اور اللہ کے سوا اوروں کو متصرف اور نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے والا اور معبود خیال کرتے ہو اور جس طرح پہلی دفعہ ضرر سے بچانے کو خداوند تعالیٰ سے مخصوص بتا کر شرک کا ابطال کیا ہے۔ اسی طرح ضرر اور عذاب و سزا کے خطرہ کو اسی کے ساتھ مخصوص کر کے اس کا ابطال کرنے اور نیز شرک پر خوف عذاب دلانے اور توحید کی طرف بلانے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ وہی قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا ملائے تم کو مختلف گروہ اور چکھائے تم کو ایک دوسرے کا جنگ (یعنی عذاب دینے پر بھی اکیلا اللہ ہی قادر ہے اور دوسرا کوئی قادر نہیں۔ پس اس لحاظ سے بھی کسی اور کو اس کے ساتھ شریک بنانا بالکل غلط ہے بلکہ شرک اس کا باعث ہے کہ خداوند تعالیٰ ان تین قسموں کے عذابوں سے کوئی قسم تم پر بھیجے پس یہ غلط ہونے کے علاوہ سخت مضر بھی ہے۔

تین قسموں کے عذاب

اوپر کا عذاب جیسا پتھروں کا برسانا اور ہوا کو مسلط کرنا وغیرہ اور نیچے کا خسف غرق اور زلزلہ وغیرہا اور تیسری قسم یہ ہے کہ آپس میں ان کو مختلف الاغراض بنا کر لڑا دے اور بعض کے ہاتھ سے بعض کو قتل وغارت کرا دے۔ ان کے سوا مفسرین سے اور اور مرادیں بھی منقول ہیں۔ چنانچہ ابوالشیخ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ تمہارے ماتحت ہیں ان کو تم پر مسلط کر کے ان کے ہاتھ سے تم کو عذاب دلائے اور مِنۡ فَوۡقِکُمۡ سے یہ مراد ہے کہ تمہارے امراء اور رؤساء اور اشراف کے ہاتھ سے تم کو عذاب دے اور اخیر میں بعض مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے کفار کو عذاب دے اور بعض نے یہ مراد لی ہے کہ بعض کفار سے بعض کو عذاب دلائے یا بعض مسلمانوں سے دوسرے بعض کو دلائے اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے حضرت حسن سے روایت کیا ہے کہ پہلے دونوں قسم کے عذاب تو

مشرکین کے لئے ہیں اور یہ تیسرا خاص اہل اسلام کے لئے ہے۔ اور ابن جریر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرتؐ اٹھے اور وضو کیا اور اپنے ربّ سے دعا کی کہ لَا یُرْسِلَ عَلَیْہِمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِہِمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِہِمْ وَلَا یَلْبِسَ اُمَّتَہٗ شِیَعًا وَیُذِیْقَ بَعْضَہُمْ بَأْسَ بَعْضٍ کَمَا اَذَاقَ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔[1] تو جبرائیل نازل ہوئے اور کہا کہ آپ نے چار چیزیں اپنے ربّ سے مانگی تھیں تو اس نے دو تو آپ کو دے دی ہیں اور دو نہیں دیں۔ آپ کی امت پر نہ اوپر سے عذاب آئیگا اور نہ نیچے سے جو کہ ان کی بیخ کنی کر دے کیونکہ یہ عذاب ان قوموں کے لئے ہے جو کہ اپنے نبی کی تکذیب پر متفق ہو جاتی ہیں اور سب الٰہی کتاب کو ردّ کر دیتے ہیں۔ لیکن آپ کی امت کو مختلف گروہ ملائے گا اور ایک دوسرے کے جنگ کا مزہ چکھائے گا اور یہ ان کے لئے عذاب ہے جو کہ کتاب کا اقرار اور اپنے نبیؐ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، الجزء 3 صفحہ 262، سورۃ الانعام دار الاحیاء التراث بیروت)

اور جب دونوں طرح سے شرک کا ابطال ہو گیا جس سے حق کا طالب بخوبی سمجھ جاتا ہے کہ کوئی بھی خداوند تعالیٰ کا شریک نہیں اور شرک نہایت غلط اور مضر چیز ہے۔ تو فرمایا کہ) تم دیکھو کہ کس طرح ہم پھیر پھیر کر آیتوں کو بیان کرتے ہیں تا ہو کہ وہ سمجھ جائیں (لیکن باوجود اس کے وہ سمجھتے نہیں اور اس سے یہ بات خیال میں آتی تھی کہ جب وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تو اس میں ان کا قصور ہی کیا ہے۔ قصور تو تب ہو تا کہ وہ حق کو سمجھ لیتے اور پھر اس کو نہ مانتے اور قبول نہ کرتے تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) تیری قوم نے اس کو جھٹلایا ہے حالانکہ وہی حق ہے۔

کَذَّبَ بِہٖ میں بِہٖ سے مراد

(حسن سے مروی ہے کہ بِہٖ سے قرآن مجید مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے تصریف آیات مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے عذاب مراد ہے اور یہی ٹھیک ہے اور ما قبل اور مابعد سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور اسی کو اکثر مفسرین نے پسند بھی کیا ہے۔

[1] ۔ان پر نہ اوپر سے عذاب آئے نہ نیچے سے اور نہ آپ کی امت کو گروہوں میں بانٹا جائے اور نہ انہیں ایک دوسرے کو جنگ کا مزہ چکھایا جائے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل کو چکھایا۔ (از مرتب)

یعنی لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سمجھ سکتے ہی نہیں بلکہ وہ خوب سمجھ لیتے ہیں۔ پر باوجود اس کے دیدہ و دانستہ اس کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ اس عذاب کو بھی انہوں نے خوب سمجھ لیا ہے اور ان کے دلوں میں اس کا یقین بھی حاصل ہے پر پھر اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس جن معنوں سے ان کو صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ[1] (البقرہ:19) اور فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ[2] (الاعراف:101) اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى[3] (الروم:53) کہا گیا ہے ان ہی معنوں کے لحاظ سے ان کی نسبت لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ بھی فرمایا ہے۔

نبی کا کام ڈرانا ہے عذاب لانا نہیں

اور چونکہ باوجود جاننے اور دیدہ ودانستہ جھٹلانے کے ایسے شوخ تھے کہ جب ان کو عذاب سے ڈرایا جاتا تھا۔ تو فوراً یہ کہتے تھے کہ پھر تم اس کو جلدی لاتے کیوں نہیں تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) تم کہو کہ مَیں تم پر داروغہ (اور ذمہ وار) نہیں ہوں (کہ سزا دینا بھی میرا کام ہو جیسا کہ داروغہ اور ذمہ وار ہونے کی حالت میں ہدایت پر لانا بھی میرا فرض ہوتا بلکہ میں تو نذیر ہوں میرا کام فقط ڈرانا اور عذاب کی خبر دینا ہے اور عذاب دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے اور اس تاخیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر ہوئی نہ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے ہاں) ہر ایک (ایسے امر کے لئے کہ جس کی نسبت) خبر (دیجاتی ہے) ٹھہرنے (یعنی وقوع) کا وقت مقرر ہے (کہ نہ اس سے وہ امر کسی جلد باز کی جلد بازی سے پہلے واقع ہوتا ہے اور نہ کسی کے زور و حیلہ سے وہ اس سے مؤخر ہوتا ہے۔

سمجھانا اس وقت تک ہے جب تک تکذیب کی حد کو نہ پہنچے

رہا ماننا نہ ماننا سو یہ جدا بات ہے پر) آگے تم جان لوگے (کہ بے شک یہ پیشن گوئی بالکل حق تھی لیکن ہم نے ناحق اس کی تکذیب کی پر اس وقت کا جاننا کچھ کام نہ آئیگا اور جب پہلے یہ بیان ہوا کہ یہ لوگ ہدایت قبول کرنا تو کجا بلکہ اہل حق کو حق سے پھیرنے اور اپنی گمراہی

[1]۔ وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ جس کی وجہ سے وہ ہدایت کی باتوں کو سن نہیں سکیں گے۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ (پس تو ان کو ایسا کرنے دے) کیونکہ نہ تو تو مردوں کو سنا سکتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

میں شریک کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر یہ بیان ہوا کہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ تکذیب کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ سمجھانا اور دلائل کا پیش کرنا اسی وقت تک ہوتا ہے کہ دوسرا سمجھانہ ہو پر جب سمجھ کر تکذیب کرتا ہو تو پھر وہ اس حد سے گذر جاتا ہے اور اسی طرح اعتراضوں کے جواب اور شبہات کا ازالہ بھی اسی وقت تک ہوتا ہے کہ تکذیب کی حد تک نہ پہنچے ہوں اور تکذیب کے بعد ان کا محل ہر گز نہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک باغیرت مومن مخالفین کے اعتراض و شبہات سن کر ضرور جوش میں آجاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس حد سے گذر گئے ہوئے ہیں بلکہ الٹا ان کے پاس جانا اس وقت میں زہر قاتل کا کام دیتا ہے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو کہ ہماری آیتوں میں نکتہ چینی کرتے ہیں (تو گو تمہاری غیرت مذہبی اور مذہب کی پاسداری تم کو اس بات پر اکسائے کہ تم ان کے پاس بیٹھو اور ان کی باتوں کا جواب دو لیکن چونکہ مکذّب ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اس مرتبہ سے گذر چکے ہیں اور ان کے پاس بیٹھنا اب ان کو تو کچھ فائدہ نہیں دیتا بلکہ الٹا کمزور لوگوں کے لئے سخت مضر ہے لہٰذا) تم ان سے اعراض کرو یہاں تک کہ وہ اور بات میں لگ جاویں۔

آنحضور ﷺ کو بطریق اولی کیوں روکا

یہاں پر ایک خیال گذر سکتا ہے کہ اوّل تو بظاہر یہ خطاب خاص آنحضرت ﷺ کو ہے اور اگر عام بھی ہو تو آپؐ بطریق اولی اس میں داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ اگر ضعیف لوگوں کے لئے ان کے پاس ایسے وقت میں بیٹھنا مضر ہے لیکن آپؐ کی شان تو اس سے ارفع ترین تھی تو پھر آپؐ کو بالخصوص یا بطریق اولی اس سے کیوں روکا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا عملدر آمد تو سب امت کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ سوائے چند معدودہ خصوصیات کے جو مستثنیٰ ہیں تو اگر حضورؐ ایسا کرتے تو افراد امت آپؐ کے اسوہ سے اس کو جائز قرار دے کر خطر عظیم میں مبتلا ہوتے۔ دوم گو خطر عظیم تو وہی ہے جو کہ ہم نے بیان کیا ہے پر اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک نقص موجود ہیں مثلاً وہ نکتہ چین ایسی مجالس میں مجیب کے ساتھ اور اس کے جوابوں پر استہزاء کرتے اور نکتہ چینی میں شوخی اور حد سے تجاوز اختیار کرتے ہیں اور جوش سے بھر کر بالآخر دنگہ و فساد پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان نقائص کا احتمال قوی موجود ہے۔

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کیوں فرمایا

اور چونکہ بعض مخاطب ایسے بھی ہوں گے جو کہ اس ارشاد کے بعد بعض اوقات بھول کر ایسے وقت میں ان کے پاس جا بیٹھیں گے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) اگر شیطان تم کو بھلادے تو یاد کے بعد تم ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو (ان کے ظلم کو علت قرار دینے کے لئے مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ فرمایا ہے ورنہ تو مقام مَعَھُمْ کا تھا اور اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ اس بات کا قرینہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سوا اور مخاطبوں کے لئے یہ فرمایا ہے اور خطاب کے عام ہونے کا بڑا بیّن قرینہ یہ بعد کا ارشاد ہے کہ) جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان پر ان کے حساب سے کچھ بھی نہیں مگر یاد دہانی (اور نصیحت کرنی) تا ہو کہ وہ بھی تقویٰ اختیار کریں (یعنی نسیان کے علاوہ جوش تقویٰ سے بھی لوگ ان شریروں کے جواب دینے کے لئے ان کے پاس بیٹھنا چاہیں گے یہ خیال کر کے کہ ہم پر فرض ہے کہ ان کو جواب سمجھا دیں اور ان کے شکوک اور وہم کو رفع کر دیں تو بتایا کہ متقیوں پر ان کا کوئی حساب نہیں ہے۔ ہاں بے شک ان کا کام یاددہانی اور نصیحت ہے پر یہ لوگ اوّل تو اس درجہ سے گذر چکے ہوئے ہیں۔ دوّم بالخصوص وہ ایسی چاریاری اور شیطانی مجلس میں تو کبھی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے سو اگر نصیحت کرنی بھی ہو تو پھر دوسرے وقت میں کرنی چاہیے اور جب یہ ذکر آیا کہ متقیوں پر ان کا اور کوئی حساب نہیں مگر نصیحت ہے اور حقیقت میں وہ لوگ نصیحت کے مرتبہ سے گذر چکے ہوئے تھے۔

کافروں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنار کھا ہے

لہٰذا اس کے بعد یہ سمجھانے کے لئے اور ان لوگوں کی علامت اور شناخت بتانے کے لئے فرمایا) ان لوگوں کو تم چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنار کھا ہے (یعنی جو لوگ اس حد کو پہنچ چکے ہوں کہ جو دین اس وقت ان کی ہدایت اور فائدہ کے لئے نازل کیا گیا ہے اور بیّن ترین نشانات و براہین کے ساتھ اس کی صداقت و حقانیت لوگوں پر روشن کی گئی ہے اس کو وہ لوگ کھیل و تماشہ بنائے ہوئے ہیں اور اپنی محفلوں میں نہایت شوخی اور

دریدہ دہنی سے اس پر ہنسی اور مخول کرتے ہیں۔ وہ لوگ نصیحت قبول کرنے کے مرتبہ اور حد سے گذر چکے ہوئے ہیں اور ان کا یہ استہزاء اور تمسخر اس کی علامت اور دلیل ہے کہ وہ نصیحت کے اب قابل نہیں رہے لہٰذا ان کو چھوڑ دو اور دوسری علامت یہ بتائی کہ) جن کو نزدیک زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے (یعنی جو اس زندگی کی آسائش اور آرام میں کھلے کھلے مستغرق ہیں اور بعث کے منکر ہیں اور آخرت کی بالکل کسی طرح سے پروا نہیں کرتے ان کو بھی جان لو کہ یہ اب نصیحت کے قابل نہیں رہے۔ اس کے بعد نصیحت کی اصل غرض اور منشاء بتانے کے لئے فرمایا کہ) تم اس (قرآن مجید کے ساتھ نصیحت اس سے بچانے کے لئے کرو کہ کوئی جان اس کے ساتھ گرفتار نہ ہو جائے جو کہ اس نے کمایا ہے۔ اس کے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی والی ہے اور نہ سفارش کرنے والا ہے۔

مفسرین کے بیان کردہ معانی

(مفسرین نے اَلَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا.....الخ کے ایک معنے یہ کئے ہیں کہ انہوں نے بجائے اصل مذہب کے اپنا مذہب وہ امور بنا رکھے ہیں جو از قسم لہو و لعب ہیں جیسی بت پرستی اور بحائر اور سوائب کے چڑھاوے اور بعض نے کہا ہے کہ دین بمعنے عید ہے اور معنے یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی عید بجائے عبادت کے کھیل و تماشہ بنا رکھی ہے۔ اسی طرح ذَرۡ کے ایک تو یہی معنے ہوئے کہ ان لوگوں کو چھوڑ دے اور ان کو نصیحت نہ کر اور بعض نے کہا ہے کہ ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا[1] (المدثر:12) اور ذَرۡهُمۡ یَاۡکُلُوۡا[2] (الحجر:4) کی طرح یہاں پر بھی محض تہدید اور جھڑکنے کے لئے کہا ہے۔ اسی طرح تُبۡسَلَ کے بہت سے معانی کئے ہیں جو کہ تشریح میں مَیں لکھ آیا ہوں اور ذَکِّرۡ بِهٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ... کی ترکیب میں بھی بہت سی توجیہیں لکھی ہیں۔ جن میں سے عمدہ تو یہ ہے کہ ذَکِّرۡ بِهٖ (اَیۡ بِالۡقُرۡاٰنِ) کَرَاهَةً (یا) مَخَافَةً اَنۡ تُبۡسَلَ... الخ یعنی اس بات کے برا ماننے یا اس بات سے ڈرنے کے لئے ان کو قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کر کہ کوئی جان اس کے ساتھ گرفتار ہو جو کہ اس نے کمایا ہے اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ذَکِّرۡ بِهٖ لِاَنۡ

[1]۔ (اے رسول)! مجھے اور اس کو جسے میں نے بے یار و مددگار پیدا کیا تھا اکیلا چھوڑ دے۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ تو ان کو کھانے پینے... میں مشغول چھوڑ دے۔ (تفسیر صغیر)

لَّاتُبْسَلَ...الخ اس صورت میں لَا مقدر ہو گا اور پہلی توجیہ میں کَرَاھَۃً یا مَخَافَۃً مقدر نہیں بلکہ محاورہ میں اس کے معنے ہی یہ ہوا کرتے ہیں اور ایسی عبارتیں کثرت کے ساتھ کلام عرب اور قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ذَکِّرْ بِہٖ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف نہیں پھرتی بلکہ اس کا کوئی مرجع پہلے نہیں آیا اور اس کی تفسیر اَنْ تُبْسَلَ الخ ہے اور معنے یہ ہیں کہ نصیحت کر اس کے ساتھ یعنی اس بات کے ساتھ کہ کوئی جان اس کے ساتھ گرفتار ہو جائے جو کہ اس نے کمایا ہے۔

اسی طرح اور بہت سی توجیہیں کی ہیں پر ٹھیک وہی ہے جو کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور جیسا بتایا ہے کہ اس وقت جبکہ وہ جان اپنی کمائی کے بدلے گرفتار ہو گی تو پھر اللہ کے سوا نہ کوئی اس کا والی ہو گا کہ وہ اس کو چھوڑا لے اور نہ کوئی سفارشی ہو گا کہ اس کی سفارش کام آجائے اسی طرح بتایا کہ اس وقت) اگر ہر ایک بدلہ دے تو وہ اس سے نہ لیا جاوے گا (یعنی پھر بچاؤ کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے گا جن سے دنیا میں لوگ بچاؤ حاصل کیا کرتے ہیں یا جو کہ ان کے وہم و گمان میں آسکتے ہیں اور یہ بتانے کے لئے کہ جو لوگ مَا کَسَبَتْ کے ساتھ گرفتار ہوں گے وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ) یہ (مذکورہ بالا) لوگ وہ ہیں جو کہ گرفتار کئے گئے ہیں (یعنی یقیناً گرفتار ہوں گے گویا کہ ابھی سے ہو چکے ہیں) اس کے ساتھ جو کہ انہوں نے کمایا ہے۔ ان کے لئے گرم پانی سے پینا ہے اور دردناک عذاب ہے اس سبب سے کہ وہ ہمیشہ کفر کرتے رہے ہیں۔

آیت 72 تا 83: قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ لَا يَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ وَ هُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ يَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ۔ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ وَ كَذٰلِكَ نُرِىْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّىْ فِى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنِ وَ لَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّىْ شَيْئًا وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ۔ وَ كَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَىُّ

الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

اَعْقَابُ۔ عَقِبٌ کی جمع ہے پاؤں کی ایڑی۔

اسْتَهْوَتْ۔ اِسْتِهْوَاءٌ سے ہے جو کہ هَوَى يَهْوِي۔ هُوِيٌّ سے بنایا ہوا ہے جس کے معنے گرنے کے ہیں اور اِسْتِهْوَاءٌ کے معنے ہوئے پستی میں گرنا چاہنا۔

حَيْرَانَ۔ عَطْشَانُ کی طرح ہے اور یہ حیرت سے ہے حیران شدہ۔

لِنُسْلِمَ میں لام تو تعلیل کے لئے ہے جس کے معنے ہیں تا کہ اور اس لئے۔

اور نُسْلِمُ۔ اِسْلَامٌ سے ہے جس کے بہت سے معنے بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ اعنی فرمانبرداری اور اطاعت اور حوالے کر دینا وغیرہ۔

يُنْفَخُ۔ نَفْخٌ سے ہے جس کے معنے ہیں پھونکنے کے۔

اور لفظ صُوْر کی تحقیق یہ ہے کہ مشہور قرأۃ میں تو یہ بضمہ صاد اور سکون واو کے ساتھ آیا ہے اور قتادہ نے اس کو صُوَر بضم صاد و فتح واو پڑھا ہے اور صُوَر بفتح واو تو یقیناً جمع صُوْرَةٌ کی ہے جو کہ بمعنے شکل وہیئت شے ہے اور صُوْر بسکون واو میں دو احتمال ہیں ایک تو یہی کہ یہ صُوَر کی طرح صُوْرَةٌ ہی کی جمع ہو۔ چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے کہ الصُّوْرَةُ بِالضَّمِّ: (الشَّكْلُ) وَالْهَيْئَةُ وَالْحَقِيْقَةُ وَالصِّفَةُ۔ (جَمْعُهُ صُوَرٌ) بِضَمٍّ فَفَتْحٍ۔ (وَصِوَرٌ كَعِنَبٍ)... (وَصُوْرٌ بِضَمٍّ فَسُكُوْنٍ)[1] اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ حَكَى الْجَوْهَرِيُّ عَنِ الْكَلْبِيِّ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ... وَيُقَالُ هُوَ جَمْعُ صُوْرَةٍ مِثْلَ بُسْرٍ وَبُسْرَةٍ۔ اَيْ يُنْفَخُ فِيْ صُوَرِ الْمَوْتٰى لِلْاَرْوَاحِ۔ قَالَ: وَقَرَأَ الْحَسَنُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ[2]

---

[1] ۔صُوْرَةٌ پیش کے ساتھ شکل، ہیئت، حقیقت اور صفت کو کہتے ہیں۔ جس کی جمع صُوَرٌ ہے پیش اور زبر کے ساتھ۔ اور صِوَرٌ عِنَبٌ کی طرح۔ اور صُوْرٌ پیش اور جزم کے ساتھ۔ (از مرتب)

[2] ۔جوہری نے کلبی سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بارہ میں کہ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ... کہا جاتا ہے کہ یہ صُوْرَةٌ کی جمع ہے جیسے بُسْرٌ بُسْرَةٌ (کھجور) کی جمع ہے۔ یعنی مردوں کی شکلوں میں روحیں پھونکی جائیں گی۔ اور کہا کہ حسن کی قرائت ہے يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوَرِ۔ (از مرتب)

اور تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے کہ وَ قَرَأَ قَتَادَةُ "فِي الصُّوَرِ" جَمْعُ صُوْرَةٍ وَالْمُرَادُ بِهَا الْأَبْدَانُ الَّتِيْ تَقُوْمُ بَعْدَ نَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهَا لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔[1]

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مفسرین عموماً اسی کی طرف گئے ہیں کہ صُوَر صُوْرَةٌ کی جمع نہ ہو بلکہ مفرد بمعنے قرنا ہو اور میرے نزدیک مقام اور دوسری قرأت کی موافقت کی وجہ سے گو پہلے احتمال کو ترجیح ہے لیکن جیسا میں بارہا بتا چکا ہوں ایسے محتمل المعانی الفاظ کے سارے معانی مراد ہوتے ہیں جب تک کہ ان کی تعیین کا کوئی قرینہ نہ نصب ہو۔

آزر۔ عام طور پر تو یہ مشہور ہے کہ یہ عجمی ہے اور یہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے اور امام زجاج نے کہا ہے کہ نساب لوگوں میں اس امر میں بالکل اختلاف نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تارح یا تارخ تھا اور بہت سی روایتوں میں بھی ایسا ہی آیا ہے ہاں بعض روایتوں میں تیرح اور یازر بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام نہ تھا اور مجاہد رئیس المفسرین اور سعید بن المسیب وغیرھما اسی طرف گئے ہیں کہ یہ ان کا نام نہیں ہے۔ پس جو لوگ اس کو اس کا نام نہیں کہتے اور اس لفظ کو اسم عجمی یقین کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ حضرت ابراہیمؑ کے دادا یا چچا کا نام ہے اور دادا اور چچا زبان عرب میں آبٌ کہلاتے ہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ کسی آدمی کا نام نہیں بلکہ ایک صنم کا نام تھا اور جو اس طرف گئے ہیں کہ یہ نام نہیں ان میں سے بعض نے تو کہا ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا لقب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ان کی لغت میں وصف بمعنے مخطی یعنی خطا کار کے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وصف بمعنے اعوج یعنی ٹیڑھا کے ہے اور بعض کے نزدیک بمعنے پیر فرتوت کے ہے اور یہ خوارزمی زبان کا لفظ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وصف ہے جو کہ آزٌّ بمعنے قوت یا وِزْرٌ بمعنے گناہ سے مشتق ہے اور چونکہ بعض قرأتوں میں اٰزَرُ ضمہ کے ساتھ آیا ہے اور ضمہ ہونے کی حالت میں یہ منادیٰ ہوتا ہے جس کا حرف نداء محذوف ہے تو اس سے اس کے عَلَم ہونے پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ سوائے عَلَم کے اور کسی پر سے حرف نداء محذوف نہیں ہوا کرتا۔

[1]۔ اور قتادہ کی قرائت ہے فِي الصُّوَرِ جو صُوْرَةٌ کی جمع ہے اور اس سے مراد بدن ہیں جو روح پھونکے جانے کے بعد تمام جہانوں کے رب کے لئے کھڑے ہوں گے۔ (از مرتب)

مَلَکُوْت۔ مُلْکٌ سے مصدر ہے زَغَبُوْت اور رَحَمُوْت کی مانند اور اس کے معنے پورے طور پر اور من کل وجوہ مالک ہونا اور بادشاہ ہونا۔

مُوْقِنِیْنَ جمع ہے مُوْقِنٌ کی اور وہ اِیْقَانٌ سے ہے بمعنے یقین کرنے کے۔

جَنَّ۔ جَنٌّ بمعنے ستر اور ڈھانپنے کے ہے۔

کَوْکَبٌ۔ ستارہ۔

اَفَلَ۔ اُفُوْلٌ سے ہے بمعنے غروب۔ اٰفِلِیْنَ۔ اٰفِلٌ کی جمع ہے غروب ہونے والا۔

بَازِغٌ۔ بُزُوْغٌ اور بَزْغٌ سے ہے بمعنے ظہور اور اصل معنے اس کے چیرنے کے ہیں گویا کہ چیز اپنے نور کے ساتھ ظلمت کو چیرتی ہے۔

وَجَّھْتُ۔ تَوْجِیْہٌ سے ہے پھیرنا۔

فَطَرَ بمعنے ایجاد اور پیدا کرنے کے ہے۔

حَنِیْفٌ کے معنے بارہا بیان ہوئے ہیں اور یہ بھی کہ اس کے معنے مائل کے کرنے بالکل غلط ہیں۔

حَاجَّ۔ مُحَاجَّۃٌ سے ہے جھگڑنا۔

تَتَذَکَّرُوْنَ۔ تَذَکُّرٌ سے ہے نصیحت قبول کرنا۔

سُلْطَانٌ۔ قوت اور دلیل۔

اَحَقُّ بہت سزاوار اور قابل اور لائق۔

یَلْبِسُوْا۔ لَبْسٌ سے ہے خلط کرنا اور ملانا اور پوشیدہ کرنا۔

ترجمہ:

تم کہو کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پکاریں جو نہ ہم کو نفع دے اور نہ ہم کو ضرر دے اور ہم اپنی ایڑیوں پر اس کے بعد واپس کئے جاویں کہ اللہ نے ہم کو ہدایت دی ہے اس کی مانند جس کو شیطان نے زمین میں حیران کر کے گرا دیا ہو۔ اس کے لئے رفیق ہوں جو اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا۔ تم کہو بیشک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے لئے مطیع ہو جاویں اور یہ کہ نماز کو قائم کرو

اور اس (اللہ) سے بچو اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے اور یہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (استحکام والے حکم) کے ساتھ پیدا کیا ہے اور جس دن وہ کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ اس کی بات پکی ہے اور اسی کے لئے اس دن حکومت ہو گی جبکہ صور توں میں (یا صور میں) پھونکا جاویگا۔ غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہے اور (یاد کرو) جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے بزرگ آزر (یا اپنے باپ خطاء کار) کو کہا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟

میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھاتے تھے اور تا کہ وہ یقین کرنے والوں سے ہو۔ تو جب اس پر رات نے اندھیرا کر دیا تو اس نے کوئی ستارہ دیکھا۔ کہا یہ میرا ربّ ہے؟ تو جب وہ غائب ہوا تو کہا کہ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا ربّ ہے؟ تو جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ یقیناً اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ کرتا تو یقیناً ہی میں گمراہ لوگوں سے ہوتا۔ تو جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا ربّ ہے؟ یہ بڑا ہے۔ تو جب وہ (بھی) ڈوب گیا تو اس نے کہا کہ او میری قوم مَیں یقیناً اس سے بری ہوں جس کو تم شریک بناتے ہو بے شک میں نے اپنے رخ کو مستقیم ہو کر اس (اللہ) کے لئے پھیرا ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔ اور اس کی قوم اس سے جھگڑی۔ اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ میں جھگڑتے ہو حالانکہ یقیناً اس نے مجھے ہدایت کی ہے۔ اور میں اس سے نہیں ڈرتا جس کو تم نے اس کے ساتھ شریک بنایا ہے۔ مگر یہ کہ میرا ربّ کوئی بات چاہے۔ میرے ربّ کا علم سب چیزوں پر محیط ہے۔ کیا (تم اعراض کرتے ہو) پھر نصیحت نہیں پکڑتے۔ مَیں کس طرح اس سے ڈروں جس کو تم نے شریک بنایا ہے۔ حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے کہ جس کے ساتھ اس نے کوئی قوت (یا دلیل) تم پر نہیں اتاری۔ پس کونسا فریق امن کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر تم (کچھ) جانتے ہو۔ جو لوگ کہ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم (شرک) کے ساتھ ملایا نہیں انہی لوگوں کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر:

سیاق کے ساتھ تعلق

جب خداوند تعالیٰ نے وَ اِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ [1]...الخ(الانعام:69)اور مَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ [2]... الخ(الانعام:70)اور وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا [3]...الخ(الانعام:71)فرما کر نکتہ چینی کے وقت ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا خواہ شبہات رفع کرنے کے لئے ہو یا نصیحت کے لئے۔ تو اب ان کے پاس اس حالت میں بیٹھنے کی ممانعت کی وجہ پر حکیمانہ طور پر آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پکاریں جو کہ نہ ہم کو نفع دیتا ہے اور نہ ہم کو ضرر دے سکتا ہے (یعنی ان کی صحبت اور ان کی وہ نکتہ چینی اس بات کی طرف بلاتی ہے کہ ان چیزوں کی پرستش کی جائے اور ان کو جلب نفع اور دفع ضرر کے لئے پکارا جائے جو کہ حقیقت میں نہ کسی کو کچھ نفع دے سکتی ہیں اور نہ کسی کو کچھ ضرر دے سکتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا سخت تریں جہالت اور بڑی بھاری ناکامی کا موجب ہے۔

نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا کہنے کی حکمت

لیکن اگر کسی کو اس کا علم نہ ہو یا ہو پر اس کو اور کوئی ایسی ذات معلوم نہ ہو جو کہ نفع و ضرر دے سکتی ہو اور نہ اس کے پکارنے کا اس کو طریق معلوم ہو تو ایسا شخص اگر ان کو پکارنے پر آمادہ ہو تو ہو بھی سکتا ہے اور نہ وہ اس شخص کے برابر قابل ملامت ٹھہرتا ہے جو ان کی حالت کو جانتا ہے اور وہ اس ذات کو بھی جانتا ہے جو کہ نفع اور ضرر کی مالک ہے بلکہ اس ذات پاک نے خود اس کو اپنا پتہ اور ثبوت دیا ہو اور پھر اپنے پکارنے کا طریق بھی اس نے اس کو خود بتایا ہو اور وعدہ بھی کیا ہو کہ تمہارے پکارنے پر میں تمہاری سنوں گا۔ چنانچہ اسی بات کے بتانے کے لئے اس کے بعد فرمایا) اور ہم اس کے بعد اپنی ایڑیوں پر پھیرے

---

[1]۔ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں کے بارہ میں بے لگام ہو کر باتیں کرتے ہیں تو اس وقت تک ان سے الگ رہ۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے ذمہ ان (بیہودہ گو لوگوں) کے حساب کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اور تو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو مشغلہ اور کھیل بنالیا ہے..... چھوڑ دے۔ (تفسیر صغیر)

جاویں جبکہ اللہ نے ہم کو ہدایت کی ہے (اور نَرْتَدُّ کی بجائے نُرَدُّ فرما کر یہ بتایا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے ہم کو یہ بھی بخوبی بتادیا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی چیز ہمارے نفع اور ضرر کی مالک ہرگز نہیں ہے اور وہ ہرگز پکارنے کے لائق نہیں ہیں اور اس نے ان کے پکارنے کی خرابی اور سخت ترین خرابی بھی ہم کو بتادی ہے اور پھر اس نے اپنی ذات کا ہم کو پتہ بھی دیا ہے اور اپنے پکارنے کا طریق بھی بتایا ہے اور قبولیت کا وعدہ بھی دیا ہے تو پھر اس کے بعد ہم اپنے اختیار سے اور اپنے ارادہ اور خواہش اور پسندیدگی سے تو کبھی ایسی چیزوں کے پکارنے کی طرف نہیں پھر سکتے ہاں اگر کوئی احتمال ہے تو زبردستی کا ہے اور وہ نہ تم کر سکتے ہو اور نہ ہم اس طرح بھی پھیرے جاسکتے ہیں اور نہ کسی جاہل سے جاہل شخص کی عقل ایسی حالت اور ایسے طریق سے پھیرنا پسند کر سکتی ہے کیونکہ ایسے طریق پر پھیرے جانے سے ہم) اس شخص کی مانند (ہوں گے) جس کے زمین میں حیران ہونے کی حالت میں شیطان (جنون) اس کی عقل کو لے گیا ہو (یا شیطان نے اس کو گرادیا ہو) اس کے لئے ساتھی ہوں جو کہ اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا (کیونکہ اسی طرح ہمارے رفیق خداوند تعالیٰ اور اس کے پاک اور مقرر کئے ہوئے فرشتے ہیں جو کہ ہم کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری طرف آؤ اور پھر باوجود اس کے تم ہم کو سوائے کوئی راہ بتانے کے گراتے یا احمق بتاتے ہو اور ظاہر ہے کہ کوئی انسان اپنے لئے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ میں ایسے شخص کی طرح ہو جاؤں اور شیطان میرے ساتھ بھی ایسا ہی کرے اور نہ کوئی عقل کسی انسانی نسل کے شخص کی نسبت پسند کر سکتی ہے کہ وہ ایسا ہو جائے۔ تو پھر تم ہماری نسبت کیوں ایسا چاہتے ہو اور کس طرح اس کی امید لگاتے ہو کہ ہم ایسے ہو جاویں گے۔

گزشتہ مفسرین کی بیان شدہ روایات اور مفسرین کے تکلّفات کے جوابات

ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ مشرکین عرب نے مسلمانوں کو کہا تھا کہ تم ہمارے طریق و مذہب کے پیرو ہو جاؤ اور محمدؐ کو چھوڑ دو تو پھر یہ نازل ہوا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت ابو بکرؓ کے حق میں نازل ہوا ہے جبکہ آپ کے بیٹے نے جبکہ وہ مشرک تھا آپ کو شرک کی طرف بلایا تھا اور ان اسباب نزول کی بنا پر پھر مفسرین کو یہ مشکل پیش آئی

ہے کہ انہوں نے قُلْ کا مخاطب اور اَنَدْعُوْ کا حقیقی فاعل اور متکلم آنحضرت ﷺ کو سمجھا ہوا ہے جیسا کہ ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے اور اسباب نزول میں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جن کو شرک کی طرف بلایا گیا تھا وہ عام مؤمنین یا خاص حضرت ابو بکرؓ تھے نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ تو مفسرین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو شریک کرنا یا خاص آپ کو اس میں مخاطب کرنا مؤمنین یا حضرت ابو بکرؓ کی تشریف اور اعزاز کے لئے ہے جس میں یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان کو کہنا گویا خود ذات والا کو کہنا ہے اور ان کی طرف سے جواب دہی حضورؐ خود کرتے ہیں۔

دوسری مشکل جو مفسرین کو یہاں پر پیش آئی وہ یہ ہے کہ ردّ اوّل تو اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کو انسان چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف گیا ہو اور پھر اس دوسری چیز کو چھوڑ کر اس پہلی چیز کی طرف لوٹ آئے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر شرک اور غیر اللہ کے پکارنے کی طرف لوٹنا ہے جس سے ضروری ہوتا ہے کہ وہ لوٹنے والے پہلے شرک اور غیر اللہ کے پکارنے پر ہوں اور پھر اس کو چھوڑ کر توحید پر آئے ہوں اور اب اس توحید کو چھوڑ کر شرک کی طرف جائیں تو تب ردّ صادق آئے اور گو کسی دوسرے پر یہ صادق آئے پر آنحضرت ﷺ پر یہ ہرگز صادق نہیں آتا کیونکہ آپ پہلے ہرگز شرک پر نہ تھے اور نہ کوئی اور نبی پہلے شرک پر ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ آنحضرت ﷺ کی شان میں آئندہ اس کا امکان ہے۔

تو اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں پر اس کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر بطور تغلیب ہے جیسا کہ عَلَفْتُ تِبْنًا وَمَاءً بَارِدًا[1] میں ماء بارد پر عَلَفْتُ بول دیا گیا ہے اسی طور پر اور لوگ جو کہ پہلے شرک میں گرفتار تھے اور اب مؤحد ہیں اور ان کے لئے شرک ممکن ہے چونکہ آپ کے ساتھ شریک ہیں اور ان پر ردّ صادق آسکتا ہے ان کے لئے یہ لفظ بولا ہے لیکن اس شرکت کی وجہ سے آپ پر بھی بول دیا گیا ہے جیسا کہ ماء بارد پر عَلَفْتُ بولا گیا ہے ورنہ حقیقت میں آپؐ پر یہ صادق نہیں ہے۔ لیکن اگر مفسرین ایسی باتوں کو اس کا قرینہ قرار

[1]۔ میں نے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی۔ (از مرتب)

دیتے کہ یہاں پر دوسرے لوگ مخاطب ہیں جن پر یہ صادق آسکتا ہے اوران کے لئے ایسا ہونا ممکن ہے نہ وہ ذات پاک جو کہ ان دونوں باتوں سے منزہ ہے یا اگر خطاب میں آپؐ کو شریک ہی قرار دیتے تھے تو پھر یہ سمجھتے اور کہتے کہ جو جماعتوں اور قوموں کے حالات ہوتے ہیں ان میں خاص خاص افراد کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ان کے حالات مختصہ ملحوظ ہوتے ہیں تو پھر یہ مشکل ہر گز پیش نہ آتی اور نہ اس جواب کے تکلف کی ضرورت رہتی۔ سوم اِسۡتَهۡوَتۡ کے معنوں میں اختلاف ہے۔ امام رازی نے اس کو پسند کیا ہے اور ترجیح دی ہے کہ یہ هَوَی یَهۡوِی سے ماخوذ ہے جو بمعنے سَقَطَ یعنی اوپر سے نیچے گرنے کے ہے اور مشرکین کے بارہ میں دوسرے مقام پر اس کی تصریح بھی موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ[1] (الحج:32)

لیکن روح المعانی والے نے اس پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ معنے اوّل تو بعید ہیں دوم یہ موقوف ہیں اس پر کہ اِسۡتَهۡوَی یعنی هَوَی سے باب استفعال گرنے کے معنوں میں آیا ہو اور یہ ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک بمعنے ذَهَبَتۡ بِهٖ ہے یعنی لے گیا اس کو اور یہ هَوٰی سے ماخوذ ہے جو بمعنے ذَهَبَ ہے یعنی وہ گیا اور پھر دعویٰ کیا ہے جیسا کہ لغت میں مشہور و معروف ہے۔ حالانکہ کتب لغت کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِسۡتَهۡوَی بمعنے اَذۡهَبَ یا ذَهَبَ بِهٖ کے ہر گز نہیں آیا ہاں هَوَی بعض خاص صورتوں میں ذَهَبَ کے معنوں میں گاہے آتا ہے پر بہ نسبت اس کے بمعنے سَقَطَ بہت کثرت سے اور عام اور مطلق آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہ غلطی لگی ہے کہ کتب لغت میں اسی آیت کریمہ کو ذکر کر کے اِسۡتَهۡوَتۡ کو بمعنے ذَهَبَتۡ بِعَقۡلِهٖ وَ حَيۡرَتِهٖ لیا ہے جس کے معنے پاگل کرنے کے ہیں اس کو بمعنے اس شخص کے زمین میں لے جانے کے لے لیا ہے جو کہ صریح غلط ہے پس معنے دو ہی ہیں یا گرانے کے یا پاگل بنا دینے کے۔ اور شَيَاطِيۡن الفلا پیاس کو بھی کہتے ہیں اور مس شیطان سے جنون لیا جاتا ہے۔

---

[1]۔ اور جو اللہ کا شریک کسی کو بناتا ہے وہ آسمان سے گر جاتا ہے اور پرندے اس کو اچک کر لے جاتے ہیں۔ اور ہوا اس کو کسی دور کی جگہ پر پھینک دیتی ہے۔ (تفسیر صغیر)

اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے

اور پھر مثال مذکور کی نسبت ترقی بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ بے شک اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے (یعنی مثال مذکور میں گو اس شخص کے رفیق اس کو ہدایت کی طرف بزعم خود بلا رہے ہیں لیکن مزعوم ہدایت کی نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ حقیقت میں بھی وہ ہدایت ہو ممکن ہے کہ حقیقت میں بڑی ہلاکت اور تباہی کا راستہ ہو لیکن خداوند کریم کی ہدایت کی نسبت ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے پس حقیقی اور کامل اور یقینی اور قطعی ہدایت اسی ایک ذات واحد کی ہے اور بس۔

اور پھر دوسرا فرق عظیم یہ ہے کہ وہ رفیق نہ تو واقعہ میں واجب الامتثال ہیں کہ ہر ایک بات میں ہم ان کی اتباع کریں اور نہ کسی واجب الامتثال نے ہم کو حکم دیا ہوا ہے کہ تم نے ہر امر میں یا بالخصوص فلاں امر میں ان کی پیروی کرنا۔ بخلاف خداوند تعالیٰ کے کہ) ہم حکم کئے گئے ہیں کہ ہم رب العالمین کے لئے (ہر امر میں اور ہمیشہ اور ہر حالت میں) فرمانبرداری کریں۔

(رہا یہ کہ یہ امر کہ کس نے کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خود خداوند تعالیٰ نے کیا ہے جس کا ہر ایک امر عند العقل واجب الامتثال ہے۔ دوم فطرت انسانیہ بھی اس کا حکم دیتی ہے چنانچہ بارہا ذکر آچکا ہے کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى[1] (الاعراف:173) میں اسی فطرتی حکم اور اقتضاء کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ باقی رہی اس کی فرمانبرداری کی علت اور اس کی دلیل اور اس کا باعث اور سبب سو اس کو خود خداوند تعالیٰ نے لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرما کر ظاہر کر دیا۔ لیکن اس قدر بات رہ گئی کہ گو ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار ہو جائیں لیکن اس میں غیر اللہ کے پکارنے کی نفی یا ممانعت تو نہیں ہے حالانکہ ضرورت اس کی ہے تو اس کے بعد فرمایا) اور یہ کہ تم نماز قائم کرو (اور سب جانتے ہیں کہ اس میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ[2] (الفاتحہ:5) کی دعا بتا کر اور ہر رکعت میں اس کا تکرار ضروری قرار دے کر اور پھر ہر ایک دن میں کئی ایک نمازیں قرار دے کر کس قدر

[1]۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! (تفسیر صغیر)

[2]۔ (اے خدا)! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

بنی آدم کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ بھولے بھی کبھی ان چیزوں کو نہ پکاریں جو کہ نہ ان کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ ضرر دے سکتی ہیں۔

نماز قائم نہ کرنے پر سزا

اور کوئی کہہ سکتا تھا کہ گو نمازوں کے قائم کرنے کے حکم میں بے شک ایسا ہے لیکن اس کی خلاف ورزی پر کوئی سزا تو نہیں تو اس کے بعد فرمایا) اور اس سے بچو (یعنی اگر اس کے خلاف کرو گے تو سخت سزا پاؤ گے اور نیز تقویٰ کے امر میں بھی وہ بات پائی جاتی ہے جو کہ نماز کے قائم کرنے میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ نماز کی طرح تقویٰ کی بھی سخت تاکید ہے اور نماز کا ارشاد تو پھر چند خاص اوقات میں ہے لیکن تقویٰ اللہ کا ارشاد ہر ایک وقت کی نسبت ہے اور تقویٰ کا ادنیٰ مرتبہ ہے غیر اللہ کے پکارنے اور شرک سے بچنا اور کوئی شریر کہہ سکتا تھا کہ دیکھو ہم تو شرک سے نہیں بچتے اور اس سے تقویٰ نہیں کرتے اور نماز بھی نہیں پڑھتے اور پھر بھی دیکھو کہ ہم کو کوئی عذاب نہیں ہوا اور اسی طرح تم کو بھی کوئی نہ ہو گا تو اس کے دفع کے لئے ساتھ ہی فرمایا کہ) وہ وہ ہے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے (یعنی شرک وغیرہ نافرمانیوں کی سزا کا اصل محل وہ ہے جبکہ تم سب اللہ کے پاس جمع کئے جاؤ گے ہاں شوخی وغیرہ کے باعث جب وہ چاہتا ہے تو دنیا میں کچھ نہ کچھ سزا دے دیتا ہے۔

حشر اجسام کا ثبوت کُنۡ فَیَکُوۡنُ

لیکن ظاہر ہے کہ مشرکین عرب حشر اجسام اور بعث اخروی سے منکر تھے اور اس کو بعید از عقل ظاہر کیا کرتے تھے لہٰذا جب یہاں پر حشر کا ذکر آیا تو ان کے اس استبعاد کو رفع کرنے اور حشر اجساد کا ثبوت دینے کے لئے فرمایا کہ۔ وہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (بات) کے ساتھ پیدا کیا ہے (اور وہ حق بات کیا ہے (جو کہ ایسی اٹل ہے کہ کوئی چیز کبھی اس کو رد نہیں کر سکتی بلکہ ضرور اس چیز کو اس کی پیروی کرنی پڑتی ہے خواہ وہ پیروی طوعاً ہو یا کرہاً ہو) وہ ہے اس کا کُنۡ فرمانا۔ جیسا فرمایا ہے اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡـًٔا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (یٰس:83) اور ظاہر ہے کہ اسی کلمۃ الحق کے ساتھ زمین و آسمان کو پیدا کیا گیا

ہے) اور جس دن (آئندہ وہ ان کو پھر پیدا کرنا چاہے گا) کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا (سو جس طرح اس نے پہلے ان کو کُنْ کہہ کر پیدا کیا تھا اسی طرح آئندہ بھی کُنْ کہہ کر پیدا کرے گا اور جس طرح اس کا کُنْ کہنا پہلے رد نہیں ہوا بلکہ جب اس نے کُنْ کہا تو باوجود اس عظمت اور شان و شوکت کے زمین اور آسمان اور مَافِیْھِمَا ہو گیا اسی طرح آئندہ بھی جب وہ کسی کو کُنْ کہے گا تو پھر بھی وہ ہو جائے گا اور اس کا کُنْ کا ارشاد ردّ نہ ہو گا کیونکہ) اس کا یہ ارشاد (یا اس کا یہ کہنا) حق ہے (اور مضبوط اور پختہ ہے جس کو کوئی چیز کوئی حالت رد نہیں کر سکتی بلکہ وہ بالکل اٹل ہے ضرور ہی اس کے مطابق ہو جاتا ہے۔

مفسرین کی غلط رائے

یہ معنے خاص یاد رکھنے کے قابل اور سیاق و سباق کے مطابق ہیں اور مفسرین نے اس کے معنوں میں بہت دور دور کی باتیں اور مختلف ترکیبیں کی ہیں جو کہ سیاق و سباق سے بالکل بعید ہیں۔ چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ قَوْلُهُ الْحَقُّ صفت اور موصوف ہیں اور مبتدأ ہیں اور یَوْمَ یَقُوْلُ کُنْ فَیَکُوْنُ ثابت وغیرہ کے ساتھ متعلق ہو کر اس کی خبر ہے اور معنے یہ ہیں کہ اس کی بات جو کہ حق ہونے کے ساتھ مشہور و معروف ہے وہ ثابت ہوتی ہے۔ اس دن جس دن کہ وہ کُنْ کہتا ہے پھر وہ ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو خدائے قدیر ایک کُنْ کے ساتھ زمین و آسمان اور مافیھما کو پیدا کرتا ہے۔ کیا وہ اس کُنْ کے ساتھ انسان کو دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا۔ ضرور پیدا کر سکتا ہے اور اسی استدلال بالاولیٰ کے لئے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ باوجود ان باتوں کے ماننے کے وہی شخص بعث اور حشر اجساد کو بعید از عقل اور غیر ممکن قرار دے سکتا ہے جس کا یہ خیال ہو کہ خداوند تعالیٰ کو اس جہان میں تو قدرت اور حکومت اشیاء پر حاصل ہے اس لئے جس بڑی سے بڑی اور مشکل سے مشکل چیز کو کُنْ کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس جہان کے بعد پھر اس کے لئے قدرت اور حکومت باقی نہ ہو گی لہٰذا اس کے کُنْ کہنے سے کوئی چیز نہ ہو گی۔ حالانکہ نہ وہ ایسا کہہ سکتے ہیں اور نہ ایسا ہے اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ وہاں پر تو اس جہان سے بھی بات بہت بڑھی ہوئی ہے چنانچہ فرمایا کہ) خاص اسی کے لئے حکومت ہو گی جبکہ صورتوں (جسموں)

میں پھونکا جاوے گا (یعنی گو حقیقت میں تو دونوں جہانوں میں حکومت اور سلطنت ہر ایک چیز پر خاص خداوند تعالیٰ ہی کے لئے ہے لیکن اس عالم دنیا اور عالم اسباب میں ظاہر میں کچھ مجازی اور برائے نام اور بادیٔ النظر میں دوسری چیزوں کے لئے بھی حکومت ہے گو حقیقت میں نہیں لیکن بتایا کہ اس دوسرے جہان یعنی آخرت میں تو یہ ظاہری اور برائے نام حکومت بھی کسی غیر کے لئے حاصل نہ ہو گی بلکہ ظاہر اور باطن میں محض اسی ایک ذات کے لئے حکومت اور سلطنت ہو گی اور ظاہر ہے کہ جب یہاں سے بھی وہاں پر حکومت اور سلطنت کی شان زیادہ ہوئی تو پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ یہاں پر تو وہ کُنْ کے ساتھ آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دے اور وہاں پر اس کے ساتھ انسان کو بھی دوبارہ نہ پیدا کر سکے۔ پھر علاوہ اس کی سلطنت اور حکومت کے اس کے پیدا اور زندہ کرنے کی بناء ظاہر اور غیب کے جاننے اور حکیم و خبیر ہونے پر ہے تو اگر دوسرے جہان میں ان چیزوں میں سے کسی میں فرق آجاتا تو بھی یہ کہنے کی کچھ گنجائش ہوتی لیکن فرمایا کہ جس طرح وہ اس جہان میں عالم الغیب والشہادۃ اور حکیم و خبیر ہے اسی طرح وہ اس دن میں جبکہ صورتوں میں پھونکا جائیگا) وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی حکمت والا پوری خبر رکھنے والا ہو گا۔

مشرکین کی شرک پر دلیل اور اس کا جواب

(تو جب بعث و حشر کے استبعاد کو رفع کر دیا گیا جس کا ذکر ابطال شرک کے بالتبع ہوا تھا تو پھر اصل بات کی طرف رجوع کر کے ایک تو ان کے تمسک اور دلیل کا قلع و قمع فرمایا کہ جس کی بناء پر وہ شرک کیا کرتے تھے اور جب کبھی ان کو منع کیا جاتا تھا تو بجائے اس کے کہ وہ شرک کو ترک کرتے اس دلیل کو پیش کر کے الٹا ناصح کو ملامت کیا کرتے تھے کہ تم نے اپنے آباء واجداد اور سلف صالحین کا طریق ترک کر دیا ہے اور نیز ڈرایا کرتے تھے کہ تم نے چونکہ بتوں کی مذمت اور توہین کی ہے اس لئے تم پر کچھ مصائب آئے ہیں اور آئندہ اگر باز نہ آؤ گے تو اور آئیں گی۔ سو ایک تو اس کے قلع و قمع کے لئے دوم اس کے جواب کے لئے کہ جب ان کو شرک اور غیر اللہ کے پکارنے سے بادلائل بھی منع کیا جاتا تھا تو وہ یہی عذر کیا کرتے تھے کہ ہم کس طرح تمہاری بات کو مانیں تم دلیل تو کوئی

لاتے نہیں ہو تو اس کے جواب کے لئے بھی فرمایا کہ یاد کرو (جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے بزرگ (یاباپ) آزر (یاخطاکار باپ) کے لئے کہا کہ کیا تو نے بتوں کو معبود بنایا ہے (یعنی نہ بنانا چاہیے) مَیں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں (اور بظاہر یہ بہت اچنبی بات معلوم ہوتی تھی کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے بزرگ بت پرست اور آپ کی قوم بت پرست اور مشرک اور گمراہ تھے جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کا اس کے متعلق بیان نقل فرمایا دیا ہے کہ انہوں نے آزر کو کہا تھا کہ مَیں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ تو پھر ایسی قوم میں پیدا ہو کر اور انہی میں نشوونما پاکر سوائے اس کے کہ کوئی نبی آپ کے اور آپ کی قوم کی طرف مبعوث ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ شرک کی برائی اور توحید کی خوبی کو سمجھ کر شرک کو چھوڑ دیں اور توحید پر ایسے جم جائیں کہ اپنے بزرگوں کو اس جرأت سے بالمشافہ شرک سے روکیں اور توحید کی دعوت کریں۔ تو اس تعجب کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ جس طرح ابراہیمؑ اپنی قوم اور اپنے بزرگوں کو بڑے شوق اور پیار سے راہ ہدایت دکھا رہا ہے) اسی کی مانند ہم ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھا رہے ہیں (یعنی ابراہیمؑ کو خداوند تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایسے نشان بتائے ہیں کہ جن کی وجہ سے اس کو اس امر کا یقین کامل حاصل ہو چکا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور مَافِیْھِمَا کی حکومت اور سلطنت اور ان کے ہر ایک ذرہ میں تصرف خاص خداوند تعالیٰ کی ذات ہی کو حاصل ہے اور دوسرا کوئی اس میں ذرہ بھر بھی کسی قسم کی شرکت نہیں رکھتا اور اسی سے اس کو بخوبی معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور شرک نہایت غلط اور سخت ترین مضر چیز ہے اور توحید نہایت پکی اور حق اور سب خوبیوں اور ترقیوں کی جڑھ ہے۔

ابراہیمؑ کو مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیوں دکھائی

رہا یہ کہ ابراہیمؑ کو اس طریق پر کیوں مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ دکھائی تو اس کی ایک وجہ تو تیسرے پارہ میں یوں بتائی ہے کہ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

اِلَی النُّوْرِ[1](البقرۃ:258)یعنی جو خداوند تعالیٰ کی باتوں پر یقین کرنے والے اور ان کو تسلیم کرنے والے ہوتے ہیں خداوند تعالیٰ ان کی تعلیم کا خود متکفل ہو کر ان کو ظلمتوں سے نکالتا اور نور میں داخل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ کامل انسان ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہاں پر یہ مثال بتائی ہے کہ ابراہیمؑ کو جب کیفیت احیاء اموات کی نسبت اطمینان قلب حاصل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم نے اس کو حکم دیا کہ خُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ[2]...الخ(البقرۃ:261) اور جب ایک کافر کے مباحثہ میں ان کو مشکل پیش آئی تو ہم نے اس کو یہ حجت بتائی کہ اِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ[3]...الخ(البقرۃ:259)اور دوسری وجہ بھی وہاں پر ہی اس طرح بتائی ہے کہ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ[4](البقرۃ:260)یعنی خداوند تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جن لوگوں کو وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے اور ان کو دوسرے لوگوں کے لئے آیت اور بَيِّنَة بنانا چاہتا ہے۔ تو وہ اسی طرح سے ان کو اپنے آیات دکھاتا اور ظلمتوں سے نکالتا اور نور میں داخل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود اٰيَةً لِّلنَّاس اور بَيِّنَةً لِّلنَّاس ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طریق سے جو طاقت اور جرأت دعوت الی الحق کی پیدا ہو سکتی ہے وہ کسی اور طریق سے ہرگز نہیں پیدا ہو سکتی اور اسی کو یہاں پر یوں بیان فرمایا ہے) اور تاکہ یقین کرنے والوں سے ہو جائے (کیونکہ اٰيٰتٍ آیات ہی سے یقین کامل حاصل ہوتا ہے اور اسی سے دعوت حق کا ولولہ پیدا ہوتا اور جرأت و استقامت حاصل ہوتی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی اس کی وجہیں تھیں اس لئے واؤ لا کر کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ بارہا بتایا گیا ہے۔

ابراہیمی صفات والوں کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ دکھانے کا وعدہ

یاد رہے کہ یہاں پر علاوہ اس کے ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کوئی ابراہیم ہو گا اور وہ ابراہیمؑ کی طرح ہماری باتوں کو ماننے اور ان پر پوری طرح سے

---

[1]۔ اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اچھا! تو چار پرندے لے۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ اللہ (تو) سورج کو مشرق (کی طرف) سے لاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ اور ایسا ہم نے اس لئے کیا ہے تا تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں۔ (تفسیر صغیر)

عمل کرنے والا ہو گا تو ہم اس کو بھی ابراہیمؑ کی طرح آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھائیں گے اور دکھا رہے ہیں یعنی تم تو ابراہیمؑ نہیں ہو اس لئے تم اس سے محروم ہو لیکن صحابہؓ چونکہ ابراہیمؑ ہیں اس لئے ان کو ابراہیمؑ کی طرح مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہم دکھا رہے ہیں اور آئندہ بھی ایسوں کو دکھائیں گے۔ اس کے بعد مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ کے دکھانے کی ایک خاص مثال اور ایک خاص واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) جب اس پر رات سیاہ ہو گئی تو اس نے کوئی ستارہ دیکھا کہا یہ میرا ربّ ہے؟ تو جب وہ غروب ہوا تو کہا کہ مَیں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی جو چیز ایسی ناقص اور محل حوادث ہو اور اس کا فیض اور اس کے برکات کسی وقت انسان سے منقطع ہو جاتے ہوں اور انسان کا گذر اس کے سواء بھی ہو سکتا ہو وہ رب ہر گز ہونے کے قابل نہیں ہے۔ پھر جب اس نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا ربّ ہے؟ جب وہ غروب ہو گیا تو کہا کہ (واللہ) اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو یقیناً میں گمراہ لوگوں سے ہوتا۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا ربّ ہے؟ (کیونکہ) یہ (سب سے) بڑا ہے تو جب وہ (بھی) غروب ہو گیا تو اس نے کہا او میری قوم میں یقیناً ان سے بیزار (اور پاک) ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو (یعنی ستارے، چاند، سورج جو کہ سب پوجے کے اجرام سے بڑے اور بہت تاثیرات والے ہیں جبکہ یہ ربّ نہیں ہو سکتے تو ان کے سوا جو اور ہیں وہ تو بطریق اولیٰ ربّ نہیں ہو سکتے اس لئے میں کلی طور پر تم کو سنا دیتا ہوں کہ جن جن کو تم شریک خداوند تعالیٰ کا قرار دیتے ہو میں ان سب کے شریک قرار دینے سے بیزار اور پاک ہوں بلکہ) یقیناً مَیں نے مستقیم ہو کر (اور راہ راست پر جم کر) اپنے رخ کو اس (خدا) کی طرف پھیر دیا ہے جس نے (ان اجرام کو کیا بلکہ) آسمانوں اور زمین یعنی سب کچھ کو) ایجاد کیا ہے (اور اس کے علاوہ کسی اور کی طرف مَیں ہر گز اپنا رخ نہیں کرتا کیونکہ یہ شرک ہے) اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں۔

کیا ابراہیمؑ کی دلیل سے مخالفین مان گئے

(تو جب ابراہیمؑ نے کھلے طور پر شرک کی مذمت اور توحید کی طرف دعوت کی اور پھر شرک کے ابطال پر اس لاجواب حجت اور برہان کے ساتھ اتمام حجت کر دیا تو اس کے بعد یہ

بتانے کے لئے کہ کیا اس پر ان کی قوم نے شرک کو چھوڑ کر توحید کو اختیار کر لیا تھا یا کم از کم آئندہ اس باطل کی تائید اور اس حق کی مخالفت اور تردید سے سکوت اختیار کر لیا تھا یا کہ شریروں کی طرح پھر بھی اس باطل پر اڑے رہے اور اس کے لئے حجت بازی کرتے رہے۔ فرمایا) اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا (اور حجت بازی کی اور ظاہر ہے کہ ایسے باطل پرست مشرک بجز تقلید آباء اور خیالی خوف دلانے کے اور کوئی بات پیش ہی کیا کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے سوا اور کچھ پیش کرتے بلکہ انہوں نے بھی یہی دو باتیں پیش کیں لہٰذا حضرت ابراہیمؑ نے ان کو یہ جواب دیا اور) کہا کیا تم مجھ سے اللہ میں جھگڑتے ہو حالانکہ یقیناً اس نے مجھے ہدایت کی ہے (یعنی تم تو جس شرک کی طرف بلاتے ہو اس پر سوائے تقلید آباء کے اور کوئی بات پیش نہیں کرتے۔ حالانکہ ایسے مذہبی اصول میں تقلید کو دخل ہی کچھ نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کے خود بتانے کے سوا ان کے لئے دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور بالمقابل اس کے میں کہتا ہوں کہ مجھے اس خداوند تعالیٰ نے خود راستہ بتایا ہے اور اس کا ثبوت دیتا ہوں۔ تو اس صورت میں تم میرے ساتھ مباحثہ کر ہی کیا سکتے ہو یا تمہاری اس حجت بازی کا مجھ پر اثر ہی کیا ہو سکتا ہے۔

ٹھاکروں کی پکڑ سے ڈرانے کا جواب

اب رہا تمہارا مجھے اپنے ٹھاکروں کی پکڑ سے ڈرانا تو یاد رکھو کہ) میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم شریک بناتے ہو (کیونکہ مَیں علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہوں کہ وہ خود کسی نفع اور ضرر پر نہ قابو رکھتے ہیں اور نہ قادر ہی ہو سکتے ہیں تا کہ مَیں ان کے ضرر پہنچانے سے ڈروں۔ ہاں جس طرح دنیا کی اور چیزیں ایک ہی صورت میں ضرر پہنچا سکتی ہیں کہ خداوند تعالیٰ چاہے کہ ان چیزوں کے ذریعہ سے فلاں کو فلاں ضرر پہنچے اسی طرح تمہارے ٹھاکر بھی اور کسی صورت میں ضرر نہیں پہنچا سکتے) مگر یہ کہ میرا ربّ کچھ چاہے (کیونکہ حقیقی فاعل اور قادر وہی ہے اور دوسری سب چیزیں اس کی مشیت کے ماتحت چلتی ہیں اور اس صورت میں جس طرح مجھے اور چیزوں کی بجائے اس خدا سے ڈرنا چاہیے جس کے حکم سے باہر وہ نہیں ہو سکتیں۔ اسی طرح مجھے ان تمہارے ٹھاکروں کی بجائے اس خداوند تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے جو

اگر نہ چاہے تو یہ مجھے کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتے اور رَبِّیْ فرما کر یہ بتایا ہے کہ اوّل تو وہ اس کو چاہے گا ہی نہیں پر اگر وہ چاہے تو چونکہ وہ میرا ربّ ہے لہٰذا اس کے ایسا چاہنے میں بھی میری کوئی تربیت ہو گی اور یہ خیال کرنا کہ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کیونکہ جب خداوند تعالیٰ نے ایک شخص کو ہدایت کی ہو اور اس کو حکم دیا ہو کہ تو لوگوں کو ان کے ٹھاکروں کے شریک بنانے اور ان کے پکارنے اور ان کی پرستش سے منع کرنے اور توحید کی دعوت کرنے پر اس کو مامور کیا ہو اور پھر ان ٹھاکروں کے ذریعہ سے اس کو ضرر پہنچائے تو اس سے تو دوسرے لوگ یہی یقین کریں گے کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور یہ ٹھاکر واقعہ میں نفع اور ضرر پہنچانے والے ہیں تو گویا خداوند تعالیٰ نے خود لوگوں کو ہدایت سے روکا ہے اور اس مامور کو جھوٹا یقین کرایا ہے اور ایسا کرنا خداوند تعالیٰ کی شان سے چونکہ بعید ہے لہٰذا وہ ایسا نہ کرے گا اور نہ ایسا کرنا اس کی شان کے شیاں ہے تو اس کا جواب یوں دیا کہ) میرے رب کا علم سب چیزوں پر وسیع ہے (یعنی تمہارا علم ایسا وسیع نہیں کہ ہر ایک چیز کے نفع و نقصان کا موازنہ کر کے صحیح حکم لگا سکے پس ہو سکتا ہے کہ اس کے علم میں ایک چیز کا فائدہ اس کے نقصان سے بہت زیادہ ہو اور اس وجہ سے وہ اس کا ارادہ کرے اور تمہارا علم اس کے نقصان ہی تک محدود ہے لہٰذا اس کو ممنوع خیال کرو اور یہ واقعی بات ہے کہ بعض اوقات بعض اشخاص اپنی شرارتوں سے محروم الہدایت ہو جاتے ہیں۔ تب خداوند تعالیٰ ان کے لئے ایسے امور پیش کر دیتا ہے کہ جن کی وجہ سے وہ اس مامور کو یقیناً جھوٹا سمجھتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

حضرت مسیحؑ کا واقعہ صلیب اور حضرت مسیح موعودؑ کا عبدالحکیم مرتد اور امرتسری عنید حق والا معاملہ بھی اسی قسم کے ہیں۔ یہود اب تک شور مچاتے ہیں کہ توریت کا حکم ہے کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جائے وہ ملعون ہے اور مسیح کاٹھ پر لٹکایا گیا جیسا کہ اس کے متبع مسیحی لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں تو پھر ہم ایسے شخص کو کس طرح خداوند کا رسول تسلیم کریں۔ اب یہ ایسی بات ہے کہ کوئی ان کو اس کے خلاف نہیں سمجھا سکتا اور اس نے ان کو ہمیشہ کے لئے محروم الہدایت کر رکھا ہے اور یہ سب کچھ خداوند تعالیٰ کے علم اور مشیت کے ماتحت ہوا ہے) ایسی سچی اور اخلاص بھری باتیں سنتے ہو) اور پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

حضرت ابراہیمؑ کا الزامی جواب

جب واقعی طور پر ان کو اپنے نہ ڈرنے کی وجہ بتادی تو اب الزامی طور پر جواب دینے کے لئے فرمایا کہ) میں کس طرح ان سے ڈروں جن کو تم نے شریک بنایا ہے حالانکہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اس کو شریک بنایا ہے جس کے ساتھ اس نے تم پر کوئی حجت (اور طاقت) نہیں اتاری۔ سو ان دونوں فریق سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے (اس کا جواب دو) اگر تم جانتے ہو (وہ جواب کیا دیتے جواب تو خود ظاہر ہے کہ) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو (حقیقی اور کامل) ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملایا (ان کا زیادہ حقدار امن ہونا تو کیا بلکہ) ان ہی کے لئے امن ہے (اور فریق مقابل کے لئے بالکل امن نہیں ہے چہ جائے کہ دوسرے فریق کے ساتھ اس کا موازنہ ہو بلکہ امن ہی پر بس نہیں۔ اپنے سب مقاصد اور کامیابیوں کی طرف) وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اصول مذہب میں تقلید آباء کچھ قابل اعتبار چیز نہیں

(تو حضرت ابراہیمؑ کے واقعات بیان فرما کر یہ بتایا ہے کہ اصول مذہب میں اگر تقلید کچھ قابل اعتبار چیز ہوتی تو حضرت ابراہیمؑ اول تو اپنے اَب آزر اور اس کی قوم کے مذہب کو ہر گز نہ چھوڑتے اور پھر اس کے مقابل معقولات سے استدلال نہ کرتے اور خصوصاً قوم نے ان کے سامنے جب حجت کے رنگ میں تقلید آباء کو پیش کیا تھا تو وہ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰہِ وَ قَدْ ھَدٰىنِ کہہ کر اس کو بالکل ردّ نہ کرتے۔ دوم یہ بتایا کہ اگر فرض کرلیں کہ اصول مذہب میں تقلید آباء قابل تمسک چیز ہے تو پھر جو مورث اعلیٰ کہ اس کے نام پر یہ قوم چلی ہوئی ہے اور جس کی عظمت سب کے نزدیک سب سے بڑی ہے اور سب کے نزدیک پیشوائے مذہب مسلّم ہے تقلید کے زیادہ لائق ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس کی تقلید نہیں کرتے اور نہ اس کا حنیف اور مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ہونا تم پر مخفی ہے اور نہ اس کے ان قومی مباحثات سے تم لا علم ہو اور حضرت ابراہیمؑ کا اس طریق پر پیش کرنا ان کے تقلید آباء کے ساتھ تمسک کرنے کا قطعی طور پر قلع و قمع کر دیتا ہے۔

کیا آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد تھے؟

ان آیات کریمہ کی تفسیر میں چند ایک باتیں بیان کرنی ضروری ہیں لہٰذا ہم ان کو مختصراً یہاں پر ذکر کر دیتے ہیں۔ پہلی بات تو وہ ہے جس کے متعلق میں تشریح میں لکھ آیا ہوں کہ آزر کیا ہے نام ہے یا وصف ہے پھر نام ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے یا ان کے دادا یا چچا کا یا بت کا جس کا پوجاری ان کا کوئی بزرگ تھا اور اگر وصف ہے تو پھر اس کے کیا معنے ہیں۔ یہ سب اقوال تو ذکر ہو گئے ہیں۔ اگر یہ ان کے چچے یا دادے کا نام ہو تو ان کو اَب کہنا کوئی بعید نہیں ہے۔ حضرت مولانا خلیفہ المسیحؒ نے بارہا اس آیت کریمہ کے متعلق فرمایا ہے جہاں پر خداوند تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اپنے اَب کے لئے استغفار کرنے کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ[1] (الممتحنۃ:5) اور پھر اسی کی نسبت فرمایا ہے کہ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ[2] (التوبہ:114) کہ یہ اَب یقیناً والد نہ تھا کیونکہ اس کی نسبت یہاں پر تو یہ آیا ہے اور پھر جبکہ حضرت ابراہیمؑ کو عَلَى الْكِبَرِ خداوند تعالیٰ نے اسماعیلؑ دیا اور وہ کام کاج کرنے کے لائق بھی ہو گیا اور دونوں باپ بیٹا کعبہ بناتے تھے تو اس وقت کی ان کی دعا جو خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہے اس میں وہ کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ[3] (ابراہیم:42) اور ظاہر ہے کہ وہ ممنوع دعائے مغفرت یہ یا اس کے بعد تو ہو نہیں سکتی اور نہ ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے ہو لیکن بعد تَبَرَّاَ مِنْهُ کے اور پھر بار ثانی انہوں نے یہ دعا بھول کر یا دیدہ و دانستہ کر دی ہو۔ پس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ والد سے باپ مراد ہے اور اس کے لئے دعائے مغفرت جائز اور درست تھی اور اَب سے کوئی اور بزرگ مراد ہے جس کے شرک کی وجہ سے اس کے لئے دعائے مغفرت درست نہ تھی اور چونکہ یہاں پر بھی وہی حضرت ابراہیمؑ ہیں اور وہی لفظ اَب ہے اس لئے کچھ عجب نہیں کہ یہاں پر بھی اس سے کوئی دوسرا بزرگ باپ کے سوا مراد ہو۔

---

[1] ۔ہاں ہم ابراہیم کے وعدہ کو جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا مستثنیٰ کرتے ہیں، وہ یہ تھا کہ میں تیرے لئے استغفار کروں گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ مگر جب اس پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس وعدہ سے پوری طرح دست بردار ہو گیا۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔(اے) ہمارے رب!..... مجھے اور میرے والدین کو..... بخش دیجیو۔ (تفسیر صغیر)

حضرت مسیح موعودؑ کا فرمان آزر کے متعلق

پر مجھے اس قدر یقینی طور پر یاد ہے کہ میرے سامنے ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہ تھا بلکہ چچا یا دادا تھا تو حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ "بعض لوگ مخالفین کے اعتراض سے دب کر اس سے بچنے کے لئے اصل حقیقت کو چھوڑ دیتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ آزر آپ کا باپ تھا اور مخالفین کے اعتراض کا جواب آسانی سے ہو سکتا ہے۔"

چنانچہ سب سے پہلے تو یہی گنجائش ہے کہ ایک آدمی کئی کئی ناموں سے بھی موسوم ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ تارح بھی ان کے والد کا نام ہو اور آزر بھی اور پھر تاریخ جس کی ہزاروں غلطیاں ہم یقینی طور پر جانتے ہیں۔ اس جیسی ظنی چیز کے ساتھ ایک الہامی اور قطعی کتاب کے بیان کو رد نہیں کر سکتے اور یہ بھی کثرت کے ساتھ ہوا کرتا ہے کہ ایک تو شخصی نام ہوتا ہے اور ایک قومی یا منصبی نام ہوتا ہے یا ایک نام اور لقب ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حقیقت میں ایک چیز وصف ہوتی ہے اور شہرت و اختصاص کے باعث لوگ اس کو نام ہی خیال کر لیتے ہیں اور پھر ہم جب قرآن مجید کا یہ طریق دیکھتے ہیں کہ ایسے مذمت کے بیان کے موقع پر عموماً وہ شخصی نام ذکر نہیں کرتا بلکہ اوصاف یا قومی وغیرہ خطاب کو اختیار کرتا ہے جیسا ظالم، فاسق، حَلَّافٍ[1] (القلم:11) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ[2] (القلم:12)، فرعون، ابولہب تو اس سے اور بھی زیادہ غالب گمان ہوتا ہے کہ یہ وصف بمعنے مخطی وغیرہ یا لقب خاندانی ہو کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کسی نامی معبد یا ستھان کے متولی اور پوجاری ہوتے ہیں۔ اکثر وہ اسی کے نام کے ساتھ ملقب ہو جاتے ہیں جیسا بَرَمَک فارس کے ایک مشہور آتشکدہ کا نام تھا تو اس کے پوجاری اور مغان کو بھی بَرَمَک ہی کہتے تھے۔ چنانچہ خاندان برامکہ کی یہی وجہ تھی۔

ستارہ اور چاند و سورج کو هٰذَا رَبِّیْ کہنا

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اپنی قوم پر اتمام حجت کرتے ہوئے ستارہ

---

[1] ۔ جو قسمیں کھاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ جس کو (نیکوں پر) طعنہ کرنے اور (ان کی) چغلیاں کرنے کی عادت ہے۔ (تفسیر صغیر)

اور چاند و سورج کو ھٰذَا رَبِّیْ کہنے میں چونکہ بظاہر یہ مشکل پیش آتی تھی کہ یہ کلمہ تو شرک اور کفر کا ہے اور انبیاء قبل از بعثت بھی اس سے ویسے ہی پاک ہوتے ہیں جیسے کہ بعد میں اس لئے مفسرین نے اس کی بہت سی توجیہیں بیان کی ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ کا یہ کہنا بطور فرض اور ارخاء عنان کے محض اس کے باطل کرنے کے لئے ذکر کیا ہے اور مستدل ایسا کیا کرتا ہے کہ پہلے اس باطل قول کو نقل اور ذکر کرتا ہے اور پھر لوٹ کر اس کو باطل کیا کرتا ہے اور اس سے ہر گز یہ لازم نہیں آیا کرتا کہ وہ اس کا معتقد اور تسلیم کرنے والا ہے اور تفسیر روح المعانی میں اس توجیہ کی نسبت لکھا ہے کہ ھَذَا ھُوَ الْحَقُّ الْحَقِیْقُ بِالْقَبُوْلِ۔[1] دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں پر حرف استفہام مقدر ہے اور وہ کلام عرب میں بہت مقدر ہوا کرتا ہے۔ تیسری یہ کہ جیسا ذلیل شخص جو سردار ہو جائے اس کو استہزاءً کہا کرتے ہیں کہ ھَذَا سَیِّدُکُمْ[2] اسی طرح یہاں پر بھی بطور استہزاء کہا گیا ہے اور یہ کوئی معیوب بات نہیں ہے۔ چوتھی یہ کہ آپ کو تو دعوت توحید کا حکم تھا اور قوم اس کو سن سکتی ہی نہ تھی اس لئے اوّلاً آپ نے ایسی بات کہی جس سے وہ موافقت کا گمان کریں اور بات سننے کی طرف متوجہ ہوں تو پھر آپ نے اس کی تردید کر کے دعوت توحید دی اور انہوں نے اس کی تائید اس دوسری آیت سے کی ہے جس میں آیا ہے کہ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِی النُّجُوْمِ ۔فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ[3] (الصّٰفّٰت:89-90) کیونکہ یہ بھی ویسا ہی کلام ہے گو محققین نے توجیہ اوّل کو ترجیح دی ہے لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ ہے تو یہ کلام استفہامی لیکن استفہام کو اس لئے مقدر کیا ہے تاکہ وہ موافقت خیال کریں اور یہ اس لئے کیا کہ اوّل موافق ہونا اور پھر کسی وجہ کی بنا پر مخالفت کرنا یہ دوسروں کو اس وجہ پر متوجہ کرتا ہے اور اس باطل عقیدہ سے پھیرنے میں یہ بہت موثر ہوتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ کی تشریح

تیسری بات یہ ہے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ الخ کو بعض نے تو

[1] ۔یہی حقیقی سچائی ہے جو قابل قبول ہے۔(از مرتب)
[2] ۔یہ تمہارا سردار ہے۔(از مرتب)
[3] ۔پھر اس نے ستاروں کی طرف دیکھا۔ اور کہا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔(تفسیر صغیر)

خداوند تعالیٰ کی طرف سے کہا ہے جیسا کہ محمدؐ بن اسحاق اور ابن زید اور جبائی سے مروی ہے اور بعض نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے کہا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ پھر اس آیت میں ایک بھاری اختلاف یہ ہے کہ اہل سنت تو ظلم سے شرک لیتے ہیں جیسا کہ بخاریؒ مسلمؒ اور ترمذیؒ اور امام احمدؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو صحابہؓ پر بہت دشوار گذری اور انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کس نے [1] ظلم نہیں کیا تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا تھا کہ یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ [2] (لقمان:14)

(مسند احمد بن حنبل جلد 3 صفحہ 501 حدیث 3598، دار الحدیث قاہرہ)

اور معتزلہ اس سے مطلق ظلم لیتے ہیں اور پھر اس سے اپنے مشہور دعویٰ پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ فاسق کے لئے امن اور نجات نہیں جیسا کہ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ سے صاف حصر ثابت ہوتا ہے اور وہ ظلم سے عام ظلم لینے کی یہ وجہ پیش کرتے ہیں کہ یہاں پر آیا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اور ظاہر ہے کہ ایمان کے ساتھ شرک خلط نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ دونوں ضد ہیں اور ضدّیں جمع نہیں ہوتیں اور حدیث ظنی ہے اس قطعی دلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اور اہل سنت نے اس سے یہ جواب دیا ہے کہ خود قرآن مجید میں ایمان کے ساتھ شرک کے جمع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ جہاں فرمایا ہے وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ [3] (یوسف:107) اور یہ دو طور پر ہوتا ہے اوّل یہ کہ ایمانیات سے بعض کو مانتے اور بعض نہیں مانتے اور شرک بھی کرتے ہیں اور یہ ایمان شرک کا ضد نہیں بلکہ وہ ہے جس میں توحید بھی ہو اور دوم اس طرح کہ ایمان لا کر پھر شرک کے ساتھ اس کو اپنے خیال میں ملاتے ہیں اور حقیقت میں اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اور معنے وہی حق ہیں جو کہ صحیح حدیث میں آگئے ہیں)

---

[1] ۔(رسالہ تفسیر القرآن جلد 7 نمبر 1 بابت ماہ جنوری تا جون 1912ء صفحہ 1 تا 100)

[2] ۔اے میرے بیٹے! اللہ کا شریک کسی کو مت قرار دے شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔(تفسیر صغیر)

[3] ۔اور ان میں سے اکثر (لوگ) اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ (ساتھ) ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔(تفسیر صغیر)

آیت 84 تا 91: وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَ نُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَ اجْتَبَيْنٰهُمْ وَ هَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

حُجَّتٌ۔ دلیل اور غلبہ

دَرَجٰتٍ۔ دَرَجَةٌ کی جمع ہے مرتبہ اور زینہ۔

اِسْحٰقَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کا نام ہے جو کہ حضرت سارہ کے پیٹ سے تھے اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ ان کی عمر 180 سال ہوئی ہے اور لکھا ہے کہ اسحق کے معنے عربی میں ضَحَّاكٌ کے ہیں یعنی بہت ہنسنے والا۔

يَعْقُوْبَ۔ حضرت اسحاق کے بیٹے کا نام ہے جن کا لقب اسرائیل ہے جن کی طرف بنی اسرائیل منسوب ہیں اور ان کی عمر 147 لکھی ہے۔

نُوْح۔ نام ہے ایک بہت پہلے نبی کا۔ طبرانی نے ابوذر غفاریؓ سے روایت کیا ہے کہ

مَیں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے پہلا نبی کون ہوا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ آدمؑ پھر مَیں نے عرض کیا کہ آدمؑ کے بعد کون ہوا ہے تو آپؐ نے فرمایا نوحؑ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی باب العین عن اسمہ عبدالرحمان جلد 3 صفحہ 321 دارالاحیاء بیروت)

اورابن جریر میں ہے کہ نوحؑ کی پیدائش حضرت آدمؑ کی وفات کے 127 سال بعد ہوئی ہے اور یہ بھی آیا ہے کہ یہ سریانی لفظ بمعنے ساکن ہے یا بمعنے بہت رونے والے کے ہے نَوْحَۃٌ سے۔

ذُرِّیَّتِہٖ۔ اولاد۔ داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ھارون علیہم وعلیٰ نبیا الصلوٰۃ و السلام سب مشہور انبیاء ہیں جو کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ کی اولاد سے ہوئے ہیں۔

زَکَرِیَّا۔ یہ حضرت سلیمانؑ کی اولاد سے ہوئے ہیں ان کے والد کا نام ازن بن برکیا تفسیروں میں لکھا ہے۔

یَحْیٰی۔ یہ حضرت زکریاؑ کے بیٹے ہیں۔

اِلْیَاسَ۔ ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ یہ یٰسین بن فنحاص بن العیزار بن ہارون اخی موسیٰ کے بیٹے ہیں۔

اِسْمٰعِیْلَ۔ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہیں اورامام نووی نے لکھا ہے کہ آپؑ حضرت ابراہیمؑ کی سب اولاد سے بڑے تھے اور آپ ہی کی برگزیدہ اولاد سے ہماری سرکار سید ولد آدم حضرت خاتم النبیینؐ ہیں۔

اَلْیَسَعَ۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ آپ کے والد کا نام اخطوب بن العجوز تھا۔

یُوْنُسَ۔ ان کے والد کا نام متی تھا۔

لُوْطَ۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ وہ ہاران بن آزر کے بیٹے تھے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے۔

اجْتَبَیْنٰھُمْ۔ اِجْتِبَاءٌ سے ہے چن لینا اور برگزیدہ کرنا۔

حَبِطَ۔ حَبْطٌ سے ہے ساقط اور باطل ہونا۔

وَکَّلْنَا۔ تَوْکِیْلٌ سے ہے مقرر کرنا۔

ترجمہ:

اور یہ ہماری دلیل ہے جو کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم پر دی ہے۔ جس کو ہم چاہتے ہیں (اس کے) ہم درجے بلند کرتے ہیں بے شک تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے اور ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ دیئے۔ سب کو ہم نے ہدایت دی اور (ان سے) پہلے ہم نے نوحؑ کو ہدایت دی اور اس کی اولاد سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو۔ اور اسی طرح ہم احسان والوں کو بدلہ دیتے ہیں اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ۔ سب سنوار والوں سے تھے اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ہر ایک کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی اور ان کے بزرگوں اور ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں سے۔ اور ہم نے ان کو چنا اور ہم نے ان کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ ہدایت کرتا ہے۔

اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو یقیناً ان سے وہ اعمال ضائع ہو جاتے جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے وہ کتاب اور حکم اور نبوت دی۔ سو اگر ان لوگوں نے ان باتوں کا کفر کیا تو ہم نے ان پر وہ لوگ مقرر کیے ہیں جو کہ ان کے کافر نہیں ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے سو تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو۔ تم کہو میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو جہانوں کے لئے نصیحت ہی ہے۔

تفسیر:

سیاق کے ساتھ تعلق

جب حضرت ابراہیمؑ کا مباحثہ ذکر کرکے یہ بتادیا گیا کہ تقلید جس کو تم لوگ ہمارے مقابلہ میں پیش کرتے ہو اگر ایسے اصول دین میں کچھ قابل اعتبار چیز ہوتی ہے تو حضرت ابراہیمؑ اس کے مقابلہ میں یہ حجت پیش نہ کرتے۔ نیز اگر تقلید ہی کرنی ہے تو پھر حضرت ابراہیمؑ کی تقلید کرو جو کہ تمہارے مورث اعلیٰ اور سب سے زیادہ قابل تعظیم مسلّم ہیں اور ان کی تقلید اسی کو چاہتی ہے کہ تم موحد بن جاؤ نہ مشرک ہونے کو۔

خدا کی عطا کردہ شرک کے خلاف دلیل:

تو اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جس بات سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو ملزم اور لاجواب کیا تھا وہ نہ تو ابراہیمؑ کے ساتھ مخصوص تھی اور نہ اس کے مقابلوں کے ساتھ تا کہ اس کے بعد نہ کوئی پیش کر سکے اور نہ اس کا وہ اثر مرتب ہو سکے بلکہ یہ عام ہے فرمایا کہ) یہ (مذکورہ بالا دلیل) ہماری حجت ہے جو کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی (ساری) قوم پر دی ہے (یعنی یہ دلیل ہماری دی ہوئی ہے لہٰذا اس میں کسی قسم کا کوئی نقص متصور نہیں ہو سکتا اور ہم نے یہ ابراہیمؑ کو اس لئے دی تھی کہ ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ابراہیم کو اس کی قوم پر عظمت دیں تو موجودہ افراد کی نظروں میں تو اس لاجواب حجت سے اس کی عظمت قائم ہو گی اور آئندہ نسلوں میں چونکہ اس کی عظمت سب سے زیادہ مسلم ہو گی تو جب وہ اس عظیم الشان پیشوا اور مورث اعلیٰ کی پیش کی ہوئی حجت سنیں گے تو ان پر اس کا قوی ترین اثر یا کم از کم اعلیٰ درجہ کا اتمام حجت ہو جاوے گا۔

خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے درجات کی بلندی عطا کرتا ہے

اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ) ہم جس کو چاہتے ہیں اس کو (ان گنت) درجے بلند کرتے ہیں (علاوہ ازیں اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا کسی کو مقابلہ کے وقت اپنی قوم پر حجت دینا اس کے درجات کا بلند کرنا ہے اور مَنۡ نَّشَآءُ فرما کر یہ بھی بتایا ہے کہ درجات کا بلند کرنا اور قوم کے مقابلہ میں حجت کا عطا کرنا یہ کوئی ایک ابراہیمؑ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے چنانچہ اس وقت اس نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے لئے چاہا ہے کہ اس کے درجات بلند کرے لہٰذا اس نے تمہارے مقابلہ پر اس کو حجج بیّنات عطا کی ہیں اور جب اس میں آنحضرت ﷺ کو حجج عطا کرنے اور آپ کے رفع درجات کا اشارہ ہوا اور مخالفین ایسے موقعہ پر یہی کہا کرتے تھے کہ کیوں کسی بڑے سردار پر نہیں اتارا اور بعض یہ بھی کہا کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے اگر وحی کرنی تھی تو پھر کیوں سب کو وحی نہ کی تو ان باتوں کے جواب کے لئے پہلے تو فرمایا کہ) یقیناً تیرا رب بڑا حکمت والا بہت جاننے

والا ہے (اور حکیم اور علیم کا ہر ایک فعل پر حکمت اور بر محل ہوا کرتا ہے اور کسی کو ترجیح بلا مرجح نہیں دیا کرتا۔ ہاں اس کی بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی حکمت اور حقیقت دوسروں پر مخفی رہتی ہے اور بوجہ قصور علم کے ان کا علم وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ پر باوجود نہ سمجھنے کے عام طریق یہی ہے کہ اس کی باتوں پر اعتراض نہیں کیا جاتا اور نہ عقلاً کم علم اور بے حکمت لوگوں کو علیم و حکیم کی باتوں پر اعتراض کرنے کا حق پہنچ سکتا ہے۔

ہدایت ابراہیمؑ پر ختم نہیں

اس کے بعد اس کے اور بہت سے نظائر پیش کرنے کے لئے تاکہ ان پر ان کے اعتراض کی حقیقت کھل جائے فرمایا کہ) ہم نے اس کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بخشا اور سب کو ہدایت دی (اکثر مفسرین نے تو کُلًّا سے حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں باپ بیٹا لئے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ہدایت پہلے سے معلوم ہو چکی ہے اور بعض نے اس سے تینوں دادا اور بیٹا اور پوتا مراد ہیں اور طبرسی نے اسی کو پسند کیا ہے لیکن محققین نے اول کو ترجیح دی ہے اور اس میں ایک تو یہ بتایا ہے کہ دیکھو یہ ہدایت ابراہیمؑ ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ ابراہیمؑ کے بعد اس کے بیٹے اور پوتے کو بھی یہ ہدایت دی ہے جس سے حضرت ابراہیمؑ پر اس کے ختم ہونے کا خیال باطل ہو جاتا ہے۔ دوم اس میں یہ بتایا ہے کہ دیکھو اسحقؑ و یعقوبؑ نے ابتداء میں ابراہیمؑ کی اس وجہ سے پیروی کی کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو ہدایت دی ہے تو پھر خود ان کو بھی وہ ہدایت (نبوت) ملی جس سے ثابت ہوا کہ ابراہیمؑ کی پیروی بار آور ہے نہ ان کی جن کی تم پیروی کرتے ہو لہٰذا تم کو چاہیے کہ اپنے جہال آباء کی تقلید کو ترک کر کے ابراہیمؑ کی پیروی کرو۔ سوم اس میں یہ بتایا ہے کہ جس طرح ان دونوں کو ابراہیمؑ کی پیروی سے یہ ہدایت ملی ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھی ملی ہے تو پھر تم کیوں اس سے تعجب اور انکار کرتے ہو۔ اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ سلسلہ جس طرح ابراہیمؑ کے بعد چلا ہے اسی طرح اس سے پہلے بھی تھا فرمایا) اور نوحؑ کو ہم نے پہلے ہدایت دی تھی (اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ ہدایت کوئی بہت قریب سلسلہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دور سلسلہ میں بھی ہم دیتے رہے ہیں فرمایا) اور اس کی اولاد سے داؤدؑ

و سلیمانؑ اورایوبؑ اوریوسفؑ اور موسیٰؑ و ہارونؑ کو اوراسی طرح ہم مخلصوں (یا احسان کرنے والوں) کو بدلہ دیتے ہیں (اور دیں گے) اورزکریاؑ ویحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو سب سنوارو والوں سے تھے۔ اوراسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور سب کو ہم نے جہانوں پر فضیلت دی ہے اوران کے باپ دادوں اور ان کے بیٹوں پوتوں اور ان کے بھائیوں سے اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیااور ہم نے ان کو سیدھے راستہ کی طرف راہنمائی کی۔

مِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ میں ہٖ کی ضمیر

(یہاں پر چند باتیں قابل ذکر ہیں اوّل یہ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ میں ہٖ کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے۔ سو بعض نے اس وجہ سے نوحؑ کی طرف پھیری ہے کہ وہی نزدیک ہیں۔ دوم ذرّیت کی ذیل میں حضرت لوطؑ کو بھی ذکر کیا ہے اوروہ حضرت نوحؑ کی ذرّیت ہیں نہ حضرت ابراہیمؑ کی بلکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے تھے جو کہ آپ پر ایمان لائے تھے اور حضرت یونسؑ میں بھی اختلاف بعض روایتوں کے لحاظ سے وہ حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت نہیں ہیں جیسا کہ محیی السنۃ نے ذکر کیا ہے اوراکثروں نے حضرت ابراہیم کی طرف پھیری ہے کیونکہ گو نوحؑ قریب ہے لیکن اصل مقصد یہاں پر حضرت ابراہیمؑ کے حالات اور ان احسانوں کا بیان کرنا ہے جو کہ خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ پر کئے ہیں اور یہ سب کچھ مشرکین کے الزام کے لئے کیا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے مفصل بیان کردیا ہے باقی حضرت یونسؑ کا نکلنا کوئی یقینی نہیں بلکہ اکثروں نے ان کو اسباط سے شمار کیا ہے اور حضرت لوطؑ جب بھتیجے ہیں تو پھر ان کے ذرّیت میں شمار کرنے میں کچھ حرج نہیں۔ آخر قرآن مجید ہی میں آیا ہے کہ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے کہا تھا کہ نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ[1]... الخ (البقرۃ:134) حالانکہ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے تو جب چچا کو آب کہہ سکتے ہیں تو پھر بھتیجے کو ابناء یا ذرّیت میں کیوں شمار نہیں کرسکتے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اولاد عنایت کرنے کا ذکر

دوم یہ کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو اولاد عنایت کرنے کا ذکر ہوا ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ

[1]۔ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادوں ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی... عبادت کریں گے۔ (تفسیر صغیر)

بھی آپ کے ویسے ہی بیٹے تھے جیسے کہ حضرت اسحاقؑ تو پھر ان کو اسحاقؑ ویعقوبؑ کے ساتھ کیوں ذکر نہ کیا اور اخیر میں جا کر علیحدہ ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ تفسیروں میں تو اسی قدر بیان ہوئی ہے کہ یہاں پر چونکہ خداوند تعالیٰ کی اس موہبت کا بیان ہے جو کہ حضرت ابراہیمؑ کو نسل دینے میں ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس قدر مایوسی کے اسباب زیادہ ہوں اسی قدر موہبت بھی اعلیٰ درجہ رکھتی ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ بھی گو بڑھاپے کے ایام میں پیدا ہوئے تھے لیکن حضرت اسحاقؑ اس وقت عطاء ہوئے تھے جبکہ آپ کی عمر بہت ہی بڑی ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کے دینے میں بہت بڑی موہبت تھی جس کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کا عطاء کرنا کوئی بڑی موہبت نہ تھی اس لیے موہبت کے موقع پر حضرت اسحاقؑ ہی کا عطاء کرنا ذکر فرمایا ہے اور حضرت یعقوبؑ کو اس لئے ساتھ ملایا ہے کہ نسل کا مسلسل ہونا یہ خود وہ بڑی موہبت ہے جس کے ساتھ بیٹے کی موہبت کی تکمیل ہوتی ہے۔

لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہاں پر خالی موہبت کا بیان مقصود نہیں بلکہ ان کی خاص ہدایت کا ذکر کرنا ہے اور گویوں تو نسل جس طرح حضرت اسحاقؑ کی مسلسل ہوئی ہے اسی طرح حضرت اسمٰعیلؑ کی بھی مسلسل ہوئی ہے لیکن ہدایت مذکورہ حضرت اسحاقؑ ہی کی نسل میں مسلسل طور پر جاری رہی ہے نہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں پس ایک تو اس وجہ سے آپ کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے۔ دوسری یہ وجہ ہے کہ گو ہدایت مذکورہ میں سب انبیاءؑ برابر ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کی نسبت ان میں مدارج کا ضرور فرق ہے جس کو بجز خدائے علیم کے اور کوئی نہیں جان سکتا تو جب اس ہدایت کی وجہ سے ان سب کا یہاں پر ذکر ہوا تو نہایت انسب بلکہ ضروری تھا کہ مدارج کی مناسبت سے ان کو ذکر کیا جائے چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کا قرآن مجید میں جہاں جہاں ذکر ہوا ہے یا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ ہوا اور یا حضرت الیسعؑ اور ذالکفلؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کے ساتھ ہوا ہے۔

انبیاءؑ کے تین گروہ

تیسری بات یہ ہے کہ یہاں پر ان حضرات انبیاءؑ کو تین گروہ کر کے بیان کیا ہے۔ پہلی جماعت کے بعد كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ فرمایا ہے اور دوسری کے بعد كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ

اور تیسری کے بعد کُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ تو ایسا کیوں کیا ہے اور تینوں کے بعد ایک ہی بات کیوں نہیں رکھی۔ مفسرین نے اس بحث کو نہیں چھیڑا ہاں ان میں یہ اختلاف ضرور ہوا ہے کہ کُلًّا فَضَّلْنَا..... الخ اور کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ سب انبیاءؑ مذکورین کی نسبت فرمایا ہے یا کہ خاص اسی جماعت کی نسبت کہ جس کے بعد بالخصوص یہ مذکور ہوئے ہیں اور دونوں طرف گئے ہیں پر ان دونوں صورتوں پر جو نکتہ بیان کرنا نہایت ضروری تھا کہ بالخصوص ان محلوں پر ان کو کیوں ذکر کیا ہے کسی نے نہیں بیان کیا ہے۔ میرے خیال میں انبیاءؑ کے فرق مدارج کے جاننے کے بعد اس نکتہ کے جاننے میں کوئی دقّت باقی نہیں رہتی۔ اس میں شک نہیں کہ نبوت و رسالت فضلی چیز ہیں لیکن فضل کے جذب کے لئے بھی خاص اوصاف ہیں لیکن کسی میں کوئی وصف غالب ہوتا ہے اور کسی میں کوئی۔ پھر بعض میں یہ جاذبہ اوصاف بہت قوی ہوتے ہیں تو وہاں پر اس انعام کو ان اوصاف کی طرف منسوب کر کے جزاء کے رنگ میں بیان کیا جاتا ہے اور بعض میں وہ ضعیف ہوتے ہیں تو وہاں پر اس انعام کو ان اوصاف کی طرف منسوب کر کے جزاء کے رنگ میں نہیں بیان کیا جاتا ہے بلکہ بعض میں وہ ضعیف ہوتے تو وہاں پر وہ انعام فضل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سو اسی وجہ سے پہلی جماعت میں اس انعام کہ احسان کی طرف منسوب کر کے بصورت جزاء بیان کیا ہے اور دوسری میں وصف احسان کی جگہ پر وصف صلاح کو رکھا ہے اور تیسری کے بعد خالص تفصیل کو اختیار کیا گیا ہے۔

مِنْ اٰبَآئِهِمْ کی تفسیر

چوتھی بات یہ ہے کہ مِنْ اٰبَآئِهِمْ الخ سے بعض نے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاءؑ مذکورین میں سے ہر ایک کے لئے باپ اور بیٹے اور بھائی ہوئے ہیں جن میں سے حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں۔ لیکن مفسرین نے اس سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ آباء اور ابناء اور اخوان کے هُمْ کی طرف مضاف کرنے سے ہر گز یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ہر ایک کے لئے اَبٌ اور اِبْنٌ اور اَخٌ ہے اور اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ جن کے لئے آباء اور ابناء اور اخوان ہیں ان کے سارے کے سارے آباء اور ابناء اور اخوان مہدی اور مجتبیٰ ہیں کیونکہ ان پر مِنْ بَعْضِیَّه داخل ہے۔

انبیاءؑ کی کامیابی اللہ کی ہدایت کا ثمر ہے نہ کہ شرک کا

اس کے بعد فرمایا کہ) یہ اللہ کی ہدایت ہے (یعنی ان کی عظمت اور کامیابی جس کے تم بھی قائل ہو اس ہدایت اور راہنمائی کا ثمرہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہ ہدایت انہی کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ اللہ تعالیٰ) اس کے ساتھ جس کو اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے راہنمائی کرتا ہے (یعنی یہ ہدایت فضلی چیز ہے کسی کے ساتھ کوئی خصوصیت کا علاقہ نہیں رکھتی ہاں اس فضل کے لئے کوئی جاذب چاہیے تو وہ عبودیت ہے نہ کسی کی ذات ونہ قومیت اور نہ شخصیت۔ پس یہ تو حال ہے اس چیز کا جس کی طرف تم کو محمد رسول اللہ (ﷺ) بلا رہے ہیں پر جس شرک کی طرف تم بلا رہے ہو اور خود بھی اس میں مبتلا ہو وہ ایسی مضر چیز ہے کہ) اگر یہ (مذکورین) شرک کرتے تو ان سے وہ باطل ہو جاتا جو کہ وہ ہمیشہ کرتے تھے۔ یعنی پھر ان کے اعمال پر یہ ثمرہ اور یہ کامیابی کبھی مرتب نہ ہوتی۔ تو جب ان سب کا توحید پر اتفاق ہے اور پھر کامیاب ہیں اور معظم ومکرم تو پھر اگر تقلید ہی کرنی تھی تو ان کی کرتے اور توحید کو اختیار کرتے لیکن اس ترجیح کے علاوہ یہ لوگ واجب الاتباع بھی ہیں کیونکہ) یہ لوگ وہ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی ہے (اور کتاب کو مفرد رکھ کر یہ بتایا ہے ان سب کی شریعت کے اصول متحد تھے) اور حکم (لوگوں پر ان کی بات کا ماننا واجب کر دیا ہے) اور نبوت۔

سو اگر ان لوگوں نے اس کا کفر کیا تو ہم نے اس پر ایک اور قوم مقرر کی ہے جو کہ اس کے منکر ہونے والے نہیں ہیں (مفسرین نے ان لوگوں کے بیان میں مختلف اقوال اور روایتیں نقل کی ہیں۔ ابن جریر نے ابن عباسؓ سے اور عبد بن حمید نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ وہ اہل مدینہ ہیں اور بعض نے کل اصحاب رسول اللہؐ کو بتایا ہے اور بعض نے کل مومن لئے ہیں اور بعض کے نزدیک وہ اہل فارس ہیں اور بعض نے اس سے انبیاءؑ مذکورین ہی لئے ہیں اور بعض نے فرشتے جالئے ہیں اور حق یہ ہے کہ واقعہ خود ایسے امور کا مبیّن ہوتا ہے اور کسی اور روایت اور تفسیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ ان کی اتباع کوئی ان کی تقلید نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کے حاکم کی تعمیل ہے اور نیز یہ بتانے

کے لیے کہ اس رسولؐ کے اصول ہدایت میں اوران پہلے رسولوں کی ہدایت کے اصولوں میں کوئی فرق نہیں فرمایا کہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی لہٰذا تم ان کی ہدایت کی پیروی کرو (لیکن مفسرین نے جب اس نکتہ کو نہ سمجھا کہ ''یہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ان کی تقلید نہیں بلکہ اللہ کریم کی دی ہوئی ہدایت کی پیروی ہے۔'' تو انہوں نے پہلے تو اس پر کئی ایک اعتراض کئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو پہلے انبیاءؑ کی اقتداء کا کیوں حکم کیا گیا اور اس کی تعمیل کس طرح متصور ہو سکتی ہے جبکہ آنحضرتؐ اس آیت کے نزول سے پہلے بھی قرآن مجید کے ان اصول ہدایت کی پیروی کرتے تھے جو کہ پہلے انبیاءؑ کے اصول ہدایت کے ساتھ متحد ہیں اور پھر ان کے جوابات میں اور آیت کی تعیین مراد میں لے کر دور دور کی راہیں اختیار کی ہیں جن کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور امام قطب الدین رازی نے (کشفاف[1] p:110) کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہاں پر ہدایت سے اصول اخلاق فاضلہ مراد ہیں اور پھر کہا ہے کہ یہاں سے آنحضرت صلعم کی افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ پہلے انبیاءؑ میں متفرق طور پر بعض بعض اخلاق فاضلہ تھے اور جب آنحضرتؐ کو سب کی اقتداء کا حکم ہوا ہے تو ضرور ہے کہ آپ نے اس کی تعمیل بھی ضرور کی ہو گی جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ ان سب اخلاق کے جامع ہیں جو کہ اوروں میں متفرق طور پر موجود تھے اور دوسرے مفسرین نے اس نکتہ کی داد دی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ حضورؐ کے جامع اخلاق فاضلہ ہونے یا افضل الرسلؐ ہونے میں تو کچھ شک نہیں ہے۔ البتہ یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے کہ یہاں پر ہدایت سے اخلاق فاضلہ ہی مراد ہیں اور پس یہی یہاں سے اس افضلیت ہونے کی جڑھ تھی تو جب وہی غلط ہوئی تو پھر یہاں سے اس افضلیت کا ثابت ہونا بھی غلط ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ جو کچھ ہم نے تم کو کہا ہے یہ ایک اخلاص بھری نصیحت ہے جو کہ کسی خود غرضی اور انتفاع پر ہر گز مبنی نہیں ہے۔ فرمایا کہ) تم کہو کہ مَیں اس پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا یہ تو سب جہانوں کے لئے نصیحت (اور یاد دہانی) ہے۔

[1]۔ یہ ''کشاف'' ہے۔ (از مرتب)

آیات 92 تا 95: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ۔ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَ لَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ وَ مَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

قَدَرُوْا۔ قَدْرٌ سے ہے۔ جس کے معنے جانچ اور انداز کرنے، معلوم کرنے، تعظیم کرنے کے ہیں۔ امام رخفشی نے یہاں پر اس کے معنے علم اور معرفت کے کئے ہیں اور ابن عباسؓ نے تعظیم کے اور ابو العالیہ نے وصف کرنے کے کئے ہیں۔

قَرَاطِیْس۔ قِرْطَاسٌ کی جمع ہے بمعنے کاغذ اور صحیفہ خواہ کسی چیز سے ہو اور گندم گوں

اونٹ اور سفید حویل القامت لڑکی اور چمڑا جو کہ تیر اندازی میں نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے قَرْطَسْتَ کے معنے ہیں نشانہ پر لگایا تو نے۔

تُبْدُوْنَ۔ اِبْدَاءٌ سے ہے ظاہر کرنا۔

ذَرْ۔ وَذْرٌ سے ہے۔ چھوڑنا۔

خَوْضٌ۔ غوطہ لگانا اور کسی امر میں لگ جانا اور نکتہ چینی کرنا۔

بَیْنَ یَدَیْہِ کے لفظی معنے تو ہیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں کے درمیان کیونکہ بَیْنَ کے معنے ہیں درمیان کے اور یَدَیْ۔ یَدٌ کا تثنیہ ہے دو ہاتھ لیکن محاورہ میں اس مرکب کے معنے کبھی آگے اور سامنے کے اور کبھی پہلے کے ہوتے ہیں۔

قُرٰی۔ قَرْیَۃٌ کی جمع ہے بستی کبھی اس سے مراد گاؤں ہوتا ہے جو کہ شہر سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اُمٌّ کے معنے ماں اور اصل کے ہیں۔ اور مکہ معظمہ کو اُمَّ الْقُرٰی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اردگرد کی بستیوں کے لئے بمنزلہ اصل کے ہے نیز ماں کی طرح اوروں کے لئے مرجع اور جائے تعظیم ہے۔ نیز لکھا ہے کہ وحوارض وہاں سے شروع ہوا ہے اور نیز وہ مقام ہے اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ[1] (آل عمران:97) کا۔

غَمَرَاتٌ۔ غَمْرَۃٌ کی جمع ہے اور شہاب نے لکھا ہے کہ غَمْرَۃٌ کے معنے ہیں پانی کا ایک دفعہ ڈھانپ لینا لیکن بعد ازاں مطلق شدت اور سختی کے معنوں میں مستعمل ہو گیا ہے۔

ھُوْنٌ۔ حقارت اور ذلت۔

فُرَادٰی۔ فَرْدٌ کی جمع علی خلاف قیاس ہے۔ جس کے معنے اکیلے کے ہیں۔

خَوَّلْنَا۔ تَخْوِیْلٌ سے ہے جس کے معنے دینے اور عطا کرنے کے ہیں۔

زَعَمْتُمْ۔ زَعْمٌ سے ہے خیال کرنا اور کہنا اور تَزْعُمُوْنَ بھی اسی سے ہے۔

تَقَطَّعَ۔ تَقَطُّعٌ سے ہے کٹ جانا۔

بَیْنَ۔ درمیان اور وصل اور فصل کے معنوں میں آتا ہے اور یہاں پر دوسرے یا پہلے معنے مراد ہیں۔

[1]۔ سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے (فائدہ کے) لئے بنایا گیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

ترجمہ:

اور انہوں نے اللہ کی تعظیم اس کی تعظیم کے لائق نہیں کی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نہیں اتارا تم کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جس کو موسیٰؑ لایا تھا۔ (جو) لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی تم اس کو کاغذ بناتے تھے۔ ان کو ظاہر کرتے ہو اور بہت کچھ پوشیدہ کرتے ہو۔ اور تم کو وہ کچھ سکھایا گیا جو کہ نہ تم جانتے اور نہ تمہارے بزرگ۔ تم کہو کہ اللہ نے پھر تم ان کو ان کی نکتہ چینی میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دو۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے مبارک ہے اس کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جو اس کے آگے ہے اور تا کہ ام القریٰ (مکہ والوں) کو اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہ اس کے ارد گرد ہیں۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ اس پر ایمان لاتے اور اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ یا کہتا ہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو اور جو کہے کہ میں اتاروں گا جیسا کہ اللہ نے اتارا ہے۔ اور کاش کہ تم دیکھتے جبکہ ظالم لوگ موت کی شدتوں میں ہوتے ہیں۔ اور فرشتے اپنے ہاتھوں کے پھیلانے والے ہوتے ہیں۔ نکالو اپنی جانوں کو آج دن تم کو ذلت کا عذاب اس کے بدلے دیا جاویگا جو کہ تم ناحق اللہ پر کہتے تھے اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔ اور یقیناً تم ہمارے پاس ویسے ہی اکیلے آئے ہو جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور تم نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا جو کہ ہم نے تم کو بخشا تھا۔ اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم کہتے تھے کہ یقیناً وہ ہم میں شریک ہیں۔ یقیناً تمہارا تعلق ٹوٹ گیا۔ اور تم سے وہ کھویا گیا جس کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے۔

تفسیر:

جب یہ بیان ہوا کہ انبیاءؑ مذکورین کو اللہ تعالیٰ نے خود یہ ہدایت دی ہے۔ تو چونکہ ان کی ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی کرو اور اس سے بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا تھا

کہ پھر انہوں نے اس کو خداوند تعالیٰ کی ہدایت تسلیم کر کے قبول کیا یا اس کو ردّ کیا تو کس طرح ردّ کیا تو اس کے بتانے کے واسطے فرمایا) اور انہوں نے اللہ کی قدر اس کی قدر کے لائق نہیں کی جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نہیں اتارا۔

قدر کا فاعل کون ہے

(مجاہد نے تو کہا اس کے کہنے والے مکہ کے مشرکین ہی ہیں کیونکہ جس طرح وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے منکر تھے اسی طرح سب انبیاءؑ کی نبوت کے بھی منکر تھے۔ حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہؒ نے فوز الکبیر میں جو ان کی تصنیف در اصول تفسیر ہے، استبعاد نبوت آنحضرت ﷺ کے وجوہ ذکر کئے ہیں وہ بھی کلی اور عام ہونے کی وجہ سے اسی کے موہم ہیں۔ لیکن جمہور نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ اس کے بعد جس کے ساتھ ان کو الزام دیا گیا ہے وہ توریت کا نزول ہے اور بظاہر اس کے نزول کے ساتھ ان پر الزام نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے ساتھ تو یہود وغیرہ اہل کتاب پر عائد ہو سکتا ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس کا قائل یہود کو قرار دیا ہے۔ پر اس پر بھی لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب یہود توریت کے کتاب اللہ ہونے کے قائل تھے اور حضرت موسیٰؑ کو رسول اور نبی تسلیم کرتے تھے تو پھر وہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں نازل کی۔

اس کا جواب دو طور پر دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ غضب اور غصہ آکر ایسا کہہ دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس صورت میں پھر توریت کے نزول کے ساتھ الزام دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ دوم یہ کہ انہوں نے کوئی صریح اور صاف انکار نہیں کیا تھا۔ بلکہ قرآن مجید کے نزول کو ممتنع اور محال کی صورت میں پیش کیا تھا۔ جس سے لازم آتا تھا کہ کسی پر بھی کوئی چیز نازل نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ یہاں پر ایک اور مشکل ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے تو مشرکین کے ساتھ کلام تھا تو اب اگر اس کے قائل یہود قرار دیئے جاویں تو نظم میں فرق آتا ہے۔ اور ضمیروں کا ان کی طرف راجع کرنا بھی خلاف قواعد بلکہ محال فہم ہے اور اگر ما قبل کو دیکھ کر مجاہدؒ کے موافق اس کا قائل مشرکین کو قرار دیا جائے اور جو مجاہد پر اعتراض مذکور ہوا ہے کہ ''پھر توریت کے نزول کے ساتھ مشرکین پر الزام نہیں ہو سکتا۔''

اس کا وہ جواب دیا جائے جو کہ تفسیروں میں مذکور ہے کہ توریت کا اتارنا ان میں مسلم اور مشہور تھا چنانچہ اسی وجہ سے وہ یہ کہتے تھے کہ لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ[1] (الانعام:158) تو اس شہرت و تسلیم کی وجہ سے ان پر الزام مذکور عائد کیا گیا ہے تو پھر بھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ جس توریت کے نزول کے ساتھ الزام دیا گیا ہے اس کی نسبت آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا اور ظاہر ہے کہ اس کا قراطیس بنانا اور ظاہر کرنا اور اس سے بہت کچھ چھپانا یہ مشرکین مکہ کا فعل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ یقیناً یہود کا کام ہے الغرض یہود کو مقام نہیں چاہتا اور مشرکین کو الفاظ برداشت نہیں کرتے۔

اسباب نزول و ربط آیت کے لحاظ سے حل

تفسیروں سے تو اس کا حل ملتا نہیں لیکن جو اصول ربط آیات کے متعلق میں نے بارہا بیان کیا ہے۔ اس کے لحاظ رکھنے سے بہت آسانی کے ساتھ یہ اس کا حل ہو جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسباب نزول کے لحاظ سے بعض وقت اور مطلب اور اور معنے ہوتے ہیں۔ اور ربط کے لحاظ سے اور ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں پر میں آیتوں کا پتہ دیتا ہوں ایک تو آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا[2] الخ (البقرۃ:27) ہے۔

اسباب نزول کے لحاظ سے تو مفسرین نے لکھا ہے کہ جب قرآن مجید میں ذباب اور عنکبوت وغیرہ کی مثالیں بیان ہوئیں تو کفار نے کہا کہ اگر اس عظیم الشان خدا کا یہ کلام ہوتا تو اس میں یہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی مثالیں ہر گز نہ ہوتیں تو خداوند تعالیٰ نے اس کا جواب اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ الخ کے ساتھ دیا ہے۔ یہ معنے تو اسباب نزول کے لحاظ سے ہوئے لیکن ربط کے لحاظ سے یہ معنے کسی طرح درست نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کے ماقبل اور مابعد جنت کا بیان ہے بلکہ ربط کے لحاظ سے اس کا یہ مطلب ہے کہ جو جنت کا نقشہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کو اس کی پوری حقیقت نہ خیال کیا جائے بلکہ یہ تمثیل ہے اور وہ بھی ایسی جیسی کہ ہاتھی کی مثال میں مچھر کو پیش کیا جاتا ہے۔

---

[1] ۔ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم یقیناً ان سے زیادہ ہدایت پاتے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اللہ ہر گز نہیں رکتا کسی بات کے بیان کرنے سے خواہ وہ مچھر کے برابر ہو یا اس سے بھی بڑھ کر۔ (تفسیر صغیر)

دوسری آیت لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ[1] الخ (القیامۃ:17) ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ قرآن مجید کی کوئی آیت لے کر نازل ہوتے تو حضور علیہ السلام ان کے ساتھ ساتھ جلدی جلدی پڑھتے تاکہ کچھ بھول نہ جائے تو خداوند کریم نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی حالانکہ اس کے پہلے بھی قیامت کے احوال کا ذکر ہے اور بعد میں بھی جس کے ساتھ بظاہر ان معنوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن جب نفس عجلت کو دیکھا جائے اور الفاظ پر عجلت اور تدبر معانی کو چھوڑنا اس کا مطلب لیا جائے تو بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ[2] (القیامۃ:21-22) کے ساتھ نہایت چسپاں ہو جاتا ہے۔ سو اسی طرح یہاں پر بھی سمجھنا چاہیے کہ سبب نزول کے لحاظ سے تو یہ یہود کا قول ہے لیکن ربط کے لحاظ سے اس کے ساتھ یہ سمجھانا منظور ہے کہ مشرکین کو جب یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے تو وہ صاف کہ دیتے ہیں کہ ایسا نہ کبھی ہوا ہے۔ اور نہ ہو گا اور ان کے اس قول سے تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہود جو کہ تورات کے منجانب اللہ ہونے کے قائل ہیں وہ بھی مقابلہ میں آکر عناد اور شرارت سے ایسا کہہ دیتے ہیں۔

مخصوص افراد کا ذکر قومی طور پر کیا جانا

دوسری توجیہ یہ ہے کہ جس طرح قومی حالات بیان کرتے ہوئے گو اس کے بعض افراد کے متعلق وہ حالات ہوں پر قوم کی طرف منسوب کر کے بیان کئے جاتے ہیں۔ اور خصوصیت افراد کا لحاظ نہیں کیا جاتا جیسا کہ پہلے پارہ میں بنی اسرائیل کے حالات میں یہ بات بار بار سمجھائی گئی ہے اسی طرح مخالفین رسالت کے حالات بیان ہوتے ہوئے بعض وقت خاص حصہ مخالفین کے حالات عام مخالفین کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور ان کی خصوصیت کا لحاظ نہیں کیا جاتا پس یہاں پر پہلے گو مشرکین کے خاص احوال مذکر ہوئے ہیں۔ لیکن خصوصیت ملحوظ نہیں اور اسی طرح بعد میں گو یہود کا قول مذکور ہے لیکن خصوصیت ملحوظ نہیں بلکہ مطلق مخالفین مراد ہیں۔ اس صورت میں بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

---

[1] ۔(اے نبی) تو اپنی زبان کو حرکت نہ دے تاکہ یہ قرآن جلدی نازل ہو جائے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ سنو! تم جلدی سے ملنے والی نعمت کو پسند کرتے ہو۔ اور بعد میں آنے والی نعمت کو نظر انداز کر دیتے ہو۔ (تفسیر صغیر)

عنادی مخالفین رسول نزول ہدایت کے بعد بھی انکاری

رہا یہ کہ مشرکین یا یہود حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ پر ہدایت نازل ہونے کے مقر ہو کر یہ کس طرح کہہ سکتے تھے تو وہی یہ تعجب کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے عنادی مخالفین رسالت کو نہیں دیکھا ہم نے چونکہ بچشم خود دیکھ لیا ہوا ہے لہٰذا ہمیں یہ کوئی عجیب بات معلوم نہیں ہوتی۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان کے الزام کے لئے فرمایا کہ) تم کہو کہ کس نے وہ کتاب اتاری ہے جس کو موسیٰؑ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت لایا تھا۔ تم اس کو صحیفے بناتے ہو اور ان کو ظاہر کرتے ہو اور بہت کو چھپاتے ہو۔

قراطیس کے معنی

(بعض مفسرین نے یہ معنے کئے ہیں کہ ''تم ان کو ورق بناتے ہو۔'' یعنی اس کی کچھ حقیقت اور قدر و منزلت نہیں سمجھتے بلکہ سادہ کاغذوں کے برابر سمجھتے ہو۔ اس صورت میں تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ موسیٰؑ جو کتاب لائے تھے باوجود یکہ وہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی پھر بھی تم اس کو بے حقیقت سمجھتے اور کچھ قدر نہ کرتے تھے اور گو اس کے ورقوں کو اور بعض باتوں کو ظاہر کرتے تھے۔ لیکن اس کی اکثر باتوں کو چھپاتے تھے اور اب بھی ایسا ہی کر رہے ہو۔ لیکن اکثر مفسرین نے اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ ''کس نے وہ کتاب نازل کی ہے جس کو موسیٰؑ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت لائے تھے۔ اور تم بظاہر اس کی ایسی قدر کرتے تھے کہ اس کو صحیفے بناتے تھے۔ لیکن جس تبلیغ اور عمل کے لئے وہ دی تھی اس کا یہ حال تھا کہ یوں وہ صحائف اور اوراق تو لوگوں کو دکھاتے پھرتے تھے۔ پر اس کی اکثر باتوں کو چھپاتے تھے۔'' اور عام مفسرین نے یہ معنے کئے ہیں کہ تم اس کو ایسے ورقوں میں ڈالتے ہو جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور بہت سی ان باتوں کو چھپاتے ہو جو ان میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن ان میں عمدہ وہی ہیں جو پہلے ہم نے لکھے ہیں۔

تُخْفُوْن اور عُلِّمْتُم سے مراد

رہا یہ کہ وہ چھپاتے کیا تھے۔ مفسرین تو صفات نبی کریم اور یا آیت رجم ہی بیان کرتے

ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اسی پر حصر نہیں بلکہ رعایت قوم اور رؤسائے قوم اور رسم و رواج اور خود داری نفس کے لئے بہت کچھ حق باتوں کو مخفی رکھا کرتے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے صفات اور آیت رجم کا اخفاء بھی اسی کے ماتحت کی ایک مثال ہے۔ اور پھر اسی توریت کی برکات کو یاد دلانے کے واسطے فرمایا۔) اور تم کو وہ کچھ سکھایا گیا جو کہ نہ تم جانتے تھے۔ اور نہ تمہارے بزرگ (مفسرین میں سے بعض نے تو اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ توریت کے نازل ہونے کے بعد بہت کچھ سچے علوم تم پر مخفی رہ گئے تھے اور علماء کے اختلاف اور غلبہ تعصب کے باعث اکثر حقائق تم پر ملتبس ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت خاتم النبیین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تشریف آوری سے وہ سب کچھ تم کو بتایا گیا لیکن محققین نے لکھا ہے کہ جب اس کو تَجْعَلُوْنَ کے فاعل سے حال بنایا جاوے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر یہ مراد لینا درست نہیں اور یہ بالکل ظاہر بلکہ حال بنانے کی صورت میں ضروری ہے کہ اس سے وہی احکام اور شرائع اور حکم مراد ہوں جو کہ توریت میں درج تھے۔

ہاں اگر اس کو تَجْعَلُوْنَ پر عطف کریں تو پھر پہلا مطلب بھی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اور مجاہد (جن کو طبقات و درجات مفسرین بیان کرنے والوں نے رئیس المفسرین کا خطاب دیا ہے) سے مروی ہے کہ عُلِّمْتُمْ الخ مومنین کو خطاب ہے۔ اور سوال عموماً تو اسی لئے ہوتا ہے تاکہ مقابل سے جواب لیا جائے۔ لیکن بعض مقامات پر فریق مقابل کے مکابرہ اور ابطال حق اور باطل پرستی پر کمربستہ ہونا اور جواب سے سکوت کرنا یا خلاف حق جواب دینا ظاہر کرنیکے لئے خداوند تعالیٰ خود ہی جواب دیدیا کرتا ہے جس کے نظائر پیچھے بھی گذر چکے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے یہاں پر بھی اس سوال کا جواب خود ہی تعلیم فرمایا کہ) تم کہو کہ اللہ نے (اس کو نازل کیا ہے۔ اور جس بات کو تعلیم جواب میں اشارۃً سمجھایا ہے اس کی توضیح کرنے کے لئے فرمایا کہ پھر ان کو اپنی نکتہ چینی (یا باطل) میں کھیلتے ہوئے چھوڑ دے (یعنی اس پر وہ ساکت تو نہ ہونگے بلکہ اپنی شریرانہ نکتہ چینی اور بیہودہ گوئی کو جاری رکھیں گے لیکن جب تم نے ان پر حجت قائم کر دی ہے تو اب ان سے اعراض ہی کرنا چاہئے۔

کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت

رہا یہ کہ ان کی ان باتوں سے کچھ بگڑے گا سو خوب جان لو ان کی یہ باتیں محض بے فائدہ اور کھیل ہیں جس طرح کھیل میں گو اسوقت سب کچھ بنایا جاتا ہے پر اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا اسی طرح گو اسوقت یہ لوگ اپنی ان باتوں پر بہت کچھ خوش ہوں لیکن ان پر کوئی مفید ثمرہ مرتب نہ ہوگا یہ تو ان کے لئے الزامی جواب تھا لیکن اس کے منجانب اللہ ہونیکا واقعی ثبوت دینے کے لئے فرمایا کہ) یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے (یہ تو دعویٰ ہوا) بہت برکت والی ہے (بابرکت وہ چیز ہوتی ہے کہ جس سے فائدہ کثیر پہنچے اور حقیقت میں الٰہی کتاب کا بڑا ثبوت یہی ہے کہ اس کے پیروؤں کو اس سے دینی اور دنیوی کثیر نفع پہنچے۔

بنی اسرائیل کی توریت سے پہلے جو حالت تھی وہ دنیا جانتی ہے۔ فرعون کی غلامی کے بار گراں کے نیچے دبے پڑے اور اس ذلت کی زندگی کو غنیمت سمجھتے چنانچہ بیابان میں بارہا انہوں نے مصر کی زندگی کی آرزو کی ہے اور جہالت اور وحشت میں غرق تھے۔ پھر توریت کے بعد وہ جس عروج کو پہنچے وہ بھی دنیا پر مخفی نہیں۔ یہاں تک اسی عزت اور فخر قومی اور کامیابی کی وجہ سے وہ اخیر عہد میں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ[1] (المائدۃ:19) پکار اٹھے تھے۔ اسی طرح قرآن مجید سے پہلے عرب کی جو حالت تھی وہ کسی پر مخفی نہیں اور قرآن مجید کے بعد وہ جس عزت کے تخت پر بیٹھے ہیں اس کو بھی دنیا جانتی ہے۔ پس اس سے بڑھ کر کتاب الٰہی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ وہ) اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو کہ اس کے آگے ہے (تصدیق کے معنے بارہا مفصل بیان ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ الٰہی کتابوں کی بدیں معنوں تصدیق کرنا بجز کتاب الٰہی کے اور کسی سے متصور نہیں ہو سکتا۔ اور اس میں ایک سوال کا بھی جواب دیا گیا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ جب توریت کتاب اللہ ہے تو پھر ایک اور کتاب کے نازل کرنے کی کیا ضرورت پڑی تھی تو اس کا جواب یہ دیا کہ بعد زمانہ اور کثرت اختلاف اور

[1]۔ ہم اللہ کے بیٹے (ہیں) اور اس کے پیارے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

تحریف و تاویل سے اب وہ اصل غرض کو پورا نہ کر سکتی بلکہ اب وہ تصدیق کی محتاج تھی پس یہ کتاب اسی کی تصدیق ہے۔

اور تیسرا ثبوت اور دوسرا جواب یہ ہے کہ) تاکہ تو بستیوں کی ماں (مکہ) کو اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہ اس کے ارد گرد ہیں۔ (کیونکہ جب اخروی عذاب سے ڈرایا گیا اور پھر اس کے مطابق عذاب واقع بھی ہو گیا تو ظاہر ہے کہ پھر یہ منجانب اللہ ہونے کی بین دلیل ہو جاویگا اور توریت چونکہ طوالت زمانہ کی وجہ سے انذار کے لئے کافی نہ رہی تھی۔ جو کہ نہایت ضروری ہے کیونکہ نہ ان کے مشاہد کرنے والے رہے اور نہ ان سے بلاواسطہ روایت کرنیوالے جیسا کہ بارہا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

مِنۡ حَوۡلِہٖ سے مراد

مفسرین نے مِنۡ حَوۡلِہٖ کو عام کر کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال تک اس کو ممتد کیا ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی دعوت اور انذار و تبشیر عام ہیں اور بعضوں نے خاص عرب ہی لئے ہیں اور تخصیص کیوجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ انذار کے زیادہ مستحق تھے جیسا کہ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ[1] (الشعراء:215) سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ دنیوی انذار چونکہ زیادہ تر انہی کی نسبت تھا اور ہونا بھی انہی کی نسبت چاہیے تھا۔ لہٰذا بالخصوص ان کو ذکر فرمایا۔ ان دلائل کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ ان کا ان پر کیا اثر ہوا یا ہو گا فرمایا) اور جو لوگ کہ پیچھے آنے والی (زندگی) پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائیں گے اور وہ اپنی نماز پر محافظت کریں گے۔ (اس میں بتایا ہے کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور خوف خدا ان کے دلوں میں بالکل نہیں ہے وہ تو باوجود ان دلائل کے بطور عناد اپنے انکار پر مصر رہیں گے اور ان کے آخرت پر ایمان نہ لانے کا ظاہری نشان یہ ہے کہ بے باک ہونے کی وجہ سے وہ اپنے حقیقی مولا کی پرستش نہ اس کے بتائے ہوئے طریق پر اور نہ اپنے مزعوم طریق پر کریں گے۔ لیکن جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان میں خوف خدا ہے وہ ضرور ہی اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لاویں گے اور

[1]۔ اور تو (سب سے پہلے) اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا۔ (تفسیر صغیر)

ایمان بالآخرت کا یہ نشان ہے کہ اصلی یا اپنے طریق پر اپنے آقا کی پرستش اور اس کے آگے عجز و نیاز کا اظہار و اقرار ضرور کریں گے۔ مفسرین نے یہاں پر صلوٰۃ سے نماز اور مطلق عبادت دونوں لئے ہیں۔

مفتری علی اللہ کا انجام

اور فیصلہ اور انذار کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ تمہارے زعم کے مطابق تو رسول اللہ ﷺ کو بجائے برکات اور نفع کثیر کے کوئی سخت سے سخت عذاب اور تباہی کا منہ دیکھنا چاہیے اور اس کا باعث یہی کتاب ہونی چاہیے تھی نہ یہ کہ ان کے لئے موجب برکات ہو۔ فرمایا) اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس نے کہا میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہ کی گئی ہو۔ یا اس نے کہا میں اس کی مانند اتاروں گا جو کہ اللہ نے اتارا ہے (یعنی جو شخص ایسے احکام کو اللہ کی طرف منسوب کرے جو کہ اللہ تعالیٰ نے نہ دیئے ہوں جیسا کہ مشرک شرک جیسے امور کی نسبت کہہ دے کہ اَللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا یا مسیلہ کذاب جیسے جھوٹے نبیوں کی طرح یہ افتراء علی اللہ کرے کہ خداوند تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے۔

حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہ ہوئی ہو اور یا شوخی اور تکبر سے کلام الٰہی کی تحقیر کرنے کے لئے کہے کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ[1] (الانفال:32) تو وہ سب سے بڑھ کر ظالم ہے اور یہ بالکل صحیح اور موافق عقل سلیم ہے اور ظالم بھی مستوجب سزا ہوتا ہے چہ جائے جو کہ اَظلم ہو پس اگر مشرکین افتراء علی اللہ کر رہے ہیں اور قرآن مجید کی تکذیب کے لئے جو کہ منجانب اللہ ہے سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کہتے ہیں اور ان کے مقابل محمد رسول اللہ ﷺ پر سچ مچ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہو رہی ہے تو پھر ضروری ہے کہ ان مشرکوں کو سزا ہو اور نعوذ باللہ منہ اگر یہ راستی پر ہیں اور محمد رسول اللہؐ پر ان کے زعم کے مطابق حقیقۃً کوئی وحی نازل من اللہ نہیں ہوتی اور وہ از خود افتراء علی اللہ کر کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ مجھ پر فلاں حکم نازل ہوا ہے یا فلاں وحی نازل ہوئی ہے تو پھر ضروری ہے کہ ان کو سزا ملے اور وہ

[1]۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قسم کا کلام بنا (کر پیش کر) سکتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

ہر گز اس مقابلہ میں کامیاب نہ ہوں۔ پس یہ نہایت بین اور واضح اور صحیح ترین فیصلہ ہے اور اس کے ضمن میں مشرکین اور مفترین کے لئے انذار ہے۔

مفترین کی تین اقسام

مفسرین نے مختلف طریق پر اس کی تفسیر کی ہے اول یہ کہ اول سے وہ مراد ہیں جنہوں نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ کہا تھا اور دوم سے مسیلمہ کذاب اور اسود اور سوم سے وہ جنہوں نے لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَآ[1] (الانفال:32) کہا تھا لیکن بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اول کی بدیں معنے نقل ہم کو نہیں ملی۔

دوم یہ کہ اول اور دوم تو مسیلمہ کے بارہ میں نازل ہوا ہے اور اخیر عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کے بارہ میں اترا ہے کیونکہ مروی ہے کہ یہ عبداللہ اسلام لایا تھا تو جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ[2] الخ (المؤمنون:13) تو آپ نے اس سے لکھوائی تو جب ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ[3] (المؤمنون:15) تک پہنچے تو عبداللہ نے خوبی بیان سے تعجب کیا اور کہا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ[4] (المؤمنون:15) تو آنحضرت ﷺ نے سن کر فرمایا کہ اسی طرح قرآن مجید میں ایک آیت نازل ہوئی ہے تو اس سے اس کے دل میں شک پیدا ہوا اور کہا اگر محمدؐ سچا نبی ہے تب تو مجھ پر بھی یہ آیت وحی ہوئی ہے اور سچا نہیں تو پھر میں نے بھی ایسا کہا ہے جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

(تفسیر قرطبی جزء 8 صفحہ 459 تفسیر سورۃ الانعام، مؤسسۃ الرسالہ بیروت)

اور امام رازیؒ نے افتراء کذب کو عام لیا ہے اور دوم اس کا ایک فرد قرار دیا ہے پس اوّل اور دوم میں تو مطلق افتراء اور آنحضرت ﷺ پر وحی نازل ہونے یا نہ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور ثالث میں اپنے لئے اثبات اور آنحضرت ﷺ سے نفی ہے لیکن جو ہم نے لکھا ہے قرآن مجید کے دوسرے مقامات کے مطابق وحی ہے۔

---

[1]۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قسم کا کلام بنا (کر پیش کر) سکتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ پھر اس کو ایک اور شکل میں تبدیل کر دیا۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ پس بہت ہی برکت والا ہے وہ خدا جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

مفترین کی حالت کا اظہار

اور اس کے بعد مفترین کی حالت سخت شناعت اور برائی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا) اور کاش کہ تو دیکھتا جبکہ ظالم لوگ موت کے شدائد میں ہونگے۔ اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہونگے کہ نکالو اپنی جانوں کو۔ آج دن تم کو ذلت کا عذاب اس کے بدلہ میں دیا جاویگا کہ تم اللہ پر ناحق کہتے اور اس کی آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

(یہ تو موت کے وقت کا نقشہ ہوا۔ اس کے بعد جب حساب کے لئے پیش ہونگے تو ان کو ذلیل کرنے کے لئے کہا جاویگا) اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور تم نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے چھوڑ دیا جو کہ ہم نے تم کو دیا تھا۔ (یعنی جن ہماری دی ہوئی چیزوں پر تم فخر اور تکبر کر کے حق کے مقابلہ پر کمربستہ ہوئے تھے وہ سب چیزیں تو تم پیچھے دنیا میں ہی چھوڑ آئے ہو) اور نہ ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو دیکھتے ہیں جن کی نسبت تم کہا کرتے تھے کہ وہ تم میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) شریک ہیں۔ یقیناً ہمارا تعلق کٹ گیا (یعنی تمہارے اور تمہارے شفعاء کے درمیان کوئی تعلق اب قائم نہیں رہا ہے جس کو تم دنیا میں یقین کیا کرتے تھے اور جس کے قائم کرنے کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیا کرتے تھے) اور تم سے وہ ضائع ہو گیا جو کہ تم خیال کیا کرتے تھے (کہ یہ ہمارے شفعاء عند اللہ ہیں یا یہ کہ نہ دوبارہ ہم زندہ کئے جاویں گے اور نہ کوئی جزا و سزا ہو گی۔

آیت 96 تا 101: اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَ جَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ۔ وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ يَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

فَالِقٌ۔ فَلْقٌ سے ہے۔ جس کے معنے شق کرنے اور پھاڑنے کے ہیں۔ اور یہی اس کے اصل معنے ہیں اور ابن عباسؓ اور ضحاکؒ سے فَالِقٌ بمعنے موجد اور مبدء کے مروی ہے۔ اور غالبًا یہ ماحصل اور لازم معنے ہیں نہ اصلی۔

حَبٌّ۔ دانہ کو کہتے ہیں۔

نَوٰى۔ نَوَاةٌ کی جمع ہے اور نَوَاةٌ کے معنے بعض نے خاص کھجور کی گٹھلی کے کئے ہیں اور بعض مطلق ہر ایک پھل کی گٹھلی کے۔ اور مشہور یہ ہے کہ جب سوائے کسی تقیید کے لفظ

نَوَاۃٌ آئے تب تو بمعنے کھجور کی گٹھلی کے ہوتا ہے۔ اور جب مقید ہو کر آئے جیسا نَوَاۃُ السَّدْرِ وَنَوَاۃُ الْخَوْخِ[1] تو پھر عام گٹھلی کے معنوں میں ہوتا ہے۔

تُؤْفَکُوْنَ۔ أِفْکٌ سے ہے۔ جس کے معنے پھیرنے کے ہیں۔ مفسرین تُؤْفَکُوْنَ کے معنے تُصْرَفُوْنَ کیا کرتے ہیں۔

اِصْبَاحٌ مصدر ہے اَصْبَحَ کا جس کے اصل معنے صبح کرنے اور صبح میں داخل ہونے اور ہو جانے کے ہیں۔ لیکن پھر یہ صبح کا نام رکھا گیا اور یہاں پر بھی بمعنے صبح ہے جیسا کہ امراء القیس کے اس شعر میں ہے:

اَلَا اَیُّھَا اللَّیْلُ الطَّوِیْلُ اَلَا انْجَلِیْ بِصُبْحٍ وَمَا الْأِصْبَاحُ مِنْكَ بِأَمْثَلِ[2]

سَکَنٌ۔ اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان کو اطمینان اور اس کو آرام حاصل ہو جیسا دوست اور بی بی اور خاوند۔

حُسْبَانٌ۔ حَسَبٌ کا مصدر ہے جس کے معنے شمار کرنے کے ہیں۔ اور ابو الہشیم سے مروی ہے کہ حُسْبَانٌ۔ حِسَابٌ کی جمع ہے جیسی رِکَابٌ کی جمع رُکْبَانٌ ہے۔

عَزِیْزٌ کے معنے ہیں غالب اور قابو رکھنے والا اور عزت والا اور کم یاب۔

جَعَلَ۔ جَعْلٌ سے ہے اور اس کے عام طور پر دو معنے ہیں بنانا جیسا آدمی کو عقل والا اور آنکھوں والا اور سورج کو روشنی دینے والا وغیرہ ذلک اور پیدا کرنا جس کو خلق کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

نُجُوْمٌ۔ نَجْمٌ کی جمع ہے، ستارہ۔

مُسْتَقَرٌّ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے یا مصدر میمی بمعنے استقرار ہے اور یا ظرف مکان بمعنے جائے استقرار ہے۔

اسی طرح مُسْتَوْدَعٌ۔ اِسْتِیْدَاعٌ کا مصدر میمی ہے جس کے معنے اِسْتِیْدَاعٌ یعنی ودیعت رکھنے کے ہیں۔ اور یا اس سے ظرف مکان بمعنے ودیعت رکھنے کی جگہ کے ہے۔

نَبَاتٌ۔ نَبْتٌ کی جمع ہے، بوٹی۔

---

[1] ۔ بیری کی گٹھلی اور آڑو کی گٹھلی۔ (از مرتب)

[2] ۔ اے (ہجر) کی طویل رات صبح بن کر روشن ہو جا۔ اور (سچ تو یہ کہ) صبح بھی تجھ سے بہتر نہ ہو گی۔ (از مرتب)

خَضِرٌ بمعنے اَخْضَر یعنی سبز کے ہیں۔
مُتَرَاکِبٌ۔ تَرَاکُبٌ سے ہے۔ تہ بتہ ہونا۔
نَخِیْلٌ۔ نَخْلٌ کی جمع ہے، کھجور۔
طَلْعٌ۔ کھجور کے درخت کا پھل جو پہلے نکلتا ہے۔
قِنْوَانٌ۔ قِنْوٌ کی جمع ہے، خوشہ کھجور کا۔
دَانِیَۃٌ۔ دُنُوٌّ سے ہے، نزدیک ہونا۔
اَعْنَابٌ۔ عِنَبٌ کی جمع ہے، انگور۔
زَیْتُوْن۔ مشہور ہے۔ رُمَّانٌ۔ انار کو کہتے ہیں۔
مُشْتَبِہٌ۔ اور مُتَشَابِہٌ ایک ہی معنے دیتے ہیں۔ یعنی ملتے جلتے۔
اَثْمَرَ۔ اَثْمَارٌ سے ہے درخت کا پھل لانا اور پھل نکالنا۔
یَنْعٌ۔ پختہ ہونا۔
خَرَقُوْا۔ خَرْقٌ سے ہے۔ چیرنا پھاڑنا اور گھڑنا۔

ترجمہ:

بے شک اللہ دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔ زندہ کو مردہ سے نکالا کرتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ ہاں یہی اللہ ہے پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو۔ صبح کا پھاڑنے والا ہے۔ اور اس نے رات کو آرام دہ بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب۔ یہ بہت غالب اور بڑے جانکار کا اندازہ کرنا ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا تاکہ تم ان کے ساتھ جنگل اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ پاؤ۔ بے شک جاننے والے لوگوں کے لئے ہم نے آیتوں کو مفصل بیان کیا ہے۔

اور وہ وہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر (تمہارے لئے) ٹھہرنیکی جگہ اور امانت کی جگہ (یا ٹھہرنا اور امانت رکھنا) ہے یقیناً ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے آیتوں کو مفصل بیان کیا ہے اور وہ وہ ہے جس نے بلندی سے پانی اتارا ہے پھر اس کے ساتھ ہر ایک چیز کی بوٹیاں نکالی ہیں پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا ہے جس سے تہ بتہ دانے نکلتے ہیں۔

اور کھجوروں کے گابھے سے گچھے جو نزدیک ہیں اور انگوروں سے باغ اور زیتون اور انار جو ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے ہوتے ہیں اس کے پھل کی طرف دیکھو جب کہ وہ پھل لاتا ہے اور اس کی پختگی کی طرف۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں جو کہ ایمان لاتے ہیں۔ اور انہوں نے اللہ کے لئے شریک جنوں کو بنایا ہے حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور انہوں نے بے علمی سے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑی ہیں۔ اس کی پاکی کو (ملحوظ رکھو) اور وہ ان (صفات) سے بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

جب شرک کی برائی اور قرآن مجید کے مجانب اللہ ہونے کے بین اور قوی ترین دلائل اور نشان بتانے پر بھی ان کی وہ حالت ہو رہی جو کہ ع مذکور میں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ[1] الخ (الانعام:92) کے ساتھ بیان ہوئی جیسا کہ تفسیر میں ہم نے بیان کیا ہے اور کہ جن کا انجام حیات وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ[2] الخ (الانعام:94) کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جب ان لوگوں کی یہ حالت ہوئی تو پھر رسول اللہؐ کی قوم سے کہ جن کی زبان میں کتاب اللہ نازل کی گئی ہے رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ پر کون ایمان لائے گا اور رسول اللہ ﷺ کا وہ شوق کس طرح پورا ہو گا جو کہ آپ کو اپنی قوم کے ایمان کی نسبت تھا اور اس قدر محنت شاقہ کا کیا ثمرہ اور نتیجہ ہو گا جو کہ حضورؐ نے ان کے ایمان لانے کے لئے برداشت کی ہے تو اس کے جواب کے لئے نیز اس مایوسی و ناامیدی کے رفع کرنے کے لئے جو کہ ان کے مذکورہ بالا حال سے لاحق ہو سکتی تھی اور کہ جس سے خداوند تعالیٰ کے پاک بندے ہمیشہ پاک ہوتے ہیں بلکہ وہ کفار ہی کا حصہ ہے۔

فرمایا کہ) یقیناً اللہ دانے اور گٹھلیوں کو پھاڑنے والا ہے۔ (یعنی خداوند تعالیٰ وہ قادر مطلق اور حکیم و علیم خدا ہے کہ گٹھلی جیسی بے کار اور ردی چیز کو اور دانہ جیسی ناچیز چیز کو وہ

[1] ۔ اور جب انہوں نے یہ بات کہی تھی کہ اللہ نے کسی بندے پر کچھ نہیں اتارا تو ان لوگوں نے اللہ (کی صفات) کا اندازہ اس طرح نہیں کیا تھا جس طرح کرنا چاہیے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اور اگر تو (اس وقت کو) دیکھے جبکہ ظالم موت کی تکالیف میں مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

پھاڑ کر ان سے درخت اور بوٹیاں نکال کر کیسی خیر و برکت والا اور کیسے لذیذ اور نافع ترین پھلوں والا بناتا ہے۔ سو وہ قادر اور حکیم و علیم خدا ان کفار ہی سے وہ جماعت پیدا کر دے گا جو کہ درختوں اور بوٹیوں کی طرح جہان کے لئے نافع اور موجب خیر و برکت ہو گی۔ اس کو اور بھی واضح کرنیکے لئے فرمایا کہ) وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے (یعنی وہ تو ایسا قادر اور حکیم ہے کہ مردہ مٹی اور منی اور انڈا سے زندہ چیزیں پیدا کیا کرتا ہے۔ پس وہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان مردہ کافروں سے زندہ مومنوں کی جماعت اور نسل پیدا کر دے۔

یُخْرِجُ اور مُخْرِجُ کے مختلف استعمال

باقی اس آیت کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔ ہاں رہی یہ بات کہ زندہ کو مردہ سے نکالنے کو جو کہ کفار سے مومنین کی جماعت پیدا ہونا ظاہر کرتا ہے یُخْرِجُ کے لفظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے کو جو کہ نیکوں سے بد جماعت کے نکلنے کو ظاہر کرتا ہے مُخْرِجُ الْمَیِّتِ الخ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تو اس طرز بیان کے بدلا دینے کا کیا فائدہ ہے۔ سو واضح ہو کہ اوّل کو تو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس کے معنے ہیں کہ اب نکال رہا ہے یا آئندہ نکالے گا جو کہ اس پر دالّ ہے خداوند تعالیٰ کفار سے مومنین کی جماعت بنا رہا ہے اور آئندہ بھی بنائے گا۔

اور دوم کے یہ معنے ہیں کہ وہ مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایسا وہ کر سکتا ہے اور ایسی اس کی شان ہے یا وہ ایسا کیا کرتا ہے۔ جس سے ایسا کرنے کا وعدہ نہیں پایا جاتا جیسا کہ اوّل سے پایا جاتا تھا اور ظاہر ہے کہ مقام بھی اسی کو چاہتا ہے۔ اور چونکہ کلام الٰہی فوائد کثیرہ پر مشتمل ہوا کرتی ہے اور اس سے شرک کا نہایت عمدہ طریق پر رد ہوتا تھا اور ما قبل میں یہی سلسلہ چلا ہوا بھی تھا۔ اس لئے اس سے یہ دوسرا فائدہ سمجھانے کے لئے بعد میں فرمایا کہ) یہ ہے اللہ پھر تم کہاں پھیرے جاتے ہو۔ (یعنی اللہ تو ایسا قادر مطلق اور علیم و حکیم اور ایسا محسن ہے اور جن کو تم اس کے ساتھ شریک بناتے ہو ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ کرتا ہے

اور نہ کر سکتا ہے تا کہ ان کا بھی قادر مطلق اور حکیم و علیم اور محسن ہونا ثابت ہوتا تو پھر تم کس طرح ان کو اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو۔

صبح، رات اور سورج چاند کی مثال سے مراد

اس کے بعد مذکورہ سوال کے جواب کو اور واضح کرنے اور مومنوں کی جماعت پیدا کرنے کو ضروری اور حتمی امر قرار دینے اور ایسا کرنے کو ایک مستمرہ عادت اللہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ صبح کو پھاڑنے والا ہے اوراس نے رات کو موجب آرام بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب (یعنی جس طرح خداوند تعالیٰ رات کے اندھیرے کو پھاڑ کر اس سے صبح کو نکالتا ہے جس سے ایک نورانی زمانہ شروع ہوتا ہے اور اس نورانی زمانہ کے بعد پھر رات کو لاتا ہے جو کہ تاریک زمانہ ہوتی ہے اور پھر ایسا نہیں کہ اندھا دھند ہو بلکہ رات دن دونوں کے لئے ایک خاص اندازر کھا جو کہ اٹل ہے اور کبھی اس میں فرق نہیں آتا اسی طرح سے خداوند تعالیٰ روحانی نورانیت کو ضرور ظلمت جہالت سے پھاڑ کر نکالا کرتا ہے اور ظلمت کے زمانہ میں مذہبی حراکات بالکل رات کی طرح ساکن ہوتے ہیں اور نور کے زمانہ میں دن کی طرح پھر ان میں مذہبی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر نور اور ظلمت کے زمانوں کو ایک دوسرے کے پیچھے ضرور لایا کرتا ہے اور یہ بھی مرتب اور اٹل ہے۔

انبیاء کی طرح روحانی ستارے بھی موجب ہدایت

پھر اس کا موقع اور صورت بتانے کے لئے فرمایا کہ) وہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا ہے تا کہ تم ان کے ساتھ خشکی اور سمندر میں راستہ پاؤ۔ یقیناً ہم نے آیتوں کو ان لوگوں کے لئے مفصل بیان کیا ہے۔ جو کہ جانتے ہیں (یعنی جس طرح دنیا میں لوگ سورج اور چاند کے علاوہ دوسرے ستاروں سے خشکی اور تری میں بہت کچھ ہدایت پاتے ہیں اسی طرح روحانی سورجوں اور چاندوں کے بعد جو رسل اور انبیاءؑ علی حسب المراتب ہیں لوگ روحانی ستاروں سے بھی بہت کچھ ہدایت پاتے ہیں خواہ وہ خشکی میں ہوں یعنی بے کتاب اور بے علم ہوں یا تری میں یعنی کتاب اور علم والے ہوں۔ اور اسی کی طرف اس روایت میں

اشارہ ہے جس کو مقلدین لوگ پیش کیا کرتے ہیں اور عامل بالحدیث اپنے مشہور ہاتھ سے اس کو رد کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔[1]

(التفسیر الکبیر لامام رازی جلد دوم صفحہ 5 سورۃ البقرۃ زیر آیت الم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت 2004ء)

گو مقلدین اس سے کوئی غلط ارادہ کریں اور محدیثین اس کو رد کریں پر اس کے صحیح اور مؤید بالقرآن ہونے میں شک نہیں۔ چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر عموماً اور حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہؓ کے ہاتھ پر خصوصاً خداوند تعالیٰ نے اس کو کیسا سچا کر دکھایا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے صحابہؓ کے ہاتھ میں خاص برکت رکھی تھی کہ ایک ایک کے ہاتھ پر بڑے وسیع اور سرکش ملک ہدایت یاب ہو گئے تھے۔ چنانچہ لوگ جانتے ہیں کہ افغانستان کے پٹھان کیسے سخت لوگ تھے پر حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ چند ایک اشخاص کو ساتھ لے کر اس ملک میں تشریف لائے اور بدون کسی جنگ کے محض اپنے قولی عملی اثر کے زور سے اس سارے ملک کی جہالت اور ضلالت پر کامل فتح پا کر سارے ملک کو من کل الوجوہ ہدایت میں داخل کر دیا۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ میں اشارہ

اور قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ الخ فرما کر اوّلاً تو اس پر متوجہ کیا ہے کہ اس مذہب کی ترقی کے متعلق جو سوال پیدا ہوا تھا۔ اس کا مفصل جواب ان آیات میں ہم نے دیدیا ہے۔ جس کو سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔ اور ثانیاً یہ بتایا ہے کہ یہ جو کچھ ہم نے اس مذہب کی ترقی کی نسبت بیان کیا ہے۔ وہ پورا ہو کر جاننے والوں کے لئے اس مذہب کے منجانب اللہ اور حق ہونے پر بین ترین آیات اور چمکتا ہوا نشان ہو گا۔ اس کے بعد اس تعجب کو رفع کرنے کے واسطے کہ اس وقت اس مذہب کے اتباع بہت ہی قلیل ہیں تو وہ کثرت جو بیان کیجاتی ہے۔ اس سے کس طرح متصور ہو سکتی ہے۔

دوم یہ کہ جب آئندہ نسل مشرکوں اور اس مذہب کے دشمنوں کے گھروں میں اور ان کے نطفہ سے پیدا ہوئی اور اس نے ان کے زیر اثر پرورش بھی پائی تو پھر یہ کس طرح

[1]۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ (از مرتب)

متصور ہو سکتا ہے کہ وہ ان سب امور کے خلاف اس مذہب کے متبع ہو جاویں گے۔ فرمایا) اور وہ وہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔ (تو جس نے ایک جان سے اس قدر کثر التعداد جانیں پیدا کر دی ہیں تو اس سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تھوڑوں سے بہت کر دے۔)

ایک جان سے پیدا ہونے والوں میں فرق اور اختلاف

تو پھر (کچھ تو تم میں سے) ٹھہرائے ہوئے ہیں۔ اور (کچھ) امانت رکھے ہوئے (یعنی باوجود یکہ تم ایک ہی جان سے پیدا کئے گئے ہو۔ لیکن پھر بھی کچھ تو تم میں سے پیدائش کے بعد مدت دراز تک زندہ رکھے جاتے ہیں اور کچھ پیدا ہوتے ہی قبر میں امانت رکھے جاتے ہیں۔ تو جب ایک جان سے یہ کثرت ہے اور ایک جان سے پیدا ہونے والوں میں ایسا بین فرق اور اختلاف ہے تو پھر اس قدر قلیل سے موعودہ کثرت کا پانا جانا اور ان حالات کے ہوتے ہوئے ایسی نسل کا پایا جانا جو کہ اس مذہب کی پیرو ہوں کچھ قابل تعجب اور حیرت انگیز نہیں۔ جب کہ ان کاموں کا کرنے والا خداوند تعالیٰ ایسا وعدہ کرتا ہے اور اس نے ایسا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

مُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ کے معنی

مُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ کے معنے ابو مسلم اصفہانی نے مرد اور عورت کے کئے ہیں اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ نطفہ مرد ہی کی پیٹھ میں استقرار پکڑتا اور ٹھہرتا ہے۔ اور ماں کے رحم میں امانت رکھا جاتا ہے۔ احیاء العلوم میں چند اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ جن میں سے ایک شعر یہ ہے کہ

إِنَّمَا أُمَّهَاتُ النَّاسِ أَوْعِيَةٌ مُسْتَوْدَعَاتٌ وَلِلْأَحْيَاءِ آبَاءُ[1]

جس میں ماؤں کو مُسْتَوْدَعَاتٌ کہا گیا ہے یہ معنے بھی اچھے ہیں اور ان کے رو سے بھی وہی تفسیر ہے جو کہ پہلے معنوں کے رو سے کی گئی ہے اور ان کے دو معنے وہ بھی ہیں جو اکثر

[1]۔ احیاء العلوم سے یہ شعر نہیں مل سکا۔ دیوان الامام علی بن ابی طالب میں یہ شعر ان میں الفاظ میں ملا ہے وَإِنَّمَا أُمَّهَاتُ النَّاسِ أَوْعِيَةٌ مُسْتَوْدَعَاتٌ وَلِلْأَحْسَابِ آبَاءُ۔ لوگوں کی مائیں تو صرف برتن ہیں جن میں کچھ ڈالا جاتا ہے، حسب کے لئے تو باپ ہیں۔ (از مرتب)

مفسرین نے کئے ہیں اور پہلے تشریح اور ترجمہ میں گذر چکے ہیں۔ ایک تو ٹھہرنا اور امانت رکھنا یعنی تم میں سے ہر ایک کے لئے باپ کی پشت یا زمین پر ایک مدت تک ٹھہرنا ہے اور پھر ہر ایک کے لئے ماں کے پیٹ اور رحم یا قبر میں ودیعت رہنا ہے۔

دوم یہ کہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ودیعت رکھے جانے کی جگہ ہے یعنی تم میں سے ہر ایک کے لئے استقرار کی جگہ ہے جو کہ باپ کی پشت یا زمین کا سطح ہے۔ اور ہر ایک کیلئے ودیعت رکھے جانے کی جگہ ہے جو کہ ماں کا رحم یا قبر ہے۔ انہی معنوں کی رو سے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مذکورہ بالا تفسیر کے الٹ بھی تفسیری مروی ہے۔ یعنی مُسْتَقَرٌّ سے ماں کا رحم مراد ہے اور مُسْتَوْدَعٌ سے باپ کی پیٹھ اور روایات میں باپ کی پیٹھ میں رہنے کو ودیعت بولا گیا ہے۔

چنانچہ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے دریافت کیا کہ اَتَزَوَّجْتَ[1] تو میں نے کہا لَا وَمَا ذٰلِكَ فِيْ نَفْسِي الْيَوْمَ[2] تو آپ نے فرمایا کہ اِنْ كَانَ فِيْ صُلْبِكَ وَدِيْعَةٌ فَسَتَخْرُجُ۔[3] اور ان معنوں کے لحاظ سے اس سے یہ ثابت نہ ہو گا کہ باوجود اصل میں متحد ہونے کے تم میں اس قدر اختلاف ہے۔ بلکہ اس صورت میں یہ ثابت ہو گا کہ دیکھو کس طرح ہر ایک شخص پر کیسے متضاد احوال مختلف اوقات میں متعاقب طور پر وارد ہوتے ہیں تو قوم جو کہ بحیثیت اجتماع اور وحدت کے ایک شخص کے مشابہ اور قائم مقام ہوتی ہے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس پر بھی اشخاص کی مانند باختلاف اوقات احوال مختلفہ اور متضادہ وارد ہوں تو پھر شرک و جہالت کے بعد اس قوم کے توحید اور علم کے زیور سے آراستہ ہونا کونسا باعث تعجب و حیرت ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ اس میں بھی خارق عادت رنگ میں اس مذہب کے اتباع کی کثرت کا اشارہ ہے اس لئے اس کے بعد بھی فرمایا کہ) ہم نے یقیناً آیتوں کو ان کے لئے مفصل بیان کر دیا ہے جو کہ سمجھتے ہیں۔

---

[1]۔ کیا تو نے شادی کر لی ہے؟ (از مرتب)

[2]۔ نہیں۔ آج تک میرے دل میں اس کا میلان پیدا نہیں ہوا۔ (از مرتب)

[3]۔ اگر تیری صلب میں کوئی امانت ہے تو وہ ضرور ظاہر ہو جائے گی۔ (از مرتب)

لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ اور لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ فرمانے میں حکمت

(ہاں نجوم سے اھتداء حاصل کرنا چونکہ علم سابق بالنجوم پر مبنی ہے اس لئے وہاں پر تو لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ فرمایا اور ایک جان سے انسانوں کے پھیلانے پر قیاس کر کے اس مذہب کے اتباع کی کثرت کا امکان معلوم کر لینا فقاہت پر مبنی ہے۔ لہٰذا یہاں پر لِقَوْمٍ یَّفْقَھُوْنَ فرمایا اور چونکہ گذشتہ نظائر سے گو اس کا امکان تو ثابت ہو کر تعجب اور حیرت کو رفع کرتا تھا لیکن اس کا باعث اور سبب بتایا نہیں گیا تھا کہ کیوں ان مشرکین سے کثرت کے ساتھ مؤحدین پیدا ہو جاویں گے اور کس طرح سے زندہ روحیں پیدا ہونگی حالانکہ اس وقت سارے ملک اور قوم پر روحانی موت مسلط ہے تو اس کو رفع کرنے اور اصل سبب اور باعث بتانے کے لیے فرمایا۔)

آسمان سے پانی اتارے جانے کی تفسیر

اور وہ وہ ہے جس نے بلندی (یا بادل) سے پانی اتارا ہے۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ ہر ایک چیز کی بوٹیاں نکالی ہیں پھر ہم نے اس سے سبزہ نکالا جس سے ہم تہ بتہ دانے نکالتے ہیں (یا نکالیں گے) اور کھجوروں (یعنی) اس کے گابھے سے نزدیک گچھے ہیں۔ اور انگوروں سے باغ نکالے ہیں اور زیتون اور انار کہ (کچھ ان میں سے) آپس میں ملتے جلتے ہیں اور (کچھ) نہیں ملتے جلتے تم اس (مذکور) کے پھل کی طرف دیکھو جبکہ وہ پھل لائے اور اس کی پختگی کی طرف (اس میں اول تو بتایا ہے کہ تم جانتے ہو کہ زمین مردہ پڑی ہوتی ہے اور اس کے سب قویٰ معطل ہوتے ہیں اور جو جو تخم اس میں ہوتے ہیں اور مردوں کی طرح اس میں مدفون ہوتے ہیں۔

پھر ہم محض اپنے فضل سے بادلوں سے پانی برساتے ہیں تو پھر کیا ہوتا ہے۔ زمین کے قویٰ اپنے اپنے افعال کرنے لگتے ہیں اور مدفون تخم زندہ ہو کر اپنے سر زمین کی سطح سے باہر نکالتے ہیں اور وہ مردہ زمین ایک سرے سے دوسرے سرے تک دفعۃً اس پانی کے ذریعہ سے زندہ ہو جاتی ہے۔ تو جس طرح یہ جسمانی بارش اپنا اثر دکھاتی ہے اسی طرح روحانی بارش

بھی جب ہم اپنی رحمت کے بادلوں سے نازل کرتے ہیں تو وہ بھی روحانی مردہ زمین (یعنی مردہ قلوب اور طبائع کو زندہ کر دیتی ہے اور جو تخم سعادت کہ ان کے اندر مدفون ہوتے ہیں۔ اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا وہ زندہ ہو کر اپنے سر باہر نکالتے ہیں۔

اور وہ روحانی بارش جو کہ رحمت الٰہیہ کے بادلوں سے نازل ہوا کرتی ہے۔ وہ وحی اور کلام الٰہی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے بہت سے مقاموں سے ثابت ہے بلکہ حق یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی قرآن مجید نے بلندی سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا ہے وہ اسی وحی کی تمثیل اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جس طرح پانی سے وحی مراد ہے اسی طرح زمین سے قلوب اور فطرت انسانی مراد ہے اور نبات سے عقائد اور ارادات و نیات وغیرہ مراد ہیں اور ثمرات سے انہی کے ثمرات مراد ہیں۔ اور اسی اشارہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اَنْزَلَ اور اَخْرَجْنَا بلفظ ماضی فرمایا ہے ورنہ ایسے امور بلفظ مضارع ذکر کئے جاتے ہیں جو کہ اس استمرار پر دالّ ہوتا ہے تو ان الفاظ کے ساتھ یہ تو بتا دیا کہ پانی بھی نازل ہوا ہے اور بوٹیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں لیکن جب ان کے پھلوں اور دانوں اور خوشوں کا ذکر فرمایا ہے تو وہاں پر بجائے ماضی نُخْرِجُ مِنْهُ الخ بلفظ مستقبل ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ یہ پھل آگے لگنے والے ہیں۔

روحانی پھلوں میں اختلاف انواع

اور پھر دانوں اور خوشوں اور کھجور و انگور اور زیتون و رمان اور متشابہ و غیر متشابہ کو ذکر کر کے ان روحانی پھلوں کے اختلاف انواع اور ان کے مدارج کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ فرما کر یہ بتایا ہے کہ چونکہ روحانی امور کو جاننے کے سب اہل نہیں ہوتے اس لئے اب اگر تم کو کچھ نہیں آتا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پر جب یہ پودے پھلیں گے تو پھر تم کو وہ پھل صاف نظر آویں گے اور پھر تم ان کی پختگی کو بھی ملاحظہ کرو گے یہ نہ ہو گا کہ پختگی سے پہلے ضائع اور تباہ ہو جاویں اور چونکہ یہ بھی بہت سی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے جو اپنے وقوع کے بعد اس کتاب کے حق اور منجانب اللہ

ہونے کے لئے بین نشان ہوں گی لہٰذا اس کے بعد بھی فرمایا کہ) بے شک اس (مذکور) میں ایمان لانیوالے لوگوں کے لئے بہت سے نشان ہیں۔

تردید شرک کے مضمون کا اعادہ

(اور چونکہ اصل مضمون تو تردید شرک تھا اور ہدایت کی اشاعت اور پھیلاؤ کے بعید از قیاس ہونے کی تردید ضمناً کی گئی تھی اور قرآن مجید کا یہ عام طرز ہے کہ ضمنی ذکر میں بھی اصل مدعی کے سلسلہ بیان اور سلسلہ دلائل کو ضرور جاری رکھتا ہے گو تبعاً ہی ہو اور اسی وجہ سے اس پر متنبہ کرنے کے لئے اخیر میں پھر اصل مدعی کو ضرور ذکر فرمادیا کرتا ہے لہٰذا ضروری تھا کہ اس ضمنی ذکر میں بھی شرک کی تردید کے وجوہات کا سلسلہ جاری رہے۔ گو وہ طبعاً ہی ہو اور اخیر پر پھر بطور نتیجہ اور تنبیہ شرک کے ابطال کا ذکر ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ ضمنی بیان میں خداوند تعالیٰ کے عظیم الشان انعامات و احسانات اور نشانات قدرت قاہرہ کا ذکر ہوا ہے۔ جیسا ایک جان سے سب کو پیدا کرنا اور بارش کا نازل کرنا اور اس کے ذریعہ سے دوسری اشیاء کو پیدا کرنا جو کہ انسان کی ضروریات زندگی اور مابہ البقاء ہیں اور یہ امور شرک کو جڑھ سے اکھاڑنے والے مسلم ہیں۔ لہٰذا ان کے بعد فرمایا) اور انہوں نے جنوں کو اللہ کے لئے شریک بنایا حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور انہوں نے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں نادانی سے گھڑی ہیں۔

(اور حقیقت یہ ہے کہ ہر ایک چیز) اس کی پاکی (کو ظاہر کرتی ہے) اور وہ اس سے بلند ہے جو کہ یہ بیان کرتے ہیں (یعنی جب وہ ایسا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے اور تم کو بھی مسلم ہے اور پھر یہ بھی ظاہر اور مسلم ہے کہ دوسرا کوئی ایسا نہیں جس نے ایسا کیا ہو یا کر سکتا ہو اور شریک اور اولاد میں ایسے امور میں شریک ہونا ضروری ہے۔ تو پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ جنّ وغیرہ اس کے شریک ہوں یا مسیح یا فرشتے اس کی اولاد ہوں۔ پر باوجود اس کے بھی انہوں نے جنوں کو اللہ کے لئے شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹے بیٹیاں گھڑیں۔ جن کی تفسیر یہاں پر دو طور پر کی گئی ہے۔ اول یہ کہ جنوں سے مراد فرشتے ہیں اور ان کو جن اس لئے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی پوشیدہ ہونے کے ہیں اور فرشتے بھی پوشیدہ ہوتے ہیں اور

ملک کی بجائے اس کے ساتھ تعبیر کرنے میں خداوند تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے مقام پر ان کی شان کے گھٹانے کی طرف اشارہ ہے۔

چنانچہ قتادہ اور سُدی سے بھی تفسیر مروی ہے اور یہ تکلف اس لئے کیا گیا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بظاہر کوئی مشرک اور خصوصًا مشرکین عرب سے جنّوں کو شریک باری نہیں ٹھہراتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جنوں سے شیاطین مراد ہیں۔ لیکن شریک ٹھہرانے کا فقط اسی قدر مطلب ہے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے ماننے کی طرح ان کا حکم بھی مانتے ہیں اور بس نہ یہ کہ ان کو اپنا خالق ورازق وغیرہ خداوند تعالیٰ کی طرح سمجھتے یا کسی اور خاص صفت یا پرستش اور عبادت میں شریک کرتے ہیں۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ان زندیقوں کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جنہوں نے کہا تھا کہ خداوند تعالیٰ تو آدمیوں اور حیوانات کا خالق ہے اور ابلیس درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں اور شروں کا خالق ہے۔ اس صورت میں جنوں سے خاص ابلیس مراد ہو گا اور شریک بنانے والوں سے بھی خاص یہ مجوسی ہی مراد ہوں گے اور سُبْحَانَہٗ الخ میں ایک دوسری دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ پہلے میں نے مفصل بیان کر دی ہوئی ہے۔ اور یہ وہ ہے جس میں بیٹے اور اولاد کی فلاسفی سے (کہ وہ حقیقت میں اس فانی چیز کا جائز قائم مقام ہوتا ہے جو کہ نباتات وحیوانات کی طرح نظام دنیوی کے فناء سے پہلے فنا ہونے والی ہوتی ہے) یہ لازم آتا ہے کہ پھر خدائے قیوم بھی نظام دنیا سے پہلے فنا ہونے والا ہوتا کہ اس کو بھی اپنے جائز جانشین کی ضرورت پیش آئے۔ حالانکہ وہ فنا سے پاک اور اس سے برتر ہے اور اولاد کا قائل بھی اس کا قائل ہے۔

آیت 102 تا 111: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ۔ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

بَدِيْعٌ۔ بِدْعٌ سے ہے جو بمعنے اِبْدَاعٌ ہے۔ یعنی نئے سرے سے پیدا کرنا اور امام راغب نے اس کے معنے یہ لکھے ہیں کہ سوائے کسی آلہ اور مادہ اور زمان اور مکان کے پیدا کرنا تو اس

صورت میں بَدِیْعٌ بمعنے مُبْدِعٌ ہوا۔ اور لکھا ہے کہ جس طرح لفظ بِدْعٌ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے آتا ہے۔ اسی طرح بَدِیْعٌ بھی فاعل اور مفعول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

صَاحِبُہ۔ صحبت سے ہے اصل معنے اس کے ہیں ساتھ والی کے۔ لیکن اکثر اس سے بی بی مراد لی جاتی ہے۔

وَکِیْلٌ کے معنے متولی امور کے ہیں۔

اَبْصَارٌ جمع بَصَرٌ ہے۔ امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ بَصَرٌ کا لفظ عضو آنکھ پر بھی ہوتا ہے اور قوت باصرہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور بصیرت پر بھی ہوتا ہے جو کہ قلب کے ادراک کی قوت کا نام ہے۔

لَطِیْفٌ۔ لُطْفٌ سے ہے اور عام طور پر اس کے دو معنے مشہور ہیں ایک مہربانی کرنی اور دوم کثافت کے مقابل میں جس کو لطافت اور نزاکت کہا کرتے ہیں۔ اور لطیف جو اسماء اللہ میں ہے اکثروں نے تو کہا ہے کہ یہ کثیف کا مقابل ہے جو کہ خداوند تعالیٰ پر استعارۃً بولا گیا ہے اور بہائی نے اور تفسیر شہاب والے نے اس کو بمعنے مہربان لیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بمعنے عَلِیْمٌ بِالْغَوَامِضِ وَالدَّقَائِقِ[1] ہے۔

بَصَائِرُ۔ بَصِیْرَۃٌ کی جمع ہے جو بمعنے قلب کی قوت مدرکہ ہے۔ اور کبھی اس چیز کو بھی مجازاً کہہ دیتے ہیں جو کہ موجب بصیرت ہوا۔

اَبْصَرَ۔ اَبْصَارٌ سے ہے جو بمعنے دیکھنے اور جاننے کے ہے۔

عَمِیَ۔ عَمًیٌ سے ہے اندھا ہونا اور نہ دیکھنا۔

دَرَسْتَ۔ دَرْسٌ سے ہے اور لکھا ہے کہ درس کے اصل معنے فصل کے گاہنے کے ہیں۔ جس کو عربی میں دِیَاسَۃٌ کہتے ہیں اور پھر پڑھنے پر اطلاق ہوا گویا پڑھنے والا اس کلام کو گاہتا ہے۔ اور امام راغب کے کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اصل معنے بقائے اثار کے ہیں اور چونکہ یہ تب ہوتا ہے جبکہ اصل مکان مٹ جائے اس لئے اہل لغت اس کے معنوں کو اِنْمِحَاءٌ یعنی مٹنے کے ساتھ تعبیر کر دیتے ہیں اور کہا ہے کہ پھر پڑھنے پر اطلاق ہونے لگا کیونکہ پڑھنے والا بھی اس کلام کے آثار کو محفوظ کرتا ہے اور چونکہ آثار کلام کی حفاظت مداومت قرأت سے ہوتی تھی۔ اس لئے اس کو مداوت تلاوت پر بولنے لگ گئے۔

[1]۔ مبہم اور باریک باتوں کا جاننے والا۔ (از مرتب)

حَفِیْظٌ بمعنے رقیب اور مھیمن کے ہے۔
لَا تَسُبُّوْا اور یَسُبُّوْا سَبٌّ سے ہے گالی دینا اور فحش باتیں کہنا۔
عَدُوٌّ کے معنے ہیں حد سے تجاوز کرنا۔
زَیَّنَّا۔ تَزْیِیْن سے خوبصورت کرنا اور خوبصورت کر دکھانا۔
یُنَبِّئُ۔ تَنْبِیْئٌ سے ہے اور نَبَأٌ سے ہے۔ خبر دینا اور بتانا۔
اَقْسَمُوْا۔ اِقْسَامٌ سے ہے حلف اٹھانا۔
جَھْدٌ۔ کوشش اور اَیْمَانٌ۔ یَمِیْنٌ کی جمع ہے بمعنے قسم اور مفسرین نے جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ کے یہ معنے کئے ہیں کہ جَاھِدِیْنَ فِیْ اَیْمَانِھِمْ یا اَقْسَمُوْا بِجَھْدِ اَیْمَانِھِمْ۔
اَفْئِدَۃٌ جمع ہے۔ بمعنے قلوب۔

ترجمہ:

آسمانوں اور زمین کا نئی طرح پیدا کرنے والا ہے کہاں سے اس کے لئے بچہ ہو حالانکہ اس کے لئے کوئی جورو نہ تھی۔ اور اس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ ہر ایک شے کو خوب جاننے والا ہے۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے وہی ایک معبود (یا متصرف) ہے جو ہر ایک چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر ایک چیز پر کاروبار کا متولی ہے۔ آنکھیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے۔ (اور) وہ لطیف اور بہت خبر رکھنے والا ہے یقیناً تمہارے رب کی طرف سے بصیرت پیدا کرنیوالی باتیں آئی ہیں۔ سو جس نے دیکھا تو اپنے نفس ہی کے لئے اور جو اندھا رہا سو وہ اسی پر ہے اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ اور اسی طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے پڑھا ہے اور تاکہ ہم ان کو ان لوگوں کے لئے بیان کریں جو کہ جانتے ہیں۔ (یا جائیں گے۔) تم اس کی پیروی کرو جو کہ تمہارے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے۔ وہی معبود (یا متصرف) ہے۔ اور مشرکوں سے اعراض کر۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔ اور ہم نے تم کو ان پر نگہبان نہیں بنایا۔ اور نہ تم ان پر کاروبار کے متولی ہو۔ اور تم ان لوگوں کو گالی نہ دو جو کہ اللہ کے سوا (اوروں) کو پکارتے ہیں۔ تو پھر وہ حد سے بڑھنے سے نادانی کے ساتھ اللہ کو گالی دیں

گے۔ اسی طرح ہم نے ہر ایک فرقہ کو ان کے کام خوبصورت کر دکھائے ہیں اور پھر ان کے رب کی طرف ان کو واپس ہونا ہے تو وہ ان کو ان کاموں پر آگاہ کرے گا جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قسموں کو پختہ کرتے ہوئے اللہ کی قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی آیت آئی تو ضرور وہ اس پر (یا اس کے ذریعہ سے) ایمان لاویں گے تم کہو کہ اس کے سوا نہیں کہ آیتیں تو اللہ کے پاس ہیں پر تم کو کون سی چیز بتائے کہ یقیناً جب وہ آئیگی تو وہ ایمان لاویں گے۔ اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیریں گے۔ یا پھیرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑیں گے۔

تفسیر:

ابطال شرک اور ابطال ولد کے دلائل

ابطال شرک کے لئے بہت سے دلائل اور ابطال ولد کے لئے دو دلیلیں تو پہلے بیان ہو گئی ہیں۔ پر چونکہ قرآن مجید کا نزول ساری دنیا کے لئے ہے اور اختلاف ازمنہ اور تغائر امکنہ و رسم ورواج وعلوم و معارف وغیرہ کے سبب سے طبائع میں نہایت درجہ کا اختلاف ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک دلیل اگر ایک کے لئے مفید و موثر ہو۔ تو وہ دوسرے کے لئے موثر نہیں ہوتی بلکہ اس کے مذاق کے مطابق دوسری دلیل ہے اسی طرح طریق بیان حال ہے تو اس لئے قرآن مجید کا یہ عام طریق ہے کہ جب کسی اہم دعویٰ اور مسئلہ پر دلائل پیش کرتا ہے تو ایک دو پر اکتفاء نہیں کرتا بلکہ بہت کثرت سے پیش کر دیتا ہے۔ یہاں پر بھی گذشتہ دلائل ابطال شرک اور ابطال ولد کی مذکورہ دو دلیلوں پر اکتفاء نہ کر کے اور دلائل پیش کئے ہیں۔ چنانچہ دونوں کے ابطال کے لئے پہلے تو یہ فرمایا کہ) وہ نئے سرے سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ (شرک کا ابطال تو اس سے بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ مسلمہ بات ہے کہ عبادت کی بنا ہی ربوبیت پر ہے جیسا کہ بارہا بیان ہو چکا اور اسی وجہ سے عبادت کے حکم کو عموماً اسی پر مرتب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ[1] الخ (البقرۃ:22) میں ہے۔ اور

[1]۔ اے لوگو! اپنے (اس) رب کی عبادت کرو۔ (تفسیر صغیر)

انسان اپنی تربیت میں یا بلفظ دیگر پیدائش اور بقا میں جن چیزوں کا محتاج ہے وہ بھی آسمان اور زمین اور مَا فِیْھِمَا ہیں تو جب یہ مسلم اور حق اور ثابت شدہ صداقت ہے کہ ان سب کو اسی نے پیدا کیا ہے اور دوسری کوئی چیز اس میں اس کے ساتھ شریک نہیں تو پھر احسان اور ربوبیت میں دوسری کسی چیز کے لئے شرکت نہیں تو پھر عبادت یا تصرف میں کوئی چیز کس طرح اس کے ساتھ حصہ دار اور شریک ہو سکتی ہے۔ اور ولد کا ابطال اس طور پر ہے کہ جس قدر دنیا میں ولد ہیں یا جن چیزوں کے لئے اولاد ہے۔

جب ہم ان پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں اس میں ذرہ بھی شک اور تردد نہیں ہوتا کہ اولاد فانی والد کی وہ قائم مقام اور جانشین ہوئی ہے جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں یا اپنی صنعت سے پیدا نہیں کر سکتا بلکہ وہ اس کے پیدا کرنے سے ہر صورت میں عاجز ہوتا ہے۔ اور اس کا پیدا کرنے والا اور ہی ہوتا ہے۔ ہاں اس کے پیدا کرنے والے نے اس کے پیدا کرنے کا عام طریق قرار یہ دیا ہوا ہے کہ والد اپنی ہم جنس سے صحبت کرے یا بلفظ دیگر یوں کہا جائے کہ پیدا کرنا تو درکنار وہ پیدا کرنے والے سے حاصل کرنے میں جورو کی شرکت کا محتاج اور بدون اس کے حاصل کرنے سے بھی عاجز اور محروم ہے۔

اگر خدا بیٹا پیدا کرتا تو وہ بھی مخلوق ہوتا

اس ثابت شدہ بدیہہ ترین صداقت کے ذہن نشین ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جب خداوند تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا مبدء ہے اور ان کے ایجاد میں کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہوا تو پھر اگر وہ ایک انسان یا کسی اور چیز کو جو بہر حال ان دونوں سے کم ہے حاصل کرنا چاہتا تو وہ اس کو زمین و آسمان اور دیگر اشیاء کی طرح سوائے جورو اور جورو کی صحبت کی طرف محتاج ہونے کے یوں ہی پیدا کر لیتا اور جب یونہی زمین و آسمان کی طرح پیدا کر لیتا ہے اور جورو کی شرکت کا محتاج نہ ہوتا تو پھر وہ بھی ایسا ہی مخلوق ہوتا جیسے کہ آسمان اور زمین ہیں اور ہرگز ولد نہ ہوتا جیسے کہ یہ دونوں ولد نہیں ہیں۔

اور اگر اس کا خالق ہوتا لیکن اس کے خلق میں جورو اور اس کی صحبت کا محتاج ہوتا تو پھر ایک تو خدائی سے خارج ہوتا دوم پھر بھی وہ مخلوق اور یہ خالق ہوتا نہ ولد اور والد کیونکہ

ولادت کے تعلق کا وہاں اعتبار ہوتا ہے جہاں اس سے اعلیٰ تعلق جو خلق ہے نہ پایا جاتا ہو اور جب اعلیٰ پایا جائے تو ادنیٰ کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر خالق اور ہے اور خداوند تعالیٰ فقط والد کی طرح اس کو اور خالق سے حاصل کرنے والا ہے تو یہ وہ صورت ہے جس سے خدائی باطل اور تعدّد صانع لازم اور قائل ولد کے نزدیک بھی غیر مسلم ہے۔

اور اگر اس کا کوئی بھی خالق نہیں اور خود بخود ہی موجود ہے تو پھر علاوہ تعدّد قدماء و وجباء کے بطریق ولد اس کا حاصل کرنا ہی ناممکن ہو گیا جس کے سواء وہ ولد اور کسی کا اس کے لئے والد ہونا ہی باطل ہے۔ اور یہ دلیل گو شرک کا ابطال کرتی ہے۔ لیکن زیادہ تر ولد کے ابطال کے لئے چلائی گئی ہے لہٰذا اس کے بعد خاص ولد کے ابطال کے لئے فرمایا کہ) کہاں سے اس کے لئے ولد ہو حالانکہ اس کے لئے کوئی جورو نہیں ہے۔ (یعنی ولد کی حقیقت کا تحقق اس بات پر موقوف ہے کہ والد اپنی ہم جنس یا ہم نوع یا ہمرنگ مادہ کے ساتھ صحبت کرے تو جب اس کے لئے ایسا جوڑہ ہی نہ متحقق ہے اور نہ کوئی ثابت کر سکتا ہے تو پھر ولد کیونکر ہو سکتا ہے۔

مجرد پیدا کرنے سے ولد قرار نہیں پاتا

اور اگر مجرد پیدا کرنے ہی سے ولد قرار دیتے ہو تو پھر اس کا یوں ردّ فرمایا کہ) اور اس نے ہر ایک چاہی ہوئی چیز کو پیدا کیا ہے۔ (پھر تو ہر ایک چیز کو ولد قرار دینا چاہیے نہ کسی خاص چیز کو جیسا کہ قائلین ولد کرتے ہیں۔ ان فقروں کو ملا کر ایک دلیل بھی بنائی جا سکتی ہے جس کی تقریر یوں ہے کہ اگر اس لئے ایک مخلوق کو خداوند تعالیٰ کا ولد قرار دیتے ہو کہ اس نے اس کو ابداع کے طور پر بے آلات اور بن مادہ اور بدون سبقت مثل کے پیدا کیا ہے تو پھر زمین و آسمان کو بھی اس نے ابداع کے طور پر ایجاد کیا ہے پھر ان کو بھی ولد کہنا چاہیے حالانکہ تم ان کو ولد نہیں قرار دیتے۔ اور اگر اس لئے کسی کو ولد قرار دیتے ہو کہ ولادت کے طریق پر وہ پیدا ہوا ہے تو پھر بھی یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں ضروری ہے کہ پہلے خداوند تعالیٰ کے لئے ہم نوع یا ہم جنس یا کم از کم ہمرنگ مادہ جوڑہ ہو حالانکہ اس کے لئے نہ کوئی ایسا جوڑا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ تم اس کے قائل ہو اور نہ ثابت کر سکتے ہو۔ تو جب ایسا جوڑہ نہیں تو پھر ولد کہاں سے ہو سکتا ہے۔

اور اگر یہ کہو کہ مجرد پیدا کرنے ہی سے ولد ہو سکتا ہے۔ تو پھر اول تو ولد والد کا مخلوق ہر گز نہیں ہوتا۔ اور پھر خداوند تعالیٰ تو سب اشیاء کا خالق ہے پھر تو سب اشیاء کو اولاد کہنا چاہیے نہ بالخصوص کسی ایک کو۔ اس کے بعد یہ فرما کر کہ وہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (یہ بتایا ہے کہ اگر ولد قرار دینا اس چیز کو خوبیوں اور کمالوں کے لحاظ سے ہے تو پھر اول تو یہ تمہارا کام نہیں کہ یہ چیز خوبی اور کمال میں سب اشیاء سے بڑھی ہوئی ہے کیونکہ نہ تم سب اشیاء کو جانو اور ان کے کمالات بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ وہ سب کو بخوبی جانتا ہے۔ اب جب تک وہ خود نہ بتائے تو دوسرے کا حق نہیں ہے۔

دوم پھر جو کمال اور خوبی ہے وہ خداوند کی دی ہوئی ہے پہلے اس نے اس میں قابلیت رکھی اور پھر اس کو جان کر وہ خوبی دی ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ ہر ایک شے کو خوب جاننے والا ہے۔ تو وہ ابتدا ہی سے یہ بھی جانتا تھا کہ لوگوں نے اس کو ولد قرار دینا ہے۔ تو اس لئے اس نے اس خوبی کے مقابل کوئی ایسے نقائص بھی ان میں رکھ دیئے ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ولد بننے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ اور ان چاروں سے بحیثیت مجموعی توحید فی العبادت کی بڑی قوی دلیل اور زبردست ترغیب حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) یہ اللہ (یعنی جو کہ سب نقائص سے پاک اور سب کمالات سے متصف ہے)

فَاعْبُدُوْهُ کے معنی

جو تمہارا رب ہے وہی متصرف ہے وہ ہر ایک چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ لہٰذا تم اسی ہی کی عبادت کرو۔ (ہم نے فَاعْبُدُوْهُ کے معنے تخصیص اور حصر کے ساتھ اس لئے بیان کئے ہیں۔ کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا[1] الخ (البقرۃ:22) کی تفسیر میں ہم نے بتایا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ایسے مقامات پر وَحِّدُوْهُ فِی الْعِبَادَةِ[2] معنے کیا کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ وَحِّدُوْهُ اس لفظ کے معنے تو نہیں البتہ حاصل مطلب ادا کیا گیا ہے۔

[1]۔ اے لوگو! اپنے (اس) رب کی عبادت کرو۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ عبادت میں اسے یکتا جانو۔ (از مرتب)

خلاصہ مطلب

اور خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ سارے بیان سے بطور نتیجہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس کے مذکورہ صفات ہیں وہ ضرور اللہ اور تمہارا ربّ اور اکیلا متصرف فی الامور یعنی اللہ اور سب اشیاء کا خالق ہے۔ اور یہ سب وہ امور ہیں جو کہ اس کو واجب اور ضروری ٹھہراتی ہیں۔ کہ اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ عبادت اعلیٰ درجہ کی تعظیم اور فرمانبرداری ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کی تعظیم اور فرمانبرداری کی بناء حسن اور احسان پر ہے جیسا کہ اپنے محل پر ثابت شدہ ہے۔ سو اللہ تو حسن کی اعلیٰ نہایت بتاتا ہے۔ اور رب احسان کے اعلیٰ ترین درجہ کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ربوبیت کی بناء تصرف تام فی جمیع الاشیاء پر ہے اور خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ پر ہی تصرف تام کی بناء ہے۔

گویا ہر ایک دوسرے کی دلیل اور علت ہے۔ اور چونکہ مشرک عموماً اسی وجہ سے شرک میں پڑتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کو موثر دیکھتا ہے تو نادانی اور بے علمی سے اس کو بذات خود موثر یقین کرلیتا ہے اور پھر اس کی اچھی تاثیر کے حاصل کرنے اور بری تاثیر سے بچنے کے لئے اس کو راضی کرنے کے لئے کوئی متعبدانہ طریق اختیار کرتا ہے تو اس کے رفع و دفع کرنے کے لئے اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے فرمایا) اور وہ ہر ایک چیز پر (اس کے) کاموں کا متولی ہے۔ (یعنی ہر ایک چیز کے کام اور تاثیرات خداوند تعالیٰ ہی کی تولیت اور تصرف میں ہیں۔ لہٰذا وہ خود کچھ نہیں کرسکتے بلکہ خداوند تعالیٰ ہی کے ارادہ کے ماتحت ہوتا ہے جو کچھ کہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ان سے بچنے یا ان کے حاصل کرنے میں خداوند تعالیٰ ہی کو متعبدانہ طریق سے راضی کرنا چاہیے نہ ان چیزوں کو۔

بت پرستوں کے نزدیک بت پرستی کا حیلہ

اسی طرح بت پرستی کا ایک حیلہ بت پرست یہ بیان کیا کرتے ہیں اور اسی کو مورت پرستی کا فلسفہ انہوں نے قرار دیا ہوا ہے۔ کہ عبادت اور پرستش میں اپنی توجہ کا معبود کی طرف لگانا نہایت ضروری ہے۔ اور خداوند تعالیٰ چونکہ مجسم اور مرئی چیز نہیں ہے اس لئے اس کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی پس توجہ کے قائم کرنے کے لئے ابتداء میں نہایت ضروری ہے کہ کسی صورت

اور مورت کے ذریعہ قائم کی جاوے تو خداوند تعالیٰ نے اس عذر کو رد کرنے کے لئے فرمایا کہ۔) اس کو آنکھیں نہیں پاتیں پر وہ آنکھوں کو پاتا ہے (اور) وہ لطیف اور بہت خبر رکھنے والا ہے۔

اس کے مطلب کو ایک حدیث خوب واضح کر دیتی ہے۔ جس میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے بصورت شخصے آنحضرت ﷺ سے پہلے بالا یمان اور پھر بالا سلام اور پھر بالا حسان دریافت کیا تھا تو اس تیسرے سوال کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔

(تفسیر مظہری جلد 2 صفحہ 475 سورۃ الانعام ووھبنالہ اسحاق ...الخ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

احسان کیا ہے؟

(احسان یہ ہے کہ تو اپنے رب کی عبادت اس طور پر کرے کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے سو اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔) اور محققین نے لکھا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے تو تم کو خداوند تعالیٰ کی عبادت ایسے طور پر کرنی چاہیے کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو لیکن اگر تم کو یہ حالت حاصل نہ ہو اور ایسا لحاظ رکھنے میں تمہیں رکاوٹیں لاحق ہوں تو پھر کم از کم اس طور پر کرو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ سو بعینہ اسی مطلب کو یہاں پر یوں ادا کیا ہے کہ اگر آنکھیں اس کو ادراک نہیں کرتیں تو وہ تو آنکھوں کو ادراک کرتا ہے۔ اور اگر وہ ہر ایک کثافت سے پاک اور نہایت درجہ کی لطافت رکھنے والا ہے تو پھر اس میں تو شک نہیں کہ وہ نہایت درجہ کے الطاف والا اور بڑا ہی خبر دار اور خبر گیر بھی تو ہے۔ پس اگر وہ آنکھوں کے ساتھ محاط نہیں ہوتا اور اس وجہ سے اس کی طرف ابتداء توجہ نہیں ہو سکتی تو کیا اس کے دانا و بینا اور حاضر و ناظر اور ذی الطاف و خبیر ہونے کے ذریعہ سے بھی اس کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی سو جس طرح آنکھوں کے ساتھ اس کے مدرک و معلوم نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر اس کی طرف کسی اور ذریعہ سے بھی توجہ نہیں ہو سکتی۔

جمہور اہل اسلام خدا کے دیدار کے قائل

یہاں پر یہ بات بھی قابل یاد رکھنے کے ہے کہ جمہور اہل اسلام اور خصوصاً اہل سنت و الجماعت خداوند تعالیٰ کے دیدار کے قائل ہیں اور احادیث صحیحہ میں اس کا صاف الفاظ میں

ذکر موجود ہے۔ لیکن بد قسمت معتزلہ نے (جو کہ روحانیت سے معرّی اور حقیقت دین سے نا آشنا اور اپنی ناقص عقل پر ایسے غرہ کہ جہاں کہیں ان کی عقل کسی منصوص چیز کی حقیقت سے اپنے نقصان کے باعث قاصر رہی تو وہ اس کو خلاف عقل قرار دے کر فوراً رد کر دیا کرتے ہیں اور پھر یا تو اس نص کو بھی مردود اور غیر قابل احتجاج و استدلال قرار دے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا کرتے ہیں اور اگر ایسا کرنے سے کوئی حجاب مانع ہوا تو اس کو تاویل کے شکنجہ میں قابو کر لیتے ہیں جیسے کہ اس زمانہ کے آزاد خیال مسلمان کہلانے والے کرتے ہیں۔)

رویت الٰہیہ سے صاف انکار کیا ہے اور جن دلائل کے ساتھ انہوں نے تمسک کیا ان میں سے بڑی مضبوط دلیل ایک یہ بھی قرار دی ہے اور دوسری دلیل حضرت موسیٰؑ کے رَبِّ اَرِنِیْ کہہ کر رویت کے سوال کرنے پر لَنْ تَرَانِیْ کا جواب ملنا۔ اور گو احادیث تو ان کے نزدیک کچھ چنداں قابل وقعت نہیں لیکن مطلب براری یا الزام کے طور پر حضرت عائشہؓ کا یہ قول بھی پیش کرتے ہیں کہ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَی رَبَّہٗ (سُبْحَانَہٗ) فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ) الفِرْیَۃَ۔[1]

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب معنی قول اللہ عزوجل... الخ حدیث 251)

کوئی آنکھ خدا تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی

استدلال اس آیۃ کریمہ سے انہوں نے یوں کیا ہے کہ ادراک مصاف الی الابصار میں اور رویت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کے یہاں پر معنے دیکھنے کے ہیں۔ اور الابصار سے ہر ایک آنکھ مراد ہے کیونکہ اس پر ال آیا ہے اور ایسی صورت میں عموم ہی ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ سارے زمانوں کو شامل نہیں۔ اس لئے اس کے مقابل جو لَا تُدْرِکُہُ وہ ضرور شامل ہونا چاہیے پس اس کے معنے ہوئے کہ کوئی آنکھ کسی زمانہ میں خداوند تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتی اور یہی اصل دعویٰ ہے اور اس کا جواب بہت سے طریق پر دیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ ادراک البصر مطلق رویت کے معنوں میں نہیں بلکہ اس کے معنے ہیں کہ مرئی چیز کے سب جوانب پر رویت اور جاننے کا پورا پورا احاطہ ہو جائے۔

[1]۔ جس نے کہا کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا۔ (از مرتب)

ادراک کے معنی

چنانچہ اکثر ائمہ لغت نے ادراک کے یہی معنے کئے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک تفسیر میں بھی یہی آئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر نے آپ سے روایت کیا ہے کہ لَا تُدْرِكُ الْاَبْصَارُ لَا يُحِيطُ بَصَرُ أَحَدٍ بِاللهِ تَعَالٰى۔[1] اور ظاہر ہے کہ احاطہ علم کی نفی سے مطلق رویت کی نفی ثابت نہیں ہو سکتی۔ دوم یہ الْاَبْصَارُ میں ال اگر استغراق کے لئے تسلیم بھی کیا جاوے تو پھر ایسی صورت میں دو طرح کے معنے ہوا کرتے ہیں کہ پہلے نفی کو قرار دیکر پھر ال کو داخل کر کے نفی کو عام کیا جائے تو اس صورت میں سلب کلی ہو گا جیسا لَا يَغْفِرُ الْمُشْرِكِيْنَ[2] میں ہے اور معنے یہ ہونگے کہ کوئی بھی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی یا دیکھے گی۔

اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ال کو داخل قرار دیا جائے جیسا کہ بظاہر نظر آتا ہے اور پھر اس پر نفی داخل کی جائے تو اس صورت میں عموم کا سلب ہو جیسا لَمْ آخُذِ الدَّرَاهِمَ میں (میں نے سارے درہم نہیں لئے ہیں) تو اب سلب کلی نہ ہو گا بلکہ کلی کا سلب ہو گا جو کہ سلب جزوی ہوتا ہے جیسا کہ لَيْسَ كُلُّ رَجُلٍ شُجَاعًا۔ (سب آدمی بہادر نہیں) سلب جزوی ہے یعنی سب بہادر نہیں بلکہ بعض بہادر اور بعض غیر بہادر ہیں نہ یہ کہ سب کے سب ہی بہادر نہیں ہیں پس یہاں پر اس صورت میں یہ معنے ہونگے کہ سب آنکھیں اس کو نہیں دیکھتیں بلکہ بعض ہی دیکھ سکتی ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے اس عموم احوال اور ازمنہ کا قرینہ نہیں ثابت ہوتا یعنی اس میں کوئی چیز اس پر دال نہیں کہ سب حالوں اور سب زمانوں میں اس کو آنکھیں ادراک نہ کریں گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ مومنین کی آنکھیں بعد روشن کرنے کے قیامت کے دن دیکھیں۔

اور ابن عباسؓ کی دوسری تفسیر اسی کے مطابق ہے چنانچہ انہی سے مروی ہے کہ آپ نے کہا کہ رَأَى مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّهُ[3] تو عکرمہ۔ (جو ان کا خاص تلمیذ ہے۔ اس)

---

[1] ۔ کسی کی نظر اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ (از مرتب)

[2] ۔ وہ مشرکین کو معاف نہیں کرے گا۔ (از مرتب)

[3] ۔ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ (از مرتب)

نے کہا کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ یَقُوْلُ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ[1] تو آپ نے جواب میں فرمایا لَا اُمَّ لَکَ ذٰلِکَ نُوْرُہُ الَّذِیْ ھُوَ نُوْرُہُ اِذَا تَجَلّٰی بِنُوْرِہٖ لَا یُدْرِکُہُ شَیْءٌ۔[2]

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے جیسا یہ تیسرا جواب اور آیت کریمہ کی ایک صحیح تفسیر حاصل ہوتی ہے۔ ایسا ہی صحابہؓ کے مختلف اقوال ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور اسی طرح حضورؐ ابو ذرؓ کے سوال کے جواب میں ایک دفعہ یہ کہتے ہیں کہ نُوْرٌ أَنّٰی أَرَاہُ (نور ہے میں اس کو کس طرح دیکھ سکتا ہوں)

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب قولہ علیہ السلام نور انّی اراہ حدیث 291)

اور دوسری دفعہ یہ کہنے میں کہ رَأَیْتُ نُوْرًا جمع اور تطبیق آسانی سے ہو جاتی ہے کیونکہ نفی اور کی ہے اور اثبات اور کا۔ چہارم یہ کہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ سے وہی معتاد صورت کا دیکھنا مراد ہے جس کے لئے عام طور پر نو شرطیں مقرر ہیں اور ظاہر ہے کہ اس خاص معتاد طریقہ کی رویت کی نفی سے مطلق رویت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ پنجم یہ کہ ہم نہیں کہتے کہ ابصار ادراک کرتی ہیں یا کریں گی تا کہ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ کے خلاف ہو تا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ ذوی الابصار ادراک کریں گے۔ ششم یہ کہ ہم سب مان لیتے ہیں لیکن پھر اس سے انکا مطلب حاصل نہیں ہوتا کیونکہ جائز ہے کہ قیامت میں کسی اور حس کے ذریعہ سے ادراک ہو۔

رجم بالغیب

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ کسی امر سے نا آشنا اور ناتجربہ کار ہوتے ہیں وہ جب اس بارہ میں گفتگو کرتے ہیں تو عموماً وہ رجم بالغیب اور تخمینی طور پر ہوتی ہے۔ ان امور کو اہل اللہ خوب جانتے ہیں کہ جس طرح اس جہاں میں خداوند تعالیٰ کا کلام سننے کے لئے ایک خاص حس عطا ہوتی ہے اسی طرح اس کے دیکھنے کے لئے بھی کوئی اور ہی حس ملا کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اس حس کے ساتھ وہ پورا احاطہ نہیں ہو سکتا جس کا ہونا ادراک میں ضروری بتایا جاتا ہے۔

---

[1]۔ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ نظریں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ (از مرتب)

[2]۔ تیرا بھلا ہو وہ اس کا نور ہے جب وہ اپنے نور کے ساتھ تجلی فرماتا ہے تو کوئی شے اس تک نہیں پہنچ سکتی۔ (از مرتب)

خداوند تعالیٰ بصر نہیں بصیرت سے نظر آتا ہے

یہ تو ہوا قیامت کے متعلق اور دنیا میں اہل اللہ کے متعلق لیکن عامۃ الناس کے لئے دنیا میں یہی ہے کہ جس طرح آنکھ کی دیکھنے والی قوت آنکھ سے تو نہیں نظر آتی پر بصیرت کے ساتھ اعنی آثار وافعال کے ذریعہ سے وہ نظر آرہی ہے اسی طرح خداوند تعالیٰ کی نسبت بھی ہے کہ بصر کے ساتھ نہیں نظر آتا لیکن بصیرت کے ساتھ بہت صاف نظر آتا ہے کیونکہ جس قدر اور جس طور پر اس کے آثار وافعال ظاہر وباہر ہیں اس قدر اور کسی شے کے نہیں تو اسی بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ابصار کے ساتھ ادراک کی نفی کرنے کے بعد فرمایا کہ)

یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں آئی ہیں تو جس نے (ان کے ساتھ) دیکھا تو اپنے ہی لئے (دیکھا) اور جو اندھا ہو تو وہ اپنے ہی پر (اندھا ہوا) بظاہر الفاظ کے لحاظ سے تو اس کا یہی مطلب ہے کہ نازل شدہ آیات وبراہین کی نسبت فرمایا ہے کہ یہ تمہارے لئے حق کی بصیرت پیدا کرنے والی ہیں سو جو ان کے ذریعہ سے حق کو پہچانے گا تو اس کا فائدہ اسی کی جان کو پہنچے گا اور جو اندھا بنے گا اور ان کے ساتھ حق کا بینا نہ ہو گا تو اس کا وبال اور ضرر اسی پر پڑے گا۔ لیکن ما قبل کے ربط کے لحاظ سے اس میں یہ بتایا ہے کہ ان بصائر کے ساتھ تم اپنے رب کو دیکھو اوران کے ساتھ تم اس کی طرف توجہ کرو۔ اور چونکہ شریر انسان بعض اوقات اس لئے کسی کام کو نہیں کرتا تا کہ اعلیٰ افسر نگران کام پر ناراض نہ ہو کہ اس نے اچھی طرح نہیں کرایا اور اس لئے تا کہ ہمارے نہ کرنے سے کہنے والے کا نقصان ہو گا۔

اندھا بننے اور حق کو نہ دیکھنے کے نقصان

اس لئے یہ بتانے کے بعد اندھا بنے اور حق کو نہ دیکھنے کا ضرر خاص تمہارے ہی لئے ہے فرمایا کہ (تم ان کو یہ کہہ دو کہ) میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں (تا کہ تمہارے نہ کرنے کا سوال مجھ سے ہو یا اس کا قصور مجھ پر عائد ہو۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ بصائر سے آیات کریمہ ہی مراد ہیں اور کہ ان کا نازل کرنا نہ کوئی اتفاقی امر ہے اور نہ یہ کوئی اس صورت یا اس مقام کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ یہ ہماری عام عادت رہی ہے اور ہے اور رہے گی اور اسی

طرح ان کے ساتھ بینائی حاصل کرنا اور بہتوں کا اندھا بننا یہ بھی ایک مستمر امر ہے۔ فرمایا) اور اسی طرح ہم آیتوں کو پھیر پھیر کر بیان کیا کرتے ہیں۔

(تو پھر ان کے اس طریق پر نازل کرنے کا ایک تو وہی فائدہ ہوتا ہے جو کہ پہلے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اعنی تا کہ وہ لوگوں کیلئے بصائر بنیں۔ اور بصائر بننے پر پھر دوسرا فائدہ وہ ہوتا ہے جو کہ قرآن مجید کی ہر ایک آیت کے لئے خاصہ لازمہ کے طور پر قرار پایا ہوا ہے جس کو کبھی تو یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا [1] (البقرۃ:27) کے ساتھ بیان کیا ہے اور کبھی مَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِہٖ وَ مَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡہَا کے ساتھ ظاہر کیا ہے پر مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ اور جس طرح یُضِلُّ بِہٖ الخ میں یُضِلُّ الخ کو پہلے ذکر کر کے اس کی کثرت سمجھائی ہے اسی طرح یہاں پر بھی اندھا بننے کو پہلے بیان کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک دل کا فعل ہے جس پر علام الغیوب کے سواء کوئی اور مطلع نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اس کو ایسے طور پر بیان کیا ہے کہ جس سے اس کی ظاہری علامت معلوم ہو جائے۔

فرمایا) اور تا کہ وہ کہیں کہ تو نے پڑھا ہے (یعنی اندھے بننے والے جب ان آیات کو سنتے ہیں جو کہ بصائر ہوتی ہیں تو وہ بجائے بصیرت حاصل کرنے کے اندھے بن کر الٹے انہی آیتوں کی نسبت کہنے لگتے ہیں کہ تو نے دوسرے لوگوں اور خصوصاً اہل کتاب وغیرہم سے پڑھا ہے۔ اور بینائی حاصل کرنے والوں کی نسبت فرمایا) اور تا کہ ہم اس کو ان لوگوں کے لئے بیان کریں جو کہ جان لیتے (یا یقین کرتے) ہیں۔

کثرت کی طرف اشارہ کے لیے واؤ عاطفہ

(میں نے بتایا ہے کہ قرآن مجید میں ایسا کثرت سے کیا گیا ہے کہ کثرت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ایک علت یا غایت پر واؤ عاطفہ لائی جاتی ہے اور اس کا معطوف علیہ بظاہر کوئی بھی مذکور نہیں ہوتا تو اس میں توجہ دلائی جاتی ہے کہ اس کے اور بھی علل اور غایات ہیں اور بعض اوقات ماقبل سے کوئی علت یا غایت مفہوم ہوتی ہے تو اس کی طرف

[1] ۔وہ بہت (سے لوگوں) کو اس (قرآن) کے ذریعہ سے گمراہ قرار دیتا ہے اور بہت (سے لوگوں) کو اس (قرآن) کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

توجہ دلانے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور یہاں پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے۔ اور جب اس قدر توحید اور ردّ شرک کے براہین اور بینات سن کر بھی جو کہ حقیقت میں لوگوں کے لئے بصائر ہیں اکثروں نے بصیرت حاصل نہ کی بلکہ اندھے بنے اور درست کہہ دیا تو اس حالت سے دو باتیں پیدا ہو سکنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا اوّل یہ کہ ان کی ہدایت سے مایوس ہو کر تبلیغ اور دعوت بند یا کم از کم نرم کر دی جائے۔

دوم یہ کہ بند یا نرم تو نہ کی جائے لیکن مبلغ کو رنج یا غصہ لاحق ہو رنج تو یہ کہ شاید میرے کام میں کوئی نقص ہے تب ہی ان کو فائدہ نہیں اور غصہ یوں کہ یہ ایسے شریر ہیں کہ الٰہی آیتوں کی بھی قدر نہیں کرتے اور بالمقابل ذلیل مخلوق کی اس قدر قدر کرتے ہیں تو ان کے دفع کرنے کے لئے پہلے تو فرمایا کہ) تم اس کی پیروی کرو جو کہ تمہارے طرف تمہارے رب سے وحی کی گئی ہے (کہ تم اس حق کی تبلیغ کرتے رہو۔

خدا تعالیٰ کا متصرف فی الامور ہونا

رہا یہ کہ یہ لوگ تم کو ضرر پہنچاویں گے جیسے کہ وہ منصوبے کرتے ہیں تو اس کا بالکل خیال نہ کرو کیونکہ) وہی ایک (اللہ) متصرف فی الامور ہے (اور وہ تمہارا محافظ ہے پھر کون ہے جو ضرر پہنچائے ہاں شریر لوگ گندی باتیں کہتے رہتے ہیں سو) تم مشرکوں سے اعراض کرو (اور ان کی باتوں کا کچھ اعتبار نہ رکھو اور نہ انکا خیال رکھو آخر وہ شرک کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی بھی کیسی بے قدری کر رہے ہیں۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے اور تھا کہ ان کو یہ بے قدری نہ کرنے دیتا) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے۔

(باقی تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ) نہ تو ہم نے تجھ کو ان پر محافظ بنایا ہے اور نہ تم ان پر متولی امور ہو (تا کہ تم سے سوال ہوتا کہ جب تم کو محافظ بنایا گیا تھا تو تم نے ان کو اس شرک اور الٰہی بے قدری سے کیوں نہیں بچایا اور جب تم ان کے متولی امور اور کارساز تھے تو پھر تم نے ان کو توحید پر کیوں نہیں چلایا۔ اور پھر فرمایا) اور تم ان کو گالی نہ دو جو کہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں تو پھر وہ بے علمی سے حد سے گذر کر اللہ تعالیٰ کو گالی دیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر ایک امت کے لئے انکا کام مزین کر دیا ہے پھر ان کے رب کی طرف انکا رجوع ہے سو وہ ان کو اس پر متنبہ کریگا جو وہ کیا کرتے تھے۔

لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ میں الَّذِیۡنَ سے مراد

(عام طور پر تو مفسرین نے لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ میں الَّذِیۡنَ سے باطل معبود مراد لئے ہیں اور یَدۡعُوۡنَ کے بعد ضمیر ھُمۡ کو مقدر مانا ہے جو کہ الَّذِیۡنَ کی طرف پھرتی ہے اور معنے یہ کئے ہیں کہ۔ ”تم ان (باطل معبودوں) کو گالی نہ دو جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں تو (اس کا انجام یہ ہو گا کہ) وہ حد سے تجاوز کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں گے۔“ لیکن ظاہر الفاظ سے بدون کسی تقدیر کے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ الَّذِیۡنَ سے مشرک لوگ مراد ہیں اور یَدۡعُوۡنَ کی واؤ جو ضمیر ہے یہ الَّذِیۡنَ کی طرف پھرتی ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ تم ان لوگوں کو گالی نہ دو جو کہ اللہ کے غیر کو پکارتے ہیں الخ اور اس میں بھی شک نہیں کہ جس طرح بتوں کو گالی دینے سے یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے کہ وہ نادانی سے خداوند تعالیٰ کو برا بھلا نہ کہیں اسی طرح خود بت پرستوں کو گالی دینے سے بھی یہ خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ اور اسمیں بھی شبہ نہیں کہ بت پرستوں کو گالی کی ممانعت سے ان کے بتوں کی گالیوں کی ممانعت بطریق اولیٰ ثابت ہو جاتی ہے لیکن بتوں کی گالیوں کی ممانعت سے بت پرستوں کی گالیوں کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ بت پرست لینے کی صورت میں جس طرح الَّذِیۡنَ کی طرف پھرنے والی ضمیر کے مقدر ماننے کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح الَّذِیۡنَ کا استعمال بھی اپنے محل (اعنی ذوی العقول) میں ہوتا ہے اور بت لینے کی صورت میں جس طرح الَّذِیۡنَ کی ضمیر مقدر ماننی پڑتی ہے اسی طرح الَّذِیۡنَ کا استعمال بھی بے محل (اعنی غیر ذوی العقول) میں ہوتا ہے اور پھر تاویل کرنی پڑتی ہے کہ ذوی العقول کی غیر ذوی العقول پر تغلیب کی گئی ہے اور یا یہ کہا جائے کہ الَّذِیۡنَ کا بتوں پر اطلاق کفار کے زعم کی بنا پر ہوا ہے کیونکہ وہ ان کو ذی علم خیال کیا کرتے ہیں۔

اور محققین مفسرین نے بھی اسی کو پسند کیا ہے کہ الَّذِیۡنَ سے مشرکین مراد ہیں۔ اور چونکہ مشرکین عرب عموماً اللہ تعالیٰ کے قائل تھے اور اپنے معبودوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰہِ[1] (یونس:19) اور مَا نَعۡبُدُھُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی[2] (الزمر:4)

[1]۔ یہ (ہمارے معبود) اللہ کے حضور میں ہمارے شفیع ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (تفسیر صغیر)

اوراس حالت میں ان کا خداوند تعالیٰ کو دیدہ ودانستہ گالی دینا سمجھ میں نہیں آسکتا تھا اس لئے اکثر مفسرین نے ان کی سبّ کے یہ معنے لئے ہیں کہ ایسی باتیں کریں گے جن سے خداوند تعالیٰ کی سبّ لازم آئے گی اور وہ نہ سمجھیں گے کہ ان سے سبّ الٰہی لازم آتی ہے اور بغیر علم کا بھی انہوں نے یہی مطلب لیا ہے۔

اور بعض نے یہ کہا ہے کہ صریح گالی دینی مراد ہے اور پھر فرمایا اور باوجود ان کے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کے غضب اور غصہ کی حالت میں ایسا کرنا کسی طرح سے بعید نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات جہال سے غصہ کی حالت میں ایسا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ اور امام راغب نے کہا ہے کہ صریح گالی دینی مراد نہیں بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں مجادلہ کرتے ہیں اور ان صفات کے ساتھ اس کو موصوف کرتے ہیں جن سے وہ منزہ ہے اور پھر اسپر اصرار کرتے ہیں۔

سبّ اللہ سے سبّ رسول اللہؐ مراد

اور بعض کا خیال ہے کہ سبّ اللہ سے سبّ رسول اللہؐ مراد ہے۔ سدی سے مروی ہے کہ ابو طالب کی مرض موت میں قریش نے کہا کہ ہم اس کے پاس جاکر اس کو کہیں کہ وہ اپنے برادرزادے کو ہم سے روک دے کیونکہ ہم اس سے شرماتے ہیں کہ اس کو اس کے بعد قتل کریں تو پھر عرب کہیں گے کہ ابو طالب ان کو روکا کرتا تھا اب جب وہ مر گیا تو انہوں نے اس کو قتل کر دیا تو پھر ابو جہل۔ ابو سفیان۔ نضر بن الحارث۔ امیۃ اور ابی خلف کے بیٹے۔ عقبۃ بن ابی معیط۔ عمرو بن العاص۔ اسود بن البختری ابو طالب کے پاس گئے اور کہا کہ تو ہمارا بزرگ ہے اور محمدؐ نے ہم کو اور ہمارے معبودوں کو بہت دکھ دیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ تو اس کو بلا کر اس سے منع کر دے کہ وہ ہمارے معبودوں کو ذکر کرے اور ہم اس کے معبود کو چھوڑ دینگے۔

تب ابو طالب نے آپ کو بلا کر کہا تو آپ نے فرمایا کہ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر میں ان کی بات مان لوں تو کیا یہ لوگ میری ایک بات قبول کرینگے جس سے سب عجم ان

کے پیرو ہو جاویں تو ابو جہل نے کہا ہاں اور وہ کون سی بات ہے تب آپ نے کہا وہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ پھر تو وہ بہت خفاء ہوئے اور کہا کہ یا تو تو ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آئے گا ورنہ ہم تجھے اور تیرے حکم دینے والے کو گالی دیں گے۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جلد 3 صفحہ 305 سورۃ الانعام، دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

اس پر خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی کہ) اسی طرح ہم نے ہر ایک گروہ کے لئے ان کے کام خوبصورت کر دیئے ہیں (قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ جہاں کہیں متکلم مع الغیر کے لفظ کے ساتھ کوئی فعل ذکر فرماتا ہے تو اس میں گو فاعل یا خالق ہونے کے طور پر اس کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف ہو لیکن اس کی نسبت اوروں کی طرف ہوتی ہے مثلاً اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ[1] (النساء:106) میں گو حکم الٰہی کے ساتھ اس کا نزول ہوا ہے لیکن اصل اتارنے والا فرشتہ ہوتا ہے اسی طرح اَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ[2] (الانعام:100) اور نُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا[3] (السجدۃ:28) میں جو اس کے حکم سے ان کا خروج ہوا ہے لیکن ظاہر میں زمین کی قوت وغیرہ کی طرف اس کی نسبت ہے تو اسی طرح یہاں پر بھی زَيَّنَّا بھی گو اس کے حکم کے ماتحت ہی ہوا ہے لیکن قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے صاف ثابت ہے کہ بُرے اعمال کا مزین شیطان ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ[4] (الانفال:49)

اعمال کا خوبصورت ہونا دنیا کے ساتھ ہی مخصوص ہے

اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ خوبصورت معلوم ہونا دنیا ہی کے ساتھ مخصوص ہے فرمایا کہ) پھر ان کے رب کی طرف ان کا رجوع ہو گا تو پھر ان کو ان کاموں پر

---

[1]۔ ہم نے تیری طرف... کتاب... اتاری ہے۔ (تفسیر صغیر)، رسالہ تعلیم الاسلام میں اَنْزَلْنَا الْكِتٰبَ لکھا ہے۔ آیت قرآن کے مطابق کر دی گئی ہے۔ (از مرتب)

[2]۔ اس کے ذریعہ سے ہم نے ہر ایک چیز کی روئیدگی پیدا کی ہے۔ (تفسیر صغیر) رسالہ تعلیم الاسلام میں اَخْرَجْنَا نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ لکھا ہے۔ آیت قرآن کے مطابق کر دی گئی ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ پھر اس (پانی) کے ذریعہ سے کھیتی نکالتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اور (یاد کرو) جب شیطان نے کافروں کو ان کے اعمال اچھے کر کے دکھائے۔ (تفسیر صغیر)

آگاہ کرے گا جو کہ وہ کرتے رہے ہیں۔ (یعنی اس دن ان اعمال کی جزاء و سزا ملکر اصل حسن و قبح ان کا ظاہر ہو جاوے گا۔ اور جب مشرکین کی تفہیم کے لئے کافی سے زیادہ براہین اور بینات بیان ہوئے اور یہ بھی بتایا گیا کہ باوجود ان کے وہ ایمان نہیں لاتے تو اب یہ بیان فرمانے کے لئے کہ آخر ایسے بینات اور آیات کے ہوتے ہوئے وہ ایمان نہ لانے کے لئے عذر کیا پیش کرتے ہیں اور ان کا عذر کس پائے اور حیثیت کا ہے۔

منکرین کا قسمیں کھانا

فرمایا) اور انہوں نے اپنی قسموں میں نہایت سختی کر کے قسمیں کھائی تھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی بھی آیت (نشان) آئیگی تو وہ ضرور ہی اس کے ساتھ ایمان لائیں گے (یعنی جو ہزاروں دلائل اور براہین پیش کئے گئے ہیں ان کو تو بالکل کسی شمار ہی میں نہیں لاتے باقی جو ہزاروں آیات اس وقت تک دیکھ چکے ہیں ان کے آیت ہونے ہی سے انکار کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو بڑا حق پرست اور منصف ظاہر کرنے کے لئے سخت ترین قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایک نشان بھی آتا تو ہم ضرور ایمان لاتے۔

اور چونکہ ظاہر ہے کہ شریروں کی ایسی باتوں سے وہ سادہ دل مومن جو کہ ایمان کے پھیلنے کے نہایت ہی خواہاں ہوتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام کے بول بالا ہونے کے چاہنے والے ہوتے ہیں وہ ان کی باتوں میں آکر سخت آرزو مند ہو جاتے ہیں کہ ان کے اظہار کے مطابق ہو جائے تاکہ یہ اپنے وعدہ کے مطابق ایمان لے آویں تو خداوند تعالیٰ نے ان دونوں کے جواب کے لئے فرمایا کہ) تم کہو آیتیں تو یقیناً اللہ ہی کے پاس ہیں (یعنی میرے پاس نہیں کہ میں جب چاہوں دکھاؤں بلکہ اللہ کے پاس ہیں سو جس طرح اس نے پہلے جب اور جس طرح چاہا ہے دکھائی ہیں اور کثرت سے دکھائی ہیں اسی طرح وہ اب بھی جب اور جس طرح چاہے گا ضرور دکھائے گا۔

پر اے مومنین اور سامعین ان کے ایمان کے شوق کی وجہ سے ان آیات کے آنے کے آرزو مند و! رہی یہ بات کہ وہ ان کو آیت تسلیم کر کے پہلے انپر اور پھر ان کے ذریعہ سے حق پر ایمان لائیں گے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آیات خداوند تعالیٰ ہی کے

پاس ہیں اسی طرح وہ امور بھی اسی کے پاس ہیں) جو کہ تم کو آگاہ کرتے ہیں اور کرینگے کہ یقیناً جب وہ آئینگی تو وہ ایمان نہ لائیں گے (یہ تو وہ معنے ہیں جو کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے سمجھائے ہیں اور جو مجھے پسند ہیں اور جو الفاظ کے مطابق ہیں اور جن کے لئے نہ کوئی تقدیر اور تاویل کرنی پڑتی ہے اور نہ عرف کے خلاف ہیں اور نہ ان پر کوئی اعتراض واقع ہوتا ہے۔

مفسرین کا نقطہ نظر

باقی مفسرین نے اس کو جواب سے علیحدہ جملہ مستأنفہ بنایا ہے اور کہا ہے یہ اس کی حکمت بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے جو کہ پہلے جواب سے مفہوم ہوتا ہے کہ آیات نہ آئیں گی اور ان کے نہ آنے کی حکمت یہ بتائی ہے کہ ان پر یہ ایمان نہ لاویں گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ پہلے جواب سے یہ مفہوم ہونا کہ آیات نہ آویں گی صاف اور صراحۃً غلط اور باطل ہے بلکہ اس سے یقیناً یہ ثابت ہے کہ ضرور آویں گی اور بہت آویں گی ہاں اس جملہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلی ہزاروں آئی ہوئی آیتوں کی طرح وہ ان کو بھی نہ آیت تسلیم کریں گی اور نہ ان پر اور ان کے ذریعہ سے حق پر ایمان لاوینگے۔

پھر اس جملہ کے معنے بیان کرنے میں کہا ہے کہ مَا يُشْعِرُ میں لفظ ما نافیہ نہیں ورنہ فعل فاعل سے خالی رہ جاوے گا یا فاعل وہ ضمیر بنائی جاوے گی جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پھرے گی اور یہ جائز نہیں اسلئے یہ ما استفہام انکاری کے لئے ہے۔ پھر اس پر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ جب مومن آیتوں کے نزول کے اس لئے خواہش مند تھے کہ ان کے نزول سے یہ لوگ ایمان لے آویں گے تو پھر یوں کہنا چاہئے تھا کہ مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ يُؤْمِنُوْنَ۔ نہ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ کہنا تو ان کو یہ تھا کہ کون سی چیز تم کو بتاتی ہے کہ جب وہ آئینگی تو وہ ایمان لے آویں گے اعنی کوئی نہیں بتاتی اور لا لانے سے یہ معنے ہونگے کہ کون سی چیز تم کو بتاتی ہے کہ جب وہ آئیں تو وہ ایمان نہ لاویں گے اعنی کوئی نہیں بتاتی۔ تو ظاہر ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ پھر اس کا جواب بڑے تکلف سے یہ دیتے ہیں کہ یہاں پر استفہام بمعنے نفی ہے اور انکار کے لئے نہیں پس اس کا ماحصل یہ ہوا کہ تم نہیں جانتے یا کیا نہیں جانتے۔ یہ کہ اللہ کے علم میں یہ ہے کہ جب وہ آئینگی تو وہ ایمان نہ لاویں گے۔

عیسائیوں اور آریوں کا اس آیت کو پیش کرنا

واضح ہو کہ آج کل عیسائیوں اور آریوں نے آیات نہ بتانے پر اس آیت کو بڑے زروشور سے پیش کیا ہے۔ اور اس کی وجہ محض مفسرین کی غلطی ہے ورنہ اس کے الفاظ بآواز بلند کثرت سے آیات بتانے کو ظاہر کر رہے ہیں۔ اور چونکہ یہ عالم الغیب خدا کی کتاب ہے جو پہلے سے جانتا تھا کہ خبیثوں نے اس سے یہ گندہ اعتراض بنانا ہے اس لئے اس نے اس کا قلع قمع کرنیکے لئے اس کے بعد متصل ان کے ایمان نہ لانیکی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا) اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے (پھر وہ ایمان نہ لائیں گے) جیسے کہ وہ پہلی دفعہ اس پر ایمان نہیں لائے اور پھر ان کو حیران ہوئے ہوئے انہی کی سرکشی میں چھوڑ دیں گے۔

(یہاں پر تو مفسرین کو بھی چار و ناچار كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ کے یہی معنے کرنے پڑے ہیں کہ عِنْدَ وُرُوْدِ الْاٰيَاتِ السَّابِقَةِ (جس طرح کہ وہ پہلی آیات وارد ہونے کے وقت ایمان نہ لائے تھے) جس سے صاف ثابت ہوا کہ پہلے بھی آیتیں آئی ہیں اور آیندہ بھی ضرور آویں گی لیکن جس طرح پہلی آیتوں کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا اسی طرح پیچھے آنے والی آیتوں کو بھی تسلیم نہ کرینگے۔ اور دلوں اور آنکھوں کا پھیر دینا اسی طریق پر ہے جیسا کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ[1] (البقرۃ:8) میں ختم ہے اور جو شکوک اور اعتراض یہاں پر وارد ہو سکتے ہیں۔ ان سب کا وہی جواب ہے جو کہ خَتَمَ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں بیان کئے گئے اور بعد ازاں بھی ان کا کئی دفعہ اعادہ ہو چکا ہے۔

[1]۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 112 تا 122: وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ۔ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۔ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ۔ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

حَشَرْنَا۔ حَشْرٌ سے ہے۔ جمع کرنا اٹھانا مردوں کو قبروں اور مدفنوں سے زندہ کرنا اور نکالنا۔

قُبُلٌ کا لفظ اکثروں کے نزدیک تو مصدر ہے بمعنے مقابلہ اور معاینہ کے چنانچہ ابن زید نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے لَقِيْتُ فُلَانًا قِبَلًا[1] وَمُقَابَلَةً وَقُبُلًا وَقَبَلًا وَقَبِيْلًا اور یہ سب ایک ہی معنوں میں ہیں۔ اور ابن عباس اور قتادۃ سے بھی یہی معنے منقول ہیں اور امام راغب نے بعض سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ قابل بمعنے مقابل الحواس کی جمع ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ قبیل کی جمع ہے جو بمعنے کفیل ہے۔ فراء سے بھی مروی ہے اور حضرت مجاہدؒ سے اس کی تفسیر جماعت کے ساتھ مروی ہے تو اس صورت میں یہ قَبِيْلَةٌ کی جمع ہوگی جیسا کہ امام راغبؒ نے کہا ہے۔

يُوْحِيْ۔ وَحْيٌ سے ہے جس کے اصل معنے سریع اشارہ کے ہیں اور کہا ہے کہ یہ رمز اور تعریض کے ساتھ کلام کرنے اور مجرد عن التراکیب صوت اور بعض جوارح کے اشارہ اور کتابت کے ساتھ ہوتا ہے۔

زُخْرُفٌ کے معنے عام طور پر ملمع اور باطل کے کئے جاتے ہیں لیکن بعض نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنے سونے کے تھے تو چونکہ وہ آنکھوں میں خوبصورت دکھائی دیتا تھا اس لئے اس کو مطلق زینت پر یا خاص اس زینت پر جو کہ حقیقت میں باطل ہو بولنے لگ گئے تو اب یہ مطلق یا باطل زینت کے معنے دیتا ہے۔

غُرُوْرٌ۔ دھوکا۔

ذَرْ۔ وَذَرَ سے ہے جس کے معنے چھوڑنے کے ہیں۔

تَصْغٰى۔ صَغو سے ہے جس کے اصل معنے امام راغبؒ کے قول کے مطابق میلان اور جھکنے کے ہیں جیسا کہا جاتا ہے کہ صَغَتِ الشَّمْسُ جبکہ وہ غروب کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اب اس کے معنے کان لگانے کے کئے جاتے ہیں گویا آدمی اپنے کانوں کو کسی کے کلام کی طرف مائل کرتا ہے۔

---

[1]۔ میں فلاں سے آمنے سامنے ملا۔ (از مرتب)

لِیَقْتَرِفُوْا۔ اِقْتِرَافٌ سے ہے جو بمعنے اِکْتِسَاب ہے۔ اور وہ قرف کے لفظ سے بنا ہوا ہے اور وہ بھی بمعنے اِکْتِسَاب ہی ہے اور امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں اصل میں درخت کا چھلکا اتارنے اور زخم پر سے جھلی اور چمڑا اتارنے کو کہتے تھے۔ اور کبھی اِقْتِرَافٌ بمعنے عیب لگانے کے بھی آتا ہے۔ اور اچھے بُرے دونوں کے کمانے پر گو یہ استعمال ہوتا ہے لیکن برائی کے کمانے میں زیادہ مستعمل ہے۔

اِبْتَغِیْ۔ اِبْتِغَاءٌ سے ہے طلب کرنا اور چاہنا۔

مُمْتَرِیْنَ۔ اِمْتِرَاءٌ سے ہے جو مِرَاءٌ یا مِرْیَۃٌ سے ہے اور اس کی تحقیق مفصل طور پر گذر چکی ہے جس میں میں نے بتایا ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ مِرَاءٌ سے ہے جس کے معنے جھگڑنے کے ہیں۔

یَخْرُصُوْنَ۔ خِرْصٌ سے ہے جس کے معنے اٹکل اور ظن کے ساتھ بات کرنے کے ہیں اور یہاں پر عموماً باطل قول کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے۔

ذَرُوْا۔ ذَرْ بضمیر جمع ہے جو وَذَرَ سے امر ہے جس کے معنے چھوڑنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے۔ اور مردے ان کے ساتھ باتیں کرتے اور ان پر ہم ہر ایک چیز کو سامنے (یا مجتمع یا کفیل) لاتے تو وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ایمان لاتے مگر یہ کہ اللہ (تعالیٰ) چاہے۔ ولیکن ان کے اکثر نادانی کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر ایک نبی کے لئے آدمیوں اور جنوں کے شیطان دشمن بنائے ہیں جو کہ دھوکا دینے کے لئے ایک دوسرے کی طرف ملمع باتیں بھیجتے ہیں۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ اس کو نہ کرتے۔ سو تم ان کو اور ان کے افتراء کو (یا جو کہ وہ افتراء کرتے ہیں) چھوڑ دو۔ اور تا کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جو کہ پیچھے آنے والی (زندگی) پر ایمان نہیں لاتے اور تا کہ وہ اس کو پسند کریں اور تا کہ وہ اس کو کمائیں جو کہ وہ کمانے والے ہیں۔ کیا (میں اللہ کو چھوڑوں) پھر اللہ کے غیر حکم چاہوں۔ حالانکہ وہ وہ ہے جس نے تمہاری طرف تفصیل شدہ کتاب اتاری ہے۔ اور وہ لوگ کہ جن کو ہم نے وہ کتاب دی ہے خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری ہوئی ہے۔

سو تو جھگڑنے والوں سے نہ ہو۔ اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہو گئی ہے۔ اس کے کلموں کو کوئی بدلانے والا نہیں ہے۔ اور وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر تو ان میں سے اکثر کی پیروی کرے گا جو کہ اس زمین میں ہیں تو وہ تجھ کو اللہ کے راستہ سے بہکا دیں گے وہ تو ظن ہی کی پیروی کرتے ہیں اور وہ اٹکل ہی دوڑاتے ہیں۔ بے شک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو کہ اس کی راہ سے بہکتا ہے اور وہ ہدایت یابوں کو خوب جاننے والا ہے۔ سو تم اس سے کھاؤ جس پر کہ اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو۔ اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ اس سے نہ کھاؤ جس پر کہ اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ تمہارے لئے اس نے اس کی تفصیل کر دی ہے جو کہ اس نے تم پر حرام کیا ہے بجز اس کے کہ جس کی طرف ناچار ہو جاؤ۔ اور یقیناً بہت سے لوگ سوائے علم کے اپنی خواہشوں کے ساتھ گمراہ کرتے ہیں۔ بے شک تیرا رب ان کو خوب جانتا ہے جو کہ حد سے گذرنے والے ہیں اور تم گناہ کے ظاہر اور اس کے باطن کو چھوڑ دو۔ یقیناً جو گناہ کماتے ہیں عنقریب ان کو اس کا بدلہ دیا جاوے گا جو کہ وہ کماتے ہیں۔ اور اس سے نہ کھاؤ کہ جس پر اللہ کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ اور وہ حکم عدولی ہے۔ اور شیطان اپنے دوستوں کی طرف پہنچاتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں۔ اور اگر تم نے ان کی پیروی کی تو یقیناً (پھر) تم مشرک ہو۔

تفسیر:

کفار کے ایمان سے بھاگنے کے لئے عذر

جب ان کے مطلق آیت سوائے کسی تعیین کے طلب کرنے اور اس کے آنے پر موکد قسموں کے ساتھ ایمان کا وعدہ کرنیکا جواب دیکر ان کی تسلی کر دی جو کہ ان کے ایمان کے شوق سے اس امر کے خواہشمند تھے کہ ان کے مطالبہ اور شرط کے مطابق ضرور ان کو کوئی آیت دی جائے تو ان کی مزید تسلی کے لئے اس سے ترقی کر کے فرمایا) اور اگر یقیناً ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے (یعنی مطلق آیت مانگنے کی صورت میں تو اگر ہم کوئی آیت نازل کریں تو یہ لوگ اس کے آیت ہونے سے انکار کرنے کے لئے تو طرح طرح کے عذر

تراشتے اوران کے لئے ان عذروں کی گنجائش بھی بہت کچھ ہوتی اور نیز مطلق آیت کے مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے اگر کوئی معمولی اور ادنیٰ سی آیت بھی اتاری جاتی تو اس مطالبہ کے پورا کرنے کے لئے کافی ہوتی۔ لیکن بجائے اس کے اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی بھیجتے جیسا کہ خود انہوں نے تعیین کر کے اس نشان کو گاہے بدیں الفاظ مطالبہ کیا ہے کہ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ[1](الفرقان:22) اور گاہے بدیں عنوان کہ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ[2](الحجر:8) اور (پھر اسی پر بس نہ کرتے بلکہ ان کے دوسرے مطالبہ کے مطابق جہاں کہ انہوں نے کہا ہے کہ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ[3](الدخان:37)) مردے ان سے باتیں کرتے (یعنی ان کے باپ دادا قبروں سے اٹھ کر ان کے مطالبہ کے مطابق حق کی گواہی دیتے۔ اور یہ دونوں جیسے خود ان کے تعیین کئے ہوئے نشان ہیں ایسے ہی نفس الامر میں نہایت عظیم الشان اور قوی ترین نشان ہیں اور اکیلا ایک ہی نہیں بلکہ نصاب شہادت کے مطابق دو ہیں۔ اوران دو پر بھی بس نہ کریں بلکہ) ہم ان پر ہر ایک شے کو (جو کہ ایمان کے لئے نشان اورذریعہ اور باعث و محرک ہو سکتی ہو یا جو چیز کہ انہوں نے ایمان لانے کے لئے شرط قرار دیکر طلب کی ہو) سامنے لائیں (اور جمع کریں۔ تشریح میں میں نے بتایا ہے کہ قُبُلٍ کو کسی نے بمعنے مشاہدہ اور معائنہ لیا ہے اور کسی نے بمعنے مشاہد اور معاین کے لیا ہے اور کسی نے بمعنے کفیل اور کسی نے جماعتوں کے معنوں میں لیا ہے۔ اور مینے بار بار یہ بھی بتایا ہو ہے کہ جس لفظ کے بہت سے معانی ہوں اگر انمیں سے کسی ایک کی تعیین کا قرینہ موجود ہو تب تو وہی لو ورنہ تو پھر وہاں پر وہ سب ہی معنے مراد ہوتے ہیں اور یہاں پر بھی چونکہ تعیین کا کوئی قرینہ نہیں ہے اسی وجہ مذکورہ معانی میں سے ہر ایک کسی نہ کسی نے لئے ہیں تو یہاں پر بھی سب ہی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ایسی ہر ایک شے جو کہ ان کے ایمان کی کفیل اور شاہد ہو سکے وہ سب کی سب جماعتیں بن کر ان کے سامنے لا کر جمع کی جاویں) تو پھر بھی ان کی شان سے نہیں کہ وہ اس (مذکور) پر (اور اس کے ذریعہ سے حق پر) ایمان لائیں مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا کی ترکیب

---

[1]۔ کیوں ہم پر فرشتے نہیں اتارے گئے؟ (تفسیر صغیر)
[2]۔ کیوں ملائکہ کو ہمارے پاس نہیں لاتا۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ تو ہمارے باپ دادوں کو.....لا کر دکھادو۔ (تفسیر صغیر)

بعینہٖ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمْ [1] الخ (الانفال:34) کی طرح ہے اور ایسی ترکیبوں کا بامحاورہ یہی ترجمہ ہوتا ہے کہ اس کی شان ہی سے ایسا کرنا نہیں ہے اور یہاں پر لَا یُؤْمِنُوْنَ کی بجائے اس ترکیب کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے تاکہ بجائے نفی ایمان کے اس کی قابلیت کی نفی ہو۔

کفار کے نفی ایمان کی علت پر بحث

مفسرین نے اس پر بحث کی ہے کہ ان کی یہ حالت کس باعث سے ہوئی ہے کیا ان کی اصل فطرت اور طبیعت ہی علم الٰہی میں غیر قابل ہے یا کہ فطرت میں تو قابلیت تھی اور بعد ازاں کوئی نقص ایسا لاحق ہوا ہے کہ جس سے یہ قابلیت سلب ہو گئی ہے پس اکثروں نے تو اسی کو اختیار کیا ہے کہ ان کی فطرتی استعداد ہی ناقص اور مقتضی کفر تھی۔ اور اس پر جبر و قدر کا مشہور سوال وارد ہونے سے پھر اس کی دقیق اور طول و طویل بحث شروع کر دی ہے اور بعض نے اس کی علت سبقت قضاء و قدر بعدم الایمان قرار دی ہے۔ اور بعض نے ان کے غلو و طغیان اور تَمَادِی فِی الْکُفْر کو اس کی علت قرار دیا اور کہا ہے کہ قرآن مجید کے طرز بیان سے بھی یہی پایا جاتا ہے کیونکہ پہلے وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ [2] (الانعام:111) ذکر کیا ہے اور بعد اس کے ان کے ناقابل ایمان ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ اور بعض نے اسی کی قدر سے تفصیل کر کے بیان کیا ہے کہ باوجود مشاہدۂ آیات بینات اور اتمام حجت ہو جانے کے ان کی تَمَادِی فِی الطُّغْيَانِ وَالْكُفْرِ قَضَاءً بِعَدَمِ إِيمَانِهِمْ کی علت ہوئی ہے اور یہ قضاء ان کے ناقابل ایمان ہونیکی علت ٹھہری ہے۔ پر اگر اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى [3] (الاعراف:173) اور كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ [4] الخ

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین حدیث 1385)

کو دیکھا جائے اور پھر جبر و قدر کے الجھنوں سے علیحدگی پسند ہو تو پھر نقصان استعداد والا

---

[1] ۔ اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اور انہیں ان کی سرکشیوں میں بہکتے ہوئے چھوڑ دیں گے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں! ہاں!۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ ہر بچہ فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے۔ (از مرتب)

قول ناپسند اور آخری بات ہی قابل اخذ معلوم ہوتی ہے۔ اوران کے غیر قابل ہونے اور ایمان نہ لانے کو اور پختہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ (ان کے ایمان لانے کو) چاہے (تو پھر چونکہ ارادہ اور مشیت الٰہی جس امر سے متعلق ہو جائیں وہ امر ضرور ہی وقوع میں آجاتا ہے اس لئے جب وہ ان کے ایمان لانے کو چاہتا تو وہ ضرور ایمان لے آتے۔ لیکن چونکہ اس کی مشیت اس کی کامل حکمتوں اور علل و معمولات کے سلسلوں کے موافق کسی چیز کے ساتھ متعلق ہوتی ہے اوران کے مخالف نہیں ہوتی اس لئے ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتی۔

دوم اس کی مشیت کسی لغو اور بے فائدہ امر سے ہر گز متعلق نہیں ہوتی کیونکہ عبث بہت بھاری نقص ہے اوراس کے صفات وافعال سب نقائص سے بکلی منزہ ہیں اور اس جبری طور پر بدون اپنے اختیار اور پسندیدگی کے ایمان لانا اس اجر اور ثمر کا محل نہیں ہو سکتا جو کہ ایمان بالا ختیار پر مرتب ہوا کرتے ہیں پس اس وجہ سے بھی اس کی مشیت ان کے ایمان کے ساتھ متعلق نہ ہو گی۔ اب رہی یہ بات کہ جب وہ کسی آیت بلکہ سب مطلوبہ اور غیر مطلوبہ آیات کے ان کے سامنے جمع ہو جانے پر بھی ایمان نہ لائیں گے تو پھر ایسا دعویٰ کیوں کرتے ہیں کہ اگر کوئی آیت آئے تو ہم ضرور ہی ایمان لاویں گے۔

نیز یہ خیال کہ گو وہ کسی طرح ایمان نہ لاویں گے۔ مگر چونکہ وہ ایسا دعویٰ کرتے ہیں اس لئے اگر ان کو کوئی آیت نہ دی جاوے تو ان کی بات اوپر رہے گی اور دوسری لوگوں کے لئے موجب ابتلاء اور مانع عن الایمان ہو گی اور اگر بتادی جائے تو پھر وہ ملزم ٹھہریں گے سو اس لحاظ سے آیت کا دینا ہی بہتر ہے تو ان کے جواب کے لئے اس کے بعد فرمایا۔ ولیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ (یا جہالت کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس لئے کہتے اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کو اپنے ناقابل ایمان ہونے اور قضائے الٰہی کا علم نہیں پر تم کو چونکہ علم ہو چکا ہے اس لئے ان کے دعویٰ کے مطابق تم کو اس کی آرزو نہ کرنی چاہیے۔ نیز یہ کہ وہ تو اس مطالبہ میں جہالت سے کام لے رہے ہیں پر تم کو تو جہالت سے دور رہنا چاہیے۔

مفسرین کے معنی

مفسرین نے اس کے یوں بھی معنے کئے ہیں کہ هُمْ کی ضمیر مسلمانوں کی طرف پھیر

کر کہا ہے کہ ان قسمیں کھانے والوں کی تو یہ حالت ہے اور اس کے ہم نے قرائن اور شواہد بھی قائم کر دیے ہوئے ہیں جن سے اہل اسلام کو ان کی اصل حالت کا شعور ہو سکتا ہے۔ اور بعض کو ہوا بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے یا نادانی کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ اس کی آروزو کرتے ہیں کہ ان کو نشان بتائے جاویں سو ان معنوں کی رو سے گو مضمون عمدہ اور مسلسل ہو جاتا ہے۔ لیکن وَمَا يُشْعِرُكُمْ الخ میں اہل اسلام کو کم ضمیر مخاطب کے ساتھ تعبیر کرنا اور پھر کفار کے لَا يُؤْمِنُوْنَ وغیرہ حالات کے اثنا میں هُمْ ضمیر غائب کے ساتھ اہل اسلام کو ذکر کرنا کس طرح سے اعلیٰ بیان کے شایان شان نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے ایمان نہ لانے کا ایک فلسفہ بیان کرنے کے لئے فرمایا) اور اس (مذکورہ بالا یا تمہارے مخالف گروہ) کی مانند ہم نے ہر ایک نبی کے لئے آدمیوں اور جنوں اور شیطانوں سے دشمن بنائے ہیں جو کہ ایک دوسرے کی طرف ملمع باتیں ڈالتے ہیں تا کہ دھوکا دیں۔

نبیوں کے دشمن بنانے میں حکمت

(یعنی یہ ہماری سنت مستمرہ ہے اور ہماری حکمت بالغہ کا ضروری مقتضیٰ ہے۔ کہ ہر ایک نبی کے لئے کچھ دشمن بنائے جائیں کیونکہ یہی اس کی تبلیغ کا غالب ذریعہ اور یہی اس کی صداقت کے نشانات اور حجج موجود دین پر قائم کرنے اور آئندہ نسلوں کے لئے باقی رکھنے کا بھاری اور قوی ترین ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے ہم سب نبیوں کے لئے ایسے دشمن بناتے رہے ہیں اور اسی سنت کے مطابق ضروری تھا کہ تمہارے۔ (اعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے بھی دشمن بنائے جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ دشمن تب ہی ہو سکتے ہیں کہ حق کے مخالف رہیں۔ اور اس کا بھی طریق وہی ہے کہ پہلے انہوں نے دیدہ و دانستہ حق کی مخالفت اور تَمَادِي فِي الْكُفْرِ وَالْعُدْوَان کر کے قضائے الٰہی کو اپنے دشمن شہنشاہ مقبولان باری بنانے کے متعلق لازم ٹھہرایا اور اس قضاء و قدر کی وجہ سے وہ ناقابل ایمان ٹھہرے ہیں۔

اور جس طرح پہلی وجہ میں ان کے ناقابل ایمان ہونے کو پختہ کرنے کے لئے بعد میں فرمایا تھا کہ بجز اس کے اور کوئی صورت ان کے ایمان لانے کی نہیں خداوند تعالیٰ ان کے

ایمان کو چاہے اسی طرح اس دوسری وجہ کے بعد بھی ان کی عداوت کو پختہ کرنے کے لئے فرمایا) اور اگر اللہ چاہتا تو وہ (اس عداوت کو اور ایک دوسرے کی طرف مزخرف باتیں ڈالنے) کو نہ کرتے۔ (لیکن خداوند تعالیٰ نے نہیں چاہا۔ تو جب انہوں نے ضرور کرنا ہے تو پھر تم ان کو ان کے افتراء کے ساتھ چھوڑ دو۔ (کیونکہ تمہاری کوششوں سے نہ انہوں نے اس عداوت کو چھوڑنا ہے اور نہ ہی ایمان لانا اور حق کو قبول کرنا ہے۔ اور پہلے چونکہ عداوت کا ذکر تھا اس لئے مفسرین نے فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ سے یہ مفہوم نکالا ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اعداء تم کو کچھ ضرر نہ دے سکیں گے۔

شیاطین الانس والجنّ کی ایک دوسرے کو مزخرفات وحی کرنے کی علت

لیکن حق یہ ہے کہ یہ بات اس سے ہرگز مفہوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا ذکر اسی فائدہ کے لئے ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور ان اعدائے شیاطین الانس والجن کے ایک دوسرے کو مزخزفات وحی کرنے کی ایک علت تو غروراً کے ساتھ یہ بیان فرمائی تھی کہ تاکہ لوگوں کو دھوکا دیں اور اس پر عطف کر کے دوسری وجہ یہ بیان فرمائی تھی اور تاکہ اس کی طرف اور لوگوں کے دل جھک جائیں جو کہ پیچھے آنے والی (دار یاحیات) پر ایمان نہیں لاتے (آخرت پر بالخصوص ایمان نہ لانے کو اس لئے خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ جزاء وسزا کا شوق اور خوف اسی پر ایمان لانے سے محقق ہوتا ہے اور یہی شوق وخوف انسان کو حق کی طرف مائل ومتوجہ اور باطل سے منحرف اور متنفر کرتا ہے۔

پس ان کے باطل اور مزخرف اقوال اور مفتریات کی طرف وہی دل مائل ہوسکتے ہیں جو کہ ایمان بالآخرت کے نہ ہونے کے باعث جزاء وسزا کے شوق وخوف سے معری ہو کر حق سے متنفر اور باطل پر مائل اور خواہشات کے پورا کرنے اور نفس کی اتباع میں جری اور دلیر ہوں۔ اور پھر اس میلان قلب پر جو دوسری غرض مرتب ہوگی وہ یہ ہے) اور تاکہ وہ اس کو پسند کریں (اور ظاہر ہے کہ میلان قلب کا یہی ثمرہ ہوتا ہے کہ انسان اس کام کو پسند کرتا ہے اور پھر کسی کام کے پسند کرنے پر جو امر مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے) اور تاکہ وہ اس کو

کمائیں کہ جس کے وہ کمانے والے (اور اپنے تَمَادِی فِی الْکُفْرِ وَالتَّمَرُّدْ کی وجہ سے اہل اور بالطبع کرنے والے) ہیں۔

مزخرفات کو کلام الٰہی کے برابر قرار دینا

(اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ گو واقعی اثر کے لحاظ سے ان کے ان مزخرفہ اقوال کی تاثیر ان کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ لیکن ان کی اپنی امیدوں اور کوششوں کی رو سے ان کے مزخرفات کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ مہبط وحی الٰہی اور ہادی الی صراط مستقیم علی البصیرت سید الرسل کو کتاب الٰہی اور فرمان خداوندی سے روگرد ان کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنے مزخرفات کو کلام الٰہی کے برابر بلکہ اس پر راجح قرار دیتے ہیں۔ فرمایا کہ) کیا میں (صراط مستقیم کو چھوڑ دوں) اور پھر اللہ کے سوا حکم چاہوں حالانکہ وہ وہ ہے کہ جس نے تمہاری طرف اس کتاب کو مفصل اتارا ہے۔

مخالفین کا رسول اللہ ﷺ کو حکم اور ثالث بنانے کی دعوت:

(یہاں سے اس قدر تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین نے کل مذہب میں یا اس کے اصول یا کسی خاص اہم مسئلہ میں آنحضرت ﷺ کو کسی حکم اور ثالث کے فیصلہ پر تصفیہ کرنے کی دعوت دی ہے تو خداوند تعالیٰ نے اس کا یہ جواب تعلیم فرمایا ہے رہا یہ کہ واقعہ میں کیسا ہوا تھا سو مفسرین نے اس کے بارہ میں ایک تو روایت لکھی ہے کہ مشرکین قریش نے آنحضرت ﷺ کو یہ کہا تھا کہ تم احبار یہود یا نصاریٰ کے اسقفون کو ہمارے اور اپنے درمیان حکم بناؤ تاکہ وہ تمہاری نسبت اپنی کتاب سے اصل بات بتاویں تو پھر یہ آیت نازل ہوئی تھی بہر حال یہ واقعہ ہوا ہو یا کوئی اور اس کے یہاں پر ذکر کرنے کی جو غرض ہے وہ وہی ہے جو ہم نے پہلی بیان کر دی ہے اور جو یہاں سے صاف صاف ظاہر ہے۔

اور جواب میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ سب نقائص سے پاک اور سب خوبیوں اور کمالات کا جامع اور رَبُّ الْعَالَمِیْن اِلٰہ الْعَالَمِیْن اور علیم ہے اس کے سوا کسی دوسرے کو اصول دین میں حکم بنانے کی تب گنجائش ہوتی کہ تا وہ ان باتوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ یا کم

از کم مساوی ہو تا یا خداوند تعالیٰ کوئی کتاب یا حکم ان کی نسبت نازل ہی نہ کرتا یا کرتا تو ایسے مجمل یا مہمل اور ملتبس الفاظ میں جس سے پوری طرح بات نہ کھلتی۔ لیکن کسی کے اس سے زیادہ یا مساوی ہونے کے نہ تم قائل ہو اور نہ کوئی واقعہ میں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور باقی دونوں باتوں کی تردید یوں کر دی کہ اس نے تمہاری طرف مفصل کتاب (جو کہ دونوں مذکورہ بالا معنوں میں اصول اور ضروریات دین کی نسبت مفصل ہے۔) نازل کر دی ہے۔ لیکن ابھی ایک گنجائش باقی ہے کہ وہ کہیں کہ نہ ہم اس کو کتاب الٰہی تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کا تم نے کوئی ثبوت دیا ہے تو اس کا جواب یوں دیا۔) اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ خوب جانتے (یقین رکھتے) ہیں کہ بے شک وہ حق کے ساتھ ان کے رب کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔

قرآن مجید کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں کرتا

(قرآن مجید کا جیسا یہ عام طریق ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل نہیں کرتا۔ اسی طرح قرآن مجید کا یہ بھی عام طریق ہے کہ استدلال میں عموماً استدلال بالاولیٰ کا طریق اختیار کرتا ہے جو کہ دلائل کے سب طریق سے صحیح و اسلم اور مامون اور قوی ترین طریق ہے جس میں نہ تو استقراء کی طرح ناقص اور غیر تام ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور نہ قیاس کی طرح کسی قضیہ کی کلیت پر توقف ہے کہ جس کا ثبوت بجز اس کے محال ہے کہ پہلے اصل دعویٰ ثابت ہو جائے کیونکہ وہ بھی اس کی ایک جز ہی ہوتا ہے۔

جس کے ثبوت کے سواء کبھی کلیہ ثابت ہی نہیں ہو سکتا اور یہی اہل منطق کی اصطلاح میں مصادرہ علی المطلوب کہلاتا ہے جو بالاتفاق ممنوع ہے اور جو جواب اہل منطق نے دیا ہے کہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور اصل دعویٰ جو موقوف ہے وہ مفصل ہے اور کبریٰ کلیۃ کی کلیت جس پر موقوف ہے وہ مجمل ہے وہ محض ایک طفل تسلی اور بہانہ جوئی اور ملّا آں باشد کہ چپ نہ شود[1] کا مصداق ہے اور حق یہ ہے کہ قیاس جس کو منطقیوں نے طریق استدلال میں سب پر ترجیح دی ہے وہ نہایت غیر معقول اور ردی

[1] ۔ ملاں چپ نہیں رہ سکتا۔ (از مرتب)

اور غیر صحیح اور غیر طبعی طریق ہے اور استدلال بالاولیٰ ہی سب سے اصح اور اسلم اور مطبوع ترین طریق ہے۔

اور یہاں پر بھی اسی سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ بے شک تم اس کے کلام الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہو پر غیر اللہ کے حکم بنانے کا تو تم مجھے کہہ رہے ہو سو اب دیکھنا یہ ہے کہ میری شان سے ہے کہ میں غیر اللہ کو حکم بناؤں ہر گز نہیں اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو کتاب الٰہی دی جاتی ہے (یعنی وہ اس کتاب پر ایمان لاتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے ہیں) وہ بھی اس بات کو خوب جانتے ہوتے ہیں کہ یہ کتاب حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری ہوئی ہے اور پھر اس علم کی وجہ سے غیر کو حکم نہیں بنا سکتے۔

جیسا کہ تم کو بھی مسلم ہے کہ جب یہ ثابت ہو جاوے کہ یہ کتاب کتاب الٰہی ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر غیر کو حکم نہیں بنایا جاسکتا چنانچہ اسی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوا ہے جس کا یہ جواب دیا جاتا ہے۔ تو ان کو بھی اس کا علم ہے اور اس علم کے باعث سے وہ غیر اللہ کو حکم نہیں بنا سکتے تو پھر میں کہ جس پر خود کتاب نازل ہوئی جس کے واسطہ سے اوروں کو یہ کتاب ملی ہے اور اس کی دعوت اور تبلیغ سے دوسروں کو اس کی نسبت یہ علم حاصل ہوا ہے کہ یہ حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے تو پھر مجھ کو بطریق اولی علم کامل اور یقین واثق حاصل ہونا چاہیے اور پھر بطریق اولیٰ میری شان سے بعید ہونا چاہیے کہ میں غیر اللہ کو اپنا حکم قرار دوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ[1] (البقرۃ:122) سے بجائے مومنین متبعین کے انبیاء عَلَیۡہِمۡ وَعَلٰی نَبِیِّنَا وَسَیِّدِہِمۡ عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ[2] مراد ہوں تو پھر یہ مطلب ہو گا کہ جب سب انبیاءؑ کو اس کا علم ہوتا ہے تو پھر مجھے بھی ضرور اس کا علم ہونا چاہیے جس کے ہوتے ہوئے ہر گز ممکن نہیں کہ میں غیر اللہ کو حکم بناؤں۔ تو جب دونوں باتیں ثابت ہو گئیں کہ نہ ان عنیدوں نے حق کو قبول کرنا ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ تم

[1]۔(وہ لوگ) جنہیں ہم نے کتاب دی ہے۔(تفسیر صغیر)

[2]۔ان پر اور ہمارے نبی پر اور ان کے سردار پر درود اور سلام ہو۔(از مرتب)

ان کے کہنے پر صراط مستقیم کو چھوڑ کر غیر اللہ کو حکم بنالو لہٰذا اس کے بعد فرمایا) سو تم جھگڑا کرنے والوں سے نہ ہو۔

مفسرین کی بحث

(گو مفسرین عام طور پر اس کے یہ معنے کیا کرتے ہیں کہ پھر تم شک کرنیوالوں سے نہ ہو۔ لیکن علاوہ ان معنوں کے اس مقام پر غیر موزون ہونے کے میں پہلے مفصل بحث اس پر کر چکا ہوں کہ یہ مراء سے ہے جس کے معنے جھگڑنے کے ہیں اور اس کے قرائن اور دلائل بھی وہاں پر درج ہیں۔ اور مفسرین نے جس طرح اس کے شک کرنیوالوں کے معنے کئے ہیں اسی طرح انہوں نے اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ[1] (البقرۃ:122) سے اہل الکتابین عیسائی اور یہودی لئے ہیں۔ اور یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الخ سے یہ لیا ہے کہ وہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل بالحق جانتے ہیں۔ تو اس صورت میں خلاصہ جواب یہ ہو گا کہ تمہارے اس کو منزل من اللہ نہ ماننے سے کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ تم بے علم اور جاہل اور کتب الٰہیہ سے ناآشنا ہو اور بالمقابل پھر جو سچے اور ذی علم اہل کتاب ہیں وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل بالحق جانتے اور ان کا ایسا جاننا یہ بڑی قوی شہادت ہے کیونکہ وہ اہل علم اور کتب الٰہیہ سے واقف ہونے اور مسلم راستباز ہونے کے باعث اس کے اہل ہیں اور جب قرآن مجید کے کلام اور احکام الٰہی ہونے کی وجہ سے اس کا واجب الاتباع اور دوسرے سب احکام اور اقوال پر اس کا واجب التقدیم ہونا بیان ہو گیا تو اب اس کے کلام الٰہی ہونے کی وجہ سے جو اس کے واجب التعمیل اور ضروری التقدیم ہونے کی موجب خوبیاں اس میں موجود ہو گئی ہیں جو اوروں کے احکام اور اقوال میں ہر گز نہیں ہو سکتیں ان کو بیان کرنے کے لئے فرمایا۔) اور (اس لئے کہ) وہی کامل سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

مذہب میں اخبار و حکام کا پایا جانا

(مذہب میں کچھ تو اخبار ہوتے ہیں جیسے اللہ ایک ہے قیامت ہو گی جزا و سزا حق ہے جنت اور دوزخ حق ہیں۔ اور کچھ احکام ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ پر ایمان لاؤ۔ تقویٰ کرو عمل

[1]۔(وہ لوگ) جنہیں ہم نے کتاب دی ہے۔(تفسیر صغیر)

صالحہ بجالاؤ نماز پڑھو روزہ رکھو زکوٰۃ دو شرک نہ کرو جھوٹ نہ بولو چوری نہ کرو بدزنی کے قریب نہ جاؤ۔ سو اخبار کا کمال اور خوبی اسی میں مذکور ہے کہ مطابق واقعہ کے صادق ہوں اور ان میں کوئی خلاف واقعہ اور مشابہ کذب نہ ہو اور احکام کا کمال اور حسن اس میں ہے کہ وہ فطرت اور حالات اور زمانہ اور قرب و جوار کی ہر ایک چیز اور حال کی اقتضاء کے بالکل مطابق ہوں اور ان میں ان سب کا حق پوری طرح ادا کیا گیا ہو اور ان میں سے کسی ایک کی بھی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہ کی گئی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ چونکہ عٰلِمُ غَیۡبِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ[1] (فاطر:39) ہے اور پھر قادر مطلق اور خالق اور موجد کل کائنات اور حکیم ہے اس لئے اس کے اخبار مطابق واقعہ اور صادقہ ہونگے کیونکہ وہ واقعات کو جانتا ہے۔ اور پھر ان کو اپنے منشاء کے مطابق بنانے پر قادر ہے۔ اور اس کے احکام بھی کامل عدل والے ہونگے کیونکہ خالق ہونے کی وجہ سے وہ سب کی فطرت اور استعداد کو جاننے والا ہے اور حکیم ہونے کی وجہ سے وہ احکام میں تناسبات کو ملحوظ رکھتا ہے۔ بخلاف اوروں کے کہ چونکہ وہ ایسے نہیں ہیں اس لئے نہ ان کے سب اخبار مطابق واقع اور صادقہ ہوسکتے ہیں۔ اور نہ ان کے احکام کامل عدل پر مشتمل ہوسکتے ہیں اور اسی وجہ کو بیان کرنے کے لئے اس کے آخر میں وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ فرمایا ہے اعنی وہ ہر ایک چیز کی اقتضاء حتی کہ فطرتی اقتضاء تک بھی سنتا اور ہر ایک چیز اور واقعہ کو بخوبی جانتا ہے۔ اور غیروں کے اخبار اور احکام میں ہم روزمرہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

مثلاً ایک چیز کے موجودہ احوال پر نظر کرکے ایک عقلمند پیشگوئی کرسکتا ہے کہ آئندہ یوں ہوگا لیکن چونکہ آئندہ کے احوال نہ اس کے قابو میں ہوتے ہیں اور نہ اس کو ان کا علم ہی ہوتا ہے لہٰذا آئندہ اور احوال پیدا ہو کر اس پیشین گوئی کو بالکل بدل دیتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ احوال کے اقتضاء کے مطابق ایک حکم موزون ہوتا ہے اور وہ بڑی عقلمندی سے دیا جاتا ہے۔ اور اس وقت وہی موزون ہوتا ہے لیکن آئندہ کے احوال نہ اس کی قدرت میں ہوتے ہیں اور نہ ان کا علم ہی ہوتا ہے لہٰذا بعد ازاں اور احوال پیدا ہو کر اس کے

[1] ۔ اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

مخالف اور مضاد حکم کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ اس حکم کو بدل کر چھوڑتے ہیں۔ بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ چونکہ وہ قادر مطلق اور علیم و حکیم ہے اس لئے اس کے اخبار اور اس کے احکام کو کوئی امر بدلنے والا نہیں ہو سکتا۔

نیز اس کے سوا ہر ایک حاکم کے اوپر کوئی دوسری طاقت واقع میں ضرور پائی جاتی ہے جو کہ اس کے حکم کو بدل سکتی ہے اور اکثر اوقات بدل بھی دیتی ہے لیکن اللہ کے اوپر کوئی اور طاقت نہیں بلکہ سب طاقتیں اس کے ہاتھ کے نیچے ہیں لہٰذا اس کے حکم کو کوئی بدلنے والی طاقت نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بعض بد بخت اس کے مطلب کو خود نہیں سمجھتے اور پھر اپنی جہالت کا ثبوت دینے کے لئے اس پر نہایت رکیک اور بے جا اعتراض کرتے ہیں۔

سیالکوٹ کے ایک پادری کا واقعہ

چنانچہ سیالکوٹ کے ایک پادری نے قرآن مجید کے چھاپے اور کتابت کی غلطیوں کی فہرست بنائی ہوئی ہے اور سادہ لوحوں کو دھوکا دینے کے لئے ان کو پیش کر کے کہا کرتا ہے کہ دیکھو قرآن مجید میں آیا ہے کہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ[1] (الانعام:35) اور اس فہرست سے بہت سے کلمات بدلے ہوئے ثابت ہوتے ہیں اور بے حیا کو خود شرم نہیں آتی کہ مجھے نہ تو کلمات کے معنے آئے ہیں اور نہ ان کے بدلانے کا مطلب ناپاک دماغ میں آیا ہے۔ سچ ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[2] (الواقعہ:80) اور لَا مُبَدِّلَ الخ کا ما قبل کے ساتھ ربط یوں بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ جس طرح فارسی میں آیا ہے کہ ہر کمالے را زوالے[3] اسی طرح عربی میں آیا ہے:

اِذَا تَمَّ اَمْرٌ بَدَا نَقْصُهٗ تَوَقُّعْ زَوَالًا اِذَا قِيْلَ تَمَّ[4]

تو چونکہ پہلے کلمات الٰہیہ کے تمام ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اس لئے نقصان کے خیال کو رفع کرنے کے لئے لَا مُبَدِّلَ الخ فرما کر یہ بتا دیا کہ الٰہی کلمات کا پورا ہونا دوسری چیزوں کے

---

[1] ۔ اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اس (قرآن) کی حقیقت کو وہی لوگ پاتے ہیں جو مطہر ہوتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ ہر کمال کو زوال ہے۔ (از مرتب)

[4] ۔ جب کوئی کام مکمل ہوتا ہے تو اس کا نقص ظاہر ہو جاتا ہے زوال کی توقع رکھ جب کہا جائے کہ مکمل ہو گیا۔ (از مرتب)

پوراہونے کی طرح نہیں ہے۔ اور اس کے معنے بعض مفسروں نے یہ بھی کئے ہیں کہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ صدق وعدل میں بڑھ کر یا کم از کم اس کے کلمات کے مساوی کلمات لاوے تا کہ اللہ کے سوا اس کو حکم بنایا جاوے۔ اس صورت میں یہ ایک دوسری دلیل ہو گی۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ کے معنی از روئے مفسرین

اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی نہیں کہ اس کی عام طور پر توراۃ وغیرہ کتب کی مانند تحریف کرے۔ یا یہ کہ اس کے بعد اور کوئی ایسا شارع نبی نہیں آنے والا جو اس کتاب کے کلمات کو بدل کر اور شریعت لاوے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے احکام میں تبدیل نہیں ہے کیونکہ وہ ازلی ہیں اور ازلی تبدل اور زوال قبول نہیں کرتا۔ اور بعض نے کلمات سے احکام مراد لئے ہیں اور وہ بھی قضاء وقدر کے جیسا زید کا سعید اور عمر کا شقی ہونا اسی وجہ سے امام رازی نے کہا ہے کہ ان معنوں کے لحاظ سے یہ آیت جبر کے قوی ترین دلائل سے ہوتی ہے لیکن حق ہم نے بتادیا ہے جب خداوند تعالیٰ کے مقابلہ میں اور اس کو چھوڑ کر کسی اور کو حکم بنانے کی مبرہن طور پر تردید فرمادی تو اب اس بات کی تردید فرمانے کے لئے کہ اگر خداوند تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ ہو بلکہ اس کی رضاء حاصل کرنے کے راستہ میں کسی کی اتباع کی جاوے تو اس میں کیا جرم ہے۔ فرمایا۔) اور اگر تم ان میں سے اکثر کی اطاعت کروگے جو کہ زمین میں ہیں تو وہ تم کو اللہ کی راہ سے بہکاویں گے (کیونکہ وہ زمینی ہونے کی وجہ سے خداوند تعالیٰ اور اس کے راستہ سے بالکل لاعلم اور جاہل ہیں تو جس طرح اور راستے نہ جاننے والوں کی اطاعت سے انسان عموماً راستہ سے بہک جاتا ہے اسی طرح ان کی اطاعت سے بھی بہک جائیگا۔

چنانچہ اسی بات کو بتانے کے لئے فرمایا ہے کہ) وہ تو ظن ہی کی پیروی کرتے اور تکیں ہی لگاتے ہیں۔ (یعنی خود تو ان کو علم نہیں ہوتا کہ خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی کا کونسا راستہ ہے اور نہ خداوند تعالیٰ نے ہی ان کو یہ راستہ بتایا ہوا ہوتا ہے اور پھر ظن و تخمین اور اٹکل سے اس کی رضا کا ایک راستہ قرار دیتے ہیں اور خود بھی اس پر چل کر گمراہ ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی اپنے پیچھے لگا کر گمراہ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی پیروی نہ کرنی چاہیے۔

وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ سے دو باتیں مراد

لیکن چونکہ اس کو وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ کے ساتھ بیان کیا جس سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں اوّل یہ کہ گو اکثروں کی اطاعت موجب ضلالت ہے لیکن بعض کی نہیں۔ دوم یہ کہ جو فی الارض ہیں ان کی پیروی تو بے شک موجب ضلال ہے لیکن جو روحانی صفائی اور ترقی کے باعث سماء سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کی پیروی ایسی نہیں ہے۔ تو ایسے لوگوں کی نسبت فرمایا کہ) بے شک تمہارا رب ہی ان کو خوب جانتا ہے جو کہ اس کے راستہ سے بہکتے ہیں اور وہی ان کو خوب جانتا ہے جو کہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (یعنی ٹھیک ہے پر ان کا علم بھی تو خداوند تعالیٰ ہی کو ہے سو جب تک وہی نہ بتائے تو انسان کو کیا علم ہو سکتا ہے جب غیر اللہ کی اطاعت فی نفسہا کی بھی تردید ہو گئی تو اب غیر اللہ کی تخمین اور اٹکل سے حکم لگانے اور نیا مسئلہ بنانے کی مثال بتانے کے لئے اور پھر اس کے بالمقابل حکم الٰہی اختیار کرنے کی صورت سمجھانے کے لئے فرمایا) سو تم اس سے کھاؤ جس پر کہ اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو۔

حلال اور حرام کے متعلق آپ ﷺ کا مکالمہ

(واحدی نے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ کو کہا کہ آپ بتائیں کہ جو بکری خود بخود مر جاتی ہے اس کو کون قتل کرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرتا ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ جس کو تم یا تمہارے ساتھی قتل کرتے ہیں یا چرغ یا کتے قتل کریں وہ تمہارے زعم میں حلال ہیں اور جس کو اللہ تعالیٰ قتل کرے وہ حرام ہے۔ تو پھر خداوند تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ اور عکرمہ نے کہا ہے کہ جب تحریم میتہ کا حکم نازل ہوا تو فارس کے مجوس نے مشرکین کو لکھا کہ محمدؐ اور اس کے اصحاب خیال کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے حکم کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور پھر اپنے ذبح کئے ہوئے کو تو حلال کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذبح کئے ہوئے کو حرام کہتے ہیں۔ تو ان کی اس بات نے بہت سے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں اثر کیا تب خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اور بعض روایتوں میں یوں آیا ہے کہ یہود نے یہ کہا تھا۔ اور مجوس کے قول سے

کمزوروں کے متاثر ہونے اور پھر اس حکم کے ان کی تخمین اور اٹکل کے مقابل ہونے سے اس حکم کا اِنۡ کُنۡتُمۡ بِاٰیٰتِہٖ مُؤۡمِنِیۡنَ کے ساتھ مشروط کرنے کی وجہ صاف صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خشک زاہد اور رہبان خدا تعالیٰ کے بہت سے طیبات سے حرام کی طرح نفرت دلاتے ہیں اور ان میں سے خصوصیت کے ساتھ کل یا بعض گوشتوں کی سخت ممانعت کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نے ان کو حلال کیا اور ان کے کھانے کا حکم دیا ہوا ہے۔ آج کل ہی مسلمانوں میں ایسے فرقے موجود ہیں جو کہ مختلف صورتوں میں گوشت سے اجتناب کرتے ہیں کشمیر میں میں نے دیکھا ہے کہ خاص چند دن ہیں کہ ان میں گوشت بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ اور اس رسم قبیح کو ایک بہت بڑے بزرگ کا حکم بتاتے ہیں۔

اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں بھی اس خشک زہد کی وجہ سے بعض مومنوں نے گوشت کو ترک کیا تھا۔ تو دوسری مثال بتانے کے لئے فرمایا۔) اور کون سی چیز تمہارے لئے (اس کی باعث) ہے کہ تم اس سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ تمہارے لئے اس کی تفصیل کر دی گئی ہے۔ جو کہ تم پر حرام کیا گیا ہے۔ (چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا[1] الخ (الانعام:146) اور حُرِّمَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡمَیۡتَۃُ[2] الایۃ (المائدۃ:4)) مگر وہ کہ جس کی طرف تم مجبور کئے گئے (یعنی ان حرام کی ہوئی چیزوں میں سے جس کے کھانے کے لئے تم مجبور اور مضطر ہو جاؤ اس کو تم کھا سکتے ہو۔

اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ ان لوگوں نے جو کچھ پیش کیا ہے محض اپنی اٹکل سے اور لوگوں کے گمراہ کرنے کے لئے پیش کیا ہے اور کوئی انہی پر حصر نہیں بلکہ ایسا کرنے والے بہت لوگ ہیں فرمایا) اور یقیناً بہت سے لوگ بے علمی سے اپنی خواہشوں کے ساتھ (لوگوں کو) گمراہ کرتے ہیں۔ (اور گو کثیر کہنے سے یہ پایا جاتا ہے کہ بعض ایسے نہیں بھی لیکن ان دونوں میں امتیاز کرنا تمہارا کام نہیں بلکہ) بے شک تیرا ربّ ہی حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

(اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ لوگ جس بات کا حکم کرتے ہیں۔ وہ عموماً گناہ ہوتی ہے

[1]۔ تو ان سے کہہ کہ جو کچھ میری طرف نازل کیا گیا ہے میں تو اس میں..... کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ تم پر مردار... حرام کیا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اور گو اس کی بدی بعض اوقات ظاہر بھی ہوتی ہے جس کو سننے والے سمجھ جاتے ہیں۔ پر اکثر اس کو ایسے پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی بدی بالکل پوشیدہ ہوتی ہے اور بظاہر وہ ایک خوبی معلوم ہوتی ہے اس وجہ سے سننے والے اس کے مرتکب ہو جاتے ہیں جیسا کہ شیطان نے آدمؑ کو دھوکا دیا تھا۔ فرمایا) اور ظاہر بدی اور پوشیدہ کو چھوڑ دو۔ یقیناً جو لوگ بدی کماتے ہیں عنقریب ان کو اس کا بدلہ دیا جاویگا جو کہ وہ کماتے تھے۔ (اور چونکہ ان کا قول دو امر پر مشتمل ہے اور دونوں میں بدی کے ظہور اور عدم ظہور میں فرق ہے اول تو یہ تھا کہ اللہ کے نام سے ذبح کیا ہوا نہ کھاؤ جس کی نفی فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الخ کے ساتھ فرمائی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ جو اللہ کے نام پر ذبح نہیں ہوا اس کو کھاؤ تو اس کی نفی کے لئے فرمایا۔) اور اس سے نہ کھاؤ کہ جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا اور یہ حکم عدولی ہے۔ (اور یہ لوگ جو تم کو ایسا کہتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی کتابوں میں کوئی ایسا حکم ہے بلکہ) یقیناً شیاطین اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑیں۔ (لہٰذا تم کو ایسی باتوں میں ان کی اطاعت نہ کرنی چاہیے کیونکہ اس صورت میں تم خالص خداوند تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے نہ رہو گے بلکہ شیاطین کے بھی مطیع ہو گے اور یہی شرک ہے لہٰذا فرمایا) اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو یقیناً تم مشرک ہو گے۔

مفسرین کی بحث

(مفسرین نے وَلَا تَأْكُلُوْا الخ کی تفسیر میں اس بحث کو مفصل لکھا ہے کہ مسلمان اگر عمداً تسمیہ عند الذبح چھوڑ دے تو امام ابو حنیفہ اور بعض اہل علم کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں جیسا کہ مسلمان کے بھول کر تسمیہ چھوڑنے کی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا کھانا ایسا ہی جائز ہے جیسا کہ بھول کر چھوڑنے کی حالت میں جائز ہے۔ اور فریقین کے دلائل اور جواب بھی نقل کئے ہیں اور اس کا اصل محل کتب فقہ اور اصول فقہ ہیں۔

آیت 123 تا 130: اَوَ مَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَ جَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ. وَ كَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا وَمَا يَمۡكُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِهِمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ. وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيۡبُ الَّذِيۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَمۡكُرُوۡنَ. فَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنۡ يَّهۡدِيَهٗ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهٗ لِلۡاِسۡلَامِ وَ مَنۡ يُّرِدۡ اَنۡ يُّضِلَّهٗ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجۡعَلُ اللّٰهُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ. وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسۡتَقِيۡمًا قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّذَّكَّرُوۡنَ. لَهُمۡ دَارُ السَّلٰمِ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ هُوَ وَلِيُّهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ. وَ يَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ وَ قَالَ اَوۡلِيٰٓـؤُهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّ بَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثۡوٰىكُمۡ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ. وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّىۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ.

تشریح الفاظ:

مَيۡتٌ۔ بمعنے میّت ہے۔

مَثَلٌ۔ بمعنے صفت اور حالت کے آتا ہے۔

زُیِّنَ۔ تَزَیُّنٌ سے ہے۔ خوبصورت بتانا اور پسند کرانا۔

اَکَابِرَ۔ اَکْبَرٌ کی جمع ہے۔

اور مُجْرِمِیْ اصل میں مُجْرِمِیْنَ تھا اور وہ مجرم کی جمع ہے اور وہ جَرْمٌ سے ہے جس کے معنے کاٹنے کے ہیں۔

یَمْکُرُوْا۔ مَکْرٌ سے ہے۔ جس کے معنے خفیہ تدبیر کے ہیں۔ خواہ وہ تدبیر اچھی ہو یا بُری جیسا کہ وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ[1] (فاطر:44) سے صاف صاف اس کی دو قسمیں ثابت ہوتی ہیں، لیکن جیسا میں نے پہلے مفصل بیان کیا ہے کہ اردو اور فارسی وغیرہ میں اس کے خاص برے معنوں میں مستعمل ہونے سے بعض جاہلوں نے اپنی جہالت کے ثبوت کے لئے عربی زبان میں بھی اس کو خاص فریب کے لئے سمجھ کر اس کے خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے پر نہایت شوخی سے اعتراض کیا ہے۔ اور ایسا بہت ہوتا ہے مثلاً بَشَارَۃٌ اصل میں اس خبر کو کہتے ہیں۔ جو کہ بشرہ (منہ کی جلد) پر اثر کرے خواہ خوشی کا یا رنج و غم کا لیکن عربی زبان میں اکثر اور فارسی وغیرہ میں خصوصاً خوشی کا اثر کرنیوالی پر بولنے سے بعض نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ لفظ ہی خوشخبری کے لئے ہے۔

یَشْعُرُوْنَ۔ شُعُوْرٌ سے ہے۔ ادنی درجہ کا علم جو کہ جانوروں میں ہوتا ہے۔

رِسَالَۃٌ کہتے ہیں بھیجنے کو خواہ کوئی چیز ہو یا کوئی بھیجنے والا ہو۔ اور شرع شریف میں خاص خداوند تعالیٰ کے کسی حکم اور وحی اور کتاب یا شخص کے بھیجنے کو اور رسول خداوند تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کو کہتے ہیں۔ اور متکلمین نے اس کے شرعی معنوں میں بہت کچھ اختلاف بیان کیا اور بہت کچھ قیود از خود ایزاد کئے ہیں۔

سَیُصِیْبُ میں س تو حرف استقبال ہے اور یُصِیْبُ۔ اَصَابَۃٌ سے ہے۔ پہنچنا اور پہنچانا۔

اَجْرَمُوْا۔ اَجْرَامٌ سے ہے جو کہ جُرْمٌ سے ہے اور جُرْمٌ کے اصل معنے کاٹنے کے ہیں اور اس بدی کو بھی جُرْمٌ کہتے ہیں جو کہ قطع تعلق کرادے اور اَجْرَمَ کے معنے جرم کرنے کے ہیں۔

[1]۔ اور بری تدبیر اس کے کرنے والوں کو ہی ہلاک کیا کرتی ہے۔ (تفسیر صغیر)

صَغَارٌ۔ چھوٹا پن اور ذلت عظیمہ۔

یَشْرَحْ۔ شَرْحٌ سے ہے۔ کھولنا۔ صَدْرٌ۔ سینہ۔

یُضْلِلْ۔ اِضْلَالٌ سے ہے جس کی اصل ضَلَالٌ ہے اور اِضْلَالٌ کے معنے گمراہ کرنے اور گمراہی کا فتویٰ لگانے اور حکم کرنے کے ہیں۔

ضَیِّقٌ۔ اَضْیَقٌ سے ہے تنگی۔

حَرَجٌ بفتح راء بھی تنگی کو کہتے ہیں۔ اور امام راغبؒ نے اس کے اصل معنے مجتمع الشئی کے کئے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ شدید تنگی کو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے حَرَجَۃٌ اس جھاڑی کو کہتے ہیں۔ جس کے درخت ایسے گنجان ہوں کہ ان کے اندر کوئی نہ داخل ہو سکے۔ اور حَرِجٌ بھی بکسر راء تنگ چیز کو بدلتے ہیں۔

کَأَنَّ اور کَأَنَّمَا کے معنے ہیں گویا۔

یَصَّعَّدُ اصل میں یَتَصَعَّدُ تھا تَصَعُّدٌ سے ہے جو کہ صَعُوْدٌ بمعنے اوپر جانے سے بنا ہوا ہے اور وہ بھی بمعنے صَعُوْدٌ ہی ہے فرق فقط شدت اور زیادتی کا ہے۔ اور یَتَصَعَّدُ میں تا کو صاد سے بدل کر ادغام کیا گیا ہے۔

سَمَآءٌ۔ بلندی۔

یَجْعَلُ۔ جَعْلٌ سے ہے اور اس کے معنے جیسے پیدا کرنے اور بنانے کے ہیں جو کہ پہلے گذر چکے ہیں۔ ویسے ہی کبھی اس کے معنے رکھنے کے ہوتے ہیں اور یہاں پر بھی یہی ہیں۔

رِجْسٌ ناپاکی اور ناپاک چیز کو کہتے ہیں۔ البتہ تفاسیر میں اس سے جو صحابہؓ نے مراد بیان کی تھی اس کا معنے ظاہر کیا گیا ہے۔

دَارٌ۔ حویلی۔ سَلَامٌ۔ سلامتی۔

یَحْشُرُ۔ حَشْرٌ سے ہے جمع کرنا۔ مَعْشَرٌ۔ جماعت۔

اِسْتَکْثَرْتُمْ۔ اِسْتِکْثَارٌ سے ہے زیادہ لینا۔

اَوْلِیَآءُ۔ وَلِیٌّ کی جمع ہے۔

اِسْتَمْتَعْ۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ہے۔ نفع اٹھانا۔

اَجَّلْتَ۔ تَأْجِیْلٌ سے ہے جو اَجَلٌ سے بنا ہوا ہے۔ اَجَلٌ وقت مقرر اور تَأْجِیْلٌ وقت کے مقرر کرنے کو کہتے ہیں۔

مَثْوٰی۔ ثَوَاءٌ سے مصدر میمی ہے یا اسم ظرف ہے۔ سو بصورت اولیٰ بمعنے قامت ہے اور بصوت ثانیہ بمعنے جائے اقامت ہے۔

نُوَلِّیْ۔ تَوْلِیَۃٌ سے ہے والی اور ساتھی بنانا۔

ترجمہ:

کیا (تم ان کی مثل ہو گئے) اور جو شخص کہ مردہ ہو پھر ہم نے اس کو زندہ کیا ہو اور ہم نے اس کے لئے نور رکھا ہو جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہو۔ (وہ) اس کی مانند ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ (وہ) اندھیروں میں ہو جن سے وہ نکلنے والا نہ ہو اسی طرح کافروں کے لئے وہ (کام) خوبصورت کئے گئے ہیں جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح ہم نے ہر ایک بستی میں اس کے قطع تعلق کرنے والے بدکاروں میں سے بڑے بنائے ہیں تا کہ اس میں خفیہ تدبیریں کریں۔ حالانکہ وہ خفیہ تدبیریں اپنی ہی جانوں پر کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان نہ لاویں گے یہاں تک کہ ہم کو وہ دیا جائے جو کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ رسالت کو رکھتا ہے۔

جنہوں نے (بدی کے ساتھ اللہ سے) قطع تعلق کیا ہے۔ (ان کو) اس کا بدلہ اللہ کی طرف سے عنقریب ذلت اور سخت عذاب ملے گا جو کہ وہ خفیہ تدبیریں کیا کرتے تھے۔ سو جس کو اللہ چاہے کہ وہ اس کو ہدایت دے تو وہ اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو وہ چاہتا ہے گمراہ قرار دے تو اس کے سینہ کو وہ تنگ و بند کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بلندی میں چڑھتا ہے۔ اسی طرح اللہ ان لوگوں پر پلیدی ڈال دیتا ہے۔ جو کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے۔ یقیناً ہم نے آیتوں کو ان لوگوں کے لئے مفصل بیان کر دیا ہے جو کہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ انہی کے لئے ان کے رب کے پاس

سلامتی کی حویلی ہے۔ اور وہی ان کا والی ہے ان کاموں کے سبب سے جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا۔

اور اے جنوں کے گروہ تم نے زیادہ لئے ہیں انسانوں سے۔ اور انسانوں میں سے ان کے ساتھیوں نے کہا اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ نفع اٹھایا ہے اور ہم اپنے اس مقرر وقت تک پہنچ گئے۔ جو کہ تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ تو اس نے فرمایا کہ آگ تمہارے رہنے کی جگہ ہے اس میں رہتے ہو۔ مگر جو کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ یقیناً تیرا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا والی بناتے ہیں۔ اس کے سبب سے جو کہ وہ کمایا کرتے تھے۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

پہلے بتایا تھا کہ اَوْلِیَاءُ الشَّیٰطِیْن کی اطاعت کا ثمرہ یہ ہے کہ تم مشرک ہو جاؤ گے۔ اور اب ان کی اطاعت کے غیر معقول ہونے پر استدلال بالاولیٰ کے طریق معقول دلیل پیش کرنیکے لئے فرمایا کیا تم ان کے مطیع ہو گئے۔ اور جو مردہ تھا تو پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کے لئے نور بنایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے وہ اس کی مانند ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں ہے جن سے نکلنے والا نہیں ہے۔

مومن اور کافر کا حال

اس میں پہلے مومن کی حالت بتائی ہے کہ ایمان سے پہلے جہالت کی وجہ سے مشرکین کی طرح مردہ تھا اور پھر وحی اور ایمان کے ساتھ ہم نے اس کو زندہ کیا پھر ہم نے اس کو نور فراست۔ (جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ[1]۔
(سنن الترمذی کتاب تفسیر القرآن باب ومن سورۃ الحجر حدیث 3127)

جس میں اس کو نور الٰہی کہا گیا ہے اور نور کتاب اللہ (جس کی نسبت ھُدًی وَنُوْرٌ آیا ہے) دیا جس کے ساتھ وہ دوسرے لوگوں کو صراط مستقیم پر چلا رہا ہے۔ اس کے بعد پھر

[1]۔ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ (از مرتب)

کافر کا حال بتایا ہے جو کہ اَوْلِیَاءُ الشَّیٰطِیْن سے ہے کہ وہ رسم عادت اور تقلید جامہ اور جہالت اور شرک اور خواہشات نفس وغیرہا کے اندھیروں میں بند ہے کہ ان کے جس دوام سے باہر نکل سکتا ہی نہیں۔ تو ان دونوں کی حالت کا نقشہ کھینچ کر فرمایا ہے کہ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ہر گز نہیں۔ تو جب ولی الشیاطین مومن کے برابر بھی نہیں تو پھر وہ اس سے ایسا افضل کہاں ہو سکتا ہے کہ مومن اس کی پیروی کرے۔ اور یوں بھی ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دونوں مومن ہی کی حالتیں ہوں اوّل تو اس کے مومن ہونے کے وقت میں اور دوم اس کے اَوْلِیَاءُ الشَّیٰطِیْن کے مطیع ہونے کے بعد سو اس صورت میں اس کی دونوں حالتوں میں فرق عظیم بیان کرنا مقصود ہو گا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اوّل سے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہوں اور ان کے میت ہونے سے وہ مراد ہو جو کہ مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ[1] الخ (الشوریٰ:53) کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

اور دوم سے ولی الشیاطین مراد ہوں اور اس سے دونوں مطاعوں میں فرق عظیم بتانا مراد ہو۔ اور چونکہ ان اَوْلِیَاءُ الشَّیٰطِیْن کا باوجود گمراہ ہونے کے پھر اپنے طریق شیطانی کی طرف لوگوں کو اس زور و شور سے بلانا نہایت تعجب اور حیرت میں ڈالنے والا امر تھا تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) اسی طرح کافروں کے لئے وہ اعمال مزین کئے گئے ہیں کہ وہ کیا کرتے تھے۔ (یعنی اس کا باعث یہ ہے کہ شیطان نے ان کے اعمال قبیحہ ان کے آگے نہایت درجہ خوبصورت کر دکھائے ہوئے ہیں اور انسان کی یہ طبعی حالت ہے۔ کہ جس کو وہ نہایت پسند کرتا ہے۔ وہ دوسروں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے اور اس صورت میں کَذٰلِكَ کا اشارہ اس تزیین کی طرف ہے جو کہ ان کے اپنے طریق کی طرف بلانے سے مفہوم ہوتی ہے اور معنے یہ ہوئے کہ جس طرح ان کے اپنے طریق کی طرف بلانے سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان کی نظروں میں ان کے یہ اعمال قبیحہ بڑے مزین کئے گئے ہوئے ہیں اسی طرح فی الواقعہ بھی مزین کئے گئے ہیں۔

مفسرین کا نقطہ نظر

اور بعض نے یہ اشارہ شیطانوں کی وحی کرنیکی طرف پھیرا ہے اور بعض نے مومنوں

[1]۔ تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ جانتا تھا کہ ایمان کیا چیز ہے۔ (تفسیر صغیر)

کے دلوں میں ایمان کے مزین کرنے کی طرف اور مزین کرنے والے شیطان ہی ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے اور اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ خلق کے لحاظ سے تو اللہ مزین ہے اور وسوسہ کے لحاظ سے شیطان مزین ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ کفار مکہ کا اپنے باطل کی طرف بلانا اور ان کے اعمال قبیحہ کا ان کے آگے مزین کیا جانا اور کفر و عناد پر اصرار کرنا اور مجادلۂ حق بالباطل کرتے رہنا اور آیات اللہ سے فائدہ نہ اٹھانا کچھ انہی کے ساتھ خاص نہیں تاکہ رنج وغیرہ کا کوئی موقعہ ہو تا یا یہ خیال کرنے کا کہ شاید تبلیغ کا نقص ہے بلکہ یہ عام ہے کہ پہلے انبیاءؑ کے مقابل بھی ایسے لوگ ضرور ہوتے رہے ہیں اور ان کا ہونا حکمت کلیہ کے مقتضا کے مطابق ہے۔ فرمایا) اور اسی طرح ہم نے ہر ایک بستی میں اس کے قطع تعلق کرنے والے بد کاروں سے بڑے بنائے ہیں تاکہ وہ اس میں خفیہ تدبیریں کریں۔ حالانکہ وہ خفیہ تدبیریں اپنی ہی جانوں پر کرتے ہیں۔ اور سمجھتے نہیں۔

(یعنی جس طرح ہم نے مکہ میں اکابر المجرمین بنائے ہیں اسی طرح ہر ایک بستی میں بنائے ہیں۔ اور بستی بظاہر گو عام معلوم ہوتی ہے اور اس سے یہ نہیں پایا جاتا ہے کہ نبیؐ کے مقابل ایسے اکابر بنائے ہیں اور واقعہ کے لحاظ سے بھی یہ صحیح ہے کیونکہ خواہ کسی بستی میں نبی نہ بھی ہو تو بھی اس میں اکابر المجرمین ہوتے ہیں۔ لیکن مراد یہی ہے کہ نبیؐ کے مقابل کیونکہ صاف آیا ہے کہ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ[1] (فاطر:25) اور پھر اس کے بعد فرمایا ہے۔) اور جب ان کے پاس کوئی آیت آئی تو کہنے لگے ہم ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہمیں وہ کچھ دیا جائے جو کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے۔

(حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کے یہ معنے ہیں کہ یہاں تک کہ جبرائیلؑ ہمارے پاس آئے اور ہماری طرف وحی کی جاوے کہ محمدؐ سچا اللہ کا رسول ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر آیا ہے اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ قَبِيۡلًا[2] (بنی اسرائیل:93) اور مقاتلؒ نے کہا ہے کہ یہ آیت ابو جہل کے بارہ میں نازل ہوئی جبکہ اس نے کہا کہ بنی عبد مناف نے شرف

[1]۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں (خدا کی طرف سے) کوئی ہوشیار کرنے والا نہ آیا ہو۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) آمنے سامنے لا کھڑا کرے۔ (تفسیر صغیر)

میں ہماری یہاں تک مزاحمت کی ہے کہ جب ہم گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کی طرح ہو گئے تو وہ کہنے لگے ہم میں ایک نبی ہے کہ اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ لیکن واللہ ہم اس کو پسند نہ کریں گے اور نہ کبھی اس کے تابع ہونگے یہاں تک کہ ہماری طرف بھی وہی وحی ہو جیسی کہ اس کی طرف ہوتی ہے۔ اور ضحاک نے کہا ہے کہ قوم میں سے ہر ایک نے مانگا تھا کہ مخصوص بالرسالت والوحی ہو جائے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً[1](المدثر:53) اور بعض نے کہا ہے کہ ولید بن المغیرہ نے آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو کہا تھا۔ کہ اگر نبوت حق ہوتی تو پھر میں تجھ سے اس کا زیادہ حق دار ہوتا کیونکہ میں تجھ سے عمر میں بڑا اور مال و اولاد میں زیادہ ہوں تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لیکن الفاظ قرآنیہ کے مطابق زیادہ مناسبت ہے کہ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ رسالت ہی لی جائے۔ اور وحی وغیرہ جو اس کے لوازم ہیں۔ وہ خود ہی ساتھ آجاویں گے۔ تو اس کو یوں رد فرمایا کہ) اللہ اس جگہ کو بہت اچھا جاننے والا ہے جہاں وہ رسالت رکھتا ہے۔

ریاست کے اہل اخص الخواص

(یعنی رسالت ایسی چیز نہیں کہ ہر کس و ناکس اس کا مورد بن سکے بلکہ وہ نہایت ارفع اور افضل ترین انعام اور فضل ہے جس کے اہل اخص الخواص لوگ ہوئے۔ اور خداوند تعالیٰ یہ انعام نہ تو اندھا دھند دیتا ہے۔ اور نہ اس انتخاب میں اس کو غلطی لگتی ہے کہ لوگ اس کی تصحیح کر سکیں۔ تو جب انہوں نے خداوند تعالیٰ کے دیئے ہوئے نشانوں کی قدر نہ کی اور ان کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور بجائے عجز و انکسار کے حد سے بڑھ کر تکبر کیا اور سزا بالامثال کا قاعدہ جاری ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) جنہوں نے بدکاری کے ساتھ قطع تعلق کیا ہے یقیناً ان کو اللہ کی طرف سے ذلت اور سخت عذاب اس کے عوض پہنچے گا جو کہ وہ خفیہ تدبیریں کیا کرتے تھے۔

(یہاں پر بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ کہنا صاف بتاتا ہے کہ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا سے

[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں کھلی کتاب دی جائے۔ (تفسیر صغیر)

وہی اکابر المجرمین مراد ہیں۔ اور جب اس سے وہ مراد ہوئے تو پھر وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ سے بھی وہی مراد ہونگے۔ اس کے بعد ان اَوْلِيَاءِ الشَّيٰطِيْنِ اکابر المجرمین کا نشان و پتہ بتانے کے لئے فرمایا کہ جس طرح ان کی مد مقابل کی یہ جامع علامت ہے کہ) جس کو اللہ چاہتا ہے کہ اس کو ہدایت دے تو اسلام کے لئے وہ اس کی شرح صدر کر دیتا ہے۔ (یعنی سچی اور حقیقی فرمانبرداری کے لئے اس کا سینہ کھول دیتا ہے۔ اور وہ ہر رنگ میں اپنے مولیٰ کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔

شرح صدر کا طریق

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ شرح صدر کس طرح ہوتی ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ وہ ایک نور ہوتا ہے۔ جو کہ دل میں ڈالا جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ سے سینہ کھل جاتا ہے۔ پھر دریافت کیا گیا کہ اس کی علامت کیا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ دار خلود کی طرف جھک پڑنا اور دار غرور سے علیحدہ ہو جانا اور موت کے آنے سے پہلے ہی موت کے لئے تیاری کرنی۔

(تفسیر البغوی جزء 8 صفحہ 129 سورۃ الانعام، ادارہ تالیفات اشرفیہ پاکستان)

تو جس طرح مد مقابل کی یہ شناخت ہے اسی طرح ان کی علامت یوں بیان ہوتی ہے۔ کہ جس کو وہ چاہتا ہے۔ کہ اس پر گمراہی کا حکم لگائے تو وہ اس کے سینہ کو تنگ بند کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ بلندی میں چڑھ رہا ہے۔

مفسرین کے معنی

(مفسرین نے اس کے معنے دو طور پر کئے ہیں اوّل یہ ہے کہ جس طرح آسمان میں چڑھنا انسان سے نہیں ہو سکتا اسی طرح وہ ایمان بھی نہیں لا سکتے۔ دوم یہ کہ وہ ایمان سے اس قدر دور بھاگتے ہیں گویا کہ زمین کو چھوڑ کر آسمان پر جا رہے ہیں۔ اور یہ بتانے کے لئے ہم نے ظُلمًا ان کے ساتھ ایسا نہیں کیا اور نہ خصوصا انہی کے ساتھ ایسا کیا ہے بلکہ باوجود حق آنے اور اس کے بین ترین نشانات دیکھنے کے ایمان نہ لانے پر ہم نے ان کو یہ سزا دی ہے

اور جب کسی نے انبیاء علیہم السلام کے آنے پر ایسا کیا ہے اس کے ساتھ ہم نے ایسا ہی فرمایا کہ) اسی طرح اللہ ناپاکی ان پر ڈالتا ہے جو کہ ایمان نہیں لاتے۔ (یعنی یہ خباثت جو کہ ان کے دلوں پر پڑی ہے جس کے باعث سے ان کے دل اسلام اور حق سے ایسے تنگ اور بند ہو گئے وہ خباثت کوئی باہر سے نہیں آئی بلکہ نشانات دیکھ کر اور حجت قائم ہونے پر بھی ایمان نہ لانیکی خباثت ہی ان کے دلوں پر ڈالی گئی ہے۔ اور بس۔

مفسرین نے جب اس نکتہ اور حقیقت کو نہ سمجھا تو بعض نے رِجْس کے معنے عذاب کئے اور بعض نے خُذْلَانْ اور بعض نے بے فائدہ چیز اور بعض نے لَعْنَتٌ فِي الدُّنْيَا اور عَذَاب فِي الْاٰخِرَةْ کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ان کے اسلام کی نسبت اس قدر دل تنگ ہونے کی شناعت اور قباحت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔) اور یہ (اسلام) سیدھا ہوتے ہوئے تیرے رب کا راستہ ہے۔ یقیناً ہم نے ان لوگوں کے لئے نشانات مفصل بیان کر دیے ہیں جو کہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ (یعنی اوّل تو ہر ایک انسان کی یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ مجھے اپنے مقاصد کے حاصل کرنے کی سیدھی راہیں حاصل ہو جائیں۔ اور اسلام اور قرآن مجید دینی اور دنیوی سب مقاصد کی سیدھی راہ ہے اور سیدھی راہ بیان کرتا ہے۔ پھر کس طرح کوئی اس سے دل تنگ ہو سکتا ہے۔

رب العالمین اور احکم الحاکمین کی راہ کا اختیار کرنا

پھر لوگ علم والوں اور جان کاروں اور تجربہ کاروں کی بتائی ہوئی راہوں پر چلا کرتے ہیں اور ان کو اختیار کیا کرتے ہیں۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ ہے۔ پھر لوگ اس راہ کو زیادہ تر اور ضرور ہی اختیار کیا کرتے ہیں جو کہ حکام اور عظیم الشان اور حاجت روا لوگوں تک پہنچاتی ہو تو یہ راہ رب العالمین اور احکم الحاکمین کی راہ ہے اور اس تک پہنچاتی ہے۔ اس پر اس قدر بات رہ جاتی ہے کہ وہ کہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ صراط مستقیم یا رب العالمین کی راہ ہے یا ہمیں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا تو اس کے رد کرنیکے لئے یہ فرمادیا ہے کہ ہم نے نشان ان لوگوں کے لئے مفصل بیان کئے ہیں اور لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ کے ساتھ یہ سمجھایا ہے کہ ان کا انکار اسی وجہ سے ہے کہ یہ نصیحت پکڑنے والے نہیں۔

ھٰذَا کی بحث

حضرت ابن عباسؓ نے ھٰذَا کا اشارہ اسلام ہی کی طرف پھیرا ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے مَاجَاءَبِہِ الْقُرْاٰنُ کو مشار الیہ قرار دیا ہے۔ اور بعض نے مذکورہ بالا توفیق ایمان ملنے اور نہ ملنے کو مشار الیہ بتایا ہے۔ اور ان نصیحت پکڑنے والوں اور نہ پکڑنے والوں میں فائدہ اور نقصان کے لحاظ سے فرق بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) ان (نصیحت پکڑنے والوں) کے لئے اپنے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے۔

اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان کا حال

(جنت کا ایک نام دارالسلام ہے اور جو اس میں جائیں گے وہ من کل الوجوہ سلامتی میں رہیں گے) اور وہ ان کاموں کے سبب سے ان کا والی ہو گا جو کہ وہ کیا کرتے تھے (اور ان کے فریق مقابل اولیاء الشیاطین کا حال بیان کرنے کے لئے فرمایا) اور جس دن وہ ان (اولیاء الشیاطین اور ان کے شیاطین کو جمع کرے گا تو (وہ ان کو کہے گا) اور جنوں کے گروہ یقیناً تم نے انسانوں سے بہت لے لئے ہیں۔ (یعنی تم نے انسانوں سے بہت لوگوں کو اپنا اتباع بنالیا ہے۔ تو اس سوال جواب کا انجام یہ ہو گا کہ انسان خود قرار کریں گے) اور ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب ہم ایک دوسرے کے ساتھ فائدہ اٹھاتے رہے یہاں تک کہ ہم اپنی اس مقرر مدت کو پہنچ گئے جو کہ تو نے ہمارے لئے مقرر کی ہوئی تھی (تو اب یہ جن اس کا انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے ہم کو کچھ نہیں کہا۔ جیسا کہ دوسرے مقامات پر ان کا آپس کا تکرار مفصل بیان ہوا ہے تو جب وہ یہ کہیں گے) تو وہ فرمائے گا کہ آگ ہی تمہارا ٹھکانا ہے مدتوں اس میں رہنے والے ہو گئے۔ مگر جو اللہ چاہے۔

مفسرین کا کفار کے لئے ابدی جہنم کا قائل ہونا

(اور چونکہ عموماً مفسرین کفار کے لئے ابدی جہنم کے قائل ہیں جس کی انتہاء کبھی نہ ہو اس لئے ان کو یہ آیت کریمہ مشکل معلوم ہوئی ہے۔ تو پھر بعض نے توما کو بمعنے من لے کر معنے یہ کئے ہیں کہ سب کفار آگ میں ہمیشہ رہیں گے مگر جن کو اللہ نے چاہا تو وہ نہ رہیں

گے۔ اور کہا ہے کہ یہ نہ رہنے والے وہ ہیں جن کو خداوند تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ آیندہ ایمان لے آویں گے۔ اور لے بھی آئے تھے۔ تو اس صورت میں جن کفار کا پیچھے ذکر چلا آیا ہے۔ وہ مراد نہ ہونگے بلکہ وہ مراد ہونگے جو کہ اس آیت کے نازل ہونیکے وقت میں کافر تھے عام اس سے کہ وہ بعد ازاں کافر رہے یا اسلام لے آئے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ نہایت بعید اور بھدی تاویل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مَا سے مراد وقت ہے اور معنے یہ ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ مگر وہ وقت کہ اللہ چاہے گا اور کہا ہے کہ یہ وہ وقت ہے کہ ان کو جہنم کی آگ سے نکال کر زمہریر کی وادی میں داخل کیا جاوے گا۔ اور اس کے لئے ایک روایت بیان کی ہے جس میں آتا ہے کہ جہنمیوں کو جہنم سے نکال کر وادی زمہریر میں لیجایا جاویگا جس سے ان کے بند جدا ہو جاویں گے تو وہ تنگ آکر پھر چاہیں گے کہ ہم کو جہنم میں ہی واپس لایا جائے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْھَا۔ اور یا اس سے وہ وقت مراد ہے جو کہ اور روایت میں آیا ہے کہ اُن کے لئے جنت کے دروازے کھولے جاویں گے تو وہ جہنم سے نکل کر جب جنت کے دروازوں کے قریب آویں گے تو وہ بند ہو جاویں گے تو یہ وقت مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جو کہ دخول جہنم سے پہلے گذرا ہے اور معنے یہ ہیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کی جگہ جہنم ہے مگر یہ چند ایام دنیا جن میں وہ باہر رہیں گے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن ہمارے مذہب پر جو کہ بارہا بیان ہو چکا ہے کوئی مشکل نہیں رہی بلکہ یہ آیت کریمہ اس کی موید اور مثبت ہے اور چونکہ اکثر عنید اور جاہل لوگ اس دوسرے جہان کی چیزوں پر اور اس جہان کی چیزوں پر اعتراض کیا کرتے ہیں یا کم از کم قبل از وقت ان کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہونا چاہتے ہیں۔ اور پھر خصوصیت سے وہاں کی سزا پر یہ بھی خیال گذرتا ہے کہ سزا کا اصل منشاء تو یہ ہوتا ہے کہ آئندہ وہ شخص یا جن کو اس کا علم ہوا ہے جرم کے ارتکاب سے باز رہیں۔ اور چونکہ وہ جہان دار ابتلاء نہیں ہے۔ اس لئے وہاں پر یہ غرض متصور نہیں ہو سکتی اور پھر سزا محض لغو ہو گی۔

اس جہاں کی سزا کی اصل غرض

جس کا تفصیلی جواب دوسرے مقامات پر دیا گیا ہے کہ اس جہان کی سزا کی اصل

غرض تطہیر ہو گی جس کے حکمت بالغہ پر مشتمل ہونے کے علاوہ رحم و کرم کے متضمن ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے لہٰذا یہاں پر اس کے بعد یہ فرمایا کہ) بیشک تمہارا رب بہت حکمت والا خوب جاننے والا ہے۔

(اور حکیم و علیم کے قول و فعل پر بجز جاہل کے دوسرا معترض نہیں ہو سکتا گو اس کو اس کی حکمت کا علم نہ بھی ہو۔ اور اس کے بعد شیطانوں کی تولیت کی وجہ بتا کر اس سے بچنے کا گر سمجھایا جاتا ہے تا کہ اس سے بچ سکیں اور اس میں مبتلا ہو کر اس کی شدید ترین سزا کے مستحق نہ ہوں۔ فرمایا) اور اسی طرح (یعنی جس طرح مذکورین پر شیطانوں کو والی بنایا ہے اسی طرح) بعض ظالموں کو بعض کا والی بناتے ہیں اس کے سبب سے جو کہ وہ کمایا کرتے تھے۔ (یعنی ظلم کا ارتکاب ہی اس کا سبب ہے کہ ان کے دوست اور ان پر قابو رکھنے والے اور اپنے منشاء کے مطابق ان کو چلانیوالے بھی ظالم لوگ ہی ہیں۔ خواہ جنوں سے یا انس سے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ وَمِنْھُمْ بِرَحْمِہٖ وَکَرَمِہٖ وَفَضْلِہٖ وَمَنِّہٖ[1]۔)

[1]۔ اللہ ہمیں بچائے اس سے اور ان سے اپنے رحم کے ساتھ اور کرم کے ساتھ اور فضل کے ساتھ اور احسان کے ساتھ۔ (از مرتب)

آیات 131 تا 141: يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ يَقُصُّوۡنَ عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِىۡ وَ يُنۡذِرُوۡنَكُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا قَالُوۡا شَهِدۡنَا عَلٰٓى اَنۡفُسِنَا وَ غَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَ شَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ۔ ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّ اَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ۔ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعۡمَلُوۡنَ۔ وَ رَبُّكَ الۡغَنِىُّ ذُو الرَّحۡمَةِ اِنۡ يَّشَاۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَ يَسۡتَخۡلِفۡ مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنۡ ذُرِّيَّةِ قَوۡمٍ اٰخَرِيۡنَ۔ اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ وَّ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ۔ قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ۔ وَ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَ الۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ وَ هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَ مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ۔ وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَ لِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ فَذَرۡهُمۡ وَ مَا يَفۡتَرُوۡنَ۔ وَ قَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّ حَرۡثٌ حِجۡرٌ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَ اَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَ اَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ۔ وَ قَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا وَ اِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ

سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

مَعْشَرٌ۔ جماعت اور اہل اور جن وانس۔

يَقُصُّوْنَ۔ قِصٌّ سے ہے۔ بیان کرنا۔

يُنْذِرُوْنَ۔ اِنْذَارٌ سے ہے۔ ڈرانا۔

لِقَاءٌ۔ ملاقات۔

غَرَّتْ۔ غُرُوْرٌ سے ہے۔ دھوکا دینا۔

قُرٰى۔ قَرْيَةٌ کی جمع ہے۔ بستی۔ حضرت خلیفہ المسیح علیہا السلام نے ایک دفعہ فرمایا ہے کہ قَرْيَةٌ قِرٰی سے ماخوذ ہے جس کے معنے مہمانی کے ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ گاؤں کے لوازم سے مہمان نوازی بھی ہے۔

دَرَجٰتٌ۔ دَرَجَةٌ کی جمع ہے۔ مرتبہ۔

غَنِيٌّ۔ غِنَاءٌ سے ہے۔ بے نیاز اور غیر محتاج ہونا۔

ذُوْ بمعنے والا۔

يَسْتَخْلِفَ۔ اِسْتِخْلَافٌ سے ہے۔ خلیفہ بنانا اور قائم مقام کرنا۔

اَنْشَاَ۔ اِنْشَاءٌ سے ہے۔ پیدا کرنا۔

تُوْعَدُوْنَ۔ وَعْدٌ یا وِعْدٌ یا عِدَةٌ سے ہے۔ اچھا وعدہ۔ عذاب کا وعدہ۔ مطلق وعدہ۔

اٰتٍ۔ اَتٰی سے ہے، آنا۔

مُعْجِزِيْنَ۔ مُعْجِزٌ کی جمع ہے۔ جو کہ اعجاز سے ہے جس کے معنے ایسے بھاگ جانے کے ہیں کہ پیچھا کرنیوالے کو پکڑنے نہ دے۔ اور مطلق کسی امر سے عاجز کر دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

مَکَانَۃٌ کے معنے تمکن اور قدرت حاصل کرنے اور مکان کے ہیں اور ابن عباسؓ نے اس کو بمعنے ناحیہ اور جانب اور کنارہ کے کہا ہے۔ سوف کے معنے اکثر تو آئندہ کے ہوتے ہیں اور کبھی بمعنے تاکید اور تحقیق کے ہوتا ہے۔

عَاقِبَۃٌ بمعنے انجام اور مآل کے ہے۔

یُفْلِحُ۔ اِفْلَاحٌ سے ہے۔ نقصان سے بچنا اور کامیاب اور مظفر و منصور ہونا۔

ذَرَأَ۔ ذَرْأٌ سے ہے۔ پھیلانا۔

حَرْثٌ کھیتی۔ اَنْعَام چارپائے۔ نَصِیْب حصہ۔

زَعْمٌ خیال اور کہنا۔ شُرَکَاء۔ شریک کی جمع ہے۔

لِیُرْدُوْا۔ یُرْدُوْنَ تھا اِرْدَاءٌ سے ہے۔ ہلاک کرنا اسی طرح یَلْبِسُوْا۔ یَلْبِسُوْنَ تھا لُبْسٌ سے ہے خلط کرنا۔

ذَرُوْ۔ ذَرٌّ سے ہے۔ چھوڑنا۔

حِجْرٌ مَمْنُوْع یہ فعل کا وزن بمعنے مفعول آیا کرتا ہے جیسا ذبح بمعنے مذبوح اور اس میں مذکر و مؤنث اور واحد و تثنیہ و جمع برابر ہوتے ہیں۔ اور یا حِلْمٌ کی طرح مصدر بمعنے منع ہے۔

یُطْعِمُ۔ طَعْمٌ سے ہے۔ کھانا۔

ظُھُوْرٌ۔ ظَھْرٌ کی جمع ہے۔ پیٹھ وصف بیان کرنا اور صفت کرنا۔

سَفَہٌ کم عقلی اور بے وقوفی۔

ترجمہ:

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے جو کہ تم پر میری آیتیں بیان کرتے اور تم کو تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی۔ اور نزدیک زندگی نے ان کو دھوکہ دیا۔ اور انہوں نے اپنی جانوں پر گواہی دی کہ یقیناً وہ کافر تھے۔ یہ اس لئے کہ (بات تو یہ ہے) کہ تمہارا رب یقیناً ظلم کے ساتھ بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ہے حالانکہ اس کے رہنے والے غافل ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے اس سے مرتبے ہیں جو کہ انہوں نے کیا ہے۔ اور

تمہارا رب اُس سے ہر گز غافل نہیں ہے جو کہ وہ کرتے ہیں۔ اور تمہارا رب ہی (سب سے) بے نیاز (اور) رحمت والا ہے۔

اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے جانشین بنائے۔ جیسا کہ اس نے تم کو اور لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا ہے۔ بے شک جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا ہے وہ یقیناً آنے والا ہے۔ اور تمہاری شان سے نہیں کہ تم (اس سے) بھاگنے والے ہو۔ تم کہو او میری قوم تم اپنی جگہ (قدرت) پر کام کرو میں بھی ضرور کام کرنے والا ہوں۔ سو تم یقیناً جان لوگے کہ کس کے لئے اس گھر کا (اچھا) انجام ہے۔ ٹھیک بات تو یہ ہے کہ ظالم لوگ مظفر نہیں ہوتے۔ اور انہوں نے ان کھیتیوں اور مویشیوں سے اللہ کے لئے حصہ بنایا ہے جن کو اس نے پھیلایا ہے۔ پھر کہا کہ یہ اللہ کے لئے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔ سو جو ان کے شریکوں کے لئے ہے وہ اللہ کو نہیں پہنچتا۔ اور جو اللہ کے لئے ہے تو وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ کیا ہی بُرا ہے جو وہ فیصلہ (یا حکم) کرتے ہیں۔

اور اسی طرح بہت بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا خوبصورت کر دکھایا ہے تا کہ وہ ان کو ہلاک کریں اور تا کہ ان پر ان کا دین خلط ملط کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ اس کو نہ کرتے۔ سو تم ان کو اس کے ساتھ چھوڑ دو جو کہ وہ افتراء کرتے ہیں۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں۔ ان کو کوئی نہ کھائیگا مگر وہ جسکو ہم چاہیں (یہ) ان کے خیال کے مطابق ہے۔ اور کچھ مویشی ہیں کہ ان کی پیٹھیں حرام کی گئی ہیں۔ اور کچھ مویشی ہیں کہ ان پر اللہ کا نام نہیں ذکر کرتے۔ اس پر افتراء کر نیکے لئے۔ ضرور وہ ان کو اس کی سزا دیگا کہ یہ ہمیشہ افتراء کرتے تھے۔

اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ ان مویشی کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہمارے جوڑوں پر حرام کیا ہوا ہے۔ اور اگر وہ مردہ ہو تو وہ سب اس میں شریک ہیں۔ ضرور اللہ ان کو ان کے بیان کرنے کی سزا دیگا۔ بے شک وہ بڑی حکمت والا بہت جاننے والا ہے۔ ضرور انہوں نے گھاٹا پایا جنہوں نے بے وقوفی سے بے علمی کے ساتھ اپنی اولاد کو قتل کیا ہے اور اللہ پر افتراء کرنے کے لئے اس کو حرام کیا جس کو اللہ نے ان کو دیا تھا۔ یقیناً وہ بہک گئے اور وہ ہدایت پانیوالے نہ ہوئے۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

جب پہلے ظالم اور شریروں کے اولیاء الشیاطین بننے اور ظالموں کے ایک دوسرے کے والی ہونے کا ذکر ہوا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا جاتا تو یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر تو وہ معذور ہیں لہٰذا ان کی تشنیع بیان ہونی چاہئیے اور نہ ہی ان کو کوئی عذاب دینا چاہئے۔ اور اسی طرح اگر انتظام کیا گیا ہو اور اس کی طرف بڑی شد و مد کے ساتھ بلایا بھی گیا ہو اور پھر انہوں نے نہ کیا ہو تو اس صورت میں وہ زیادہ قابل ملامت و مستحق تشنیع و عذاب ہوتے ہیں تو اس سوال کے دفع کرنے اور ان کے زیادہ قابل ملامت و مستحق تشنیع و توبیخ اور مستوجب سزا اور عذاب بتانے کے لئے اس کے بعد فرمایا) او جنوں اور انسانوں کی جماعت کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے جو کہ تم پر میری آیتیں پڑھتے اور وہ تم کو تمہاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی جانو پر گواہی دی ہے (کہ بے شک ہمارے پاس رسول آئے تھے اور انہوں نے ہم پر الٰہی آیتوں کو پڑھا تھا اور اس دن کے ملنے سے ڈرایا تھا۔

مفسرین کا طرز تفسیر

مفسرین کی جیسی عادت ہے کہ جس طرح اَلسَّاعَۃ سے خاص قیامت ہی لیتے ہیں اسی طرح جہاں کہیں عذاب یا یَوۡمُ الۡعَذَابِ کا ذکر ہو تو اس سے بھی عذاب اخروی اور یَوۡمُ الۡآخِرَۃِ ہی لیا کرتے ہیں۔ سو یہاں پر بھی یَوۡمِکُمۡ ھٰذَا سے یَوۡمُ الۡآخِرَۃِ ہی لیا ہے اور جو عذاب یہاں سے مفہوم ہوتا ہے اس سے بھی عذاب اُخروی ہی مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ یہ سوال ان سے آخرت کے دن کرے گا اور اسی دن وہ یہ جواب دیں گے اور کہا ہے کہ قَالُوۡا اور شَھِدۡنَا بلفظ ماضی محض تحقق پر اور ان کے یقینی ہونے پر آگاہ کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔

لیکن جیسا میں نے بارہا بتایا ہے کہ ایسی چیزیں قیامت کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتیں بلکہ ہر ایک عذاب اور ہر ایک عذاب کی گھڑی اور دن مراد ہے خصوصاً وہ عذاب اور اس کا وقت جو انبیاؑء کے عنید دشمنوں پر ان کی تکذیب آیات اللہ اور تکذیب رسل اور بے حد

شوخی کی وجہ سے نازل ہوا کرتا ہے اور اس میں وہ قیامت کا عذاب بھی آجاتا ہے۔ اور دنیا میں بھی جب شریروں پر عذاب آیا کرتا ہے تو ان کی تکمیل عذاب کے لئے خداوند تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو توفیق دیتا ہے کہ وہ ان سے یہ سوال کریں۔

فطرت اور حالت کو سوال وجواب کے ساتھ تعبیر کرنا

اور بعض مواقع میں ان کی فطرت اور حالت ہی کو سوال وجواب کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے آیہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى[1] (الاعراف:173) کے متعلق فصل الخطاب وغیرہ میں فرمایا ہے اور شَهِدْنَا کو بلفظ ماضی لاکر یہ بتایا ہے کہ وہ ظاہر کریں گے ہم سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے رنگ رابیں حال رامپرس[2] کیونکہ اس حالت میں ہونا ہی اس کی شہادت دیتا ہے اور دے چکا ہے کہ ضرور ہم میں سے اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے اور انہوں نے اللہ کی آیتیں بیان کیں پر ہم نے ان کی تکذیب کی کیونکہ خداوند تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا[3] (بنی اسرائیل:16) اور گویہ سوال و جواب دنیا میں یا قیامت کے دن ہو بہر حال اس سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے رسول بھیج کر ان کے بچانے کا ضرور انتظام کیا ہے جس کا آخر اُن منکرین کو بھی اقرار کرنا پڑے گا پر اُس وقت کا اقرار کچھ فائدہ نہ بخشے گا۔ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے اس کی وجہ بتانے کے لئے کہ جب بالآخر وہ اقرار کریں گے تو پھر انہوں نے پہلے کیوں رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی۔ فرمایا) اور نزدیک زندگی نے ان کو دھوکا دیا (تب ہی انہوں نے دوسری زندگی اور الٰہی عذاب کو بالکل بھلا دیا اور رسولوں کی تکذیب کی اور سختی سے بدیوں کا ارتکاب کیا اور اسی وجہ سے آخر یہ عذاب میں گرفتار ہوئے) اور اپنی جانوں پر گواہی دی کہ بے شک ہم کافر تھے۔

---

[1] ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں! ہاں! (تفسیر صغیر)

[2] ۔ رنگ دیکھو حال نہ پوچھو۔ (از مرتب)

[3] ۔ اور ہم (کسی قوم پر) ہرگز عذاب نہیں بھیجتے جب تک (ان کی طرف) کوئی رسول نہ بھیج لیں۔ (تفسیر صغیر)

شَهِدْنَا کی تفسیر

(جب اس کی وجہ بیان ہو گئی تو ان کے شَهِدْنَا کہنے کی تفسیر اور وجہ بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہ (اس طرح ہے) کہ تیرے رب کی شان سے نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے اور ان کے رہنے والے غافل ہوں (یعنی شہادت دینا اس طور پر ہے کہ ان کی بستیاں عذاب سے ہلاک ہو رہی ہیں اور خداوند تعالیٰ جو کہ بندوں کی ربوبیت کرنے والا ہے اس کی شان سے بالکل بعید بلکہ محال ہے کہ یوں ہی ظلم کے ساتھ ان کو ہلاک کرے۔ کیونکہ اگر ان کے پاس رسول آکر ان کو حق و باطل سے آگاہ نہ کرتے اور ان کو یہ نہ بتاتے کہ فلاں طریق اختیار کرنے سے تم پر عذاب نازل ہو گا اور وہ بالکل بے علم اور غافل ہوتے اور پھر اسی حالت میں خداوند تعالیٰ ان پر عذاب بھیج دیتا تو یقیناً یہ ظلم ہوتا اور وہ علاوہ اپنی سبوحیت اور قدوسیت کے رب ہونے کی وجہ سے بھی ظلم علی العباد سے منزہ اور پاک ہے۔ اور چونکہ شَهِدْنَا سے دنیوی عذاب مراد تھا جیسا کہ ماضی کی وجہ میں ہم نے بیان کیا ہے تو اس کی تعیین اور تصریح کرنے کے لئے یہاں پر بعثت رسل سے پہلے خاص عذاب دنیوی کی نفی فرمائی ہے اعنی اهلاك القریٰ کی حالانکہ دوسرے مقام پر بعثت رسل سے پہلے مطلق عذاب کا ممتنع ہونا بیان فرمایا ہے جہاں فرمایا ہے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

بِظُلْمٍ کے معنی

اور بِظُلْمٍ کے ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ظلم سے ان لوگوں کا ظلم لیا جائے اور باء کے وہی معنے ہوں جو کہ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ[1] (الاعراف:163) بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ[2] (یونس:71) بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ[3] (البقرۃ:60) میں ہیں اور معنے یہ کئے جائیں کہ تیرے رب کی شان سے نہیں کہ وہ بستیوں کو (ان کے) ظلم کے بدلے ہلاک کرے اس حال میں کہ ان کے رہنے والے غافل ہوں۔ اور رسولوں نے آکر ان کو نہ ڈرایا اور نہ متنبہ کیا ہو۔

---

[1]۔ ان کے ظلموں کی وجہ سے۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے (چلے جاتے) ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ ان کے نافرمان ہونے کے سبب سے۔ (تفسیر صغیر)

اور پہلے معنوں سے جس طرح خداوند تعالیٰ کے قبل ایتان الرسل عذاب نہ دینے کی وجہ ساتھ ہی بیان ہو جاتی ہے ان معنوں سے ویسی نہیں پائی جاتی۔

ذٰلِكَ کا اشارہ

اور مفسرین میں سے بعض نے ذٰلِكَ کا اشارہ مذکور کی طرف کر کے یوں معنے کئے ہیں کہ یہ اس لئے ثابت ہے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں اور وہ غافل ہوں یعنی اگر خداوند تعالیٰ کا قبل ارسال الرسل عذاب دینا ممتنع نہ ہوتا تو پھر نہ تو ان کو مذکورہ توبیخ ہو سکتی اور نہ وہ اپنی جانوں پر انبیاء کے آنے اور عذاب کے واجب ہونے کی شہادت دیتے۔

معترضین کے لئے خدا تعالیٰ کا جواب

اور چونکہ ایسی سزاؤں پر عموماً نادان لوگ اس قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر فلاں امر مثل تکذیب آیات اللہ یا تکذیب رسل اس سزا کی موجب ہوئی ہے تو پھر فلاں بھی مکذب ہیں ان کو یہ سزا کیوں نہیں ملی اور کبھی یہ کہ کیا وجہ ہے کہ دونوں ایک ہی قسم کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں مگر ایک کو فلاں سخت سزا دی گئی ہے اور دوسرے کو اس کی نسبت بہت ہلکی سزا ملی ہے وعلیٰ ھذا القیاس تو خداوند علیم نے ذکر سزا کے بعد ایسے اعتراضوں کے دفع کرنے کیلئے فرمایا) اور ہر ایک کے لئے اس سے درجے ہیں جو کہ انہوں نے کیا ہے (سو بعض اوقات ایک کی بد عملی اس درجہ تک نہیں پہنچتی کہ نزول عذاب کو واجب کر دے اس لئے ابھی توقف ہوتا ہے اور نادان اس کے نہ جاننے کی وجہ سے مجرد صدور جرم پر نظر کر کے اعتراض کر دیتا ہے۔

اسی طرح بعض اوقات دو شخصوں کے عملوں میں درجات کا فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی سزاؤں میں بھی فرق رکھا جاتا ہے اور اس کے نہ جاننے کے باعث نادان اعتراض کر دیتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ کی شان یہ ہے (اور تیرا رب اس سے غافل نہیں جو کہ وہ کرتے ہیں) پھر وہ لوگ جو کہ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ[1] (الانفال:49) کا مصداق ہوتے ہیں وہ عموماً اپنی خوبی اور عظمت وغیرہ کو مد نظر رکھ کر اپنے آپ کو عذاب الٰہی

[1]۔ شیطان نے کافروں کو ان کے اعمال اچھے کر کے دکھائے۔ (تفسیر صغیر)

سے بری اور مستثنیٰ خیال کر لیتے ہیں جیسا کہ یہود کا حال بیان ہوا ہے یا سادات کا حال ہم بچشم خود ملاحظہ کر رہے ہیں اور بعض اس تاخیر سے اپنے آپ کو رہائی یافتہ تصور کر لیتے ہیں کہ وہ خوب پیٹ بھر کر بدی اور شرارتیں کرتے ہیں اور اس پر مدت گذر جاتی ہے اور سزا کوئی نہیں ہوتی۔

مامور پر لفظی ایمان کافی نہیں

اسی طرح بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کر لیتے ہیں کہ مامور پر ایمان لفظی لانا یا اس کے ساتھ ہو لینا ہی کافی سمجھ کر جزا اور پکڑ سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ والے مصری بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا تو ان خیالات کی تردید کرنے کے لئے فرمایا) اور تیرا رب (گو رب العالمین ہونے کی وجہ سے بڑی بڑی پرورش اور عظیم الشان احسانات بھی فرماتا ہے لیکن وہ رب ہونے کے علاوہ) کامل بے نیاز (ہونے کی وجہ سے کسی شریر اور بدکار کی بڑائی وغیرہ کی پروا بھی نہیں کرتا اور الغنی ہونے کے لحاظ سے اگرچہ وہ مجرم کی بڑائی کی پرواہ نہیں کرتا پر وہ) رحم والا ہے (جس کی وجہ سے بہت سا وہ معاف بھی کرتا اور ایک وقت تک درگذر بھی کرتا ہے اور اسی غناء ذاتی کے باعث) اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔

مَنْ کی جگہ مَا لانے میں حکمت

(اور مَنْ جو کہ ذوی العقول کے لئے آیا کرتا ہے اس کی جگہ مَا کا لفظ لا کر جو کہ غیر ذی عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے لا کر یہ بتایا ہے کہ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ اگر اس کی حکمت چاہے اور اس کی مشیت ہو تو تم عقلمندوں کو ہلاک کر کے تمہارے جانشین بے عقلوں اور ناسمجھوں کو بنا دے۔ اور اس کی نظیر پیش کرنے کے لئے فرمایا کہ) جیسا کہ تم کو اور لوگوں کی ذریت سے پیدا کیا ہے۔

قوم آخرین سے مراد

(مفسرین نے لکھا ہے کہ قوم اٰخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ حضرت نوحؑ کے

ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے اور آخرین ہونے سے یہ مقصد ہے کہ گو تم ان کی حالت اور صفت پر نہیں رہے جس سے لازم تھا کہ تم بھی ضرور ہلاک کیا جاتا جیسا کہ طوفان میں ان کے مخالفین کو ہلاک کیا گیا تھا لیکن محض خاتم النبیین کی وجہ سے تم پر یہ خاص رحم کیا گیا ہے جیسا کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ [1] (الانفال:34) میں آیا ہے۔ لیکن اصل مطلب یہی ہے کہ جس طرح اب جزیرۂ عرب سے مشرکین کو اٹھا کر تم کو اے اہل اسلام ان کا جانشین بنایا گیا ہے اسی طرح تم بھی اگر موسیٰؑ کے ساتھ والے مصری بنی اسرائیل کی طرح لسانی ایمانی اور ظاہری معیت رسول پر اکتفاء کر کے نافرمانی پر جری ہو گے تو پھر تم کو لے جا کر کسی اور قوم سے یہ کام لینا خداوند تعالیٰ پر کچھ دشوار نہ ہو گا۔

عذاب سے لاپرواہ لوگوں کے لئے وحید

اور چونکہ بعض انسان اس لئے لاپرواہ رہتے ہیں کہ تاخیر عذاب کو دیکھتے دیکھتے یہ تصور کر لیتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے سب وعید محض ڈرانے کے لئے سنائے گئے ہیں نہ یہ کہ حقیقت میں ان کے مطابق عذاب نازل ہو گا تو اس کے دفعیہ کے لئے فرمایا کہ) جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ یقینا آنے والا ہے اور تم اس سے بھاگ جانے والے نہیں ہو۔ (اور چونکہ فریقین کا آخر اسی پر فیصلہ ہونے والا تھا اس لئے تحدی کرنے کے لئے فرمایا کہ) تو کہہ دے او قوم تم اپنے مرتبہ (یا طاقت) پر کام کرو میں (بھی) یقیناً کرنے والا ہوں۔

سو تم یقیناً جان لو گے کہ اس گھر کا انجام کس کے لئے ہوتا ہے (اور فیصلہ کے لئے یہ سنت اللہ بتائی کہ) بے شک ظالم لوگ مظفر و منصور نہیں ہوا کرتے (اس کے بعد ان کے ظلموں کے ثبوت کے لئے ان کے ظلم کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔

ظلم کے معنی

لیکن چونکہ ظلم کمی کرنے اور وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ [2] کو کہتے ہیں تو گو عرف عام میں

[1] ۔ لیکن اللہ انہیں اس حالت میں عذاب نہیں دے سکتا تھا جب کہ تو ان میں تھا۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ کسی چیز کو اس کی مقررہ جگہ کے علاوہ کہیں رکھنا۔ (از مرتب)

زیادہ تر اس کا استعمال خلق اللہ کی حق تلفی میں ہوتا ہے لیکن ان معنوں کے لحاظ سے فرد کامل اس کا شرک ہی ہو سکتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ [1] (لقمان:14) لہٰذا اوّل نمبر پر ان کا یہ ظلم ذکر فرمایا) اور انہوں نے اس کھیتی اور ان مویشی سے اللہ کے لئے کچھ حصہ ٹھہرایا ہے جن کو اس نے پھیلایا ہے۔

پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے (پر حقیقت میں وہ اللہ کے لئے نہیں ہوتا کیونکہ وہ غیر کو شریک کرتے ہیں اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں سب شریکوں سے بڑھ کر غنی ہوں لہٰذا جو میرا حصہ قرار دیا جاتا ہے میں وہ بھی دوسرے شرکاء کو دے دیتا ہوں۔
(صحیح مسلم کتاب الزھد باب تحریم الریاء حدیث (2985))

بلکہ یہ محض) ان کے زعم میں۔ اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔ پھر جو ان کے شریکوں کے لئے ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا۔ اور جو اللہ کے لئے ہے سو وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچتا ہے۔ کیا ہی برا ہے جو وہ حکم کرتے ہیں۔

مفسرین کی روایات

(مفسرین نے ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین عرب کھیتی وغیرہ کچھ اجزاء اللہ کے لئے مقرر کرتے اور کچھ اپنے بتوں کے لئے تو جو بتوں کے لئے ہوتا اس کی حفاظت کرتے اور ضرور اس کو پورا کرتے چنانچہ جو اللہ کے حصہ سے گرتا تو اس کو بتوں کے حصہ میں داخل کر لیتے وغیر ذالک اور کہا ہے کہ ان کے اسی غیر معقول عمل کو نقل فرمایا ہے۔ اس ظلم کے فرد کامل کے بعد ان کے عرفی ظلم کی یہ مثال بیان فرمائی) اور اسی طرح ان کے شریکوں نے ان کے لئے ان کی اولاد کا قتل کرنا خوبصورت کر دکھایا تا کہ وہ ان کو ہلاک کریں اور تا کہ وہ ان پر ان کا دین مخلوط کر دیں۔

(مفسرین نے شرکاء سے یہاں پر بجائے بتوں کے جن اور شیطان لئے ہیں اور یا بتوں کے پجاری اور مجاور اور کہا ہے کہ ان کو شرکاء اسلئے کہا ہے کہ وہ ان کے مالوں میں شریک

[1] ۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (تفسیر صغیر)

ہوتے ہیں۔ لیکن جب خداوند تعالیٰ کے حکم کے بالمقابل ان کے احکام کی براہ راست پیروی کرتے تھے تو پھر ان کے شرکاء ہونے میں کسی تاویل کی کون سی ضرورت باقی ہے۔ اور اس کے بعد یہ سمجھانے کے لئے کہ وہ ان ظلموں پر ایسے مصر ہیں کہ بجز جبر واکراہ کے کسی طرح ان کو چھوڑنے والے نہیں ہیں فرمایا) اور اگر اللہ چاہتا (کہ وہ نہ کریں) تو وہ نہ کرتے (لیکن ایسا جبراً روکنا کچھ ثمرہ نہیں رکھتا۔ تو جب یہ حال ہے تو پھر ان کو ان کے افتراء کے ساتھ چھوڑ دو (اس کے بعد یہ دکھانے کے لئے کہ ان کے دونوں قسم کے ظلم مذکورہ دونوں مثالوں پر منحصر نہیں فرمایا) اور انہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ان کو وہی کھائیگا جس کو ہم چاہیں گے۔

(مفسرین نے نقل کیا ہے کہ اس سے ان کی مراد مرد اور بتوں کے مجاور ہیں یعنی ان جانوروں وغیرہ کا کھانا بجز مردوں کے عورتوں کے لئے درست نہیں ہے یا اُن مجاوروں کے سواء اوروں کے لئے جائز نہیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ یہ ممانعت کوئی حقیقت میں نہ تھی بلکہ یہ) ان کا زعم ہے۔ اور یہ (اور) مویشی ہیں جن کی پیٹھیں حرام کی گئی ہیں (لہٰذا ان پر کوئی سوار نہیں ہو سکتا) اور (اسی طرح اور) مویشی ہیں کہ جن پر وہ اللہ کا نام ذکر نہیں کرتے (سو یہ سب کچھ محض) اللہ پر افتراء کرنے کے لئے (کہتے ہیں۔ سو ضروری ہے کہ یہ لگ مفتریوں کی سزا پائیں) یقیناً ان کو اس کی سزا دیجاوے گی جو کہ یہ افتراء کرتے ہیں۔

اور انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ ان مویشی کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام کیا ہوا ہے۔ اور اگر وہ مردہ ہو تو پھر وہ (دونوں) اس میں شریک ہیں (یعنی مویشی کا حمل بتوں پر چڑھایا جاتا سو اگر وہ زندہ پیدا ہوتا تو پھر وہ مردوں کیلئے مخصوص ہوتا اور عورتوں پر اس کا کھانا حرام سمجھا جاتا لیکن اگر وہ مردہ پیدا ہوتا تو پھر عورت اور مرد دونوں اس میں مساوی ہوتے۔ اور چونکہ یہ بھی محض افتراء ہے لہٰذا فرمایا کہ) یقیناً وہ ان کو ان کے بیان کی سزا دیگا (کیونکہ) یقیناً وہ بہت حکمت والا بہت جاننے والا ہے (جو کہ نہ ایسے احکام دیا کرتا ہے اور نہ حکیم و علیم کی شان سے ہے کہ ایسے افتراؤں پر بھی کچھ سزا نہ دے۔

مشرکین کی خرابیوں کا بیان

اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یہ ان کے کام ایک ظلم ہی نہ تھے بلکہ وہ اور بھی بہت سی خرابیوں پر مشتمل تھے جن کی وجہ سے ہر ایک عقلمند کو ضرور ہی ان کو ترک کرنا لازم ہونا چاہئے لیکن انہوں نے پھر بھی راہ راست اختیار نہ کیا۔ فرمایا کہ) یقیناً ان لوگوں نے گھاٹا پایا جنہوں نے اللہ پر افتراء کرنے کے لئے نادانی سے بے خبری کے ساتھ اپنی اولاد کو قتل کیا اور اس کو حرام کیا جو کہ اللہ نے ان کو دیا تھا (اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ان دونوں امروں میں صریح خسارہ بھی ہے اور افتراء علی اللہ بھی ہے۔ اور ان کے علاوہ) یقیناً وہ گمراہ ہوئے (تو اب اگر ان کو ذرہ بھر بھی عقل ہوتی تو راہ راست پر آتے لیکن) وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

آیت 142 تا 145: وَ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّ غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّ النَّخۡلَ وَ الزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُهٗ وَ الزَّیۡتُوۡنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیۡرَ مُتَشَابِهٍ کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَ اٰتُوۡا حَقَّهٗ یَوۡمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسۡرِفُوۡا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ. وَ مِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّ فَرۡشًا کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ اِنَّهٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ. ثَمٰنِیَةَ اَزۡوَاجٍ مِنَ الضَّاۡنِ اثۡنَیۡنِ وَ مِنَ الۡمَعۡزِ اثۡنَیۡنِ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ نَبِّئُوۡنِیۡ بِعِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ. وَ مِنَ الۡاِبِلِ اثۡنَیۡنِ وَ مِنَ الۡبَقَرِ اثۡنَیۡنِ قُلۡ ءٰٓالذَّکَرَیۡنِ حَرَّمَ اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡهِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ وَصّٰىکُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ.

تشریح الفاظ:

جَنَّاتٌ۔ جَنَّةٌ کی جمع ہے، باغ جو کہ انگوروں کے باغ کو بھی شامل ہے۔

مَعۡرُوۡشَاتٌ۔ مَعۡرُوۡشَةٌ کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں عریش پر چڑھائی ہوئی اور عریش چھپر اور چھتر کو کہتے ہیں۔

اُکُلُ بمعنے مَا کُوۡلٌ ہے اور یہاں پر پھل مراد ہے۔

زَیۡتُوۡنٌ۔ کھوکا درخت جس کے دانوں سے زیتون تیل نکالا جاتا ہے۔

رُمَّانٌ۔ انار۔

مُتَشَابِهٌ۔ تَشَابُهٌ سے ہے، رلتا ملتا۔

اَثْمَرَ۔ اَثْمَارٌ سے ہے، پھل لانا۔
حَصَادِ۔ فصل کا کاٹنا۔
لَاتُسْرِفُوْا۔ اِسْرَافٌ سے ہے، بے جا صرف کرنا۔
حَمُوْلَةً۔ لادو جانور اور اس کا مفرد نہیں پایا گیا۔
فَرْشٌ۔ وہ جانور جو کہ ذبح کے لئے لٹائے جاتے ہیں۔ یہی معنے ابو مسلم اور ربیعؒ سے مروی ہیں۔ اور جبائی نے کہا ہے کہ وہ جانور کہ جن کی پشم سے فرش بنایا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حَمُوْلَه وہ بڑے جانور جو کہ لادنے کے قابل ہوں اور فرش وہ چھوٹے جانور جو کہ فَرْشٌ کی مانند زمین کے قریب ہوں۔ اور ابن مسعودؓ سے یہی مروی ہے لیکن انہوں نے دونوں کو اونٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔
خُطُوَاتٌ۔ خُطْوَةٌ کی جمع ہے، گام۔
مُبِيْنٌ۔ اِبَانَةٌ سے ہے، ظاہر کرنا اور کاٹنا۔
ضَأْنٌ۔ بھیڑ۔ مَعْزٌ۔ بکری۔
وَصّٰى۔ تَوْصِيَةٌ سے ہے، موکد حکم دینا اور وصیت کرنا۔

ترجمہ:

اور وہ وہ ہے جس نے چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور چھتریوں پر نہ چڑھائے ہوئے باغ اور کھجور اور کھیتی پیدا کی جس کا پھل مختلف ہے اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور غیر ملتے جلتے۔ تم اس کے پھل سے کھاؤ جبکہ وہ پھل لائے اور اس کی کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو اور بے جا صرف نہ کرو یقیناً وہ بے جا صرف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور مویشی سے کچھ لاد وہیں اور کچھ بچھے ہوئے ہیں۔ تم اس سے کھاؤ جو کہ اللہ نے تم کو نصیب کیا ہے۔ اور تم شیطان کے کاموں کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارے لئے کھلا (یا جدا کرنے والا) دشمن ہے۔
آٹھ جوڑے ہیں۔ بھیڑوں سے دو اور بکریوں سے دو۔ تم کہو کیا دو نر حرام کئے ہیں یا دو مادہ یا جس پر دونوں مادہ کے رحم مشتمل ہیں۔ مجھے علم کی خبر دو اگر تم سچے ہو۔ اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو۔ تم کہو کہ کیا دو نر حرام کئے ہیں یا دو مادہ یا کہ جس پر دونوں مادہ کے

رحم مشتمل ہیں۔ یا تم حاضر تھے جبکہ اللہ (تعالیٰ) نے تم کو اس کی تاکید کی تھی۔ سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا تا کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو بہکائے۔ بے شک اللہ (تعالیٰ) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

جب انعام اور حرث میں ان کے قبیح ترین ظلم و افتراء اور شرک کا ذکر ہوا تو اس کے بعد یہ ثابت کرنے کے لئے کہ گو وہ انعام اور حرث میں غیروں کو شریک بناتے ہیں لیکن حقیقت میں ان میں کوئی دوسرا وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کے ساتھ شریک نہیں۔ اور نیز یہ بتانے کے لئے کہ جس طرح کوئی دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں اسی طرح خداوند تعالیٰ نے ان کے شریک ٹھہرانے کی اجازت بھی نہیں دی تا کہ ان کے شرک کی قباحت اور ان کا افتراء علی اللہ ظاہر اور ثابت ہو جاوے فرمایا) اور وہ وہ ہے جس نے ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور نہ چڑھائے ہوئے باغ پیدا کئے ہیں اور کھجور اور کھیتی جن کا کھانا مختلف ہے اور زیتون اور انار ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے (یعنی جس قدر پھل اور غلہ تم استعمال کرتے ہو اور جن پر تمہاری حیات موقوف ہے خواہ ان میں تمہاری زیادہ کوشش اور محنت ہو جیسے انگور کے باغوں میں یا کم ہو اور خواہ تشابہ کی وجہ سے وہ وحدت کے مقتضی ہوں یا عدم تشابہ کی وجہ سے وحدت کے متقاضی نہ ہوں اس میں شک نہیں کہ ان کو اللہ وحدہٗ لاشریک ہی نے پیدا کیا ہے اور دوسرا کوئی عموماً اور تمہارے ٹھاکر خصوصاً اس میں وہ اس کے ساتھ ہرگز شریک نہیں ہیں۔

خدا کے احکامات کو مانو

سو جس طرح وہ ان کے پیدا کرنے میں تنہا ہے اسی طرح ان کے اندر بھی تم خاص اسی کا حکم مانو اور دوسرے کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور ان میں اس کا حکم یہ ہے۔) کھاؤ اس کے پھل سے جبکہ یہ پھل لائے اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق ادا کرو۔ (جو کہ خداوند کریم نے عشر اور دیگر صدقات و عطیات کی ہدایت فرمائی ہوئی ہے۔ اور یہ سب خداوند تعالیٰ ہی کے لئے ہیں) اور بے جا صرف نہ کرو۔ (جو کہ سب نامناسب طور پر صرف کرنے

کو شامل ہے اور جس میں بتوں وغیرہ کے نام پر اور اللہ کے سوا کسی اور کے حکم کے ماتحت صرف کرنا بطریق اولیٰ داخل ہے۔ اور اس اسراف اعنی بیجا صرف کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ) کیونکہ یقیناً وہ بیجا صرف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اور جب باغوں اور کھیتیوں کی نسبت دونوں امر بیان ہوگئے کہ اللہ ہی وحدہٗ لاشریک ان کا پیدا کرنے والا ہے لہٰذا ان میں اسی کا حکم ماننا چاہیئے اور وہ یہ ہے تو اب انعام کا بیان فرماتا ہے) اور مویشی سے لادو اور بچھے ہوئے اس نے پیدا کئے ہیں۔

(خواہ وہ سواری کے کام آتے ہوں یا گوشت اور پشم کا فائدہ اُٹھایا جاتا ہو دونوں قسموں کو اسی وحدہٗ لاشریک لہ ہی نے پیدا کیا ہے اور اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں بھی اسی وحدہٗ لاشریک لہ کا حکم ماننا چاہیئے۔ چنانچہ وہ حکم یہ دیا ہے کہ تم اس سے کھاؤ جو کہ اللہ نے تم کو دیا ہے اور تم شیطان کے کاموں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ) یقیناً وہ تمہارے لئے کھلا اور جدا کرنے والا دشمن ہے اور شیطان کے کاموں کی پیروی میں سب ناجائز صرف آگئے جن میں بتوں کے نام پر صرف کرنا بطریق اولیٰ داخل ہے۔ اعنی) آٹھ جوڑے۔

بھیڑوں سے دو۔ اور بکریوں سے دو (زبان عرب میں زوج دو معنوں میں آتا ہے۔ نمبر 1 جوڑہ نمبر 2 جوڑہ میں سے ہر ایک چیز اور یہاں پر یہی معنے مراد ہیں ورنہ تو پھر بجائے ثمانیہ ازواج کے اربعۃ ازواج ہوتے۔ اور یہاں پر اثنین سے نر و مادہ مراد ہیں۔ اور ان کے افتراء علی اللہ کی ظاہر کرنے کے لئے فرمایا) تم کہو کیا اس نے دونوں کو حرام کیا ہے یا کہ دو مادوں کو (یعنی مینڈھا اور بکرا یا بھیڑ اور بکری کو) یا اس کو جس پر دونوں مادوں کے رحم مشتمل ہیں (یعنی ان میں سے کسی کو بھی اللہ نے حرام نہیں کیا بلکہ یہ محض تمہارا افتراء ہے) تم مجھے علم کی خبر دو اگر تم سچے ہو۔

مفسرین کے نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ کے دو معنی

(مفسرین نے بعلم کے عام طور پر دو معنے کئے ہیں نمبر 1 یہ کہ علم بمعنے معلوم ہے اور معنے یہ ہیں کہ تم مجھے اس کی خبر دو جو کہ اللہ کی طرف سے تم کو معلوم ہے اور وہ اسی طرح ہوتا ہے کہ انبیاءؑ اس کو لائے ہوں نمبر 2 یہ کہ علم اپنے معنوں میں ہے لیکن بِعِلْمٍ نَبِّئُوْنِیْ

کے ساتھ متعلق نہیں ہے بلکہ جو اس کا متعلق ہے وہ مقدر ہے اعنی بِبَیِّنَۃٍ اور بِعِلْمٍ اس کی صفت ہے اور معنے یہ ہیں کہ مجھے وہ شہادت بتاؤ جو کہ علم پر مشتمل ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان دونوں معنوں میں بہت تکلف ہے اور ٹھیک یہ ہے کہ علم کا اطلاق یقینی بات پر ہوتا ہے نہ ظنی پر پس معنے یہ ہوئے کہ اس بارہ میں مجھے یقینی بات بتاؤ۔

اور ظاہر ہے کہ اس بارہ میں یقینی بات وہی ہو سکتی ہے جو کہ مسلم الہامی کتاب میں یا کوئی مؤید بالآیات نبی خبر دے اور بس اور وہ ایسا بتانے سے بالکل عاجز ہیں۔ جیسا کہ تھوڑا سا آگے چل کر قرآن مجید کے الفاظ سے ظاہر ہو جاوے گا) اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو۔ (اور پہلے کی طرح پھر ان کے افتراء کے ظاہر کرنے کیلئے دریافت کرنے کا ارشاد فرمایا کہ) تم کہو کیا دونروں کو حرام کیا ہے یا دو مادہ کو یا اس کو کہ جس پر دونوں مادہ کے رحم مشتمل ہوئے (تو اس کے بعد بجائے نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ کے فرمایا کہ) کیا تم جانتے تھے جبکہ اللہ نے تم کو اس کی تاکید کی تھی۔

(کیونکہ یقینی علم کی دو ہی راہیں تھیں اول جو کہ معتاد طریق ہے یہ ہے کہ کوئی مؤید اور بالآیات نبی اور رسول خبر دے کہ خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے اور اس کی تو وہ خود نفی اور انکار کرتے تھے۔ دوم یہ کہ ان کے سامنے خداوند تعالیٰ نے اس کی تاکید یا ارشاد فرمایا ہو اور چونکہ پہلے طریق کا احتمال ان کی طرف سے نہ تھا اس لئے دوسرے ہی طریق پر اکتفاء کی ہے۔ تو جب نبوت کے وہ منکر تھے اور نہ اس حکم کے وقت وہ خود حاضر تھے تو پھر بھی اُس کو یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بجز افتراء علی اللہ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

اللہ پر جھوٹ باندھنا

لہٰذا اس کے بعد فرمایا) سو اس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ پر اس لئے جھوٹ باندھا تو کہ بے علم ہوتے ہوئے لوگوں کو بہکائے (اور یہ تو اَظْلَم ہیں پر ظالم (جو کہ اَظْلَم سے کم درجہ پر ہے) اس کے ساتھ بھی خداوند تعالیٰ کا یہی قانون ہے جو کہ وہ یہاں پر بیان فرماتا ہے کہ) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (تو پھر اظلم کو کہاں دے گا۔ بظاہر ایسی سب آیتوں میں مشکل پیش آیا کرتی ہے جن میں کسی گروہ سے ہدایت وغیرہ

کی نفی کی جاتی ہے کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ پھر ایک شخص اسی گروہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو ہدایت بھی مل جاتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اول کا نکتہ

حضرت خلیفۃ المسیح علیہا السلام ایسی آیتوں کی نسبت یہ قاعدہ بتایا کرتے ہیں کہ ان میں قوم کی طرف کلام کا رُخ ہے اور ظاہر ہے کہ قومی احکام میں کل افراد کا لحاظ ضروری نہیں ہوتا بلکہ بعض افراد کے لحاظ سے قوم پر حکم کیا جاتا ہے گو دوسرے بعض کو وہ حکم لاحق نہ ہو۔ اور میں نے بھی ایسی آیتوں پر تدبر کیا ہے تو اکثر مقامات پر تو قرائن صاف صاف بتاتے ہیں کہ یہاں پر عنادی کافر مراد ہیں جیسا کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ [1] الخ (البقرۃ:7) میں اور یا منافق ہیں جیسا کہ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ [2] (البقرۃ:19) میں ہے۔ اور یہ دونوں گروہ محروم الہدایت والایمان ہیں۔ اور بعض مقامات پر قرائن اور سیاق و سباق شاہد ہوتے ہیں کہ ہدایت سے کوئی اخروی ہدایت یا اتباع رسول مراد نہیں بلکہ اس سے راستباز کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کا راستہ پانا مراد ہے جیسا کہ یہاں پر ہے پس یہاں پر حاصل معنے یہ ہیں کہ ظالم لوگوں کو راستبازوں کے مقابلہ میں کامیاب ہونے کی راہ نہیں دی جاتی۔

---

[1]۔ ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے..... ان کے لئے یکساں (اثر پیدا کرتا) ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ وہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں پس وہ لوٹیں گے نہیں۔ (تفسیر صغیر)

آیت 146 تا 151: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ وَ عَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا کُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ وَ مِنَ الْبَقَرِ وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَایَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ فَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّکُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکْنَا وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِكَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىکُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَکُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

اَجِدُ۔ وَجْدَانٌ سے ہے، پانا۔

طَاعِمٌ اور یَطْعَمُ طَعْمٌ سے ہیں، جس کے معنے تناول طعام کے ہیں اور کبھی بمعنے ذائقہ لینے اور پینے اور بمعنے نفع رسانی کے بھی آتا ہے۔

مَیْتَةٌ۔ وہ مردہ چیز جو کہ شریعت کے مطابق ذبح نہ کی جائے۔

مَسْفُوْحٌ۔ سَفْحٌ سے ہے، بہانا۔

رِجْسٌ۔ خبیث اور ناپاک
فِسْقٌ۔ حکم عدولی۔ اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا۔
اُهِلَّ۔ اِهْلَالٌ سے ہے، آواز کا بلند کرنا۔
اُضْطُرَّ۔ اِضْطِرَارٌ سے ہے، بے قرار و ناچار ہونا۔
بَاغٍ۔ بَغَاوَةٌ اور بَغْيٌ سے ہے۔
عَادٍ۔ عُدْوَانٌ اور عَدْوٌ سے ہے، حد سے تجاوز کرنا۔
ذِيْ۔ والا۔ ظُفُرٌ۔ ناخن۔
شُحُوْمٌ۔ شَحْمٌ کی جمع چربی۔
ظُهُوْرٌ۔ ظَهْرٌ کی[1] جمع ہے، پیٹھ۔
حَوَايَا۔ حُوَيَّةٌ کی جمع ہے، مجتمع شدہ انتڑیاں۔
عَظْمٌ۔ ہڈی۔ بَأْسٌ۔ جنگ اور عذاب۔
مُجْرِمِيْنَ۔ مُجْرِمٌ کی جمع ہے جو کہ جرم سے ہے بمعنے کاٹنے کے آتا ہے۔
ذَاقُوْا۔ ذَوْقٌ سے ہے، چکھنا اور پانا۔
تَخْرُصُوْنَ۔ خَرْصٌ سے ہے، تخمینہ کرنا اور تُک لگانا۔
حُجَّةٌ۔ دلیل۔ قوت اور غلبہ۔ بَالِغَةٌ۔ بُلُوْغٌ سے ہے، پہنچنا۔
هُلُمَّ۔ کو بصری هَاء تنبیہ اور لُمَّ سے مرکب کہتے ہیں اور کہتے ہیں هَاء تنبیہ کے بعد جو الف ہوتا ہے وہ یہاں حذف کر دیا گیا ہے اور کوفی هَلْ اور اُمَّ سے مرکب بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ترکیب کے وقت امّ کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے۔ دونوں کے نزدیک ترکیب کے بعد اس کے معنے ہیں آ۔ اور لا۔ اہل حجاز کے نزدیک واحد تثنیہ۔ جمع۔ مذکر۔ مونث سب کے لئے برابر آتا ہے اور بنو تمیم کے نزدیک ان کے لئے فعل کی طرح متغیر ہوتا ہے۔
يَعْدِلُوْنَ۔ عمل سے ہے انصاف کرنا اور برابر کرنا اور برابر سمجھنا۔

ترجمہ:

تم کہو کہ میں اس میں جو میری طرف وحی کی گئی ہے کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو

[1]۔ (تفسیر القرآن جلد 7 نمبر 2 جولائی تا ستمبر 1912ء صفحہ 101 تا 200)

اس کو کھائے حرام کی ہوئی نہیں پاتا مگر یہ کہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سؤر کا گوشت ہو۔ سو یہ یقیناً ناپاک ہے یا حکم عدولی کیلئے جس کو غیر اللہ کے لئے پکارا جائے۔ سو جو مجبور ہو جائے نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ تعدی کرنے والا تو بے شک تمہارا رب بہت مغفرت کرنے والا بہت اچھا بدلہ دینے والا ہے۔

اور ہم نے ان پر ہر ایک ناخن والا جانور حرام کر دیا تھا اور گائیوں اور بھیڑوں سے ہم نے ان پر ان کی چربی (بھی حرام کر دی تھی) مگر جس کو ان کی پیٹھیں یا انتڑیاں اٹھائیں یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کی بغاوت کی ان کو سزا دی ہے۔ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ سو اگر وہ تم کو جھٹلائیں تو تم کہو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کا عذاب قطع تعلق کرنے والوں سے رد نہیں کیا جاتا۔

ضرور وہ لوگ کہیں گے جنہوں نے شرک کیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے بزرگ اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے۔ اسی طرح اُنہوں نے (بھی) جھٹلایا ہے جو کہ ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا۔ تم کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جس کو تم ہمارے لئے نکالو۔ تم تو ظن ہی کی پیروی کرتے اور تکیں ہی لگاتے ہو۔

تم کہو سو اللہ ہی کے لئے (کمال کو) پہنچنے والے براہین ہیں۔ سو اگر وہ چاہتا تو ضرور تم سب کو ہدایت دیتا۔ تم کہو لاؤ اپنے گواہوں کو جو کہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے۔ تو اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دو۔ اور تم ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے اور جو کہ پیچھے آنے والی پر ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

جب ان سے حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ[1] (الانعام:141) کی نسبت پہلے جانوروں کے آٹھ جوڑوں کو جُدا جُدا ذکر کرکے دریافت کیا کہ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

[1]۔ جو کچھ اللہ نے انہیں دیا تھا اسے اللہ پر افتراء کرتے ہوئے (اپنے پر) حرام کر لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

الْاُنْثَيَيْنِ[1] (الانعام:144) اور اس کے بعد یہ فرما کر کہ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا[2] (الانعام:145) یہ تو ثابت کر دیا تھا کہ یہ لوگ ان جانوروں کی تحریم مذکور میں صاف صاف اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاتھ میں نہ تو کسی پہلے آسمانی نوشتہ سے کوئی ثبوت ہے اور نہ خود انہوں نے ان کی تحریم خداوند تعالیٰ سے سُنی ہے اور اس میں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ اُمّی اور جاہل لوگ ہیں اس لئے کسی صحیفہ الٰہی سے ثبوت پیش نہ کر سکتے ہوں اور خداوند تعالیٰ کی وحی میں ان کی تحریم ہو تو اس صورت میں ان کے ذمہ کوئی قصور نہیں ہوتا تو اس کے رفع کرنے۔ نیز ان پر یہ حجت پوری کرنے کے لئے کہ ان اشیاء کی تحریم کے لئے تو تم وحی سے کوئی ثبوت نہیں پیش کرتے پر اس کے مقابل ان کی حلت کے لئے ہم خداوند تعالیٰ کی وحی سے ثبوت پیش کرتے ہیں اس لئے فرمایا (اے رسول اللہؐ) تم کہو کہ میں اس میں جو میری طرف وحی کی گئی ہے کوئی چیز کسی کھانے والے پر جو کہ اس کو کھائے حرام کی ہوئی نہیں پاتا مگر یہ مردار ہو یا بہایا ہوا خون ہو یا سوَر کا گوشت ہو کیونکہ یہ یقیناً ناپاک ہے یا حکم عدولی کیلئے جس کو غیر اللہ کے لئے پکارا جائے (پس جب اس کتاب میں جو کہ پہلے سب صحیفوں اور کتابوں پر مُهَيْمِنٌ اور خبیث و طیب میں تمیز کرنے والی اور فحشاء و منکر اور بغی سے منع کرنے والی اور ایسے اہم اور مختلف فیہا امور میں فصل اور حکم ہے یہی چیزیں حرام بیان کی گئی ہیں اور اصل اشیاء میں ہے بھی حلت تو پھر معلوم ہوا کہ وحی الٰہی کی رو سے وہ چیزیں حرام نہیں کہ جن کو وہ حرام قرار دیتے ہیں۔

حرمتوں والی اشیاء کا اِلّٰی طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ کے ساتھ حل

اس آیت کریمہ میں کئی باتیں جاننے کے قابل ہیں اوّل یہ کہ اس آیت کریمہ میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ سوائے ان چند اشیاء کے اور کوئی چیز وحی الٰہی میں میَں حرام نہیں پاتا۔ اور وہ یہی چار چیزیں ہیں۔ نمبر 1 مردار، نمبر 2 بہایا ہوا خون، نمبر 3 سور کا گوشت اور

[1] ۔ کیا اس نے دونروں کو حرام کیا ہے یا دو مادینوں کو۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ کیا تم اس وقت جب تمہیں اللہ نے اس (امر) کا حکم دیا تھا موجود تھے۔ (تفسیر صغیر)

نمبر 4مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ[1](البقرۃ:174)اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اور کوئی چیز حرام نہیں حالانکہ اور بہت سی چیزیں اہل اسلام حرام سمجھتے ہیں اور احادیث اور آثار میں بھی ان کا ذکر آتا ہے۔ اس کو تو عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ کی قید کے ساتھ حل کر دیا کیونکہ اس صورت میں مطلق اشیاء کی حرمت کا ذکر نہ ہو گا بلکہ ان اشیاء کی حرمت کا ذکر ہے جن کو انسان غذا کے لئے تناول کیا کرتے اور ان سے منتفع ہوتے ہیں جیسا کہ طعم کے معنوں سے ظاہر ہے اور ان کے سوا اور اشیاء کچھ تو ایسی ہیں کہ کوئی غذا کے لئے ان کو استعمال نہیں کرتا جیسا پاخانہ، مٹی، شراب۔

اور اسی طرح کتا، چیتا، چیل وغیرہ شکاری جانور اور پرندے کہ اگرچہ کالانعام ان کو استعمال کرتے ہیں یا غذا کے لئے استعمال ہو بھی سکتے ہیں۔ لیکن متمدن لوگ عادۃً ان کو غذا کے لئے تناول نہیں کرتے اور استعمال کرنے والوں کو بجائے نفع کے ضرر بہت دیتے ہیں۔ پس یہ حصر چار چیزوں میں بالکل صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام سے بھی صاف صاف ثابت ہوتا ہے جہاں فرمایا کہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ[2]الایۃ (البقرۃ:174)ہاں جن اشیاء کی حرمت کا یہاں پر ذکر ہے وہ عام نہیں بلکہ قید مذکور کے ساتھ مقید ہیں اعنی وہ اشیاء جو کہ عادۃ غذا کے لئے تناول کی جاتی ہوں اور تناول کنندہ ان سے منتفع ہوتا ہو۔ اور ان چار کے سوا اگر کوئی اور چیزیں حرام ہیں تو وہ مذکورہ بالا اشیاء سے نہیں اور ان کی تحریم بھی نام لے کر نہیں بلکہ قاعدہ کے رنگ میں ہے مثلاً بتایا گیا ہے کہ جو خبیث اور غیر طیبؔ ہو یا غیر نافع اور مضر ہو یا مسکر و مفتر ہو۔ اور ہمارے اس بیان سے عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ کے بڑھانے کا فائدہ بھی معلوم ہو گیا۔

مفسرین کا چار حرمتوں والی چیزوں میں حصر کے متعلق قاصر رہنا

اور مفسرین اور ان کے جواب اس سے قاصر رہے ہیں۔ مثلاً ان کا ایک جواب ہے کہ استثناء منقطع ہے جو کہ مفید حصر کی نہیں ہوا کرتی اور معنے یہ ہیں کہ میں ان چیزوں میں سے

[1]۔ان چیزوں کو جنہیں اللہ کے سوا کسی اور سے نامزد کر دیا گیا ہو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔اس نے تم پر صرف مردار... حرام کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

کوئی حرام نہیں پاتا جن کو مشرکین حرام کہتے ہیں جیسے بحیرہ، سائبہ، حام وغیرہا بلکہ میں ان چار کو حرام پاتا ہوں جن کو وہ حلال سمجھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ معنی قرآن مجید کے الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتے بلکہ اپنی طرف سے بنانے پڑتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت چار ہی کی حرمت پر دال ہے۔ لیکن اس سے اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک اسی قدر آنحضرت ﷺ کو حرام معلوم تھے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کے بعد اور کسی چیز کی تحریم نازل نہ ہوئی تھی۔ اور یہ بھی بالکل کچی بات ہے جس کو خود مفسرین نے رد کیا ہے۔ دوسری بات یہاں پر یہ ہے کہ لحم خنزیر کی کیوں تخصیص فرمائی ہے۔ سو جو شخص عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُہٗ کا فائدہ جانتا ہو جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کو تو یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا بلکہ اگر مطلق خنزیر ہی مذکور ہوتا تب بھی وہ اس سے لحم خنزیر ہی لیتا کیونکہ یَّطْعَمُہٗ اسی پر صادق آسکتا ہے۔ لیکن جن پر عَلٰی طَاعِمٍ الخ کے معنے اور فائدہ مخفی رہے ہیں۔ ان کو یہ سوال ضرور پیدا ہوا ہے اور انہوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کی جن چیزوں سے نفع اُٹھایا جاتا ہے اُن سب سے گوشت ہی بڑی چیز تھی لہٰذا اس کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے ورنہ تو حرمت میں اس کے سب اجزاء برابر ہیں۔

پر حق وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ اس تحقیق کا ثبوت اور قرینہ ہے جو حرمت اشیاء اربعہ میں ہم نے ذکر کی ہے تیسری بات یہ کہ ہے کہ اَوْ فِسْقًا اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ کے دو معنے کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ فِسْقًا نام ہو اس جانور کا جو کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہو تو اس صورت میں یہ معطوف ہوگا لحم خنزیر اور اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ اس کی وضاحت کرنے والی صفت ہوگی۔

اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ فِسْقًا ان معنوں میں غیر مشہور ہے بلکہ کتب لغت میں یہ معنے نہیں آئے فقط تاج العروس میں اس قدر آیا ہے والفِسق فِی قَوْلہ تَعَالٰی أَوفِسْقًا أُھِلّ لغیرِ اللّٰہِ بِہٖ رُوِیَ عَن مَالِك أنّہ الذّبح[1] جس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہاں پر بھی یہ معنے بنائے گئے ہیں اور کلام عرب میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ فِسْقًا اپنے اصلی معنوں میں لیا جائے جو کہ حکم عدولی ہیں اور اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ اَنْ یَّکُوْنَ

[1]۔ اور فسق جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیا ہے أَوفِسْقًا أُھِلّ لغیرِ اللّٰہِ بِہٖ امام مالک سے مروی ہے کہ اس سے مراد غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والا جانور ہے۔ (از مرتب)

مَیْتَۃً پر معطوف ہو اور فِسْقًا اس کا مفعول لہ ہو اور معنے یہ ہوں اور یا حکم عدولی سے اللہ کے غیر کے لئے پکارا جائے اور یہی معنے کتب لغت کے مطابق ہیں اور یہاں تک جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس پر طبعاً یہ سوال ہوتا تھا کہ اچھا اگر انسان مجبور ہو جائے تو پھر کیا کرے لہٰذا اس کے بعد اسی سوال کو یوں حل فرمایا) سو اگر کوئی ناچار ہو جائے (اور ان محرمات کے سوا وہ اپنی جان نہ بچا سکتا ہو) نہ بغاوت کرتا ہوا اور نہ حد سے بڑھتا ہوا تو بے شک تیرا رب بہت مغفرت کرنے والا ہے (باغی کے معنے سب جانتے ہیں کہ حکم نہ ماننے والے کو کہتے ہیں اور یہی لغوی معنے یہاں پر لینے بھی چاہئے اور عادی کے معنے حد سے گذرنے والے کے ہیں اور یہی مراد بھی ہیں۔

خلاصہ مطلب

پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ جو شخص ان محرمات کے تناول میں مجبور اور ناچار ہو جائے تو ان کے تناول سے وہ ماخوذ نہ ہو گا کیونکہ خداوند تعالیٰ غفور رحیم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ حکم الٰہی سے سرکش نہ ہو اور حد سے بھی متجاوز نہ ہو لیکن اگر وہ سرکشی کر کے حکم الٰہی نہ مانے اور ان محرمات کو حلال تصور کرے یا حرام تو مانتا ہے لیکن جان بچانے کی مقدار سے زیادہ تناول کرے تو پھر ماخوذ ہو گا۔ اور اکثر مفسرین نے باغی کے یہاں پر یہ معنے کئے ہیں کہ اس کا طالب ہو جس کی طلب اس کو نہ چاہئے اس طور پر کہ اپنے جیسے دوسرے مضطر سے زبردستی چھین لے اور مجاہد نے کہا ہے کہ امام کا باغی مراد ہے اور حسن نے کہا ہے کہ لذت کے لئے تناول کرنے والا یہاں پر مراد ہے اور جو معنے اکثر نے لئے ہیں ان کے رو سے ایک اور نقص بھی ضرور لازم آئے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ باغی ہونے کی حالت میں ان اشیاء کی حرمت اس وجہ سے نہ ہو گی کہ یہ حرام ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ غیر سے چھینی ہیں جب یہ ذکر ہوا کہ ان اشیاء اربعہ کے سوا کوئی چیز میں اس وحی میں حرام نہیں پاتا جو مجھے کی گئی ہے۔ اور اس پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ تمہارے اپنی وحی میں ان کے سوا کوئی اور حرام چیز نہ پانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور پہلی وحیوں میں بھی کوئی اور حرام نہ ہو چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب پر ذی ظفر چیزیں اور بھیڑ بکری اور گائے کی

چربی حرام کی ہوئی ہے اور ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ اشیاء اہل کتاب پر خداوند تعالیٰ نے حرام کی ہوئی ہیں باوجود یکہ تمہاری اس وحی میں نہیں جس کا یہ دعویٰ ہے کہ میں سابقہ وحیوں کے لئے مصدق اور ان پر مہیمن ہوں اسی طرح بحائر و سوائب وغیرہا کو بھی خداوند تعالیٰ نے حرام کیا ہو اس کا جواب یہ دیا کہ اول تو ہمارا کلام ان حرام اشیاء میں ہے جو کہ ہر ایک طَاعِمٍ یَطْعَمہ پر حرام ہوں اور جو حرام سوال میں مذکور ہوئے ہیں وہ ایسے نہیں بلکہ خاص انہیں پر جو یہودی بنے ہیں ہم نے حرام کی تھی ہر ایک ناخن والی چیز اور گائے اور بھیڑ، بکری سے ہم نے ان پر چربی حرام کی تھی سوائے اس کے کہ ان کی پیٹھ اُٹھاتی ہو یا انتڑیاں یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ دوم یہ کہ جو حرام چیزیں سوال میں مذکور ہوئی ہیں وہ کسی ذاتی خبث اور نجاست وغیرہما کی وجہ سے حرام نہیں کی گئی تھیں۔ (تاکہ ان اشیاء اربعہ کی طرح ہمیشہ اور ہر ایک پر حرام ہوتیں بلکہ) یہ ہم نے ان کو ان کی بغاوت کے سبب سزا دی تھی (اور یہ کوئی یوں ہی جواب بنانے کے لئے بات نہیں بنائی گئی بلکہ) اور یقیناً ہم سچے ہیں۔

(مفسرین نے پہلے تو ذی ظفر میں اختلاف کیا ہے چنانچہ ابن عباسؓ، ابن جبیرؒ، قتادہؒ، سدیؒ اور مجاہدؒ نے کہا ہے کہ ذی ظفر سے وہ مراد ہے جس کی انگلیاں متفرق نہ ہوں جیسا اونٹ، شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔ ابن زید نے کہا ہے کہ اس سے خاص اونٹ ہی مراد ہے۔ اور جبائی نے کہا ہے کہ یہ سب درندوں کتوں بلوں اور ان سب کو شامل ہے جو کہ ناخنوں کے ساتھ شکار کرتے ہیں۔ اور قتبی اور بلخی نے کہا ہے کہ اس سے وہ سب پرند جو پنجہ گیر ہوں اور سب کھر دار جانور لیکن حق یہ ہے کہ کسی تاویل وغیرہ کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ اور صاف معنے ہیں کہ ناخن والی چیز خواہ پرندوں سے ہو یا چار پایوں سے اور ظاہر ہے کہ کھر کو ناخن کوئی بھی نہیں کہتا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد بقر اور غنم کو ان کے لئے حلال ظاہر کیا ہے سو اگر وہ بھی ذی ظفر کہلاتے تو پھر وہ بھی سارے کے سارے حرام ہوتے اور خصوصیت سے ان کی چربی کے ایک حصہ کو بالخصوص حرام ظاہر کرنیکی کوئی ضرورت نہ ہوتی بلکہ ایسا کرنا بالکل درست نہ ہوتا۔

ہاں سُم کو ناخن کہتے ہیں جیسے پرندوں کے ناخنوں کو ناخن کہتے ہیں۔ اور پھر اِلَّا مَا

حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا میں بھی اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو یہ استثناء منقطع ہے جس میں الا کا مابعد ما قبل کی جنس سے نہیں ہوتا کیونکہ ما قبل تو شُحُوْم ہے اور پیٹھ پر ہوتا ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ شَحْمٌ (چربی) نہیں کہلاتا یہاں تک کہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں شَحْمٌ (چربی) نہ کھاؤں گا تو وہ فقط پیٹ ہی کی چربی کے کھانے سے حَانِثْ ہو گا اور جو پیٹھ کے اوپر ہوتی ہے اس کے کھانے سے حَانِثْ نہ ہو گا۔ اور ان کے صاحبین کے نزدیک یہ استثناء متصل ہے جس میں الا کا مابعد ما قبل کی جنس سے ہوتا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پیٹھ کے اوپر ہوتا ہے وہ بھی شَحْمٌ ہے اور شَحْمٌ پر قسم کھانیوالا پیٹھ کی چربی کے کھانے سے حَانِثْ ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ آگ پر چربی کی طرح پگھلتی ہے پر چونکہ اصل استثناء میں متصل ہی ہوتا ہے اور حرف عام میں شَحْمٌ عام ہے کوئی پیٹ کی چربی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے صاحبین کا قول راجح ہے۔ پھر اختلاف کیا ہے کہ اَوِ الْحَوَایَا کا عطف کس پر ہے۔ سو اکثروں نے تو اس کا عطف مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَا پر کیا ہے اور کہا ہے کہ استثناء منقطع ہی ہے اور حَوَایَا سے خاص گوبر اور مینگنیوں کی انتڑیاں مراد ہیں یا سب انتڑیاں یا قلب کے سو جو کچھ اندر ہوتا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے استناء کو متصل بھی قرار دیا ہے اور شَحْمٌ کے لفظ کو مقدر مانا ہے اور بعض نے حَوَایَا ہی کو بمعنے انتڑیوں کی چربی کے لیا ہے۔ بہر حال جب اس کا عطف اِلَّا کے بعد مَا حَمَلَتْ الخ پر ہوا تو پھر جس طرح مَا حَمَلَتْ الخ حلال رہا اسی طرح یہ بھی حلال ہی رہا۔

اور بعض نے کہا ہے اس کا عطف شُحُوْمَهُمَا پر ہے اور ظاہر ہے کہ شُحُوْمَهُمَا تو حرام ہے لہٰذا یہ بھی حرام ہوا۔ اور بعض نے ظُهُوْرُهُمَا پر عطف کیا ہے تو اس صورت میں حَوَایَا کے حلال و حرام ہونے کا تو کچھ ذکر نہ ہو گا بلکہ وہ حلال ہو گا جس کو پیٹھیں اُٹھائیں یا جس کو حَوَایَا اُٹھائیں۔ اور یہی ٹھیک ہے کہ عطف بھی قریب پر ہوتا ہے۔ اور کسی تقدیر اور تاویل کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ سے بعض نے تو خاص دنبہ کی چکی لی ہے جو کہ دم کی ہڈی سے لگی ہوئی ہوتی ہے۔ بعض نے ہڈی کا گودا لیا ہے لیکن ٹھیک یہی ہے کہ گودا مراد نہیں اور نہ کسی تخصیص کی ضرورت ہے اَوِ الْحَوَایَا اور اَوْ مَا اخْتَلَطَ الخ میں جو لفظ

اَوِ آیا ہے اس پر بھی مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ کیونکہ اَوْ اَحَدٌ لِاَمْرَیْنِ کے لئے آیا کرتا ہے اعنی حکم مذکور دو چیزوں میں سے کسی ایک کے لئے ہے پھر اگر شُحُوْم پر عطف ہو جیسا کہ بعض نے کہا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک ان پر حرام تھی اور دوسری دو حلال تھیں۔ اور اسی طرح اگر مَا حَمَلَتْ الخ پر عطف ہوا تو پھر یہ معنے ہوں گے کہ ان تین چیزوں میں سے کوئی ایک حلال تھی اور باقی حرام اور ظاہر ہے کہ یہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اور اس کا جواب یہی ہے کہ یہاں اَوْ کے وہی معنے لینے چاہئے جو کہ جالس الحسن او ابن سیرین او الشعبی میں لئے ہیں اعنی یہ تینوں مجالست کے اہل اور لائق ہیں اور سو ان میں سے جس کے ساتھ تو صحبت رکھے ٹھیک ہے اور اگر سب کے ساتھ ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے اور واؤ پر اَوْ کو اسی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ واؤ لانے میں یہ معنے ہوتے تھے۔ کہ تینوں ملکر تو حرام یا حلال ہو سکتی ہیں۔ پر اکیلی ایک نہیں ہو سکتی۔ اور جس پر ہم نے عطف کیا ہے اس میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اَوْ اس میں تنویع اعنی اقسام بیان کرنے کے لئے ہے۔

مشرکین کو جواب

تو مشرکین کو پہلے تو یہ جواب دیا کہ یہ تحریم عام نہ تھی بلکہ یہود کے ساتھ مخصوص تھی اور دوسرا جواب یہ دیا کہ یہود پر یہ اشیاء کسی خبث یا ضرر ذاتی کے باعث حرام نہیں کی گئی تھیں۔ بلکہ ان کی بغاوت کے سبب ہم نے اُن کو یہ سزا دی ہے۔ اس جواب سے صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کی تکذیب اکیلے مشرک ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ یہود بھی کریں گے ہاں فرق اس قدر ہو گا کہ یہود تو کہیں گے کہ نہ تو ان اشیاء کی تحریم ہم سے مخصوص ہے بلکہ پہلے انبیاء کی قوموں پر بھی یہ اشیاء حرام تھیں اور خصوصاً ملت ابراہیمی میں بھی حرام تھیں جس کی اتباع کے تم مدعی ہو۔

اور نہ ان کی تحریم سزا کے طور پر ہے۔ اور نیز یہود اس تکذیب میں جوش بھی بہت دکھائیں گے کیونکہ بغاوت اللہ اور سزایاب ہونے کا الزام لگتا ہے۔ اور مشرکین محض مکابرہ کے طور پر کہیں گے کہ اوّل تو نہ کوئی تخصیص ہے اور نہ سزا کی وجہ سے ہے جس کی شہادت خود اہل کتاب دے رہے ہیں پر اگر مان بھی لیں تو پھر تمہارے خیال میں تو ہم یہود سے بھی

بڑھ کر باغی ہیں کہ خدا کے لئے شرکاء قرار دیتے اور خدا کی اطاعت کو چھوڑ کر شرکاء کی اطاعت اختیار کرتے ہیں۔ پس ہم کو تو بہت ڈبل سزا ملنی چاہئے تھی پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیں سزا نہیں ملتی اس لئے اس جواب کے بعد فرمایا) سو اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو تم کہو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے (اس لئے وہ باغیوں کو بھی فوراً نہیں پکڑتا بلکہ بہت کچھ معاف کرتا اور درگذر کرتا ہے۔ اور جب تک اتمام حجت نہ ہو جائے اور باوجود اتمام حجت کے وہ تکذیب پر مصر نہ ہو جائیں تو وہ عذاب نازل نہیں کرتا۔ اور جن کی بغاوت کم ہوتی ہے ان کو پہلے تنبیہ کرتا ہے جب اس پر بھی باز نہ آئیں اور باوجود اتمام حجت کے تکذیب پر مصر ہوں تو پھر بڑے باغیوں کی طرح ان پر بھی عذاب نازل کرتا ہے پس یہ مہلت تو اسی وسیع رحمت کا نتیجہ ہے جو کہ ربوبیت کے لوازم سے ہے۔ پر اس سے نہ یہ لازم آتا ہے اور نہ سمجھنا چاہئے کہ بس اب ہم عذاب سے بچ گئے لہٰذا فرمایا) اور اس کا عذاب (اس سے) قطع تعلق کرنیوالوں سے پھیرا نہیں جاتا۔

مشرکین کا عذاب سے بچے رہنے کی وجہ

(یہ مکی سورۃ ہے اور دوسرے مقام پر آنحضرت ﷺ کو فضل اللہ ورحمۃ اور رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جب تک رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن ان میں ہوں گے یا استغفار کریں گے تو عذاب الٰہی ان پر نازل نہ ہو گا۔ تو اس آیت کریمہ میں لطیف پیرایہ کے ساتھ اسی امر کو بتایا ہے کہ یہ رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْن کے برکات سے ہے کہ تم بچے ہوئے ہو لیکن عنقریب یہ فضل اور رحمت تم سے جدا ہوں گے اور پھر عذاب الٰہی ضرور تم پر نازل ہو گا۔ اور عذاب کی نوعیت بھی بتا دی کیونکہ بَأْسٌ جس طرح عذاب کو کہتے ہیں اسی طرح جنگ کو بھی کہتے ہیں بلکہ اصل معنے یہی ہیں تو بتا دیا کہ وہ عذاب بھی بِأَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ہو گا۔

مکذبین کے متعلق مفسرین کا اختلاف

مفسرین میں اختلاف ہے کہ تکذیب کرنے والے یہود ہیں یا مشرکین، مجاہد، سدی وغیرھما تو کہتے ہیں کہ یہود کا ذکر چونکہ قریب ہے اور نیز مشرکین کا ذکر بعد میں علیحدہ آتا

ہے اس لئے یہاں پر یہود ہی مراد ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین ہیں اور یہ معنے بھی بعض نے کئے ہیں کہ اللہ وسیع رحمت والا ہے میرے لئے یا عام مطیعین کے لئے باقی رہے تم جو کہ مجرم ہو سو مجرموں سے اس کا عذاب نہیں پھیرا جاتا۔ لیکن یہ جیسے اس مقام کے مناسب نہیں ایسے ہی الفاظ سے بھی بعید ہیں جب یہ بیان ختم ہوا کہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ ان اشیاء کو خداوند تعالیٰ نے حرام کیا بلکہ اس کے خلاف کا ثبوت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں کیا اور تم خداوند تعالیٰ پر افتراء کر رہے ہو۔ اور پھر بصورت تکذیب ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا بھی گیا تو اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے یہ بتانے کے لئے کہ باوجود اس قطعی اور مسکت بیان اور سخت تہدید کے وہ حجت بازی سے باز نہیں آئے بلکہ مشرکین کا ایک پرانا مغالطہ جس کو تجویز شرک کے لئے یہ بھی پیش کیا کرتے ہیں حجت بازی کے طور پر یہاں پر بھی پیش کریں گے۔ فرمایا) جو لوگ مشرک بنے ہیں وہ ضرور کہیں گے (کہ اگر شرک کرنا اور ان اشیاء کو حرام کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ممنوع اور ناپسند ہوتا تو چونکہ رضا اور ارادہ ومشیّت لازم وملزوم ہیں لہٰذا وہ چاہتا کہ نہ ہم شرک کریں اور نہ ہمارے بزرگ اور نہ ہم کوئی چیز حرام کریں اور) اگر اللہ چاہتا (کہ ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کریں اور نہ ہم کوئی چیز حرام کریں) تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے بزرگ اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے (کیونکہ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے سوا تو کوئی چیز ہو سکتی ہی نہیں جیسا کہ تم کو بھی مسلّم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ارادہ اور رضا اور امر آپس میں لازم وملزم ہیں لہٰذا جو چیز مراد ہو گی وہ مرضی اور مامور بہ اور مشروع بھی ہو گی۔

خیالی استدلال کا جواب

پس اس استدلال سے ثابت ہوا کہ گو صریح وحی میں ان اشیاء کی حرمت نہیں آئی پر ان کی حرمت الٰہی مرضی اور حکم کے ماتحت تو خداوند تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کی تردید میں فرمایا کہ) اسی طرح وہ لوگ بھی تکذیب کرتے رہے تھے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھا (یعنی ان کا یہ استدلال جو محض خیالی ہے خداوند تعالیٰ کی صریح وحی کے مقابل پر ہے۔ جس کو سب انبیاءؑ پھیلاتے اور تبلیغ

کرتے رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ .....لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ[1] (الزمر:8) اور یہ کہ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ [2] (لقمان:14) اور اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ[3] (النساء:49) اور لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ[4] (الاعراف:29) وغیرھا پس ان کا یہ استدلال خداوند تعالیٰ کی صریح وحی اور انبیاء علیہم السلام کی متفق علیہا شہادت کی تکذیب ہے لہٰذا کسی طرح اس کا اعتبار نہیں ہو سکتا اور اس کے ردّی اور تکذیب ہونے کا بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی تکذیب کرتے رہے ہیں۔

اعنی حق کے مقابلہ میں ایسے استدلال پیش کرتے رہے جو کہ صریح تکذیب ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ہمارا عذاب چکھا سو اگر یہ تکذیب نہ ہوتا بلکہ صحیح استدلال ہوتا تو پھر ہرگز ان کو عذاب نہ چکھایا جاتا بلکہ بجائے اس کے انعام و اکرام پاتے۔ پس یہ استدلال صریح البطلان ہے۔ ہاں اگر تمہارے پاس کوئی صریح وحی الٰہی ہے تو وہ نکالو لہٰذا فرمایا) تم کہو کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے (صریح وحی سے) تو اس کو ہمارے لئے نکالو۔ باقی رہا یہ خیالی استدلال یا اس کے امثال تو وہ علاوہ صریح وحی کے مقابل اور اس کی تکذیب ہونے کے) تم نہیں پیروی کرتے مگر ظن کی (اور اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا[5] (النجم:29) اور نہیں تم مگر تکیں لگاتے۔

دین الٰہی رضامندی کے قواعد کا نام ہے

(جن کو اصلیت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور دین کی بناء ان پر نہیں رکھی جا سکتی بلکہ اس کی بنا تو علم اور وحی صریح پر ہونی چاہئے جو کہ تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ کیونکہ دین تو الٰہی رضامندی کے قواعد کا نام اور اس کی ذات ہی پہلے وراء الوراء ہے اور اس کی رضا اور مخفی امر ہے پس بجز اس کے بتانے کے دوسرے کسی کو علم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرمایا) تم کہو کہ اللہ ہی کے لئے (صلیت و حقیقت اور حد و انتہا کو) پہنچنے والی حجت ہے۔

---

[1] ۔ تو اللہ..... اپنے بندوں کے لئے کفر کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ اللہ کا شریک کسی کو مت قرار دے۔ (تفسیر صغیر)
[3] ۔ اللہ (اس بات کو) ہرگز معاف نہیں کرے گا کہ (کسی کو) اس کا شریک قرار دیا جائے۔ (تفسیر صغیر)
[4] ۔ کبھی بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ (تفسیر صغیر)
[5] ۔ وہم حق کے مقابلہ میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔ (تفسیر صغیر)

غلط استدلال کا دو باتوں سے مرکب ہونا

(پس اسی کی وحی سے دوسروں کو علم ہو سکتا ہے وہی حجت ہو سکتی ہے اور بس اب یہ تو بتا دیا کہ ان کا استدلال مذکور غلط ہے لیکن وہ دو باتوں سے مرکب تھا (1) کوئی چیز ارادہ الٰہی کے سوا نہیں ہو سکتی۔ (2) یہ کہ ارادہ اور رضاء اور امر و حکم لازم و ملزوم ہیں اور اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ دونوں غلط ہیں یا ان میں سے فلاں غلط ہے تو یہ بتانے کے لئے کہ پہلی بات بالکل صحیح ہے اور غلطی دوسری میں ہے نیز اس استدلال کے اصل حل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کے عدم شرک اور عدم تحریم اشیاء کو چاہا ہے تو پھر ہوا کیوں نہیں اور اگر نہیں چاہا تو پھر باوجود ان کے نہ پسند ہونے کے کیوں نہیں چاہا فرمایا) اور اگر اللہ (ہر ایک شخص کی نسبت ہر ایک بدی اور ناپسند امر کے عدم کو) چاہتا (جیسا کہ تمہارے اس قول سے لازم آتا ہے کہ "جب شرک اور تحریم اشیاء ناپسند اور برا ہے تو اس نے ان کے عدم کو کیوں نہیں چاہا۔" اور ظاہر ہے کہ اس کے ارادہ کرنے کے بعد پھر اس کے خلاف بالکل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر انسانی اختیار کو سلب کر کے اور مجبور کر کے) ضرور تم سب کو ہدایت دیتا (کیونکہ اختیار کے ہوتے ہوئے تو سب کا ہدایت پانا اور اختلاف کا بالکل رفع ہو جانا تو محالات عادیہ سے ہے جیسے واقعات اس کے شاہد عادل ہیں۔ اور جس طرح کہ سب کا ہدایت پانا حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے اسی طرح اختیار کا اُٹھنا اور جبراً ہدایت دینا ایمان کی حقیقت کے منافی اور ثواب کو باطل کرنے والا ہے۔

خلاصہ کلام

پس خلاصہ یہ ہوا کہ عالم خلق اور کون میں تو خداوند تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے اس کو چاہتا ہے اور جس کو ناپسند کرتا ہے اس کے عدم کو چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ ضرور واقع ہوتا ہے۔ پھر عالم امر (شرع کے امور) میں چونکہ اختیار عباد کو دخل ہے۔ اس لئے اختیار سے پہلے تو وہ نہ کسی امر کا وجود چاہتا ہے اور نہ عدم اور اختیار کے بعد جب بندہ کسی بھلی یا بری بات کا عزم

کر لیتا ہے تو پھر كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا[1] (بنی اسرائیل:21) پر عمل ودرآمد ہوتا ہے۔ اور شرک اور تحریم اشیا عالم امر سے ہے۔

اس مقام پر مفسرین اصل مطلب سے ادھر اُدھر چلے گئے ہیں۔ جب ان کا یہ استدلال بھی جو کہ ایک مغالطہ عامۃ الوردو کی قسم ہے کہ ہر ایک بدی اور شرارت کا مرتکب اپنے دعویٰ اور بدی اور شرارت کو اس کے ساتھ منجانب اللہ جائز ثابت کر سکتا ہے۔ اور یوں اس کی تغلیط کے لئے تو اسی قدر کافی ہے کہ جس طرح اس کے ساتھ انہوں نے شرک اور تحریم اشیاء مذکور کو ثابت کیا ہے اسی طرح اس کے ساتھ توحید و ابطال شرک اور تحلیل اشیاء مذکور ثابت کی جاسکتی ہے۔ مگر اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے آخری اتمام حجت کو اس بارہ میں پیش کرنے کے لئے جس کو میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ اہم ترین دعاوی اور مباحث کی نسبت خداوند تعالیٰ براہین پیش کرنے اور رفع شکوک واعتراضات کرنے کے بعد آخری اتمام حجت یوں فرمایا کرتا ہے کہ اچھا ہماری بات کی صداقت کا یہ نشان ہے کہ اس کی تکذیب کرنے والوں یا فلاں فلاں بات کرنے والوں کو دنیا میں ہی فلاں سزا ملے گی فرمایا) تم کہو کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ جو کہ گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام کیا ہے۔ (اور تم ان کو یہ بھی کہہ دو) سو اگر وہ شہادت دیں تو پھر تو ان کے ساتھ شہادت نہ دے (کہ ہاں یقیناً خداوند تعالیٰ نے اس مذکور کو حرام کیا ہے) اور نہ ان کی خواہشوں کی پیروی کر جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ہے اور جو پیچھے آنے والی (زندگی) پر ایمان نہیں لاتے اور جو اپنے رب کے ساتھ برابر کرتے ہیں۔ (پس تم ایک طرف تو ان کو یہ کہو اور دوسری طرف ان کو یہ) کہو جو کہ آگے آتا ہے۔

[1]۔ ہم سبھی کو مدد دیتے ہیں ان کو بھی (یعنی دین والوں کو بھی) اور ان کو بھی (یعنی دنیا والوں کو بھی) (اور یہ مدد) تیرے رب کی عطا میں سے ہے اور تیرے رب کی عطا (کسی خاص گروہ سے) روکی نہیں جاتی۔ (تفسیر صغیر)

آیت 152 تا 155: قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

تَعَالَوْا۔ تَعَالٰی سے ہے۔ جس کے اصل معنے اوپر آنے کے ہیں۔ لیکن تَعَالٌ جس کی جمع تَعَالَوْا ہے۔ عموماً اب مطلق بلانے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اصل معنے بھی یہاں پر بہت موزوں ہیں کیونکہ جہالت و شرک کے گڑھے میں گرے ہوئے لوگوں کو روحانیت کے اوج پر بلایا جاتا ہے۔

اَتْلُ۔ تلاوت سے ہے۔ جس کے معنے پڑھنے اور کبھی سنانے کے آتے ہیں۔

اِمْلَاقٌ۔ فقر اور محتاجی۔

فَوَاحِشَ۔ فَاحِشَةٌ کی جمع ہے۔ ہر ایک بدی جو کہ بے حیائی کو مستلزم ہو اور خصوصاً زنا اور ہر ایک امر جس کی خرابی بالکل ظاہر ہو جو حد سے گذر جائے۔

وَصّٰی۔ تَوْصِیَۃٌ سے ہے۔ موکد حکم کرنا۔

اَشُدُّ کی نسبت فراء نے تو کہا ہے کہ یہ جمع ہے جس کا واحد نہیں ہے۔ اور بعض بصریوں نے کہا ہے کہ اُنُكَ کی طرح مفرد ہے اور کہا ہے کہ اس وزن پر یہ دو ہی مفرد آئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شِدَّۃٌ کی جمع ہے۔ جس طرح نِعْمَۃٌ اور اَنْعُمٌ اور ابن انباری نے کہا ہے کہ یہ شُدّ کی جمع ہے یا شَدّ کی۔

اَوْفُوْا۔ اِیْفَاءٌ سے ہے۔ جو وفاء سے بنا ہوا ہے۔ جس کے معنے پورا کرنے کے ہیں۔

کَیْلٌ۔ ماپنے کا پیمانہ۔ مِیْزَانٌ۔ وزن کرنے کا آلہ۔ قِسْطٌ۔ عدل وانصاف۔

سُبُلٌ۔ سَبِیْلٌ کی جمع جس کے معنے رستہ کے ہیں۔

ترجمہ:

تم کہو۔ آؤ کہ میں تم پر وہ پڑھوں جو کہ تمہارے رب نے حرام کیا ہے۔ یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ پورا پورا احسان کرو۔ اور تم اپنی اولاد کو افلاس (کے خطرہ) سے قتل نہ کرو ہم ہی تم کو اور ان کو رزق دیں گے اور تم کھلی کھلی قباحت والی بدیوں سے جو ظاہر ہو اور جو پوشیدہ ہو اس کے نزدیک نہ جاؤ اور تم اس جان کو نہ مارو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ یہ وہ بات ہے جس کی اس نے تم کو تاکید فرمائی ہے تاہو کہ تم سمجھو اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ کے ساتھ جو بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی مضبوطی کو پہنچ جائے۔ اور ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر۔ ہم کسی جی کو ذمہ وار نہیں بناتے مگر اس کی طاقت کے موافق اور جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو اگرچہ وہ نزدیک رشتہ والا ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ بات ہے جس کی اس نے تم کو تاکید کی ہے تاہو کہ تم نصیحت پکڑو۔ اور یہ کہ یقیناً یہ میرا سیدھا رستہ ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور بہت رستوں کی پیروی نہ کرو پھر وہ تم کو اس کے رستہ سے متفرق کر دیں گے۔ یہ وہ بات ہے جس کی اس نے تم کو تاکید فرمائی تھی تاہو کہ تم بچو۔ پر ہم نے موسیٰ کو وہ کتاب دی جو اس طریق پر پوری تھی جو اچھا ہے اور ہر ایک چیز کے لئے تفصیل تھی اور ہدایت اور رحمت تھی تاہو کہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

تفسیر: سیاق سے تعلق

میں نے رکوع سابق کے اخیر میں بتایا ہے کہ کفار پر شرک کی تحلیل اور چند اشیاء کی تحریم کی نسبت کہ جن کے وہ مدعی تھے آخری اتمام حجت کیا جاتا ہے تو اس کے لئے پہلے ان سے گواہوں کا مطالبہ کیا اور پھر اس کے مقابل اب نبی کریم ﷺ کے ان چند امور کی تحریم کی شہادت دلائی ہے جن میں وہ سخت مبتلا تھے چنانچہ آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ) تم ان کو کہو کہ تم (جہالت اور بدکاری اور تکبر کے گڑھے اور حضیض سے نکل کر) اوپر آؤ (جیسا کہ کہ تَعَالَوْا کا اصل مفہوم ہے) تا کہ میں تم پر وہ پڑھوں (یعنی سناؤں کیونکہ کلام عرب میں کسی پر پڑھنے کے یہی معنے ہمیشہ ہوتے ہیں یہ معنے تب ہوں گے کہ عَلَيْكُمْ اَتْلُ کے ساتھ ہی متعلق ہو یا تنازع کے طور پر اس کے اور حرم دونوں کے ساتھ لگے لیکن اگر وہ فقط حرم کے ساتھ ہو جیسا کہ بعض نے پسند کیا ہے گو مجھے پسند نہیں تو پھر اس کے معنے خالص پڑھنے کے ہوں گے) جس کو تمہارے رب نے (تم پر یا عام طور پر) حرام کیا ہے (اس کے بعد اس کا سنانا شروع کیا) کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

مفسرین کا معنے

(مفسرین نے لکھا ہے کہ شَيْئًا مفعول بہ یا مفعول مطلق ہے سو بنا بر اوّل اس کے معنے ہوں گے۔ کسی چیز کو بھی اور بنا بر ثانی اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تم اس کے ساتھ شریک نہ بناؤ کچھ بھی اور کسی طرح کا شریک بنانا بھی اور اس کے بعد والدین کی عظمت اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ضرورت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا) اور والدین کے ساتھ پوری طرح احسان کرنا (یعنی حقوق والدین سے دور رہنا اور یہ دوری عقوق کے ترک سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس سے حاصل ہوتی ہے کہ تم عقوق کو ترک کر کے بجائے اس کے احسان کرو اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نیز اس کی طرف بھی کہ والدین کے تم پر وہ احسان ہیں کہ ان کے مقابلہ میں عقوق کا ذکر بھی نامناسب ہے اور اس کی طرف بھی کہ عقوق والدین تو وہ گندی اور خلاف فطرت انسانیہ کے ہے جس کی نسبت یہ گمان بھی

نہیں ہو سکتا کہ تم اس کو اختیار کرو گے۔ اس کو چھوڑ کر بجائے اس کے وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا فرمادیا ہے حالانکہ مقام محرمات کے ذکر کا ہے۔

والدین کے حقوق کے متعلق تورات اور قرآن کا بیان

اور توریت میں اس موقع پر یوں آیا ہے کہ ”تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر دراز ہو۔“ اور والدین کی مناسبت کے باعث اس کے بعد فرمایا) اور تم اپنی اولاد کو فقر کے سبب سے قتل نہ کرو ہم ہی تو تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی (دوسرے مقام پر بجائے اس کے خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ [1] (بنی اسرائیل:32) آیا ہے۔

اور ان دونوں میں بعض نے یہ فرق بیان کیا ہے۔ کہ مِنْ اِمْلَاقٍ میں تو موجود شدہ فقر مراد ہے یعنی نازل ووارد شدہ فقر کے سبب سے تم اپنی اولاد کو مت قتل کرو۔ اور خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ الخ میں وہ فقر مراد ہے جو کہ ابھی نازل تو نہیں ہوا۔ پر اس کے نزول کا خطرہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اوّل میں نَرْزُقُکُمْ کو مقدم اور وہاں پر نَرْزُقُهُمْ کو مقدم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان سب بدیوں سے منع کرنے کے لئے جن کا قبح بالکل ظاہر ہے یہاں تک کہ طبعاً انسان ان کو بُرا سمجھتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں اور جن کے اعلیٰ افراد زنا اور جھوٹ ہیں فرمایا) اور کھلی قباحت والی بدیوں کے نزدیک نہ جاؤ اُن میں سے جو ظاہر ہو اس کے بھی اور جو ان میں سے پوشیدہ ہو اس کے بھی (اکثروں نے تو الفواحش کے معنے زنا کے کئے ہیں اور کہا ہے کہ جمع بلحاظ تعدد فاعلین کے یا بلحاظ شمول انواع کے ہے جیسا کہ بعد میں مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ کہنے سے معلوم ہوتا ہے۔

اور اس صورت میں ما قبل سے ارتباط ظاہر ہے کیونکہ جیسا وہ ظاہراً قتل اولاد ہے ایسا ہی زنا پوشیدہ طور پر قتل اولاد ہے۔ اور بعض نے اَلْفَوَاحِشْ کی جمعیت کو قائم رکھ کر اس کے معنے عام بدیوں کے لئے ہیں جن کے قبح ظاہر ہوں لیکن لکھا ہے کہ اس صورت میں ما قبل کے ساتھ کوئی ربط اور مناسب معلوم نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں ربط موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ فواحش کا فرد پہلے ذکر کیا اور باقی افراد کہ جن کا ذکر کرنا ضروری تھا اس عنوان کلی

1۔ مفلسی کے خوف سے... انہیں (بھی) ہم ہی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی (ہم ہی دیتے ہیں) (تفسیر صغیر)

اور شامل کے ساتھ ان کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور گو مذکور فرد بھی اس کلی عنوان میں آ سکتا تھا اور علیحدہ ذکر کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ لیکن وہ لوگ چونکہ اس کے معتاد ہو چکے تھے اس لئے ہو سکتا تھا کہ وہ اس کو فواحش کا فرد نہ سمجھیں اور اس وجہ سے ان کا ذہن اس عنوان سے اس کی طرف انتقال نہ کرے اس لئے اس کو پہلے علیحدہ ذکر کر دیا ہے اور مَا ظَهَرَ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جو علانیۃ کیا جائے اور جو پوشیدہ کیا جائے نہ یہ کہ جس کا قبح ظاہر ہو اور جس کا قبح پوشیدہ ہو۔ اور ایک اور ربط بھی ملحوظ ہے اور وہ یہ ہے کہ قتل اولاد ایک تو قتل اولاد ہونے کے باعث ممنوع ہوا دوم فواحش کا فرد ہونے سے اور سوم قَتْلِ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ الخ کا مصداق ہونے سے چنانچہ اسی وجہ سے فواحش کے بعد فرمایا) اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جس (کے قتل) کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ (حدیث میں آیا ہے وہ تین امور ہیں کفر بعد الایمان، زنا بعد الاحصان اور نفس معصومہ کا قتل۔

(سنن ابی داؤد کتاب الدیات باب الامام یامر بالعفو فی الامر حدیث 4502)

تحریم سے مراد

اور تحریم عزت دینے کو بھی کہتے جیسے المسجد الحرام اور بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ تب اس کے معنے ہوں گے جس انسانی جان کو اللہ نے عزت دی ہے۔ اور ان معنوں میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں پڑتی جیسی کہ پہلے معنوں میں قتل کی تقدیر کی ضرورت پڑتی ہے ہاں ان دوسرے معنوں میں کسی کو یہ خدشہ پیش آ سکتا ہے کہ مومن کی جان تو معزز عند اللہ ہے لیکن کافر اور مشرک جان پر کس طرح صادق آ سکتا ہے کہ اللہ نے اس کو عزت دی ہوئی ہے پر یہ خدشہ ٹھیک نہیں کیونکہ یہ عزت ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو انسانی جان ہونے کی وجہ سے ہے اور کفر اور شرک اس عزت کو رفع نہیں کرتے ہاں جو عزت کہ ایمان کے باعث سے ہے وہ کافر اور مشرک میں ہرگز نہیں ہوتی پر یہ دونوں عزتیں جدا جدا ہیں اور ان کے آثار و ثمرات بھی جدا جدا ہیں۔

اس کے بعد اظہار تو کید کے لئے فرمایا کہ) یہ وہ امور ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تا ہو کہ تم عقل سے کام لو (جو کہ بدیوں سے روکنے کے لئے عقال اور روکنے والا ہے

کیونکہ عقل کے اصل معنے ہی روکنے کے ہیں اور عقل کو اسی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا ہے کہ بدیوں سے روکنے کا آلہ ہے۔ اور میں نے بار بار لکھا ہے کہ وصیت اس موکد حکم کو کہتے ہیں جس میں مامور کا فائدہ متصور ہو اور چونکہ کسی ضعیف اور یتیم بچہ کے مال کو ضائع اور برباد کرنا حقیقت میں اس کو قتل کرنا ہے اس لئے تحریم قتل نفس کے بعد فرمایا) اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقہ کے ساتھ جو کہ بہت اچھا ہو یہاں تک کہ وہ اپنی مضبوطی کو پہنچ جائے۔

ائمہ کے نزدیک حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ سے مراد

(سو شعبی اور اور چند ائمہ کے نزدیک حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ سے یہ مراد ہے کہ بالغ ہو جائے اور بعض نے 18 سال کی عمر کا ہونا وغیرہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ یتیم کے مال میں کمی کرنی کس طرح جائز ہو حالانکہ سب کے مالوں میں کمی کرنی منع ہے فرمایا) اور تم انصاف کے ساتھ ماپ اور وزن کو پورا کرو (اور لوگوں کے رواج عام کو دیکھ کر اس کو کوئی اَن ہونی بات نہ سمجھ لو۔ اور نہ اس حکم کی وجہ سے کوئی زیادہ موشگافی شروع کر دو کیونکہ) ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتے مگر اس کی طاقت کے مطابق (اور جس طرح معاملات میں عدل ضروری اور ترک عدل اور ظلم حرام ہے اسی طرح بات چیت اور اقوال میں بھی عدل ضروری اور ترک عدل حرام ہے۔ چنانچہ فرمایا) اور جب تم کوئی بات کرو تو انصاف کرو اگرچہ وہ شخص (جس کے حق میں بات کی ہے) قرابت والا ہو (اور جس طرح کی انسانوں کے معاہدات کا ایفاء ضروری اور عدم ایفاء اور خلف حرام ہے اسی طرح اللہ کے عہد کا ایفاء کرنا بھی ضروری ہے چنانچہ فرمایا) اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ وہ باتیں ہیں جن کا تم کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے تاہو کہ تم نصیحت پکڑو۔

لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ اور لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ کی وجہ

(یہاں پر ایک نکتہ ہے کہ پہلے پانچ حکم ذکر کئے اور ان کے اخیر لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ فرمایا ہے اور ان کے بعد پھر پانچ حکم بیان فرمائے ہیں اور ان کے اخیر پر فرمایا ہے لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ

اور فرق کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے پانچ حکم وہ ہیں کہ جن کی خلاف ورزی وہ لوگ کرتے تھے پھر بعض کو اچھا سمجھتے اور بعض کے ساتھ فخر کیا کرتے تھے مثلاً شرک کرتے تو اس کو اچھا سمجھتے تھے اور قتل ناحق کے ساتھ فخر کیا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اب تک ان کی برائی اور قبح کو سمجھا ہی نہیں جس کے ساتھ مناسب یہی تھا کہ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ کہا جائے جس کے ساتھ یہ بتایا جائے کہ گو تم نے ان اشیاء کی برائی نہیں سمجھی تھی پر ہم نے موکد حکم اس لئے کیا تا کہ ہو کہ تم ان کی برائی کو سمجھ جاؤ اور آئندہ ان سے باز آجاؤ اور آخری پانچ احکام وہ ہیں جن کی خلاف ورزی تو یہ لوگ کرتے تھے پر ان کی کسی نہ کسی وقت اور کسی نہ کسی صورت میں مذمت بھی کیا کرتے تھے۔

پس وہ ان کی برائی کو تو جانتے تھے لیکن طمع اور غضب وغیرہ کے مقام پر گویا ان کی برائی کو بھول جاتے اور باوجود مذمت کرنے کے پھر ان کو کر بھی لیتے تھے تو ان کے ساتھ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ہی مناسب تھا جیسا کہ ظاہر ہے اور جب عہد اللہ کے ایفاء کی تائید ہوئی اور سب انبیاءؑ سے عہد لیا گیا تھا کہ تم خاتم النبیین اور اس کی کامل ترین کتاب پر ضرور ہی ایمان لاؤ گے جیسا کہ پ 3 ع 16 میں وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الخ (آل عمران:82) آیا ہے اور پھر ان انبیاء کی معرفت سب قوموں سے اس ایمان کا عہد لیا گیا تھا اور کوئی عہد اللہ خواہ وہ عہد عتیق ہو یا عہد جدید ہی کیوں نہ ہو اس عہد کے قائم مقام نہ ہو سکتا تھا بخلاف اس عہد اللہ کے کہ یہ سب عہدوں کے قائم مقام تھا۔ اس لئے ایفاء عہد کے ارشاد کے بعد فرمایا) اور اس کے لئے کہ یقیناً یہ میرا سیدھا اور آسان ترین رستہ ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا جو اور بہت سے رستے ہیں تم ان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو اس کے رستہ سے بکھیر دیں گے۔

یہ وہ ہے جس کا اس نے تم کو مؤکد حکم دیا ہے تا ہو کہ تم (الٰہی غضب اور عذاب سے) بچو (تو جب وہ محرمات ان کو سنا دئے گئے جو کہ دین ابراہیمی میں ان پر حرام کئے گئے تھے۔ اور پھر قرآن مجید میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا تو اب یہ بتانے کے لئے کہ ابراہیمؑ کے بعد موسیٰؑ پر شریعت والی کتاب نازل ہوئی ہے تو اس میں بھی یہی محرمات مذکور ہیں فرمایا) پھر (ابراہیمؑ کے بعد) جس نے اخلاص دکھایا اس پر اتمام نعمت کرنے اور ہر چیز کی تفصیل

اور ہدایت اور رحمت کے لئے ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی تاہو کہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لاویں (ان معنوں میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی پر مفسرین نے مذکورہ بالا محرمات کو محرمات قرآنیہ ہی سمجھا ہے تو قرآن مجید کے ذکر کے بعد ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ کہنا ان پر بہت مشکل ہوا ہے اور پھر ثُمَّ میں بہت سی تاویلیں کی ہیں اور عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کے یہ معنے بھی کئے گئے ہیں۔ ''اس طریق پر جو کہ اچھا ہے۔'' اور اللہ کے اپنے انبیاءؑ پر احسان پورا کرنے کے باعث سے۔

آیت 156 تا 166: وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ۔ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ وَ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ

خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

مُبٰرَكٌ۔ برکت سے ہے اور اسی مادہ سے بِرْکَۃٌ ہے جس کے معنے حوض کے ہیں۔ تو مبارک کے معنے ہوئے کہ حوض کی طرح سے جس کا نفع کثیر ہے اور نفع اس میں بہت ہے۔

دِرَاسَۃٌ اور دَرْسٌ ایک ہی ہیں پڑھنا پڑھانا۔

بَيِّنَۃٌ۔ کے معنے ہیں نہایت کھلی بات یا چیز یا امر جو دوسرے مخفی امر کے ساتھ لگ کر اس کو بھی کھول دے جیسی شہادت اور دلیل اور قرینہ واضحہ اور قویہ۔

صَدَفَ۔ صَدْفٌ اور صُدُوْفٌ سے ہے۔ جس کے معنی اعراض کرنے پھرنے اور پھرانے کے ہیں۔

سُوْٓءُ الْعَذَابِ میں سُوْٓءٌ کے اصل معنے برائی کے ہیں اور عذاب دکھ کو کہتے ہیں تو اس کے ظاہر معنے ہوتے ہیں دکھ کی برائی اور مفسرین نے ان کو صفت اور موصوف قرار دے کر اَلْعَذَابُ السَّيِّءُ الشَّدِيْدُ معنے کئے ہیں۔

هَلْ۔ کے معنے ہوتے ہیں کیا۔ لیکن جب اس کے بعد اِلَّا آجائے تو اس کے معنے نفی کے ہو جاتے ہیں جس کا ترجمہ نہیں کیا جاتا ہے۔

شِيَعٌ۔ شِيْعَۃٌ کی جمع ہے۔ علیحدہ گروہ۔

لَا يَظْلِمُوْنَ۔ ظُلْمٌ سے ہے کسی پر زیادتی کرنا اور حق میں کمی کرنا۔

دِيْنٌ۔ وہ مذہب کہ جس پر عملدر آمد کرنے سے انسان اجر اور جزاء کا امیدوار ہوتا ہے اور یہ كَمَا تُدِيْنُ تُدَانُ[1] کے محاورہ کے مطابق ہے۔

قِيَمٌ۔ کے معنے اکثروں نے تو مستقیم ہی کئے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مستقیم تو وہ ہوتا ہے جس میں کوئی کجی نہ ہو اور قِيَمٌ وہ ہوتا ہے جو کہ ثابت اور قائم ہو اور منسوخ نہ ہو سکے۔

[1]۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ (از مرتب)

حَنِیْفٌ۔ کے معنے بار بار گذر چکے ہیں۔

نُسُکٌ۔ قاموس میں ہے اَلنُّسُکُ اَلْعِبَادَۃُ وَکُلُّ حَقٍّ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَالذَّبِیْحَۃُ وَالدَّمُ[1] اور بعض مفسرین اس کے معنے عبادات حج وعمرہ کیا کرتے ہیں گو یہ لغت سے ثابت نہیں۔

مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ۔ حیاۃ اور موت۔

اَبْغِیْ۔ بُغْیَۃٌ سے ہے طلب اور تلاش کرنا۔

تَزِرُ اور وَازِرَۃٌ۔ وِزْرٌ سے ہیں۔ بوجھ اُٹھانا اور وَازِرَۃٌ صفت ہے اور موصوف اس کا نفس ہے جو مقدر ہے۔

خَلَآئِفَ۔ خَلِیْفَۃٌ کی جمع ہے۔ جانشین اور حاکم منتظم۔

دَرَجَاتٌ۔ مراتب۔

یَبْلُوَ۔ بَلَآءٌ سے ہے جس کے معنے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ کہ مخفی حالت کے اظہار کرنے کے لئے کوئی امر پیش کرنے کو کہتے ہیں۔

ترجمہ:

اور سنو یہ بڑے فائدوں والی عظیم الشان کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے سو تم اس کی پیروی کرو اور بچو تا ہو کہ تم رحم کئے جاؤ اس سے (بچنے کے لئے) کہ تم کہو کہ بس وہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی ہے۔ اور ہم یقیناً ہی ان کے پڑھنے سے غافل تھے یا تم کہو کہ یقیناً اگر وہ کتاب ہم پر اتاری جاتی تو بے شک ہم ان سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے سو یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی شہادتوں اور دلیلوں والی کتاب آگئی ہے اور بڑی ہدایت اور عظیم الشان رحمت تو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے پھرا اور پھرایا۔

یقیناً ہم ان کو جو ہماری آیتوں سے پھرتے اور پھراتے ہیں برا عذاب اس کے بدلہ میں دینگے کہ وہ ہمیشہ پھرتے پھراتے رہے ہیں۔ وہ انتظار نہیں کرتے مگر اسی کی کہ ان کے پاس وہ فرشتے آجاویں یا تیرا رب آجائے یا تیرے رب کے بعض نشان آجائیں (پر) جس دن

[1]۔ نُسُک کا مطلب عبادت ہے۔ اور اللہ عزوجل کا ہر حق اور قربانی کا جانور اور خون بھی مراد ہیں۔ (از مرتب)

تیرے رب کے بعض نشان آئیں گے تو کسی جی کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا۔ جو کہ وہ پہلے سے ایمان نہیں لایا یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہیں کی تم کہو تم انتظار کرو بے شک ہم انتظار کرنے والے ہیں۔ بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کیا اور گروہ گروہ ہو گئے تو ان میں سے کسی چیز میں نہیں۔ بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے پھر وہ ان کو اس پر آگاہ کرے گا جو کہ وہ کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی بھلائی لائے گا تو اس کے لئے اس کے دس گنے ہیں اور اگر کوئی بدی لائے گا تو اس کو بدلہ نہ دیا جائے گا مگر اس کی مثل اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ تم کہو کہ یقیناً مجھے میرے رب نے صراط مستقیم اعنی پائیدار دیں ابراہیمؑ کے طریقہ کی طرف ہدایت کی ہے جو کہ صراط مستقیم پر تھا اور مشرکوں سے بالکل نہ تھا۔

تم کہو کے بے شک میری نماز اور میری کل عبادات اور میری زندگی اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہیں جو کہ جہانوں کو پیدا کر کے پرورش کرنے والا ہے جس کے لئے کوئی شریک نہیں۔ اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔ تم کہو کیا میں اللہ کے سوا رب تلاش کروں حالانکہ وہ ہر ایک چیز کو پیدا کر کے پرورش کرنے والا ہے اور کوئی جی نہیں کماتا مگر اپنے ہی پر اور کوئی بوجھ اُٹھانے والی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اُٹھائے گی پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہو گا تو وہ تم کو ان امور پر آگاہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو اس زمین کے خلیفے بنایا ہے اور اس نے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا ہے تا کہ تمہاری باطنی حالت کو اس میں ظاہر کر دے جو کہ اس نے تم کو دیا ہے۔ بے شک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک ضرور ہی وہ بہت مغفرت کرنے والا اور اچھی پاداش دینے والا ہے۔

تفسیر:

توریت کے باوجود قرآن کریم کے نزول میں حکمت

جب وصایا ابراہیمی کے بعد توریت کا ذکر آیا اور اصل بات قرآن مجید پر ایمان لانے کی نسبت چلی ہوئی تھی تو اب ضرورت ہوئی کہ ان کو بتایا جائے کہ ان کے بعد پھر کتاب کی

کیا ضرورت پڑی ہے تو پہلے فرمایا) اور اچھی طرح سن لو کہ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے (اور) جو بہت فائدوں والی ہے۔ (پس چونکہ انسانی طبائع بہت کچھ ترقی کر گئی تھیں اور مخصوص القوم اور مخصوص الزمان احکام اصلاح عامہ کے لئے کافی نہ ہو سکتے تھے اور فقط اسرائیل کا خدا یا خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہہ دینا انسان کو ایسا گرویدہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی آزاد اور اکڑ باز اور پھر نازنین گردن کو کسی حکم کے جوئے کے لئے فی الفور جھکا دے۔ بلکہ اس کے لئے از بس ضروری تھا کہ پہلے وہ حکم فی نفسہٖ سب علوم و حکم کی معیار پر کسا ہوا ہو تا کہ انسان کو ہمہ دانی کے پر غرور تخت سے اُتارنے اور تلمذ کے مودبانہ مقام پر کھڑا کرنے پر قادر ہو سکے اور پھر اپنے ارد گرد براہین و آیات کا جرار لشکر آراستہ و پیراستہ رکھتا ہو تا کہ طبیعت انسانیہ خوفاً و طمعاً اس باشان و شوکت بادشاہ کے آگے سر اطاعت خم کر سکے۔

اور یہ کتاب کسی قوم یا کسی زمان کے ساتھ مخصوص نہیں پھر عظیم الشان ہے جس کی طرف کتاب کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے اور پھر خداوند تعالیٰ کے سب صفات و اسماء کی مظہر ہونے کے باعث سب علوم کی مخزن ہے جس کی طرف اَنْزَلْنَا جمع لا کر اشارہ کیا گیا ہے۔ اور پھر خدائے علیم و حکیم کا اس کو نازل کرنا ہی اس کی دلیل بین ہے کہ اس کا نازل کرنا لغو نہیں بلکہ ضرورت حقہ اور فوائد متوقعہ کے مطابق ہے۔ اور پھر یہ کتاب نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا[1] (البقرۃ:107) کے مطابق آئی ہے گو اَوْ مِثْلِهَا کے ماتحت بھی اگر آتی تو کچھ حرج کی بات نہ ہوتی پر یہ تو نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا کے ماتحت آئی ہے جس کی طرف مبارک کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے۔ چونکہ کتاب کا ایسا ہونا اس بات کا مقتضی تھا کہ ضرور اس کی پیروی کی جاوے لہٰذا اس کے بعد ان کو ارشاد فرمایا کہ) سو تم اس کی پیروی کرو اور (عذاب الٰہی اور اس کی ناراضگی سے) بچو تا ہو کہ تم رحم کئے جاؤ (اور پھر اس مذکورہ بالا وجہ کے علاوہ اس کے اتارنے کی دوسری وجہ یہ بیان کی کہ اس سے بچنے کے لے ہم نے یہ اتاری ہے) کہ تم کہو کہ بس کتاب تو ہم سے پہلے دو ہی گروہوں پر نازل کی گئی تھی۔ اور یقیناً ہم ان کے پڑھنے سے غافل تھے (تو پھر ہم کو کیوں محروم کیا جاتا ہے۔

[1]۔ تو اس سے بہتر... ہم (دوبارہ دنیا میں) لے آتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

مفسرین کی اَنۡ تَقُوۡلُوۡا کی نسبت بحث

(مفسرین نے اَنۡ تَقُوۡلُوۡا کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے پہلے لام مقدر ہے جو کہ اَنۡزَلۡنَا کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور یہ درست ہے کیونکہ ان کے پہلے اکثر لام یا کوئی حرف جار مقدر ہوا کرتا ہے پھر کوفیوں کے نزدیک ان کے بعد لَا نافیہ مقدر ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں ہے اَنۡزَلۡنَا لِاَنۡ لَّا تَقُوۡلُوۡا اور لَا کو اس لئے مقدر کرتے ہیں کہ اثبات کی صورت میں مطلب غلط بر آمد ہوتا ہے مگر اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے فقط ان کا خیال ہے اور بصری ان سے پہلے کراہۃً اتقاء حذر وغیرہ مقدر مانتے ہیں جو کہ پہلے فعل کو مفعول لہ ہوتا ہے اور یہی ٹھیک ہے۔ اور بعض نے اس کو اِتَّقُوۡا کا مفعول بتایا ہے اور بعض نے لام مقدر نکال کر اَنۡزَلۡنَا کے ساتھ ہی متعلق بتایا ہے لیکن لام کو لام عاقبت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا ۔[1] (القصص:9) میں ہے یعنی یہ کتاب ہم نے اس لئے اتاری ہے تا کہ اس پر یہ مرتب ہو کہ تم یہ کہو الخ دوسری بات یہاں پر قابل یاداشت یہ ہے کہ جب توریت خاص بنی اسرائیل ہی کے لئے آئی تھی تو پھر عرب تو اس کے مکلف نہیں ہو سکتے کہ قیامت کے دن اس کی خلاف ورزی کی ان سے باز پُرس ہو۔

مفسرین نے اس کا جواب یہی دیا ہے کہ یہ باز پرس توحید کی نسبت ہے اور اس کے سب مکلف ہیں اور بعض نے یہ بھی کیا ہے کہ یہ باز پرس ان امور کی نسبت ہے جو کہ قُلۡ تَعَالَوۡا الخ میں بیان ہوئے ہیں اور یہ سب وہ امور ہیں جن کے سب ہی مکلف ہیں۔ لیکن میرے نزدیک مفسرین نے خود ہی اپنے ذمہ یہ سوال لیا ہے ورنہ قرآن مجید میں نہ تو قیامت کا ذکر ہے اور نہ مواخذہ کا اور ظاہر ہے کہ یہ قول دنیا میں بھی وہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ عام بات ہے کہ جب کسی شخص یا قوم کی بڑائی اور خوبی کا ذکر ہوتا ہے تو اس کے مقابل جو اس خوبی اور بڑائی سے محروم ہوتے ہیں اپنے پر سے الزام دور کرنے اور ان کی ترجیح کو کم کرنے کے خیال سے کہا کرتے ہیں کہ ان کو فلاں فلاں بات حاصل ہو گئی تھی اس لئے ان کو یہ بڑائی اور خوبی مل گئی ہے اور ہم محروم رہ گئے ہیں۔

---

[1]: جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ ان کے لئے دشمن ثابت ہوا اور غم کا موجب بنا۔ (تفسیر صغیر)

اور اگر قیامت ہی لے جائے تو پھر یوں بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ اہل کتاب کے اجر اور انعام کو دیکھیں تو کہیں کہ ہم کو کیوں محروم کیا جاتا ہے اور ہمارا قصور ہی کیا ہے یہ تو محرومی کی نسبت کہتے اور ان کی ترجیح کی نسبت فرمایا) یا تم کہتے کہ یقیناً ہی ہم تھے کہ اگر وہ کتاب ہم پر نازل کی جاتی تو ہم ان سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے (لیکن اب تم نہ پہلی بات کہہ سکتے ہو اور نہ دوسری) اس لئے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرح سے کھلی حجت اور ہدایت اور رحمت آگئی۔ (یعنی تمہارے پاس ایسی کتاب آ گئی جو کہ ایسی مدلل اور مبرہن ہے کہ گویا وہ دلیل ہی دلیل ہے اور پھر وہ تم پر حجت ہے کہ اب تم کوئی عذر نہیں کر سکتے اور پھر سب فضلوں اور انعاموں کی جڑھ اور سب کامیابیوں کا منبع ہے۔

قرآن عظیم کو نہ ماننے والوں کا بیان

پر جب یہ کتاب آئی تو تم نے اس کو قبول کر کے کوئی ہدایت نہ پائی بلکہ اس کی تکذیب کی اور اس سے خود بھی رکے اور دوسرے لوگوں کو بھی روکا اور پہلی محرومی کی حد سے بھی بہت کچھ آگے بڑھ گئے کیونکہ) اس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی اور رکا اور روکا ان سے جو لوگ کہ اُن سے رکے (اور انہوں نے دوسروں کو ان سے روکا ہے) ہم ضرور ان کو اس کے عوض برا دکھ دیں گے کہ وہ ہمیشہ رکتے اور روکتے تھے (تو جب ایسی کتاب پر ایمان نہ لائے جو کہ براہین و آیات سے پر ہے تو پھر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان کے ایمان لانے کے لئے کونسی چیز ضروری ہے یا وہ خود اپنے ایمان کے لئے کس چیز کی انتظار بتاتے ہیں تو خدائے علیم نے فرمایا کہ) یہ نہیں انتظار کرتے مگر اس کی کہ ان کے پاس وہ فرشتے آجائیں یا تیرا رب آجائے۔ (جیسا کہ پ 2 ع 9 میں فرمایا ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ [1] (البقرۃ:211) اور پھر پ 19 ع 1 میں اس کی تفصیل یوں فرمائی ہے وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ

1۔ وہ (لوگ) اس کے سوا کس (بات) کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ ان کے پاس بادلوں کے سایوں میں آئے اور فرشتے (بھی آئیں) اور بات کا فیصلہ کر دیا جائے۔ (تفسیر صغیر)

عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا[1] الخ (الفرقان:22) پھر فرمایا یَوْمَ یَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى یَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِیْنَ[2] (الفرقان:23) وَ یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ۔ اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَ كَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا[3] (الفرقان:26-27)

فتح بدر کی پیشین گوئی

اور میں پہلے مفصل لکھ آیا ہوں کہ یہ فتح بدر کی پیشین گوئی ہے اور بتایا ہے کہ بادلوں کے پھٹنے کو اس فتح میں اور ائمۃ الکفر کی تباہی میں کیسا دخل عظیم ہے اور کہ اس دن کس طرح فرشتے نازل ہوئے تھے اور اِتْیَانُ الرَّبِّ مَعِیَّۃُ الرَّبِّ کی طرح اعانت اور امداد اور نصرت الٰہیہ سے کنایت ہوتا ہے) یا تیرے رب کے بعض نشان آجائیں اور اس سے فتح مراد ہے جیسا کہ پ 21 ع 16 میں فرمایا ہے وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِیْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ[4] (السجدۃ:29-30) اور جس طرح پہلے دونوں امروں سے فتح بدر مراد ہے اسی طرح بعض آیات سے بھی وہی فتح بدر مراد ہے جس کا بڑا قرینہ یہ ہے۔ کہ اس کے بعد اگر جواب ہوتا تو پھر تینوں کا ہوتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ فقط بعض آیات ہی کی نسبت آگے ذکر ہے اور پہلے دونوں کا کچھ ذکر نہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور یہ ایک ہی ہیں اور چونکہ کفار جدا جدا تین عنوانوں کے ساتھ اپنے ایمان کی اس شرط کا مطالبہ اور ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے خداوند تعالیٰ نے بھی اس ایک امر اور نشان کو جدا جدا تین عنوانوں کے ساتھ کر فرمادیا۔

اتیان ملائکہ سے مراد

اور مفسرین میں سے بعض نے اتیان ملائکہ سے قبض ارواح کے لئے ان کا آنا لیا ہے

---

[1] ۔ اور انہوں نے جو ہماری ملاقات کی امید نہیں کرتے کہہ دیا کہ کیوں ہم پر فرشتے نہیں اتارے گئے؟ یا ہم اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے؟ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ (کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ) جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کو کوئی خوش خبری نہیں ملے گی۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ اور اس دن (کو یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا اور بادل سر پر منڈلا رہے ہوں گے اور فرشتے بار بار اتارے جائیں گے۔ اس دن بادشاہت سچ مچ رحمن (خدا) کے قبضہ میں نظر آئے گی۔ اور (یہ) دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ فتح جس کا تم ذکر کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ کب ہوگی۔ تو کہہ دے کہ اس فتح کے دن کفار کو ان کا ایمان نفع نہیں دے گا اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی۔ (تفسیر صغیر)

اور اتیان رب سے قیامت کے دن آنا لیا ہے کیونکہ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرۃ:211) سے وہ خالص قیامت کے دن میں آنا لیتے ہیں اور انہوں نے لکھا ہے کہ ابن مسعودؓ اور قتادہ اور مقاتل نے یہ تفسیر کی ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ فرشتوں کا وحی لیکر ان پر آنا یا اس کتاب کی شہادت دینے کے لئے ان پر اترنا مراد ہے جیسا کہ دوسری آیتوں سے ان کا مطالبہ ثابت ہے اور اتیان رب سے بھی اس کتاب کی تصدیق کے لئے ظاہر ہو کر آنا مراد ہے جیسا کہ اور آیتوں میں ان کا سوال آیا ہے۔ اور بعض نے اول سے عذاب اور خسف کے لئے اترنا اور دوم سے رب کے حکم کا ان کے عذاب کے لئے نازل ہونا لیا ہے۔ اور ابن عباسؓ سے دوم کی نسبت مروی ہے کہ ان کے قتل کا حکم نازل ہونا مقصود ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دوم سے کل آیات کا ظاہر ہونا مراد ہے جیسا کہ اس کے مقابل بعض آیات کا آنا ذکر کیا گیا ہے۔

آیات سے مراد

اور آیات سے خاص قرب قیامت کے دس نشان لئے ہیں جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ وہ گھڑی نہ آئے گی یہاں تک کہ اس سے پہلے تم دس نشان نہ دیکھ لو اور پھر ان کو ذکر کیا کہ اَلدُّخَانُ وَالدَّجَّالُ وَعِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ وَیَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَالدَّابَّۃُ وَطُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِہَا وَثَلَاثَۃُ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَآخِرُ ذَالِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدْنٍ أَوِ الْیَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ إِلَی الْمَحْشَرِ ۔[1] (زمین شام) تَنْزِلُ مَعَہُمْ إِذَا نَزَلُوْا وَتَقِیْلُ مَعَہُمْ إِذَا قَالُوْا ۔[2]

(تفسیر الدر المنثور جلد 3 صفحہ 358 سورۃ الانعام مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور بعض آیات اکثروں نے دجال، دابۃ، طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ[3] لیا ہے لیکن

---

[1] ۔ دھواں اور دجال اور عیسیٰ بن مریم اور یاجوج اور ماجوج اور دابۃ الارض اور سورج کا اس کے مغرب سے طلوع ہونا اور تین خسوف ہیں ایک خسف مشرق میں اور ایک خسف مغرب میں اور ایک خسف جزیرہ عرب میں۔ اور اس کے آخر میں یمن یا عدن کے کنوئیں سے آگ کا ظاہر ہونا ہے جو ان کو محشر کی طرف دھکیل دے گی۔ (از مرتب)

[2] ۔ جب وہ اتریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ اترے گی اور جب وہ قیلولہ کریں گے تو یہ بھی ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی۔ (از مرتب)

[3] ۔ مغرب سے سورج طلوع ہونا۔ (از مرتب)

اس پر دوسروں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ بعض تو وہ جس کے بعد ایمان قبول نہ ہو گا اور دجال اور مسیحؑ کے بعد تو یقیناً ایمان قبول ہو گا لہٰذا انہوں نے کہا ہے کہ بس بعض سے خاص طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِن مَغْرِبِهَا مراد ہے جس کی نسبت صحیح حدیثوں میں آ گیا ہے کہ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا لیکن اس کے بعد جو اِلَّا مُنْتَظِرُوْنَ آیا ہے اس کی تفسیر میں روح المعانی نے لکھا ہے کہ فِیْ هٰذَا تَأْیِیْدٌ لِکَوْنِ الْمُرَادِ بِمَا یَنْتَظِرُوْنَهٗ إِتْیَانِ مَلَائِکَةِ الْعَذَابِ أَوْ إِتْیَانِ أَمْرِهٖ تَعَالٰی بِهٖ وَعِدَّةٌ ضَمَنِیَّةٌ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِیْنَ بِمُعَایَنَتِهِمْ بِمَا یَحِیْقُ بِالْکَفَرَةِ مِنَ الْعِقَابِ. وَلَعَلَّ ذٰلِكَ هُوَ الَّذِیْ شَاهَدُوْهُ یَوْمَ بَدْرٍ۔[1]

(روحانی المعانی جزء 8 صفحہ 430 سورۃ الانعام مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 2000ء)

سو یہ تفسیر اس کی موید ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور یہی حضرت خلیفۃ المسیحؓ کے منشاء کے مطابق ہے اور یہی ان مشکلات سے پاک ہے جو دوسری تفسیروں پر پیش آتے ہیں اور چونکہ حقیقت میں ان تینوں سے ایک ہی نشان مراد تھا جو کہ فتح بدر ہے اور یہ تینوں اس کے عنوان ہیں اس لئے ان میں سے اخیر عنوان کو لے کر فرمایا کہ) جس دن تیرے رب کے بعض نشان آئیں گے تو کسی ایسے جی کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی ہو (یہ تو اس منتظر نشان کی نسبت ہوا اور ان کے انتظار کی نسبت فرمایا کہ) تم کہو کہ تم انتظار کرو۔ بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

(اور ایمان کے نفع نہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ جو ائمۃ الکفر مذکورہ بالا عنوانوں کے ساتھ اس نشان کا مطالبہ اور انتظار کرنے والے تھے ان کے لئے مقرر ہو چکا تھا کہ وہ بدر میں ہلاک کئے جاویں گے جیسا کہ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ[2] (یٰس:8) میں بتایا گیا ہے اور قومی خبروں میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ ذکر مطلق قوم کا ہوتا ہے جس سے بظاہر کل قوم مفہوم ہوتی ہے اور مراد بعض معین یا غیر معین ہوتے ہیں اور یہاں پر بھی

[1]۔ اس میں اس مقصد کی تائید ہے جس کا وہ انتظار کر رہے ہیں۔ یعنی عذاب والے فرشتوں کی آمد کا یا اللہ تعالیٰ کے اس بارہ میں حکم کا۔ اور رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ وہ انہیں دکھائے گا جس کے ذریعہ سے وہ کفار کو عذاب میں گھیرے گا۔ اور شاید یہ وہی ہے جو انہوں نے بدر کے دن دیکھا تھا۔ (از مرتب)

[2]۔ ہمارا دعویٰ ان میں سے اکثر کے متعلق پورا ہو گیا، چنانچہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ (تفسیر صغیر)

نَفْسًا سے وہی ائمۃ الکفر مراد ہیں جو جنگ بدر میں مارے گئے اور موت کے وقت ضرور انکشاف ہو جاتا ہے اور جو اپنے مطلوبہ اور منتظر نشان کے ساتھ ہلاک ہوں ان پر تو ضرور ہی انکشاف ہو گا انکشاف کے بعد ضرور ہی ایمان حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ ہمیں سورج کی نسبت ایمان حاصل ہے لیکن اس وقت کا ایمان کچھ نفع نہیں دیتا نہ اس لحاظ سے کہ اس میں غیب نہیں رہا اور نہ اس لحاظ سے کہ اس کی تصدیق اعمال کے ساتھ نہیں ہوئی اسی وجہ سے یہاں پر اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا فرمایا ہے اور نہ ان کا اس وقت کا ایمان ان کو یہ نفع دیگا کہ قتل سے بچ جاویں۔

اور مفسرین کو جب یہ بات سمجھ نہ آئی تو انہوں نے بعض اٰلایات سے خاص طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا لیا ہے کیونکہ اس کی نسبت آیا ہے کہ توبہ کا دروازہ اس کے بعد بند ہو جاوے گا۔ حالانکہ مکہ معظمہ کے مشرکوں کو طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ کا انتظار کرنا کوئی معنے نہیں رکھتا اور پھر تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ صاف ظاہر ہے کہ مطلق ملائکہ کا نزول نہیں مراد بلکہ ان پر نازل ہونا مقصود ہے اور اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے دونوں امروں کا بھی ان کے پاس آنا مقصود ہے۔ چنانچہ پہلے دو امروں کی جو جو تفسیر مفسرین نے کہ ہے وہ ایسے ہی امور ہیں جو کہ ان پر آنیوالے ہیں لیکن طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنَ الْمَغْرِبِ کا ان پر آنا کوئی معنے ہی نہیں رکھتا اور ایمان کے نفع نہ دینے سے بھی یہی لیا ہے کہ وہ ایمان قبول نہ ہو گا اور خُلُوْدٌ فِي النَّارِ سے نہ بچا سکے گا۔ اور جب یہ لیا تو پھر خود معتزلہ کی زد میں آگئے کیونکہ اہل السنۃ والجماعت کا یہ مذہب ہے کہ خالی اور مجرد ایمان کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور یہاں پر ایمان کے نافع ہونے کے لئے دو شرطیں بیان کی گئی ہیں۔

اول تو اس سے سمجھ میں آتی ہے لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ یعنی اس نشان سے پہلے ایمان کا ہونا۔ اور دوسری اس سے کہ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا یعنی اس ایمان کے ساتھ اعمال خیر ہوں۔ پھر لگے باریک اور رکیک جواب دینے کہ یہاں پر نفی عموم ہے اور عموم نفی نہیں اور پھر ایسے جوابوں والوں کا جو حال ہوتا ہے کہ جواب الجوابوں کے طولانی سلسلہ میں پھنس جاتے ہیں وہی حال ان کا بھی ہوا۔ لیکن اللہ

کے فضل اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی برکت سے جو تفسیر ہم نے کی ہے وہ ان سب مشکلات سے پاک وصاف ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

تو جب اس شرط کا حال بیان ہو گیا جو کہ وہ اپنے ایمان بِہٰذَا الْکِتَاب کے لئے پیش کرتے تھے کہ اس پر یہی ان کے ایمان کی کوئی امید نہیں ہو سکتی تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا ان کی پیش کردہ شرط کو جانے دو پر اور بھی کوئی ایسی صورت ہے کہ جس سے یہ متفرق مذاہب کے لوگ اس اعلیٰ اور اکمل کتاب اور بینہ اور رحمت اور ہدایت پر جمع ہو سکیں یا کوئی جمع کر سکے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ) بے شک جن لوگوں نے اپنے (ایک) دین کو بکھیرا ہے اور وہ گروہ گروہ ہوئے ہیں تو ان سے کسی چیز میں نہیں (یہ ایک عرب کا محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کی نسبت یہ کام (جو کہ یہاں پر ایک دین اور اس کتاب پر جمع کرنا ہے) نہیں کر سکتا۔

اس لئے اس کے بعد فرمایا ہے کہ) بس ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے سپرد ہے (پر ظاہر ہے کہ جبر اور زور سے تو وہ کسی کو دین پر نہیں لاتا کیونکہ یہ بے فائدہ اور لغو کام ہے اور وہ لغو کاموں سے منزہ ہے لہٰذا فرمایا) پھر وہ ان کو ان کاموں پر آگاہ کرے گا جو کہ وہ کیا کرتے تھے (اور یہ تو قیامت کو ہو گا پر کیا دنیا میں بھی کچھ آگاہی ہو سکتی ہے تو فرمایا کہ) جو کوئی اچھے اعمال لائے گا اس کے لئے ان کے دس گنے ہوں گے اور جو کوئی برے کام لائے گا سو اس کو بدلہ نہ دیا جاوے گا مگر ان کی مثل اور ان پر ظلم نہ کیا جاوے گا (چنانچہ صحابہؓ نے اس دنیا میں ہی اپنے اعمال سے کس قدر زائد حاصل کیا ہے جو کچھ انہوں نے اللہ کے لئے چھوڑا تھا اس سے کس قدر زائد پایا اگر دشمن کے ہاتھ سے تکلیف اُٹھائی تو کس قدر ان کو دشمن پر غلبہ اور فتح حاصل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا سے مراد

ہمارے مفسرین نے عموماً اَلَّذِیْنَ فَرَّقُوْا سے اہل کِتَابَیْن لئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ اور قتادہ سے مروی ہے کہ اہل کِتَابَیْن کے حق میں نازل ہوئی ہے لیکن میں نے بار بار بتایا ہوا ہے کہ اسباب نزول اور ربط میں کے درمیان اکثر فرق ہوتا ہے لیکن مفسر کو وہ بیان کرنا چاہئے جس کو ربط چاہتا ہو کیونکہ مفسرین اور اصول والوں نے خود لکھا

ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کو ہے اور خصوص نزول کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور بعض نے اس سے اس امت کے مبتدع اور ہوا پرست لوگ لئے ہیں۔ اور ثبوت میں ایک حدیث پیش کی ہے جو کہ ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ إِنَّ الَّذِيْنَ فَارَقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا هُمْ أَصْحَابُ الْبِدَعِ وَأَصْحَابُ الْأَهْوَاءِ وَأَصْحَابُ الضَّلَالِ[1] مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ لَيْسَتْ لَهُمْ تَوْبَةٌ۔[2]

(روح المعانی جلد 4 صفحہ 310 سورۃ الانعام مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ کے معنے

اور اس اختلاف سے بھی کم از کم اس قدر تو ثابت ہوا کہ الفاظ عام ہیں کہ اہل کتابین اور اس امت کے اہل بدع والاھواء والضلال کو شامل ہیں لہٰذا حق وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ کے کسی نے معنے کئے ہیں کہ تو انکی نسبت اور ان کے تفرقہ کی وجہ دریافت نہیں کر سکتا۔ اور کسی نہ کہا کہ تو ان سے بری ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ تو ان سے معصوم و محفوظ رہے گا اور کسی نے کہا کہ تو ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کسی نے کہا کہ تو ان کے قتال سے تعرض نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد اتمام حجت کے لئے اور یہ بتانے کے لئے کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب مُفَرِّقُوْنَ دِيْنَهُمْ ہیں اور اس دین واحد ربانی کی ہدایت مجھے ہوئی ہے اور جب تک تم اس پر نہ آؤ تم مُفَرِّقُوْنَ ہی رہو گے فرمایا) تم کہو کہ بے شک میں ہی ہوں کہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے جو کہ پائدار دین اعنی ابراہیم کا طریق مذہب ہے جو صراط مستقیم پر چلنے والا تھا اور مشرکوں سے بالکل نہ تھا (یعنی اس میں شک نہیں کہ تم سب کے نزدیک دین ابراہیمؑ حق اور دین اللہ ہے۔ جس کی اتباع کا ابراہیمؑ کی سب اولاد کو حکم دیا گیا تھا پس اس کی اولاد کا دین وہی دین ابراہیمی ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ابراہیم مشرک تو بالکل نہ تھا پس جن کے دین میں کچھ بھی شرک ہو جیسا کہ تم تینوں گروہوں کے دین میں صراحۃً ہے۔

---

[1] ۔ روح المعانی میں الضَّلَالَةِ ہے۔ (از مرتب)

[2] ۔ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ ہو گئے ہیں۔ یہ اس امت میں سے بدعت والے اور خواہشات کی پیروی کرنے والے اور گمراہ لوگ ہیں۔ ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔ (از مرتب)

سو وہ مفرق اپنے دین کے ہیں اور جس کے دین میں شرک نہ ہو جیسا کہ تمہارے دین میں بالکل نہیں وہ اسی دین ابراہیمی پر ہے اسی لئے اس کے بعد فرمایا کہ) تم کہو کہ یقیناً میری نماز اور میری کل عبادتیں اور میری زندگی اور موت خالص اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے جس کے لئے کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب فرمانبرداروں سے پہلا ہوں (کچھ ان لوگوں کی طرح نہیں جو کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ [1](البقرۃ:45) کے ساتھ مخاطب ہیں تو جب خداوند تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے صراط مستقیم ملت ابراہیم اور دین قیم کی مجھے ہدایت کر دی اور اسی کا مجھے حکم ہے تو کیا پھر تمہارے کہنے اور ترغیب دینے پر میں اس کے ساتھ کسی کو شریک کر سکتا ہوں یا تمہارے ذمہ دار ہونے پر میں ایسی بدی کو اختیار کر سکتا ہوں جیسا فرمایا) تم کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ وہ سب چیزوں کا رب ہے اور کوئی جی نہیں کماتا مگر اپنے آپ پر اور کوئی بوجھ اُٹھانیوالا جی دوسرے جی کا بوجھ نہیں اُٹھاتا پھر تمہارے رب ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہو گا تو وہ تم کو ان امور پر آگاہ کرے گا کہ جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے (تو جب کوئی کسی کو بوجھ نہیں اُٹھاتا تو پھر یہ بھروسہ غلط ہے کہ ہم انبیاءؑ کی اولاد ہیں اور ہماری بدیوں کا ہمیں مواخذہ نہ ہو گا اور نہ اس کے پیچھے پڑنا چاہئے کہ ہمارے بزرگ ایسے اور ویسے تھے بلکہ خود کچھ کرنا چاہئے اس لئے) اور وہ وہ ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفے بنایا ہے۔ (اور پہلی قوموں کو اُٹھا کر تم کو ان کا جانشین بنایا ہے) اور بعض کو بعض پر درجات میں بلند کیا ہے تا کہ تمہاری اندرونی حالت کو اس میں ظاہر کر دے جو کہ اس نے تم کو دیا ہے (سو اگر تمہارا اندرونہ اچھا ظاہر ہوا تو مغفرت اور رحمت ہو گی اور اگر برا اور خراب ظاہر ہوا تو پھر سزا میں کوئی دیری نہ ہو گی جیسا کہ فرمایا) بے شک تیرا رب جلد سزا والا ہے (سزا کو اس لئے مقدم کیا کہ وہ اسی کے مستحق تھے اور وہ اسی کے منکر بھی تھے۔) اور بے شک ہی وہ بہت مغفرت کرنے والا اچھی پاداش دینے والا ہے۔

[1]۔ کیا تم (دوسرے) لوگوں کو (تو) نیکی (کرنے) کے لئے کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو؟ (تفسیر صغیر)

سورۃ الاعراف

مکیۃٌ وھی مائتانِ وستُّ آیۃٍ واربعُ وعشرونَ رکوعًا[1]

آیت 1 تا 11: بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ۔ الٓمّٓصٓ۔ كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ فَلَا يَكُنۡ فِىۡ صَدۡرِكَ حَرَجٌ مِّنۡهُ لِتُنۡذِرَ بِهٖ وَذِكۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ۔ وَكَمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا فَجَآءَهَا بَاۡسُنَا بَيَاتًا اَوۡ هُمۡ قَآئِلُوۡنَ۔ فَمَا كَانَ دَعۡوٰىهُمۡ اِذۡ جَآءَهُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ۔ فَلَنَسۡـَٔـلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡـَٔـلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ۔ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِمۡ بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيۡنَ۔ وَالۡوَزۡنُ يَوۡمَئِذِ ۨالۡحَـقُّ ۚ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَظۡلِمُوۡنَ۔ وَلَقَدۡ مَكَّنّٰكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

الٓمّٓصٓ۔ اس کے معانی انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں آئیں گے۔

حَرَجٌ۔ کے اصل معنے تنگی کے ہیں اور مجازاً یا کنایۃً بعض نے بمعنی شک لیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور بعض نے بمعنے خوف۔

ذِکۡرٰی مصدر ہے بمعنے تذکیر (یاد دلانا) اور کبھی بمعنے مذکر یاد دلانے والے) کے بھی آتا ہے۔

[1]۔ یہ مکی ہے اور اس کی دوسو چھ آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔ (از مرتب)

قَلِيْلًا مَّا میں مَا تاکید کے لئے ہے یعنی بہت ہی کم اور كَمْ مِنْ قَرْيَةٍ، كَمْ بمعنے کثیر ہے۔
بَأْسٌ۔ عذاب، جنگ۔
بَيَاتٌ۔ مصدر ہے۔ رات کے وقت میں داخل ہونا اور رات میں دشمن کا قصد کرنا۔
قَائِلُوْنَ۔ قَائِلٌ کی جمع ہے اور قائل جیسا قول سے آتا ہے جس کے معنے کہنے والے کے ہوتے ہیں اسی طرح قَيْلُوْلَةٌ۔ مَقِيْلًا۔ مَقَالًا قِيْلًا۔ اور قَائِلَةٌ سے بھی آتا ہے۔ اور قَيْلُوْلَةٌ کے معنے دوپہر اور نصف النھار کے اور دوپہر کے وقت آرام کرنے کے ہیں اور لیث نے کہا ہے کہ دوپہر کے وقت سونے کے ہیں۔

دَعْوٰى دَعَا۔ يَدْعُوْ کا مصدر ہے جیسے کہ دعاء اور دعوۃ اور دعوا مصدر ہیں اور گو عرف میں دعوی اور معنوں کے ساتھ اور دعاء اور معنوں کے ساتھ مخصوص ہیں جو کہ مشہور ہیں پر سب کے سب بمعنے پکارنے کے بھی مستعمل ہوتے ہیں جو کہ ان کے اصل معنے ہیں اور یہاں پر دونوں معنے مفسرین نے لئے ہیں فَلَنَسْئَلَنَّ میں فَا جدا ہے جو کہ بیان اور تفصیل یا ترتیب کے لئے ہے یا فصیحہ یعنی جزا کے لئے ہے اور لام بھی جدا حرف ہے جو کہ تاکید اور قسم کے معنے دیتا ہے اور آخر میں نون مشدد بھی جدا ہے اور بمعنے تاکید ہے اور نَسْئَلُ سوال سے ہے۔

اور اسی طرح فَلَنَقُصَّنَّ کا حال ہے اور نَقُصُّ قَصَصٌ سے ہے جس کے معنے بیان کرنے کے ہیں يَوْمَئِذٍ میں يَوْمٌ بمعنے وقت اور دن کے ہے اور اِذٍ اصل میں وہی اِذْ ہے جو کہ ظرف بمعنے جب ہے اور اس کے بعد ضرور کوئی جملہ ہوتا ہے کہ جس کی طرف یہ مضاف ہوتا ہے۔ اور جب اس پر یوم یا حین کا لفظ داخل ہوتا ہے تو اس کے بعد کا جملہ محذوف اور مقدر کر دیا جاتا ہے اور جیسا قاعدہ ہے کہ مضاف الیہ جب محذوف ہو جاتا ہے۔ تو کبھی اس کے عوض مضاف پر تنوین داخل کر دیتے ہیں یہاں پر اس محذوف جملہ کے عوض اِذْ پر تنوین لے آئے ہیں۔

مَوَازِيْنَ۔ مِيْزَانٌ کی جمع ہے وزن کرنے کا آلہ۔
مَكَّنَّا۔ تَمْكِيْنٌ سے ہے۔ مکان اور قرار اور ثبات دینا اور تصرف پر قادر کرنا۔

ترجمہ:

اللہ لطیف منزل الکتب اور منذر صادق (یہ) عظیم الشان کتاب ہے جو تیری طرف اُتاری گئی ہے سو تمہارے سینہ میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو تا کہ تم اس کے ساتھ ڈراؤ اور مومنوں کے لئے یاددہانی ہے۔ تم اس کی پیروی کرو جو کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اُتارا گیا ہے۔ اور اس کے سواء سے والیوں کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔ بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو ہلاک کیا ہے تو ہمارا عذاب ان کے پاس رات گذارتے ہوئے یا قیلولہ کرتے ہوئے آیا تو جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار نہ تھی مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم ظالم تھے۔ سو ہم ضرور ہی ان سے دریافت کریں گے جن کی طرف بھیجا گیا اور ضرور ہی ہم بھیجے ہوؤں سے (بھی) دریافت کریں گے۔ اور پھر ہم ان پر علم کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم غائب نہ تھے اور اس وقت وزن کرنا حق ہے پھر جن کی میزانیں بھاری ہوں گی وہی کامیاب ہونیوالے ہوں گے۔ اور جن کی میزانیں ہلکی ہوئیں تو یہ وہ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں پر ظلم کرنے کے ساتھ اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اور ضرور ہی ہم نے تم کو زمین میں رہائش دی اور تمہارے لئے اس میں گذارے پیدا کئے۔ بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو۔

تفسیر:

سورت کا مکی یا مدنی ہونا اور پہلی سورت سے ربط کا بیان

یہ ساری سورۃ مکیہ ہے البتہ قتادہ سے مروی ہے کہ سوائے ایک آیت کے جو کہ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ[1] الخ (الاعراف:164) کہ یہ مدنیہ ہے اور بعض نے وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ[2] الخ (الاعراف: 173) کو مدنی کہا ہے اور اس کا پہلی سورۃ کے ساتھ اور اس کے ابتداء کا پہلی کے آخر کے ساتھ ربط جیسا کہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے یہ ہے کہ پہلی میں خلق

[1] ۔ اور (اے رسول)! ان (بنی اسرائیل) سے اس بستی کے متعلق پوچھ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ اور جب تیرے رب نے... لیا (تفسیر صغیر)

کا بیان تھا جیسا فرمایا هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ[1](الانعام:3) کے بیان میں فرمایا تھا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ[2] الخ (الانعام:7) پھر بہت سے رسولوں کا بیان ہوا تھا پھر اس میں تھا هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ[3](الانعام:166) پھر تھا کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[4](الانعام:13) اور یہ سب بیان علیٰ وجہ الاجمال تھے۔

اور اس دوسری سورۃ میں ان سب کی تفصیل اور خوب بسط ہے چنانچہ اس میں آدم کے خلق کو مفصل بیان فرمایا ہے اور رسولوں کے قصص بھی بسط کے ساتھ ذکر کئے ہیں اور ان کی قوموں کے حالات اور ان کی ہلاکت کی تفصیل کی ہے اور عاد کی نسبت فرمایا ہے جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ[5](الاعراف:70) اور ثمود کو فرمایا جَعَلَکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ[6](الاعراف:75) اور رحمت کی نسبت فرمایا ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ[7] الخ (الاعراف:157)

پس گویا وہ متن ہے اور اس کی شرح اور تفسیر ہے اور پہلی کے آخر میں فرمایا ہے وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ[8] الخ (الانعام:154) اور وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ[9](الانعام:156) اور یہ بھی فرمایا تھا ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ[10](الانعام:160) ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ مَّرْجِعُکُمْ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ[11](الانعام:165) اور مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا[12] الخ (الانعام:161) جس کا فیصلہ میزان ہی کے ساتھ ہوتا ہے

---

[1]۔ وہ خدا ہی ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ ان سے پہلے کتنے ہی زمانوں (کے لوگوں) کو... ہلاک کر دیا۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں دنیا میں (پہلوں کا) قائم مقام بنایا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ اس نے اپنے نفس پر رحمت فرض کر چھوڑی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[5]۔ اس (خدا) نے تم کو نوح کی قوم کے بعد (اس کا) جانشین بنا دیا۔ (تفسیر صغیر)
[6]۔ جب اس (خدا) نے تم کو عاد کی قوم کے بعد (ان کا) جانشین بنا دیا (تفسیر صغیر)
[7]۔ اور میری رحمت ہر ایک چیز کو حاوی ہے پس میں ضرور اس کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)
[8]۔ اور یہ یقیناً میرا سیدھا راستہ ہے، پس اس کی پیروی کرو۔ (تفسیر صغیر)
[9]۔ اور یہ (قرآن) ایسی کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے (اور یہ) برکت والی ہے۔ پس اس کی پیروی کرو۔ (تفسیر صغیر)
[10]۔ پھر جو کچھ وہ کرتے تھے وہ اس کی انہیں خبر دے گا۔ (تفسیر صغیر)
[11]۔ پھر اپنے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہو گا۔ پھر وہ تمہیں اس بات کی جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے خبر دے گا۔ (تفسیر صغیر)
[12]۔ جنہوں نے نیکی کی ہے، اس (نیکی) سے دس گنا ان کا حق ہو گا۔ (تفسیر صغیر)

اور اس کے شروع میں فرمایا اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ الخ اور فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ الخ اور وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ الخ جس میں زیادہ اور کم حسنات والوں کا فیصلہ ہے اور پھر اصحاب اعراف کا ذکر کر کے ان کا فیصلہ کیا ہے کہ جن کے حسنات اور سیئات برابر ہوں گے۔

سورت کا خاص دعویٰ کا گزشتہ سورت کے آخر میں موجود ہونا

اور اس شرح وبسط کے علاوہ میں نے بارہا پہلے بتایا ہے کہ ہر ایک سورۃ کا ایک خاص دعویٰ ہوتا ہے اور جو آئندہ سورۃ کا دعویٰ ہوتا ہے اس کا کسی نہ کسی طریق پر پہلی سورۃ کے اخیر میں ذکر ہوتا ہے اور یہی ان دونوں کے درمیان رابط ہوتا ہے۔ سو اس سورۃ کا دعوی تو كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ہے اور جو پہلی قوموں کا خَلٰئِفَ الْاَرْضِ ہونا اور رسولوں کا آنا اور ان قوموں کا ہلاک کرنا اور آدم کا آنا اور ابلیس کا سجدہ سے انکار کرنا اور اس سے ملعون بننا وغیرہ یہ سب انذار للکفار اور ذکری للمومنین ہے اور پہلی سورۃ کے اخیر میں وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ [1] (الانعام:166) اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس کتاب اعنی سورۃ کی عظمت ظاہر کرنے اور یہ بتانے کے لئے کہ اس کا اُتارنا اس کے الطاف میں سے ہے ورنہ وہ تم کو یونہی عذاب دے سکتا تھا اور یہ بھی کہ شرارتیں کرتے ہوئے عرصہ گزر گیا ہے۔ اور عذاب نہیں آیا سو یہ اس کے الطاف سے ہے اور اس سے اپنی بریت سمجھ لینی بڑی غلطی ہے اور یہ کہ اس کتاب کا نازل کرنا کوئی اچنبی بات نہیں ہے بلکہ ضروت حقہ پر کتاب کا اتارنا اس کے عادات میں سے ہے۔ اور یہ کہ گو انسانی انذاروں میں کبھی دھمکی اور ڈرانا ہی مقصد ہوتا ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں اس کا ایفاء نہیں کیا جاتا اور کذب کا صریح ارتکاب کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کذب سے پاک اور صادق القول ہے اس لئے اس کے انذار کی نسبت ایسا خیال کرنا بڑی جہالت ہے۔

---

[1] ۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں دنیا میں (پہلوں کا) قائم مقام بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں اس لئے فوقیت دی ہے کہ اس نے جو کچھ تمہیں دیا ہے' اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ (تفسیر صغیر)

الٓمّٓصٓ کے مختلف معنی

اس سورۃ کے شروع ہی میں الٓمّٓصٓ فرما کر بطریق اختصار اللہ لطیف منزل الکتب و منذر صادق کو ذکر فرمادیا اور تفسیروں میں اور اور معنے بھی مروی ہیں چنانچہ ابن عباس سے جو روایت کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَفْضَلُ[1] اور ضحاک سے یہ مروی ہیں کہ اَنَا اللّٰہُ الصَّادِقُ[2] اور محمد بن کعب القرظی سے مروی ہے کہ یہ اشارہ ہے۔ اللّٰہُ الرَّحْمٰنُ الصَّمَدُ[3] کی طرف اور بعض کے نزدیک اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ[4] (الم نشرح:2) کی طرف اشارہ ہے اور ابن جبیر سے مروی ہے کہ یہ اسماء اللہ ہیں جن کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور میں پہلے بتاچکا ہوں کہ اس قسم کی سب تفسیریں ہمارے قول کی مؤید ہیں۔

سورت کا اصل دعویٰ

اور اس کے بعد اس سورۃ کا اصل دعویٰ ذکر فرمایا کہ یہ) عظیم الشان کتاب ہے جو تیری طرف اتادی گئی ہے (اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ رسولؐ کی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ یہ تو اس پر بھاری بوجھ ڈالا گیا ہے فرمایا) سو تیرے سینہ میں اس سے کوئی تنگی نہ ہو (اس کے بعد اس کے نازل کرنے کا منشاء بتایا کہ) تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے (ان لوگوں کو جو اس پر ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ اس کے مقابل سے پتہ لگتا ہے اور وہ یہ ہے) اور یاد دہانی ہو مومنوں کے لئے (اعنی مومنوں کے لئے وعظ اور نصیحت ہے۔ اور ذکری کو اختیار کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو باتیں اس میں بیان کی گئی ہیں وہ پہلے سے انسان کی فطرت میں رکھی ہوئی ہیں پر تربیت اور صحبت اور رسم ورواج اور اشتغال وغیرہ کے پردوں کے باعث وہ بھولی ہوئی ہیں اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے تاکہ یہ ان کو یاد دلادے لیکن یہ یاد دہانی تب ہی ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان بھی لاویں اور اگر ایمان نہ

---

[1]۔ میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا اور افضل ہوں۔ (از مرتب)

[2]۔ میں اللہ سچا ہوں۔ (از مرتب)

[3]۔ اللہ بار بار رحم کرنے والا اور بے نیاز ہے۔ (از مرتب)

[4]۔ کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا۔ (تفسیر صغیر)

لاویں تو پھر وہ پردے ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں اور چونکہ انذار کی بناء اتباع کے امر پر تھی تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) تم اس کی پیروی کرو جو کہ تمہاری طرف اتارا گیا ہے اور اس کے سوا اور والیوں کی پیروی نہ کرو (اور یہ بتانے کے لئے کہ یہ ارشاد تمہارے ایمان کے طمع اور امید ہے پر نہیں اس کے ساتھ ہی فرمادیا کہ) تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔

تَذَکَّرُوْنَ کا لفظ رکھنے کی وجہ

(بلکہ تَذَکَّرُوْنَ کا لفظ اختیار کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے ہر چند کہ وہ فطرتی امور ہیں کہ جن سے انکار نہیں ہو تا بلکہ زیادہ سے زیادہ گاہے ذہول ہو کر کسی قدر غفلت کی آڑ انسانی طبعیت اور ان کے درمیان آسکتی ہے جس کے رفع اور ازالہ کے لئے محض یاد دہانی کافی ہوتی ہے اور پھر وہ طبعیت انسانیہ کے نصب العین ہو جاتے ہیں لیکن عناد نے تم کو ایسا بنادیا ہے کہ ان کی تذکیر سے تم کو یاد دہانی نہیں ہوئی تو جب اتباع کے ارشاد کے بعد انذار بالعذاب کرنے اور جیسی قرآن مجید کی عام عادت ہے کہ ہر ایک امر کو مبرہن کر کے بیان فرماتا ہے اس انذار کو مبرہن اور موید بالنظائر والا مثال کر کے بیان کرنے کے لئے اور نیز یہ جتانے کے لئے کہ ایک یہ انذار مجرد انذار ہی کی حد تک تک نہیں کہ اگر کوئی اس کی پروانہ کر کے اصل ارشاد اتباع کی خلاف ورزی کرے تو پھر حقیقت میں اس کو کچھ نہ کہا جائے جس طرح بعض اوقات والدین اپنے بچوں یا حکام اپنی رعایا کو محض لسانی انذار کرتے ہیں۔

اور خلاف ورزی کی صورت میں اپنے انذار کے مطابق یا کچھ کر ہی نہیں سکتے یا کرنے کی نیت ہی نہیں ہوتی اس لئے نہیں کرتے بلکہ خداوند تعالیٰ اپنے انذار کے مطابق ضرور ان کو سزا بھی دے گا۔ یوں فرمایا کہ) بہت سی بستیاں تھیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کیا (یعنی پہلے ان کو تمہاری طرح اتباع صراط مستقیم کا حکم دیا اور پھر بصورت خلاف ورزی انذار بالعذاب کیا۔ تو جب انہوں نے اس کی پروانہ کر کے خلاف ورزی پر شوخی اور دلیری کے ساتھ اصرار کیا تو ہم ان کو ہلاک کر دیا پس اگر تم بھی ایسا کرو گے تو تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاوے گا۔ اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ وہ بھی تمہاری ہی طرح بالکل بے خوف اور آرام میں ہوتے تھے یہاں تک کہ وہ عذاب ان پر سب سے زیادہ آرام اور آسائش کی گھڑیوں

میں اچانک آیا کرتا تھا اس کی تفصیل اور اس کی کیفیت کی شرح یوں بیان فرمائی کہ) پھر ان کے پاس ہمارا عذاب اس حال میں آیا کہ وہ رات گذار رہے تھے یا وہ دوپہر کے وقت آرام کرنے والے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں وقت سب سے زیادہ آرام کے ہیں۔

فَجَاءَهَا میں مفسرین کا فَا سے مراد

اور جن مفسرین نے فَجَاءَهَا الخ کی فَا کو تفصیل اور تفسیر ما قبل کے لئے قرار نہیں دیا ان کو بڑی مشکل پیش آئی جس کے رفع دفع کرنے کے لئے انہوں نے مختلف تا ویلیں کی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ فَا عطف ترتیب مع التعقیب کے لئے ہوتی ہے یعنی ما قبل اس کا پہلے واقع ہوا ہے اور اس کے بعد متصل ہی پھر اس کا ما بعد اعنی معطوف واقع ہوا ہے۔ اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ان کا ہلاک کرنا پہلے واقع ہوا اور اس کے بعد متصل پھر رات گذارتے یا قیلولہ کرتے ہوئے ان پر عذاب آیا اور ظاہر ہے کہ ہلاک کرنے کے بعد ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر کسی نے تو یہ تاویل کی کہ اَهْلَكْنَا کے معنے یہاں پر ہلاک کرنے کے نہیں بلکہ ہلاک کرنے کے ارادہ کرنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ گو ہلاکت کے بعد ان کے قیلولہ اور بیتوتہ کے وقت عذاب کا آنا درست نہیں ہو سکتا لیکن ارادہ ہلاکت کے بعد ایسا ہو سکتا ہے اور بعض نے کہا کہ اَهْلَكْنَا کے معنے ہیں مدد نہ دینا اور توفیق عطا نہ کرنا۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے معنے ہیں کہ ہم نے ان میں فسق و فجور اور مخالفت پیدا کر دی تو پھر اس کے بعد ان پر ہمارا عذاب آیا۔ اور ابن عصفورؒ نے کہا ہے کہ اس کے معنے ہیں کہ ہم نے ان کو پہلے ایسا ہلاک کیا تھا کہ ان کی بالکل بیخکنی نہیں کی تھی لیکن پھر ہمارا عذاب ان پر آیا تو ان کی بالکل بیخ کنی کر دی گئی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر فاء محض ترتیب ذکری کے لئے ہے یعنی پہلے خداوند تعالیٰ نے اہلاک کی خبر دی ہے اور اس کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد عذاب کا ذکر فرمایا ہے نہ یہ کہ حقیقت میں پہلا پہلے اور اخیر آخری ہے اور فراء نے کہا ہے کہ فاء بمعنے واؤ ہے یا اس کے یہ معنے ہیں کہ پہلے ہم نے ان کو ہلاک کیا تو پھر ہمارا ان کو عذاب دینا مشہور اور ظاہر ہو گیا اور بعض نے کہا کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل یوں ہے کہ اَهْلَكْنٰهَا

بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ (اَیْ فِی الدُّنْیَا) فَجَآءَهَا بَاْسُنَا (فِی الْاٰخِرَةِ)[1] غرض کہ جتنے منہ اتنی باتیں بن گئیں۔

بَيَاتًا اور هُمْ قَآئِلُوْنَ سے مراد

اور مفسرین نے لکھا ہے کہ بَيَاتًا اور هُمْ قَآئِلُوْنَ دونوں حال ہیں لیکن اس صورت میں ان کو دو مشکلیں پیش آئی ہیں۔ اوّل یہ ہے کہ پہلا حال اعنی بَيَاتًا تو جملہ نہیں ہے تو پھر دوسرے کو جملہ لانے کی کیا وجہ ہے تو اس کی صحیح ترین وجہ اور آسان یہی ہے کہ رات گذارنا چونکہ ایک عام امر تھا جس میں امیر و غریب سب شامل ہیں اس لئے اس پر خاص طور پر متوجہ کرنے اور ان کے ممتاز کرنے کی ضرورت نہ تھی تو اس کو مفرد لایا گیا بخلاف دوم کے کہ وہ آسودہ حال لوگوں کے ساتھ مخصوص ہونے کی وجہ سے خاص توجہ اور امتیاز کے قابل تھا تو اس کے لئے جملہ لایا گیا۔

اور دوم یہ ہے کہ دوسرا حال جب جملہ اسمیہ ہے جس پر واؤ ضرور ہونا چاہئے اور یہاں پر نہیں ہے تو اس کی بڑی دو وجہ ہیں اوّل یہ کہ اَوْ جو حرف عطف ہے اس کے ساتھ واؤ کا لانا مکروہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ گو یہ واؤ حالیہ ہوتی ہے لیکن یہ عطف کے لئے بہت کثرت سے آتی ہے۔ دوم یہ کہ شیخ عبد القاہر جریانی نے کہا ہے کہ جہاں پر جملہ مفرد کے حکم میں ہو وہاں پر واو حالیہ ترک ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر جملہ مفرد کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ جملہ کو مفرد پر عطف کیا گیا ہے ورنہ یہ درست نہ ہوتا اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ گو عام طریق یہی ہے کہ شریر لوگ کبھی اب اپنی شرارت کے قائل نہیں ہوا کرتے اور یہ لوگ بھی کبھی قائل نہ ہوئے تھے لیکن ہماری پکڑ کے بعد ان کو بے چون وچرا اپنی شرارت کا قائل ہونا پڑا فرمایا) تو پھر ان کا کچھ ادعا نہ تھا جب کہ ہمارا عذاب ان کے پاس آیا مگر ان کا یہ کہنا کہ یقیناً ہم ظالم تھے۔

[1]۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا رات کے وقت یا وہ قیلولہ کی حالت میں تھے (یعنی دنیا میں) یا ان پر ہمارا عذاب آیا (آخرت میں) (از مرتب)

دعویٰ کے معنی

(اور بعض نے دعویٰ کے معنی دعا اور فریاد و استغاثہ کے کئے ہیں اور یہ بھی ٹھیک ہیں معذب بستیوں کا عذاب موت سے ختم نہیں ہوتا۔ پر چونکہ مشرکین (جن کے متعلق اصل کلام ہے اور ان کی عبرت کے لئے پہلے قری کے ہلاک اور معذب کرنے کا یہاں پر ذکر ہوا ہے) یہی خیال کرتے تھے کہ انسان کی سب خوشی و آرام اور رنج و تکلیف کا خاتمہ اس کی موت پر ہو جاتا ہے اور اس اعتقاد کی وجہ سے وہ ان معذب اور ہلاک شدہ قری کی نسبت یہ کہہ کر اپنے دلوں کو طفل تسلی دیکر اس خوفناک عذاب الٰہی کی عظمت اور ہیبت کو کم یا نظر انداز کر سکتے تھے کہ مرنا تو سب ہی نے ہے تو پھر کیا ہوا اگر عذاب آیا تو مرے اور رنج والم سے پاک ہو گئے۔ تو ان کے اس خیال کی تردید اور اس عذاب کی ہیبت ان پر قائم کرنے کے لئے فرمایا) تو پھر ہم ضرور ہی ان سے باز پرس کریں گے جن کی طرف بھیجا گیا تھا اور ضرور ہی ہم بھیجے ہوؤں سے (بھی) دریافت کریں گے اور پھر ہم علم کے ساتھ ان پر ظاہر کریں گے (کیونکہ) اور ہم غائب رہنے والے نہیں تھے۔

مُرْسَلْ اِلَیْھِمْ اور مُرْسَلِیْنَ سے کیا مراد

(مُرْسَلْ اِلَیْھِمْ اور مُرْسَلِیْنَ سے کیا مراد ہے) مُرْسَلْ اِلَیْھِمْ سے تو امت دعوت اور مرسلین سے رسول ہی مراد ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ مُرْسَلْ اِلَیْھِمْ سے انبیاء اور مرسلین فرشتے وحی لانیوالے (دونوں سے سوال کیا ہو گا) رہا یہ کہ رسولوں سے کیا پوچھا جائیگا اور جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے ان سے کیا باز پرس ہو گی سو رسولوں کی نسبت قرآن مجید میں صاف آیا ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا[1] (المائدۃ:110) اور جن کی طرف وہ بھیجے گئے ان کی نسبت بھی صاف آیا ہے وَیَوْمَ یُنَادِیْھِمْ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ۔ فَعَمِیَتْ عَلَیْھِمُ الْاَنْۢبَآءُ یَوْمَئِذٍ فَھُمْ لَا یَتَسَآءَلُوْنَ[2] (القصص:66-67)

---

[1]۔ جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا اور کہے گا۔ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا وہ کہیں گے ہمیں حقیقی علم نہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور اس دن کو بھی یاد کرو جب خدا ان کو پکارے گا اور کہے گا تم نے رسولوں (کے وعظ) کا کیا جواب دیا تھا؟ پس اس دن ساری دلیلیں انہیں بھول جائیں گی اور وہ ایک دوسرے سے کوئی سوال نہ کر سکیں گے۔ (تفسیر صغیر)

اور سفیان ثوری سے مروی ہے کہ ان سے دریافت کیا جاویگا کہ کیا رسولوں نے تم کو تبلیغ کی تھی اور رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے تمہاری کیا تردید کی قاسم ابو عبدالرحمن سے مروی ہے کہ قیامت کے دن آدمی سے چار باتوں کی نسبت سوال ہو گا۔ (1) خداوند تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے جسم نہیں دیا تھا تو پھر تو نے اسے کس میں صرف کیا(2) کیا میں نے تجھے علم نہیں دیا تھا تو پھر تو نے اس علم کے ساتھ کس میں عمل کیا(3) کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا تو پھر تو نے اسے کس میں صرف کیا(4) کیا میں نے تجھے عمر نہیں دی تھی تو پھر تو نے اسے کس میں فنا کیا اور طاؤس سے مروی ہے کہ امام رعیت سے اور مرد اپنے اہل بیت سے اور عورت اپنے خاوند کے گھر سے اور غلام اپنے آقا کے مال سے سوال کیا جائے گا۔ لیکن جو تفسیر خود قرآن مجید میں آگئی ہے وہ سب سے مقدم ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ سے مراد

(لَا يُسْئَلُ الخ کے ساتھ منافات اور اس کا جواب) اب رہا یہ کہ دوسرے مقام پر آیا ہے لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ[1] (الرحمٰن:40) تو پھر ان دونوں آیتوں کی منافات کس طرح رفع ہو سکتی ہے (جواب اول تو یاد رکھنا چاہئے کہ یہ سوال ہی تب پیدا ہوتا ہے کہ لَا يُسْئَلُ الخ کے معنے کئے جاویں کہ کوئی مذنب انسان اور جن اپنے ذنب کی نسبت باز پرس نہ کیا جاوے گا لیکن اگر اس کے وہ معنے کئے جاویں جو کہ بعض نے کئے ہیں کہ کوئی اور انسان اور جس بدکار آدمی کے ذنب سے باز پرس نہ کیا جاوے گا بلکہ خود وہی باز پرس کیا جاوے گا تو پھر منافات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اسی طرح جواب دوم: اگر اس آیت میں انبیاء اور فرشتے مراد ہوں تو پھر بھی منافات نہیں کیونکہ لَا يُسْئَلُ الخ میں گنہگار انسان اور جن مراد ہیں جو سزایاب ہوں گے نہ انبیاءؑ اور نہ عام انسان جن میں انبیاءؑ بھی داخل ہوں۔

جواب سوم: لیکن اگر لَا يُسْئَلُ الخ کے یہ معنے کئے جائیں کہ مذنب انس و جن اپنے ذنب کی نسبت باز پرس نہ کیا جائے گا اور مرسل الیہم سے مراد یہاں پر امت دعوت ہو اور

[1]۔ نہ انسان سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھا جائے گا نہ جن سے۔ (تفسیر صغیر)

مرسلین سے انبیاءؑ اور یہی ظاہر اور درست بھی ہے تو پھر اس کا وہ جواب جو کہ اکثر مفسرین کو پسند ہے یہ ہے کہ یہاں پر تو سوال توبیخ اور ڈانٹ مراد ہے اور نفی میں اس کی نفی نہیں بلکہ سوال استعلام واستفہام کی نفی ہے یعنی علم حاصل کرنے کے لئے سوال نہ ہو گا (وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ کے یہاں پر لانے کا نکتہ) اور اسی سوال توبیخ کے بتانے اور سوال استعلام کی نفی کے لئے یہاں پر سوال کے بعد وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ فرمادیا ہے۔

جواب چہارم: یہاں پر سوال توبیخ ہے اور وہاں پر یہ مراد ہے کہ اثبات جرم کے لئے کسی سوال کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ ہاتھ، پیر جلد وغیرہ خود شاہد ہوں گے۔

جواب پنجم: سوال اور مقام پر ہو گا اور عدم سوال اور موقع پر۔

جواب ششم: اعمال بد اور جرائم کے وقوع کی نسبت تو سوال نہ ہو گا کہ وہ کھلے کھلے ثابت ہوں گے البتہ ان کے بواعث وصوارف کی نسبت سوال ہو گا کہ یہ کیوں کیا اور یہ کیوں نہ کیا۔

جواب ہفتم: سوال تو یہ ہو گا کہ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ[1] (القصص:66) اور نفی سوال جزئیات ذنوب کی نسبت ہے (فَلَنَقُصَّنَّ کا فائدہ) فَلَنَقُصَّنَّ الخ کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ وہ گھبرا کر جواب نہ دے سکیں گے چنانچہ رسولوں کی نسبت دوسرے مقام پر آیا ہے کہ مَاذَآ اَجَبْتُمُ کے جواب میں وہ لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ[2] (المائدۃ:110) کہیں گے۔

اور لوگوں کی نسبت آیا ہے فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ[3] (القصص:67) اور جس طرح ان سے خود سوال کرنا ان کی توبیخ اور تذلیل کے لئے ہو گا اسی طرح رسولوں سے سوال اور پھر خود خداوند تعالیٰ کا بیان فرمانا یہ بھی انہی کی توبیخ وتذلیل اور ان کے غم وہم اور عذاب میں ڈالنے کے لئے ہو گا۔ اور اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ پھر ان اعمال پر جزاء وسزاء ہو گی لیکن اندھا دھند اور بے جا رعایت اور ظلم کے ساتھ نہ ہو گی۔ فرمایا) اور اس دن وزن پورا پورا حق ہو گا۔ پھر جن کے وزن بوجھل نکلیں گے سو وہی کامیاب ہونے والے

---

[1] ۔ تم نے رسولوں (کے وعظ) کا کیا جواب دیا تھا؟ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ غیب کی باتوں کا (اصل) علم (صرف) تجھ کو (ہی) ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ پس اس دن ساری دلیلیں انہیں بھول جائیں گی۔ (تفسیر صغیر)

ہوں گے اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے سو یہ وہ ہوں گے جنہوں نے ہمارے آیتوں کے ساتھ ظلم کرتے رہنے کے ساتھ اپنے آپ کو ٹوٹے میں ڈالا ہے۔

اعمال اور میزان کی تحقیق

(وزن اعمال اور میزان کی تحقیق پہلے مفصل گذر چکی ہے جہاں ہم نے بتایا ہے کہ اب تو کسی کو وزن اعمال میں کوئی شبہ اور اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادہ سے زیادہ ان کی نسبت یہی کہا جاتا تھا کہ اعمال اعراض ہیں نہ جواہر تو پھر کس طرح ان کی میزان ہو سکتی ہے تو گو پہلے بھی بہت سے اعراض کی میزانیں لوگ جانتے اور استعمال کیا کرتے تھے جیسی حساب کی میزانیں وغیرہا لیکن آج کل تو حرارت وبرودت اور حرکت وغیرہا سب کی میزانیں لوگ جانتے اور استعمال کرتے ہیں تو پھر خداوند تعالیٰ اگر اعمال کے لئے کوئی میزان استعمال فرمائے تو اس میں کیا استبعاد کی جگہ ہے۔ اور پہلے علماء پر جب یہ اشکال پیش ہوا ہے تو علاوہ مذکورہ جواب کے انہوں نے اور اور بھی جواب دیئے ہیں چنانچہ بعض نے بعض آثار کو اپنے ظاہر پر محمول کر کے میزان کو ترازو ہی قرار دیا اور کہا کہ قیامت کے دن یہ اعمال جسمانی رنگ قبول کر لیں گے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ بالکل حق ہے اور یہی ابن عباسؓ سے مروی ہے اور اس کو بہت سے علماء نے پسند کیا ہے۔ اور عام علماء نے یہ کہا ہے کہ اعمال نامجات وزن ہوں گے۔ اور مجاہد، اعمش، ضحاک اور عام معتزلہ نے کہا ہے کہ میزان سے برابر اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے اور لغت وعرف میں میزان کے یہ معنے بھی ہیں۔ لیکن حق وہ پہلی دو صورتیں ہیں۔ اور جب انذار اور ترہیب اور تخویف ہو گی تو اس کے بعد اپنے احسان کو یاد دلا کر بطریق شکر واتباع محسن ان کو اتباع مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کی طرف بلانے کے لئے فرمایا) اور یقیناً ہی ہم نے تم کو اس زمین میں قدرت دی ہے اور ہم نے تمہارے لئے اس میں گذارے بنائے ہیں بہت کم تم شکر کرتے ہو (یعنی ہم نے ہی تم پر یہ عظیم الشان احسان کئے ہیں اور یہ طبعی امر ہے کہ محسنوں کو شکر یہ بجالایا جاتا یعنی ان کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کی فرمانبرداری کی جاتی ہے اور اس کے مطابق تم کو میری تعظیم کرنی اور میرے احکام کی پیروی کرنی چاہیے لیکن تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

آیت 12 تا 26: وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ لَمۡ یَکُنۡ مِّنَ السّٰجِدِیۡنَ۔ قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُکَ قَالَ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ۔ قَالَ فَاہۡبِطۡ مِنۡہَا فَمَا یَکُوۡنُ لَکَ اَنۡ تَتَکَبَّرَ فِیۡہَا فَاخۡرُجۡ اِنَّکَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ۔ قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ۔ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ۔ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِہِمۡ وَ عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَ عَنۡ شَمَآئِلِہِمۡ وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ۔ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡہَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا لَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنۡکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ۔ وَ یٰۤاٰدَمُ اسۡکُنۡ اَنۡتَ وَ زَوۡجُکَ الۡجَنَّۃَ فَکُلَا مِنۡ حَیۡثُ شِئۡتُمَا وَ لَا تَقۡرَبَا ہٰذِہِ الشَّجَرَۃَ فَتَکُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ۔ فَوَسۡوَسَ لَہُمَا الشَّیۡطٰنُ لِیُبۡدِیَ لَہُمَا مَا وٗرِیَ عَنۡہُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِہِمَا وَ قَالَ مَا نَہٰىکُمَا رَبُّکُمَا عَنۡ ہٰذِہِ الشَّجَرَۃِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَا مَلَکَیۡنِ اَوۡ تَکُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِیۡنَ۔ وَ قَاسَمَہُمَاۤ اِنِّیۡ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیۡنَ۔ فَدَلّٰىہُمَا بِغُرُوۡرٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَۃَ بَدَتۡ لَہُمَا سَوۡاٰتُہُمَا وَ طَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡہِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّۃِ وَ نَادٰىہُمَا رَبُّہُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡہَکُمَا عَنۡ تِلۡکُمَا الشَّجَرَۃِ وَ اَقُلۡ لَّکُمَاۤ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ۔ قَالَ اہۡبِطُوۡا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ

عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

خَلَقْنَا۔ خَلْقٌ سے ہے جس کی نسبت بار ہا لکھا جا چکا ہے کہ اس کے مشہور تین معنے ہیں۔ اندازکرنا، گھڑنا اور پیدا کرنا اور چونکہ اس کے بعد ثُمَّ لاکر (جو کہ دوسری چیز کے پہلی سے کچھ دیر بعد آنے پر دلالت کرتا ہے) صَوَّرْنَا ذکر فرمایا ہے جو کہ پیدا کرنے کی جزو یا کم از کم یہ اس کے ضمن میں اور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر خَلَقَ کے معنے پیدا کرنے کے نہیں ہو سکتے۔

صَوَّرْنَا تَصْوِيْرٌ سے ہے جو کہ صُوْرَتٌ سے ہے اور تَصْوِيْرٌ کے معنے صورت قرار دینی اور صورت دینے کے ہیں۔

مَنَعَ۔ مَنْعٌ سے ہے امام راغبؒ نے لکھا ہے کہ مَنَعَ کبھی تو عطیہ کے مقابل استعمال ہوتی ہے جس کے معنے روکنے اور بخل کرنے کے ہوتے ہیں اور کبھی حمایت اور حفاظت کے معنوں میں آتی ہے جیسے فَلَانٌ مَنِيْعٌ اَیْ مَحْفُوْظٌ اور کہا ہے وَالْمَنْعُ فِي الْاٰيَةِ مِنَ الثَّانِيْ اَیْ مَاحَمَاكَ عَنْ عَدَمِ السُّجُوْدِ یعنی کس نے بچایا تجھ کو عدم سجود کے ضرر اور خطرہ اور وبال سے اور اکثر مفسرین نے مَنَعَ کو بمعنے اوّل لیا ہے اور لَا کو زائد برائے تاکید کہا ہے اور بعض نے مَنَعَ کو یہاں پر بمعنے مجبور اور مضطر کرنے کے لیا ہے اور لَا کو اصلی کہا ہے اور معنے یہ کئے کہ کس نے سجدہ نہ کرنے پر تجھے مجبور کیا اور امام سکاکی نے بھی لَا کو اصلی کہا ہے۔ لیکن مَنَعَ کو مجازاً بمعنے آمادہ کرنے کے لیا ہے یعنی کس نے سجدہ نہ کرنے پر تجھے آمادہ کیا ہے۔ لیکن جس طرح لَا کا زائد کہنا محض دعویٰ ہے اور دوسرے مقام پر مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ[1] (ص:76) کا آنا اس کا قرینہ اور دلیل نہیں ہو سکتا کہ یہاں پر لَا زائد ہے اسی طرح ان دونوں مجازی معنوں کے لئے کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مَنَعَ ہے تو روکنے

[1] ۔ تجھے کس نے اس بات سے روکا کہ... اس کی فرمانبرداری کرتا۔ (تفسیر صغیر)

ہی کے معنوں میں لیکن مجبور یا آمادہ کرنے کے معنوں کو متضمن ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی بلفظ دیگر وہی مجاز والی دو صورتیں ہیں میرے نزدیک سب سے بہتر اور آسان یہ ہے کہ مَنَعَ اپنے مشہور معنوں میں ہے اور نہ تضمین ہے اور نہ لَا زائد ہے۔ بلکہ اَنْ مفسرہ ہے جو کہ مَنَعَ کی اسی طرح پوری تفسیر کر دیتا ہے جیسے کہ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ [1](الصّٰفّٰت:105) میں نِدَاءٌ کی پوری تفسیر کرتا ہے اور اَنْ کثرت کے ساتھ تفسیر کے لئے آتا ہے۔

طِيْنٌ۔ کیچڑ اور نمناک مٹی اور بمعنے مٹی بھی کثرت کے ساتھ آتا ہے چنانچہ دوسرے مقام پر مِنْ تُرَابٍ [2](الحج:6) بھی آیا ہے۔

اِهْبِطْ۔ هُبُوْطٌ سے امر ہے امام راغبؒ نے کہا ہے هُبُوْطٌ اصل میں زبردستی اور مجبوری کے ساتھ اوپر کے نیچے آنے کو کہتے ہیں جیسا پتھر کا نیچے پھینکنا لیکن جب انسانوں میں یہ استعمال ہو تو پھر علیٰ سبیل الاستخفاف مراد ہوتا ہے اور بعض نے اس میں یہ شرط نہیں کی بلکہ کہا ہے کہ شریف سے ادنیٰ کی طرف انتقال کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ اِهْبِطُوْا مِصْرًا [3](البقرۃ:62) میں ہے اور سورۂ حجر میں اسی کو فَاخْرُجْ مِنْهَا [4](الحجر:35) کے ساتھ بیان فرمانا اس کا بڑا مؤید ہے اور یہاں پر بھی آگے فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ فرمایا ہے جو کہ فَاهْبِطْ کی تاکید اور تفسیر ہے اور اس کا مؤید استعمال نزول ہے جیسا سورۂ طلاق میں فرمایا کہ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ [5](الطّلاق:11-12)

تَتَكَبَّرَ۔ تَكَبُّرٌ سے ہے جو کہ كِبْرٌ اور كِبْرِيَاءٌ سے بنا ہوا ہے جس کے معنے بڑا ہونے اور بڑائی کے ہیں اور تَكَبُّرٌ کے معنے ہیں اپنے آپ کو بڑا خیال کرنا اور ظاہر کرنا اور خود بخود زبردستی بڑا بننا۔

الصّٰغِرِيْنَ۔ صَاغِرٌ کی جمع ہے جو صُغْرٌ سے ہے اور اس کے معنے ذلیل یا ذلت پر راضی ہونے والے کے ہیں اور اصل یہ بمعنے چھوٹے کے ہے۔

---

[1]۔ اور ہم نے اس (یعنی ابراہیم) کو پکار کر کہا، اے ابراہیم! (تفسیر صغیر)
[2]۔ مٹی سے۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ کسی شہر میں چلے جاؤ۔ (تفسیر صغیر)
[4]۔ تو تو اس (مقام) سے نکل جا۔ (تفسیر صغیر)
[5]۔ اللہ نے تمہارے لئے شرف کا سامان یعنی رسول اتارا ہے جو تم کو اللہ کی... آیات سناتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اَنْظِرِ انظار سے ہے مہلت دینا اسی طرح مُنْظَرِیْنَ۔ مُنْظَرٌ کی جمع ہے مہلت دیا ہوا۔

فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ میں ما مصدریہ اور با قسمیہ یا سببیہ ہے اور نون وقایہ ہے اور اَغْوَیْتَ۔ اِغْوَاءٌ سے ہے جو کہ غَیٌّ سے بنا ہوا ہے جس کے معنے فساد کے ہیں جیسے غَوَی الْفَصِیْلُ (اونٹ کے بچہ کا معدہ خراب ہو گیا ہے) اور جہل اعنی اعتقاد فاسد کے جیسے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَ مَا غَوٰی[1] (النجم:3) اور خیبت اور ناکامی جیسے مصرع وَمَنْ یَّغْوِ لَا یَعْدَمْ عَلَی الْغَیِّ لَائِمًا[2] اور وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی[3] (طٰہٰ:122) اور عذاب کے ہیں جیسے فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا[4] (مریم:60) اور اِغْوَاءٌ کے معنے ہیں فساد اور جہل کا حکم اور فتویٰ لگانا یا ناکام کرنا یا غوایت اور فساد کا خلق اور پیدا کرنا جیسا کہ عام مفسرین کا خیال ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے اور حق یہی ہے کہ یہ سب تاویلیں ہیں اور اصل معنے وہی پہلے ہیں جیسے کہ اِضْلَالٌ میں مفصّل ہم نے بیان کئے ہیں۔

لَاَقْعُدَنَّ۔ لَأَلْزِمَنَّ کو متضمن ہے اور صِرَاطَ یہ اس کا مفعول بہ ہے۔

لَاٰتِیَنَّ۔ اِتْیَانٌ سے ہے جس کے معنے آنے کے ہیں لیکن یہاں پر قُعُوْدٌ وَاِتْیَانٌ تاڑ میں لگے رہنے اور وسوسہ ڈالنے اور فریب دینے اور بہکانے سے کنایہ ہیں یا یہ دونوں ان کی تمثیل ہیں۔

اور مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْ کے معنے بارہا بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں۔

مَذْءُوْمًا۔ ذَأْمٌ سے ہے جو بمعنے ذم ہے اعنی مذموم۔

مَّدْحُوْرًا۔ دَحْرٌ سے ہے دھتکارنا اور ہانکنا اور دھکیلنا اور دور کرنا۔

لَاَمْلَئَنَّ میں لام اور نون تاکید کے لئے ہیں اَمْلَأُ۔ اِمْلَاءٌ سے ہے پُر کرنا۔

اُسْکُنْ۔ سُکُوْنَةٌ سے امر ہے۔

زَوْجٌ۔ دو اور جوڑا اور ساتھی خواہ مذکر ہو یا مؤنث ہو۔

کُلَا۔ أَکْلٌ سے دو کے لئے امر ہے جس کے معنے کھانے کے ہیں۔

---

[1]۔ کہ تمہارا ساتھی نہ رستہ بھولا ہے نہ گمراہ ہوا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور جو ناکام ہو جائے تو ناکامی پر ملامت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس وہ صحیح راستہ سے بھٹک گیا۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ پس وہ عنقریب گمراہی کے مقام تک پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر صغیر)

حَیْثُ کے معنے مکان اور جہاں کے ہوتے ہیں۔ اور جب اس پر لفظ مَنْ آتا ہے تو پھر کبھی تعلیل اعنی علّت اور وجہ بیان کرنے کے لئے اور کبھی تقیید اعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ مقیّد کرنے کے لئے اور کبھی اطلاق اعنی عام کرنے کے لئے آیا کرتا ہے۔

شِئْتُمَا۔ مَشْیِئَتٌ سے ہے، چاہنا۔

تَکُوْنَا۔ کَوْنٌ سے ہے جو کہ بمعنے ضرورت ہے۔

وَسْوَسَ۔ وَسْوَسَۃٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو خفی اور مکرر آواز کے ہیں اور اسی وجہ سے زیوروں کی آواز کو وَسْوَسَۃٌ بولتے ہیں اور نفس کی بات کو بھی وَسْوَسَۃٌ کہتے ہیں اور یہ لازم آتا ہے اور اِلٰی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے چنانچہ وسوسہ والے انسان کو مُوَسْوِسٌ بلفظ اسم فاعل بولتے ہیں جیسا کہ ابن الاعرابی نے کہا ہے اور مُوَسْوَسٌ اِلَیْہِ بھی کہتے ہیں اور کبھی اِلٰی کو حذف کر کے مُوَسْوَسٌ بھی کہہ دیتے ہیں اسی وجہ سے لَھُمَا کے لام کو بعض نے بمعنے اِلٰی لیا ہے اور بعض نے بمعنے لِأَجْلِ کہا ہے۔

یُبْدِیَ۔ اِبْدَاءٌ سے ہے اور اِبْدَاءٌ۔ بَدْأٌ سے ہے جس کے معنے ظہور کے ہیں تو اِبْدَاءٌ کے معنے اظہار کے ہوئے۔

وَوُرِیَ۔ مُوَارَاۃٌ سے ہے پوشیدہ کرنا۔

سَوْاٰتٌ۔ سَوْأَۃٌ کی جمع ہے، برائی اور شرم گاہ۔

مَلَکَیْنِ۔ مَلَکٌ کا تثنیہ ہے۔

قَاسَمَ۔ مُقَاسَمَۃٌ سے ہے جس کے معنے آپس میں قسم کھانا یا بہت یا سخت قسم کھانا۔

نَاصِحِیْنَ۔ نَاصِحٌ کی جمع ہے جو کہ نُصْحٌ اور نَصِیْحَۃٌ سے اسم فاعل ہے اظہار اخلاص یا ہدایت کی بات بتانی۔

دَلّٰی۔ تَدْلِیَۃٌ سے ہے جس کے معنے ڈول کے کنویں میں لٹکانے کے ہیں تب اس کے معنے ہوں گے کہ لٹکا دیا اور اتار دیا اس نے ان کو اور ابو عبید وغیرہ نے یہی معنے کئے ہیں اور ازہری نے اس کے معنے اَطْمَعَ (طمع دیا) بتائے ہیں تب یہ اس تَدْلِیَۃٌ سے ہو گا جس کے معنے پیاسے کے کنویں میں کوئی چیز لٹکانے اور پانی نہ پانے کے ہیں۔

غُرُوْرٌ۔ دھوکا یا وہ چیز کہ جس کے ساتھ دھوکا دیا جاتا ہے۔
ذَاقَا۔ ذَوْقٌ سے ہے، چکھنا۔
بَدَتْ۔ بَدْأٌ سے ہے جو بمعنے ظہور ہے۔
طَفِقَا۔ طَفِقَ کا تثنیہ ہے یہ اپنے بعد کے فعل میں شروع کرنے پر دلالت کیا کرتا ہے۔
یَخْصِفَانِ۔ یَخْصِفُ کا تثنیہ ہے اور وہ خَصْفٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو جوتی کے تلوں کا آپس میں سینا یا مطلق ملانا اور جوڑنا ہیں اور ٹاکی لگانے اور چمٹانے کے لئے آتا ہے۔
مُبِیْنٌ یا أَبَانَتْ بمعنے ظہور سے یا اس أَبَانَتْ سے جو بمعنے کاٹنے اور دور کرنے کے ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس أَبَانَتْ سے ہو جو بمعنے اظہار ہوتی ہے اعنی عداوت کو ظاہر کرنے والا اپنے اعمال وغیرہا سے۔
مُسْتَقَرٌّ۔ مصدر بمعنے استقرار یا ظرف مکاں بمعنے جائے استقرار ہے۔
مَتَاعٌ۔ تَمَتُّعٌ اور اِنْتِفَاعٌ، أَشْیَاءُ تَمَتُّعٍ وَمَا یُحْتَاجُ اِلَیْہِ۔[1]
حِیْنٌ۔ وقت، موتیا وقت موت۔

ترجمہ:

اور ضرور ہی ہم نے تمہارا انداز کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ تم آدم کے لئے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ تھا اس نے فرمایا کہ کس نے تجھے منع کیا کہ تو سجدہ نہ کرے۔ جب کہ میں نے تجھے حکم دیا۔ اس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے اس نے فرمایا سو تو اس سے اُتر جا کہ تیرے لئے (لائق) نہ تھا کہ تو اس میں بڑائی کرتا سو تو نکل جا یقیناً تو ذلیلوں سے ہے۔
اس نے کہا کہ تو مجھے اس دن تک مہلت دے کہ جس دن وہ اٹھائے (یا بھیجے) جائیں۔ اس نے فرمایا کہ بے شک تو مہلت دیے ہوؤں سے ہے۔ اس نے کہا سو تیرے مجھے گمراہ قرار دینے کے سبب (میں قسم کھاتا ہوں کہ) ضرور ہی میں ان کے لئے تیرے سیدھے

[1]۔ وہ چیزیں جن سے لطف اندوز ہوا جائے اور جس کی اسے ضرورت ہو۔ (از مرتب)

راستہ پر بیٹھوں گا پھر میں ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دہنی جانبوں سے اور بائیں جانبوں سے ان کے پاس آؤں گا اور تو ان میں سے اکثروں کو ہر گز شکر گذار نہ پائے گا۔ اس نے فرمایا کہ تو مذمّت کیا ہوا، دھتکار اہوا اس سے نکل جا۔ جس نے ان میں سے تیری پیروی کی تو (قسم ہے کہ) میں ضرور ہی تم سب سے جہنم کو پُر کروں گا اور اے آدمؑ تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں رہو سو جہاں سے تم دونوں چاہو کھاؤ اور اس شجرہ کے قریب نہ جاؤ کہ پھر تم ظالموں سے ہو جاؤ گے تو شیطان نے ان دونوں کے لئے وسوسہ ڈالا تا کہ ان دونوں کے لئے ان کی وہ نا قابل اظہار چیزیں وہ ظاہر کر دے جو کہ ان سے پوشیدہ کی گئی تھیں اور اس نے کہا کہ تمہارے ربّ نے تم کو اس شجرہ سے منع نہیں کیا مگر (اس کے ناپسند کرنے کے) لئے کہ تم فرشتے ہو جاؤ یا رہ پڑنے والوں سے ہو جاؤ اور اس نے ان کے لئے بہت قسمیں کھائیں کہ یقیناً میں تمہارے لئے نصیحت کرنے والوں سے ہوں۔ تو اس نے دھوکے کے ساتھ ان کو اتارا۔

سو جب ان دونوں نے اس شجرہ کو چکھا تو ان کے لئے ان کی نا قابل اظہار چیزیں ظاہر ہو گئیں اور لگے اپنے پر اس باغ کے پتوں سے لپیٹنے اور ان دونوں کے ربّ نے ان کو پکارا کہ کیا مَیں نے تم دونوں کو اس شجرہ سے منع نہیں کیا تھا اور میں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کے لئے کھلا (یا ظاہر کرنے والا یا جدا کرنے والا) دشمن ہے ان دونوں نے کہا کہ اے ہمارے ربّ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر تو نے ہمارے لئے مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ کیا تو (بخدا) ضرور ہی ہم گھاٹا پانے والوں سے ہو جاویں گے۔ اس نے فرمایا کہ تم اُترو تمہارے بعض بعض کے لئے دشمن ہیں اور تمہارے لئے اس زمین میں ایک وقت (یا موت کے وقت) تک ٹھہرنا اور نفع اُٹھانا ہے۔ فرمایا اسی ہی میں تم زندگی بسر کرو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی ہی سے تم نکالے جاؤ گے۔

تفسیر: خدائی انعام اور احسان

اب ایک اور انعام اور احسان کو یاد دلایا جاتا ہے جو کہ علاوہ سب انعاموں اور احسانوں کے اصل الاصول اور سب کی مدار اور سب سے اعلیٰ ہونے کے اعلیٰ درجہ کی

عبرت اور سخت اور واضح ترین انذار پر مشتمل ہے چنانچہ فرمایا) اور ضرور ہم نے تمہارا انداز کیا پھر تم کو صورت دی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ تم آدم کے لئے سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا انہوں نے سجدہ کیا۔ وہ سجدہ کرنے والوں سے نہ تھا (اس میں بتایا کہ یہ ہمارا خاص انعام ہے کہ ہم نے اس خاص حالت پر تمہاری پیدائش کا انداز کیا ورنہ تو اگر ہم تم کو کسی نہایت ناقص ترین حالت پر انداز کرتے تو کون تھا جو ہمیں روکتا۔ پھر انداز کے بعد ہم نے ہی تم کو اس انسانی صورت میں پیدا کیا اگر ہم کوئی مکروہ جیسی صورت تمھیں دیتے تو کون مانع ہو سکتا تھا۔

خَلَقْنَا اور صَوَّرْنَا کے معنی

جن مفسرین کو نہ یہ معلوم ہوا کہ خَلَقْنَا کے معنے یہاں پر پیدا کرنے کے نہیں بلکہ انداز کرنے کے ہیں اور اسی طرح صَوَّرْنَا کے معنی بھی یہاں پر صورت دینے کے نہیں بلکہ صورت قرار دینے کے ہیں اور ان معنوں کے لحاظ سے آدم کی خلق اور تصویر کے ساتھ ہی سب بنی آدم کی خلق اور تصویر ہوئی ہے اور نہ یہ نکتہ معلوم ہوا کہ قومی حالات بیان کرتے ہوئے بعض افراد کے حالات کو قوم کی طرف منسوب کر کے بیان کیا کرتے ہیں جیسا کہ پہلے پارہ کے ابتدا میں بنی اسرائیل کے حالات میں مَیں نے مفصّل لکھا ہے تو ان کو یہاں پر یہ مشکل پیش آئی ہے کہ ملائک کے سجدہ کرنے اور ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کا واقعہ تو خاص آدمؑ کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ تو پھر یہاں پر اسی کے خلق اور تصویر کا ذکر ہونا چاہیے اور کُمْ سے عام معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس کی بہت سی تاویلیں کی ہیں اور جواب دیئے ہیں۔ چنانچہ بعض نے تو کہا ہے یہاں پر خلق آدم ہی مراد ہے اور نسبت فعل ضمیر جمیع کی طرف مجازاً ہے۔ کسی نے کہا آدم ہی مراد ہے اور یہاں پر مضاف مقدر ہے یعنی خَلَقْنَا اٰبَاءَ کُمْ اور بعض نے کہا کہ آدم نہیں بلکہ سب ہی مراد ہیں۔

لیکن خَلَقْنَا اور صَوَّرْنَا کے معنے یہاں پر مجازاً أَبْدَأْنَا خَلْقَكُمْ وَأَبْدَأْنَا تَصْوِيرَ كُمْ ہیں (ہم نے تمہاری پیدائش شروع کی اور تمہاری تصویر شروع کی) اور ظاہر ہے کہ آدمؑ کے پیدا اور مصور کرنے کے ساتھ سب کی پیدائش اور تصویر شروع ہو گئی ہے۔ لیکن حق بات وہی ہے جو کہ ہم نے پہلے بیان کی ہے کہ خلق اور تصویر کے معنے پیدا کرنے اور صورت بنانے کے نہیں

بلکہ انداز کرنے اور صورت خاص قرار دینے کے ہیں اور یہی معنے خلق کے خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ[1] (البقرۃ:30) میں ہیں اور پیدا کرنے کے معنے وہاں پر بھی کسی طرح درست نہیں ہو سکتے اور هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ[2] (الحشر:25) میں بھی پیدا کرنے کے معنے نہیں بلکہ یا انداز کرنے یا گھڑنے کے ہیں جیسے کہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ[3] (المؤمنون:15) میں ہیں اور یہاں پر اگر یہ معنے نہ لئے جاویں تو پھر ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ میں ثُمَّ کے معنوں میں بھی ہیر پھیر ضرور کرنا پڑتا ہے کیونکہ پیدا کر دینے کے بعد کچھ وقفہ کر کے صورت بنانا متصور نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہمارے معنوں کے رو سے ثُمَّ میں کچھ ہیر پھیر کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی جیسے کہ كُمْ میں نہیں پڑتی۔ پھر اس انداز کرنے اور صورت قرار دینے کے بعد اسی انداز اور قرار داد کے مطابق آدم ابوالبشر کو پیدا کیا گیا تو پھر خداوند تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سے پایا جاتا ہے کہ آدم پیدا ہو گیا تھا۔

فرشتے انسان کے مُمِدّ و مُعاون

اور یہ حکم بھی حقیقت میں بنی آدم پر ایک بہت بڑا انعام تھا کیونکہ قطع نظر اس عظمت سے جو اس سے آدم کی ثابت ہوتی ہے اس میں ایک یہ بات بھی ملحوظ تھی کہ دنیا میں سب بڑے بڑے کام فرشتوں کی معرفت ہوتے ہیں حتیٰ کہ انسان کے نیک خیالات اور نیک ارادوں کے محرک بھی وہی ہوتے ہیں تو خداوند تعالیٰ نے پہلے سے اس سجدہ کی معرفت جس کے دوسرے معنے بھی فرمانبرداری کے ہیں فرشتوں کو انسان کی امداد کا سبق دیا ہے اور ان کو ان کی اعانت پر متوجہ کیا ہے اور یہ حقیقت میں بہت بڑا انعام ہے۔

آدم کے لئے سجدہ کرنے کے معنے

باقی رہا یہ کہ آدم کے لئے سجدہ کرنا کیا معنے رکھتا ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے اور یہ

---

[1]۔ جس نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے (فائدہ کے) لئے پیدا کیا۔ پھر وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ (حق یہی ہے کہ) اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا موجد بھی ہے۔ اور ہر چیز کو اس کی مناسب حال صورت دینے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ پس بہت ہی برکت والا ہے وہ خدا جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

کہ سجدہ کا حکم تو ملائکہ کو کیا تھا تو ابلیس پر اس کی تعمیل کس طرح لازم ہوئی اور ایسی اور بحثیں۔ سو ان سب کی تفصیل ہم پہلے پارہ میں بڑے بسط کے ساتھ کر آئے ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا اور سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہ کیا اور اس کے سجدہ نہ کرنے کا باعث یہی تکبر تھا کہ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ اور پھر یہ بھی کسی کمال کی وجہ سے نہ تھا بلکہ محض اس خیالی ذاتی شرف کی وجہ سے کہ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ تو اس تکبر کے باعث وہ باغی ہوا اور اس بغاوت کی وجہ سے خارج، ذلیل، ملعون اور جہنمی ہوا۔

اور اسی طرح تم کو بھی ایک آدم کے لئے سجدہ کرنے اور اس کا کہا مان کر ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے سو جو تم میں سے اپنی خیالی ذاتی وجوہات کی بنا پر اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ کہیں گے اور تکبر کر کے بغاوت اختیار کریں گے وہ ابلیس کی طرح مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ہو کر نکالے جاویں گے اور ملعون اور جہنمی ٹھہریں گے۔ پس تمھیں چاہئے کہ اس معلوم اور مسلّمہ واقعہ سے عبرت پکڑو۔ چنانچہ فرمایا) اس نے فرمایا کس نے تجھے روکا (اعنی کون باعث ہوا) کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا میں تشریح میں وہ سب وجوہات لکھ چکا ہوں جو کہ مفسرین نے اس کے معنے اور ترکیب درست کرنے کے لئے بیان کی ہیں اور یہ بھی لکھ آیا ہوں کہ میرے نزدیک یہ توجیہات ٹھیک نہیں بلکہ لَاتَسۡجُدَ، مَنَعَكَ کی تفسیر اور اس کا بیان ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَامَنَعَكَ کے معنے یہاں پر ہوں اَیۡ شَیۡءٍ صَارَ سَبَبًا تو پھر اَنۡ لَاتَسۡجُدَ کا تعلق اس سے بخوبی ہو سکتا ہے اور اِذۡ اَمَرۡتُكَ فرما کر یہ بتا دیا کہ گو مراتب اور حکم اور علل اور فوائد کا لحاظ اور قیاس فِیۡ حَدِّ ذَوَاتِہَا اچھے ہوں اور قابل اعتبار ہوں لیکن خداوند تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں ان کا کچھ اعتبار نہیں اور جو کوئی حکم خداوندی کے مقابل ان کو اعتبار کرے گا وہ ابلیس کی طرح مردودِ درگاہ ہو گا) اس کے جواب میں) اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں (اور خیر ہونے کی وجہ بیان کی کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور تو نے اس کو کیچڑ سے پیدا کیا ہے

مفسرین کے معنی

(مفسرین نے یہاں پر یہ بحث بھی کی ہے کہ ابلیس نے حکم سجدہ کے ساتھ اپنے آپ کو

مامور ہونا تسلیم کر کے یہ جواب دیا ہے یا کہ مامور ہونے کو تسلیم نہیں کیا اور اسی کی وجہ اَنَاخَیۡرٌ مِّنۡہُ الخ کے ساتھ بیان کی ہے اور دونوں طرف ایک ایک گروہ گیا ہے اسی طرح یہ بحث بھی کی ہے کہ کیا حقیقت میں آگ سے پیدا ہونا موجب خیریت ہے یا کہ کیچڑ سے پیدا ہونا موجب فضیلت ہے لیکن یہ دونوں بحثیں لغو ہیں خواہ اس نے اپنے آپ کو مامور ہونے سے نکالا ہو یا اس کو تسلیم کر کے عہدۂ تعمیل سے اپنے آپ کو بَری کیا ہو اُس نے الٰہی حکم کو تکبر کے باعث ردّ کیا اور نص کو خود ساختہ قیاس کے ساتھ چھوڑا اور یہ بہت بڑا جرم ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت کا فیصلہ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰىکُمۡ[1] (الحجرات:14) پر ہے اور دوم ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ[2] (الجمعۃ:5) پر قبلہ کی نسبت جب سوال ہوا تو لِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ[3] (البقرۃ:116) فرما کر یہ بتایا کہ سب کچھ اسی کا ہے جس کو وہ فضلیت اور ترجیح دے وہی افضل ہے۔

اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے) فرمایا سو تو اس سے اتر جا کہ تیرے لئے نہ تھا کہ تو اُس میں تکبر کرتا سو تو نکل جا۔ بے شک تو ذلیلوں سے ہے۔ (مِنۡہَا اور فِیۡہَا کی ضمیروں کے مرجع میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے اکثروں نے تو ان کا مرجع جنّت کو قرار دیا ہے پھر کہا ہے کہ ابلیس کا جنّت میں ہونا مشہور ہے پھر انہی میں سے بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی جنت ہے کہ جس میں مؤمن داخل ہوں گے اور ابن عباس نے کہا ہے کہ یہ جنّت عدن میں ایک بلند جگہ پر واقع تھا جس میں آدمؑ کو پیدا کیا گیا تھا۔ پھر بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ آسمان پر تھا لیکن ہم اس جنّت کی نسبت بھی پہلے بسط کے ساتھ لکھ آئے ہیں اور بعض نے کہا کہ ان کا مرجع سماء ہے بعض نے کہا کہ زمین ہے اور ابلیس کو زمین سے بعض جزائر کی طرف نکال دیا گیا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا مرجع ملائکہ ہیں اور کہا ہے کہ وہ پہلے ان میں رہتا تھا لیکن یہ سب مشکلات سے خالی نہیں اور ہر ایک میں کسی ایسی بات کا ذمہ دار ہونا پڑتا ہے جس کا اثبات دشوار ہے۔ مثلاً پہلے آسمان میں اس کا رہنا یا جنّت میں مقیم ہونا یا فرشتوں میں رہنا یا زمین

---

[1] ۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[3] ۔ اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

سے اس کو نکال کر جزائر میں مقیّد کرنا پھر بعض کا پہلے ذکر بھی نہیں جیسی جنّت۔ پس بہتر یہی ہے کہ ان سے اس کا مرتبہ اور اس کا حال مراد ہو اور یہ دونوں ایسے عام ہیں اگر واقعہ میں ان میں سے کوئی ہو تو یہ اس کو بھی شامل ہیں۔

اور هُبُوْطٌ کی نسبت تشریح میں گذر چکا ہے کہ اس میں اوّل تو بلندی اور پستی کی ضرورت ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو پھر جس طرح تقدم اور تاخر بلحاظ رتبہ کے بھی ہوتا ہے اسی طرح بلندی اور پستی کا بلحاظ مرتبہ کے ہونا بھی ایک مسلّم اور مشہور بات ہے بلکہ اس کے بعد متصل اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ فرمانا اس کا قوی قرینہ ہے جیسا کہ فَاخْرُجْ بلندی، پستی کے شرط نہ ہونے کا صریح قرینہ ہے اور باوجود یکہ تکبر کے معنے صاف صاف بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ آئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ابلیس نے اکڑ بازی سے حق کو پھینکا اور آدم کو حقیر سمجھا ہے مگر پھر بھی مفسرین نے یہ بحث کی ہے کہ اس کا تکبر فرشتوں پر تھا یا آدم پر یا خدا پر یا کہ فِيْ نَفْسِهٖ تھا۔ باقی رہا یہ کہ تکبر کے ناجائز اور نامناسب ہونے کو فِيْهَا کے ساتھ کیوں مقیّد کیا ہے تو جنہوں نے هَا سے جنّت یا فرشتے یا آسمان لیا ہے انہوں نے تو اس کی وجہ ان کی شرافت اور عظمت اور طہارت کو قرار دیا ہے لیکن مرتبہ اور حال لیا جائے تو پھر دو وجہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ ادنیٰ اور خسیس سا مرتبہ ہو اور مقصد یہ ہو کہ ایسے حقیر و ذلیل اور پست مرتبہ میں ہو کر تجھے اس قدر تکبر کرنا مناسب نہ تھا۔ دوم یہ کہ وہ مرتبہ اچھا ہو اور ربوبیت یا رحمانیت کے اس میں اس پر کچھ احسان ہوں اور مقصود یہ ہو کہ اس قدر احسانات کے ہوتے ہوئے تجھے بَطَرُ الْحَقِّ کرنا اور محسن کے ارشاد کو ردّ کرنا نہ چاہیے تھا۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اس تخصیص و تقیید سے یہ مفہوم نہیں ہوتا ہے کہ اس سے باہر تکبر کرنا جائز اور مناسب ہے۔

اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ کے مطالب

اور اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ کے دونوں مطلب درست ہیں۔ اوّل یہ کہ تو نے جیسا اپنے آپ کو بڑا خیال کیا ہے تو ویسا نہیں بلکہ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ہے اور دوم یہ کہ تیرے اس تکبر کا یہ اثر ہے کہ اب تو ضرور ذلیل ہو جائے گا اور یہ ایسا یقینی امر ہے کہ گویا ابھی سے ہو گیا ہے۔

تو جب اس نے خداوند تعالیٰ کا یہ عتاب سنا تو بجائے پشیمانی اور توبہ و استغفار کے اور

آگے بڑھنے لگا اور یہ شرارت سوجھی کہ آدم کی وجہ سے مجھ پر یہ آفت آئی ہے سو اگر مجھے کچھ مہلت اور فرصت مل جائے تو میں بنی آدم کو بہکا کر اپنی طرح خدا کا معتوب بنا دوں تو) اس نے کہا کہ تو مجھے مہلت دے اس وقت تک کہ وہ مبعوث ہوں۔ اس نے فرمایا کہ بے شک تو مہلت دیئے ہوؤں سے ہے (مفسرین نے اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ اس نے قیامت کے دن تک زندہ رہنے کی مہلت چاہی کہ جس میں بنی آدم قبروں سے اُٹھائے جاویں گے اور اس کا ثبوت سورۂ بنی اسرائیل ع7 کی آیت کریمہ سے ہوتا ہے جہاں فرمایا ہے قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا[1] (بنی اسرائیل:63) لیکن ان کے گمراہ کرنے کے لئے ان کے قبروں سے اُٹھائے جانے تک مہلت مانگنے کی نہ ضرورت ثابت ہوتی ہے اور نہ اس کی کوئی وجہ اور مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ کے یہ معنے کیے جاویں کہ اس وقت تک کہ (ہدایت کے لئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے) مبعوث (اور مامور) ہوتے رہیں اور اس کی حد دنیا کے انتہاء تک ہے اسی وجہ سے دوسرے مقام پر اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ[2] (بنی اسرائیل:63) بھی آیا ہے اور ظاہر ہے کہ پہلے کوئی ہدایت اور صراط مستقیم خداوند تعالیٰ کی طرف سے آئے اور پھر اس سے گمراہ کیا جائے جیسا کہ اس نے کہا کہ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ اسی وجہ سے پہلے پارہ میں آدمؑ کے بیان میں فرمایا قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى[3] الخ (البقرۃ:39) اور مہلت کی درخواست کے جواب میں یہاں پر تو مطلق اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ فرمایا ہے جس سے ظاہراً تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ تک اس کو مہلت دی گئی ہوئی ہے جس تک کہ اس نے مہلت چاہی تھی لیکن چونکہ مطلق ہے اس لیے یہ بھی احتمال ہے کہ مہلت ہو مگر کسی اور وقت تک ہو۔

---

[1]۔ (نیز) اس نے کہا (کہ اے اللہ! تو ہی مجھے) بتا کہ کیا یہ (میرا مطاع ہو سکتا) ہے جسے تو نے مجھ پر شرف دے دیا ہے اگر تو نے مجھے قیامت کے دن تک مہلت دی تو (مجھے تیری ہی ذات کی قسم ہے کہ) میں اس کی (تمام) اولاد کو قابو میں کر لوں گا۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے (جنہیں تو بچالے)۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ قیامت کے دن تک۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ (تب) ہم نے کہا (جاؤ) سب کے سب اس میں سے نکل جاؤ (اور یاد رکھو کہ) اگر پھر کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے۔ (تفسیر صغیر)

اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ سے مراد

پھر دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے فَاِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ[1] (ص:81-82) اور وقت معلوم سے بھی تعیین نہیں ہوتی ہاں مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور پھر اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ[2] (الاعراف:188) بھی قیامت کے متعلق کہتے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اَلۡمَعۡلُوۡمِ سے خاص اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہونا مراد ہو اور بعض نے اَلۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ سے ابلیس کی اَجل اور اس کی موت کا وقت مراد لیا ہے۔

اور اس صورت میں خلاصہ یہ ٹھہرے گا کہ اس نے درخواست کی کہ مجھے لوگوں کے قبروں سے اُٹھنے تک مہلت دے اور خداوند تعالیٰ نے جواب دیا کہ تیری موت کے دن تک تجھے مہلت ہے جو کہ خاص مجھی کو معلوم ہے۔ تو جب اس کو مہلت مل گئی تو جس انتقام کی غرض سے یہ مہلت مانگی تھی اس کا یوں اظہار کیا کہ) اس نے کہا سو تیرے مجھے ناکام کرنے کے سبب سے (مَیں حلفیہ کہتا ہوں کہ) مَیں ان کے لئے تیرے اس سیدھے راستہ پر ضرور ہی بیٹھوں گا اور پھر مَیں ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں جانبوں سے اور ان کے بائیں جانبوں سے ضرور ہی ان کے پاس آؤں گا اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گذار نہ پائے گا۔

اِغۡوَاءٌ کے معنی

(تشریح الفاظ میں ہم نے اِغۡوَاءٌ کے بہت سے معانی نقل کیے ہیں اور باوجودیکہ ابلیس کے لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ کہنے میں اِغۡوَاءٌ کے معنے گمراہی کی طرف بلانے اور اس میں ڈالنے اور بہکانے ہی کے کئے جاتے ہیں پھر یہاں پر اِغۡوَاءٌ کے اور اور معنے کیوں لیے گئے ہیں۔ سو اس کا جواب واضح ہے کہ چونکہ وہ معنے خداوند تعالیٰ کی شان کے بالکل منافی ہیں اور قرآن مجید کی بہت سی آیتیں خداوند تعالیٰ سے ان کو نفی کرتی ہیں لہٰذا اس کے لئے یہ نہیں لیے جاسکتے اور

[1]۔ اس پر (اللہ نے) فرمایا' (یہی خواہش ہے) تو اپنے آپ کو ڈھیل دیئے جانے والوں میں سے سمجھ لے۔ یہ (ڈھیل) ایک معلوم وقت تک ہو گی۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے۔ (تفسیر صغیر)

جب یہ نہ ہو سکے تو پھر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اور اور معنے مفسرین نے لئے چنانچہ ہم نے بھی ایک معنے کیے ہیں لیکن مَیں کہتا ہوں کہ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ تو ابلیس رجیم نے نافرمانی اور شرارت پر کمر باندھنے کے وقت کہا جو کہ اس سے پہلے یہ کہہ چکا تھا کہ چونکہ مَیں ناری اور آدم خاکی ہے اس لیے (نعوذ باللہ منہ) خدائے علیم و حکیم کا ارشاد اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ غلط اور ناقابل قبول اور غیر واجب الاتباع ہے۔ تو ابلیس جیسا شریر جو پہلے یہ کہہ چکا ہے اگر خداوند تعالیٰ کو یہ بھی کہہ دے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے تو نہ اس سے کوئی تعجب ہو سکتا ہے اور نہ اس کا یہ قول اس بات کو مستلزم ہے کہ یہ بات ٹھیک مطابق واقعہ اور عقیدہ بنانے کے قابل اور واجب الاذعان ہے جیسا کہ اس کے پہلے قول کا حال ہے۔ غرض کہ ابلیس کے قول ہونے کے لحاظ سے کسی مزید اصلاح کی ضرورت نہیں ہے ہاں اس میں بھی شک نہیں کہ اِغْوَاءٌ کا بمعنے گمراہی کے حکم اور فتویٰ لگانے اور ناکام کرنے کے لیے آنا بھی یقینی ہے۔

صِرَاطٌ سے مراد

اور صِرَاطٌ کے خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس سے وہ سیدھی اور آسان ترین راہ مراد ہے جو کہ خداوند تعالیٰ اور آپ کی رضا تک پہنچاتی ہے اور یہ وہ راہ ہے جس کے بتانے اور اس پر چلانے کے لئے انبیاء ورسل اور مجددین و مامورین مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ مکہ کا راستہ تو اس سے وہی راستہ مقصود ہوتا ہے جو کہ مکہ تک پہنچائے اور اسی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو کہ امام احمدؒ اور نسائی اور ابن حبان اور بیہقی نے سبرۃ بن الفاکہ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ شیطان ابن آدم کے لئے اس کے راستوں پر بیٹھا چنانچہ اسلام کے راستہ پر بیٹھا اور کہا کیا تو اسلام لاتا ہے اور اپنا اور اپنے آباء کے دین کو چھوڑتا ہے تو اس نے اس کی نہ مانی اور اسلام لے لایا پھر ہجرت کے راستہ پر بیٹھا اور کہا کیا تو ہجرت کرتا ہے اور اپنی زمین اور اپنا آسمان چھوڑتا ہے اور اس نے اس کی نہ مانی

اور ہجرت کر دی پھر جہاد کے راستہ پر بیٹھا اور کہا کیا تو جہاد کرتا ہے حالانکہ جان کی مشقت اور مال کا نقصان ہے پھر جب تو لڑے گا تو مارا جائے گا اور تیری بی بی اور کے ساتھ نکاح کر لے گی اور تیرا مال لوگوں میں تقسیم ہو گا تو اس نے اس کی نہ مانی اور جہاد کیا۔۔۔ الخ

(مسند امام أحمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 477 حدیث سبرۃ بن أبی فاکہ حدیث 16054 عالم الکتب)

(سنن النسائی کتاب الجھاد باب لمن اسلم وھاجر وجاھد حدیث 3134)

(صحیح ابن حبان کتاب السیر باب ذکر ایجاب الجنۃ... حدیث 4593)

(الجامع لشعب الایمان لامام بیہقی السادس والعشرون باب الجہاد حدیث 3941 مکتبۃ الرشد)

تو گو اس میں چند ہی امور کا ذکر ہے لیکن ان سے صراط کا خوب پتہ لگ جاتا ہے اور بیٹھنے کے معنے بھی کھل جاتے ہیں کہ اس سے قُطَّاعُ طُرُقٍ (ڈاکوؤں) والا بیٹھنا مراد ہے اور استعارہ یا تمثیل یا کنایہ کے طور پر ابلیس کے وسوسہ دینے کے لئے گھات میں بیٹھنے کو بیان فرمانا ہے اور ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ صراط سے مراد مکہ معظمہ کا راستہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب لینا غلط ہے کہ بس وہ صراط اسی میں محدود ہے بلکہ بطور تمثیل انہوں نے اس کی بہت سی شاخوں سے ایک کا ذکر کیا ہے اور بس۔

اور آگے پیچھے دائیں بائیں جانب سے آنے سے ابلیس کا وسوسہ ڈالنے اور گمراہ کرنے کے لیے حملہ آور ہونا مراد ہے جس کو اعداء کے حملہ کے ساتھ بطریق تمثیل بیان فرمایا ہے اور چونکہ اعداء کا حملہ چھ جہتوں میں سے ان ہی چار جہتوں سے ہوا کرتا ہے اور اوپر اور نیچے سے نہیں ہوتا ہے اس لئے یہاں پر بھی چار ہی جہتوں پر اقتصار کر دیا ہے اور اوپر اور نیچے کی جہتوں کو ذکر نہیں کیا اور بعض نے اوپر اور نیچے کو ترک کرنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اوپر کی جانب سے رحمت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اس لئے اس جانب ابلیس کو قابو نہیں دیا گیا اور چونکہ نیچے کی جانب اس کے مقابل ہے اور نیز نیچے سے آنا موجب وحشت تھا اس لئے اس کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے اور آگے پیچھے، دائیں بائیں وہی مراد ہے جو کہ ان سے عام طور پر لیا جاتا ہے لیکن ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مِنۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ مَا قَبْلِ الْاٰخِرَةِ اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے دنیا کی جانب جو کہ آخرت سے پہلے گذرنے والی اور فانی اور

پیچھے چھوڑی ہوئی ہے۔ اور عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ سے حسنات اور عَنۡ شَمَائِلِہِمۡ سے سیّئات مراد ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ بَیۡنِ اَیۡدِیۡہِمۡ سے یہ مراد ہے کہ وہ جانتے ہوں اور اس سے بچنے پر قدرت رکھتے ہوں اور مِنۡ خَلۡفِہِمۡ سے یہ مراد ہے کہ وہ نہ جانتے ہوں اور اس سے نہ بچ سکتے ہوں اور عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ سے یہ مراد ہے کہ ان کے لئے آسان ہوں کہ اس کو جان لیں اور اس سے بچ سکیں۔ اور عَنۡ شَمَائِلِہِمۡ سے یہ مقصود ہے کہ ان کے لئے آسان نہ ہو کہ اس کو جان سکیں اور اس سے بچ سکیں اور بعض حکماء اسلام نے کہا ہے کہ اوّل سے وہ قوت خیالیہ مراد ہے جو کہ دماغ کے بطن مقدم میں ہے اور جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں اور دوم سے وہ قوت وہمیّہ مراد ہے جو کہ دماغ کے بطن مؤخر میں ہے اور جو غیر محسوس امور میں حاکم ہے اور سوم سے قوت شہوانیہ مراد ہے جس کا محل کبد ہے جو کہ دائیں طرف واقعہ ہے اور چہارم قوت غضبیہ مراد ہے جس کا محل قلب ہے جو کہ کسی قدر بائیں طرف کو ہے۔

غرض کہ اسی طرح کے اور بہت سے اقوال ہیں لیکن حق یہ ہے کہ ایسے اقوال کو وقعت دینا قرآن مجید کو جو کلام الٰہی اور ھُدًی لِّلنَّاسِ ہے ایک بے علم انسان کے ظلمانی خیالات کا محکوم اور تختہ مشق بنانا ہے کجا عَنۡ اَیۡمَانِہِمۡ وَعَنۡ شَمَائِلِہِمۡ اور کجا قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کے معنے تو وہ ہوتے ہیں جو کہ الفاظ سے مفہوم ہوں لیکن کسی اہل زبان کے دماغ میں ان کلمات کے سننے کے وقت ان معانی کا وہم بھی نہیں گذر سکتا۔

پس سچے معنے یہاں پر بھی وہی ہیں جو کہ بدون کسی ہیر و پھیر محض ان الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں جو کہ سب سے پہلے ہم بتا آئے ہیں اور پہلے دونوں میں مِنۡ کا لانا اور آخری دونوں میں عَنۡ کا لانا صوفیائے کرام کے نزدیک اس اشارہ کے لئے ہے کہ آگے اور پیچھے سے تو شیطان انسان کے ساتھ متصل ہو کر وسوسہ اندازی کر سکتا ہے جس پر لفظ مِنۡ دال ہے جو کہ اتصال پر دلالت کیا کرتا اور اسی وجہ سے اس کو ابتدائیہ اتصالیہ کہا کرتے ہیں اور دائیں اور بائیں جانب سے دور رہ کر وسوسہ ڈال سکتا ہے اور ان دو طرفوں میں لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح ہونے کے باعث اور نیز کرام الکاتبین کے باعث وہ نزدیک نہیں آسکتا جیسا کہ

بوجہ نزول رحمت اوپر کی جانب سے بالکل نہیں آسکتا اور گو حدیث اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ۔[1]

(صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الشھادۃ تکون عند الحاکم... حدیث 7171)

سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حقیقت پر محمول نہیں بلکہ یہ تمثیل ہے لیکن ظاہر اس حدیث کا اس نکتہ کے خلاف ہے اور بعض مفسرین نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ آگے اور پیچھے سے آنے والا تو خود ان کی طرف آتا ہوا آخر ان سے متصل ہو جائے گا اس لئے ان میں تو مِنْ اتصالیہ اختیار کیا اور دائیں اور بائیں طرف سے گذرنے والا تو ان کے پاس سے گذرنے والا اور ان سے دور ہونے والا ہے لہٰذا ان میں عَنْ کو ذکر کیا جو کہ بُعد اور تجاوز کے لئے ہوتا ہے جیسا کتب نحو میں درج ہے اور یہ وجہ بہت ٹھیک ہے۔

شٰکِرِیْنَ اور مُطِیْعِیْنَ کے معنی

اور قیاس تو یہ چاہتا تھا کہ ابلیس کے عام بہکانے وسوسہ ڈالنے اور عام حملۂ دشمنانہ کا نتیجہ عام نافرمانی ہوتی لیکن وہ خود یہ نتیجہ بتاتا ہے کہ تو اکثروں کو شکر گذار نہ پائے گا اور یہی وجہ ہے کہ عموماً تفسیروں میں یہاں پر شٰکِرِیْنَ کی تفسیر مُطِیْعِیْنَ کے ساتھ پاؤ گے حالانکہ نہ اس کے یہ معنے ہیں اور نہ دونوں آپس میں مترادف یا مساوی ہیں بلکہ شٰکِرِیْنَ خاص اور مُطِیْعِیْنَ عام ہے۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اطاعت کے اصلی اسباب دو ہی ہیں حسن اور احسان اور دونوں کا جامع وحدہٗ لاشریک ہے پر جو لوگ محض حسن کی وجہ سے اطاعت کرتے ہیں وہ عِبَادٌ مُّخْلَصِیْنَ میں سے خاص اور اعلیٰ درجہ کے لوگ ہوتے ہیں جن کو ابلیس نے بھی اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ[2] (الحجر:41) اور جو احسان کی وجہ سے اطاعت کرتے ہیں سو ان کی اطاعت فی الحقیقت احسانات محسن کا اعتقادی یا قولی یا فعلی اور عملی شکر ہوتا ہے تو ایسے لوگوں میں سے اکثر حصہ تو نفس و ابلیس کے قابو میں آکر ناشکر یا کم از کم شکر فراموش یا مشرک فی الشکر ہو کر فی الحقیقت اپنا سارا شکر غیر کے لئے کر کے خداوند تعالیٰ

[1] ۔ شیطان انسان کے اندر اس طرح دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے۔ (از مرتب)

[2] ۔ مگر جو تیرے برگزیدہ بندے ہیں (اور جو میرے فریب میں نہیں آسکتے وہ بچ جائیں گے) (تفسیر صغیر)

کے ناشکرے بن جاتے ہیں۔ اسی کی تائید خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد فرماتا ہے کہ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ[1] (سبا:14) سو اس وجہ سے بجائے مُطِيْعِيْنَ کے شٰكِرِيْنَ کو اختیار کیا ہے تاکہ اس سے ان کی عدم اطاعت کی ساتھ ہی وجہ بھی ظاہر ہو جائے اوران عِبَادُ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ کا اس سے باہر رہنا بھی مفہوم ہو سکے جن کی اطاعت کی اصل بناء حسن الٰہی پر فرق ہے نہ عوام کی طرح محض احسان پر اور پھر اظہار مقابلہ کے لئے کہا کہ تونے انسان کو ہم پر بڑائی دی اور اس کے لئے سجدہ کرنے سے مجھ پر ناراض ہوا پر تیرا یہ احسان وانعام بے محل اور نااہل پر ہے چنانچہ آپ خود دیکھ لیں گے کہ باوجود ایسے احسانوں کے اکثر ناشکرے ثابت ہوں گے۔ تو ابلیس کے اس شریرانہ قول پر) خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مذمت کیا ہوا دھتکارا ہوا نکل جا۔

مِنْهَا میں سے هَا سے مراد

مِنْهَا میں سے هَا کے مرجع اور مراد میں یہاں پر بھی وہی اقوال ہیں جو کہ فَاهْبِطْ مِنْهَا میں مذکور ہوئے ہیں اور اس سے نکلنا تو پہلے ہی ارشاد ہو چکا تھا پر دوبارہ کہنے کی کیا وجہ پیش آئی اور وہاں پر اِهْبِطْ اور یہاں پر اُخْرُجْ فرمانے سے کوئی ایسا فرق نہیں ہو جاتا جس سے تکرار رفع ہو سکے کیونکہ اوّل تو هُبُوْطٌ کے معنے بھی مطلق انتقال کے ہیں اور اگر اوپر سے نیچے کی طرف کی قید سے مقید بھی کر دیں تو پھر بھی اصل خروج اور انتقال تو اس میں بھی موجود ہے تو دوبارہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اس کے مذکورہ کلام کے بعد لا کر یہ ظاہر کیا گیا کہ تیری اس دھمکی سے وہ پہلا حکم بدلا نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مذموم اور مطرود ہو کر نکالا جاتا ہے۔

باقی رہا کچھ لوگوں کا تیرے بہکانے سے ناشکر گذار بننا تو اس کی نسبت فرمایا کہ) بخدا جو ان میں سے میری پیروی کرے گا تو ضرور ہی میں تم سب سے (اعنی تجھ سے اور ان سے) دوزخ کو پر کروں گا (جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تونے تو ناشکری کو آزمالیا ہے کہ اس کا نتیجہ اور اثر کیا ہی سخت اور برا ہے اور اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ ان میں سے اس ناشکری میں تیری پیروی کریں گے تو پھر ان کو بھی اس کا برا نتیجہ اور اثر

[1]۔ اور میرے بندوں میں سے بہت کم لوگ شکر گذار ہوتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

بھگتنا پڑے گا اور ان کا یہ سزا یاب ہونا ہماری حکمت کے خلاف نہ ہو گا کہ ہم پر گراں گذرے بلکہ حکمت کے مطابق ہو گا اس لئے کہ ہم نے جنّت کو بنایا ہے اور اس میں کچھ لوگ داخل کرنے کا قصد کیا ہے اور پھر جہنم بنائی ہے اور اس کے بھرنے کا بھی ارادہ کیا ہے اور وعدہ فرمایا ہے تو اگر وہ تیری پیروی کر کے ناشکرے بنیں گے تو ہم تجھ سے اور ان سب سے جہنم کو پُر کریں گے جیسا کہ ہمارا وعدہ ہے۔

اور واضح ہو کہ آدمؑ کے قصہ سے پہلے ذکر تھا کہ ہم نے تم پر بڑے بڑے انعام و احسان کیے مگر باوجود اس کے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو چنانچہ فرمایا تھا وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ[1] (الاعراف:11) اور اس کے بعد انسان کی پیدائش آدمؑ کے لئے ملائک کے سجدہ کرنے اور ابلیس کے نہ کرنے اور اس کے معتوب ہو کر نکالے جانے اور اس پر اس کے مہلت مانگنے اور ملنے پر لوگوں کے بہکانے کے لیے حملہ آور ہو کر اکثروں کو ناشکرے بنانے کا ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ ابتدا ہی میں تمہارے جدی دشمن نے یہ کہہ دیا تھا کہ مَیں ان پر حملہ کر کے ناشکرے بناؤں گا اور ہم نے بھی اسی وقت صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ناشکرے بنیں گے اور اپنے جدی عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کے پیرو ہوں گے تو ہم ان سب سے جہنم کر پُر کریں گے۔ پس دشمن کی دھمکی اور ہمارے وعید کے باعث تم کو ناشکری سے بچنے کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔ اور اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ قصص کے تکرار کے وجوہات کس طرح جدا جدا پیش آتے ہیں۔ لیکن ابلیس کے مذکورہ واقعہ سے جس طرح یہ بات نکلی "کہ ناشکری بہت بُری چیز ہے جس میں ڈالنے کا ہمارے جدی دشمن نے پہلے ہی سے عزم کیا ہوا ہے اور خداوند تعالیٰ نے بھی اس پر جہنم میں ڈالنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے لہٰذا اس سے ضرور بچنا چاہیے۔"

ابلیس کے بہکانے پر اکثریت کا مبتلا ہونا

اسی طرح اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ ابلیس کے بہکانے سے اکثر اس میں

[1]۔ اور ہم نے ضرور تم کو زمین میں طاقت بخشی تھی اور اس میں تمہارے لئے (قسم قسم کے) معیشت کے سامان مقرر کیے تھے مگر تم شکر بالکل نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

مبتلا ہوں گے اور جب وہ مبتلا ہوئے تو پھر ان کے لئے آئندہ بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے بلکہ ضرور خداوند تعالیٰ اپنے وعدہ قدیم کے مطابق ابلیس کے ساتھ ان کو جہنم میں ڈالے گا۔ تو اس کے حل کرنے کے لئے آگے فرمایا) اور اے آدم تُو اور تیرا جوڑا اس باغ میں رہو اور تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے نزدیک نہ جاؤ ورنہ پھر تم ظالموں سے ہو جاؤ گے (مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سارا مضمون آخر تک قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ پر عطف ہے اور سکونت کے بارہ میں خاص آدم کو مخاطب کرنا اور کھانے میں دونوں کو مخاطب بنانا یہ اس لئے ہے کہ سکونت میں عورت مرد کے تابع ہوتی ہے جہاں پر وہ رہتا ہے وہاں ہی وہ بھی رہتی ہے بخلاف کھانے کے کہ اس میں دونوں مستقل ہیں اور ایک دوسرے کے تابع نہیں اور چونکہ سورۂ بقرہ میں اس واقعہ کا ذکر بصورت امتنان تھا اس لئے وہاں پر وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا[1] (البقرۃ:36) کے ساتھ رَغَدًا کو بھی ذکر فرمایا تھا۔ بخلاف یہاں کے کہ یہاں پر حل مذکور کے لئے ہوا ہے اس لئے رَغَدًا کو ذکر نہیں کیا گیا۔

شجرہ سے مراد اور ظلم کی حقیقت

اب رہا یہ کہ اس شجرہ سے کیا مراد ہے یا مفسرین نے اس کے متعلق کیا کچھ لکھا ہے تو اس کی مفصل بحث پہلے پارہ میں آدمؑ کے قصہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ اسی طرح وہاں پر اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ ظلم جس طرح کسی کی حق تلفی کو کہتے ہیں اور اسی کا فرد کامل شرک ہے جیسا فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ[2] (لقمان:14) اسی طرح الٰہی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے نفس کے خلاف منشاء کام کرنے اور اس کو تکلیف میں ڈالنے کو بھی ظلم کہتے ہیں جو کہ خداوند تعالیٰ کے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں میں سے بعض کا کام ہے جیسا کہ پ22ع16 میں فرمایا ہے ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَّ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ

[1] ۔ اور ہم نے (آدم سے) کہا (کہ) اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (تفسیر صغیر)

الْکَبِیْرُ[1] (فاطر:33) اور آدمؑ کے لیے جس طرح پہلے معنے بعض مفسرین نے لے کر ان کی معصومیت کے لئے بہت کچھ توجیہات بیان کی ہیں۔ اسی طرح بعض مفسرین نے ابتدا ہی سے ظلم کے پہلے معنے نہیں لئے کہ معصومیت کے خلاف پڑتے بلکہ دوسرے معنے لئے ہیں جو خداوند تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں پائے جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی میں فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کی تفسیر میں لکھا ہے "ای الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ[2]" اور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح علیہا السلام بھی یہاں پر ظلم کے یہی معنے کیا کرتے تھے۔ پس ایک طرف تو خداوند تعالیٰ نے صاف اور کھلے طور پر فرمادیا کہ اگر اس شجرہ کے نزدیک جاؤ گے تو ظالموں سے ہو جاؤ گے اور دوسری طرف یہی ارشاد شیطان کے لئے اس بات کا محرک ہوا کہ وہ آدمؑ کے بہکانے میں پورا زور لگائے اور سعی بلیغ کرے کیونکہ خداوند تعالیٰ نے خود ہی قرب شجرہ کو ظالمین میں داخل ہونے کا موجب قرار دے دیا۔

شیطان کے وسوسہ کی حقیقت

لہٰذا اس کے بعد فَا لا کر جو کہ ما قبل کے مابعد کے لئے سبب اور مابعد کے ما قبل پر متفرع ہونے پر دال ہوتی ہے فرمایا) تو ان دونوں کے لئے شیطان نے وسوسہ دیا تا کہ ان دونوں کے لئے ان کی شرمگاہوں یا برائیوں کو ظاہر کر دے جو کہ ان سے پوشیدہ کی گئی تھیں (لِیُبْدِیَ میں جو لام ہے مفسرین نے اس کی نسبت دونوں احتمال لکھے ہیں کہ یہ لام علت اور غرض کا ہے تب یہ معنے ہوں گے تو وسوسہ ڈالنے میں اس کی غرض ہی ان کے پوشیدہ سَوْءٰتٌ کا اظہار تھا اور یا یہ لام عاقبت کا ہے تب یہ معنے ہوں گے کہ وسوسہ ڈالنے میں اس کی اصل غرض تو اور ہی تھی لیکن اس کے ڈالنے پر یہ اثر مرتب ہو گیا جیسا کہ اِلْتَقَطَهٗٓ[3] لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص:9)

---

[1] ۔ پھر (حقیقت یہ ہے کہ نزول وحی کے بعد) ہم نے اپنی کتاب کا (ہمیشہ) انہی لوگوں کو وارث بنایا ہے جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا' پس ان میں سے کوئی کوئی آدمی تو ایسا ثابت ہوا جو اپنی جان پر انتہائی ظلم کرنے والا تھا اور کوئی ان میں سے ایسا نکلا جو درمیانی چال چلنے والا تھا اور کوئی کوئی ایسا نکلا جو نیکیوں میں اللہ کے حکم سے دوسروں سے آگے بڑھنے والا تھا۔ یہ (اللہ کا) بڑا فضل ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ یعنی جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ (از مرتب)

[3] ۔ قرآن کریم میں ہے۔ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا جس کا ترجمہ: سو اس کے بعد اس (موسیٰ) کو فرعون کے خاندان میں سے ایک نے اٹھا لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ ان کے لئے دشمن ثابت ہوا اور غم کا موجب بنا۔ تفسیر صغیر) (از مرتب)

میں لام عاقبت ہے اور لام عاقبت بنانے کی ضرورت ان کو یہ پیش آئی ہے کہ سَوْءٰتٌ کے معنے تو انہوں نے شرم گاہوں کے کیے اور ظاہر ہے کہ ان کا اظہار کوئی ایسا مہتم بالشان امر نہیں کہ وسوسہ کی اصل غرض وہ ہو سکے۔ تو جب اصل غرض نہ ہو سکا تو پھر لام کو عاقبت کے لئے قرار دے دیا۔ لیکن انہوں نے اپنی تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ گو ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ یہ کلام حقیقت پر محمول ہو اور اس سے لباس کا چھیننا اور شرم گاہوں کا ظاہر ہونا ہی مراد ہو لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کنایہ ہو ازالہ حرمت اور اسقاط جاہ سے اور ظاہر ہے کہ یہ معنے تو اس کے وسوسہ کی غرض ہو سکتے ہیں اور جس طرح مفسرین کے اس قول سے یہ ثابت ہوا ہے اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان ظاہری معنوں کے علاوہ اور بھی معنے ہو سکتے ہیں لیکن انہوں نے تو ان کو چھوڑ کر وہ معنے لیے جو کہ از قسم کنایہ اور مجاز سے ہیں پر ہم ان کو چھوڑ کر ایسے لیتے ہیں جو کہ ان سے بھی زیادہ حقیقی اور مناسب مقام اور غرض بننے کے لائق ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سَوْاٰتٌ۔ سَوْأَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنے بدی اور برائی کے ہیں اور شرم گاہ کو اگر کہتے ہیں تو مجازاً کہتے ہیں۔ پس ہم یہاں پر اس کے اصل معنے لے کر یوں معنے کرتے ہیں تا کہ ان کے لئے ان کی وہ برائیاں ظاہر کر دے جو کہ ان سے پوشیدہ رکھی گئی تھیں اور اسی کا ابلیس نے خداوند تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کیا تھا اور یہی وسوسہ ڈالنے میں اس کی غرض اور یہی باعث تھا نہ شرمگاہوں کا ننگا کرنا اور یہی ان کی اپنی ذات پر بھی مخفی ہو سکتی ہیں نہ شرمگاہیں اور یہی ان دو کی نسبت جمع ہو سکتی ہیں نہ شرمگاہ جو کہ دو کی دو ہی ہیں۔ ہاں ان کے خلاف کوئی طَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْہِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ کو قرینہ پیش کر سکتا ہے لیکن اس کا جواب انشاء اللہ اس کی تفسیر میں لکھیں گے۔

اور اس غرض و مطلب کے پورا کرنے کے لئے جو وسوسہ اُس نے ڈالا اس کا طریق خداوند تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا) اور اس نے کہا کہ تمہارے ربّ نے تم کو اس درخت سے اسی وجہ سے منع کیا ہے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے یا تم دونوں (اس میں) رہنے والوں سے ہو جاؤ گے اور اس نے ان دونوں کے لئے قسم کھائی کہ یقیناً ہی میں تم دونوں کے لئے اخلاص رکھنے والوں یا نصیحت کرنے والوں سے ہوں (میں نے بارہا یہ بات بتائی ہے کہ بدی نفسانی لذت یا نفسانی جوش کی وجہ سے الٰہی حکم کی خلاف ورزی کرنے کو کہتے ہیں اور یہ بھی

کہ پاک لوگوں کو شیطان اور اس کے مظاہر کھلی کھلی بدی کی تحریک نہیں کر سکتے بلکہ ان کو ہمیشہ نیکی کے رنگ میں وہ دھوکا دیا کرتے ہیں یہی شیطان کا بہت باریک دھوکا ہوتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

تصوف کی کتابوں میں ایک بزرگ نے اپنا قصہ لکھا ہے کہ میں نے تنہائی میں رہنے کا عہد کر کے جنگل کی رہائش اختیار کی جو کہ نفس اور شیطان کو بہت ناگوار گذری کچھ مدت کے بعد اہل اسلام اور کفار کی جنگ چھڑ گئی تو نفس و شیطان نے مجھے بہت شوق دلایا کہ جہاد ضروری اور بڑے ثواب کا موجب ہے۔ تو مَیں تاڑ گیا کہ یہ نفس کا تقاضا ہے اور وہ کبھی اچھا نہیں ہوتا تب مَیں نے کہا کہ بہت اچھا مَیں جہاد کروں گا مگر علیحدہ رہ کر تب میرا نفس چیخ اُٹھا۔ اسی طرح ایک طرف متواتر حدیث ہے کہ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ[1]۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ، حدیث 110)

دوسری طرف لکھا ہے کہ سب سے زیادہ حدیثیں صوفیوں نے وضع کی ہیں۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ جب لوگ اعمال میں سست ہوئے تو شیطان نے اس نیک گروہ کو یہ دھوکا دیا کہ بُرے ارادہ سے حدیث وضع کرنی تو بے شک گناہ ہے لیکن لوگوں کو نیک اعمال اور تلاوتِ قرآن مجید کی ترغیب جیسا اور کون سا نیک عمل ہو سکتا ہے تو انہوں نے فضائل اعمال اور فضائل سور کے لئے حدیثیں گھڑنی شروع کر دیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل میں یہ خیال پختہ ہو گیا تھا کہ نبی جس بیٹے کے لئے دعا کرتا ہے یا جس سے راضی ہوتا ہے اسی کو نبوت ملتی ہے۔ تو شیطان نے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کو یہ دھوکا دیا کہ نبوت تم کو تب ملے کہ باپ کی توجہ تمہاری طرف ہو اور توجہ تب ہو کہ یوسفؑ پاس نہ ہو لہٰذا ان کی کمیٹی نے یہ پاس کیا کہ اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ[2] (یوسف:10) یعنی جب باپ کی توجہ خالی ہوئی تو پھر تم نبی ہو جاؤ گے اور جب نبی

---

[1]۔ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ آگ میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (از مرتب)

[2]۔ (اس لئے یا تو) یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی اور ملک میں (دور) پھینک دو (ایسا کرو گے تو) تمہارے باپ کی توجہ تمہارے لئے فارغ ہو جائے گی اور (اس فعل سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ) اس کے بعد (توبہ کر کے) تم (پھر) ایک نیک گروہ بن سکو گے۔ (تفسیر صغیر)

ہوئے تو پھر صالح ہو ہی گئے اور یہی صحیح معنے ہیں جن کا قرینہ یَخْلُ اور یَکُوْنُوْا[1] کا مجزوم ہو کر جواب امر بننا ہے جو کہ معنوں میں جزاء ہوتا ہے پس تقدیر یوں ہوئی کہ اِنْ تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوْ تَطْرَحُوْہُ اَرْضًا یَّخْلُ لَکُمْ وَجْہُ اَبِیْکُمْ تَکُوْنُوْا مِنْ بَعْدِہٖ قَوْمًا صَالِحِیْنَ اور ایک محاورہ میں صالح اعلیٰ درجہ کے مصلح کو کہتے ہیں جیسا کہ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ[2] (النمل:20) میں ہے جو کہ کلام النبی ہے۔

سو ان سب مثالوں سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کو شیطان ہمیشہ نیکی کے پیرایہ میں دھوکا دیا کرتا ہے اور اسی کا نام متکلمین نے زلّت رکھا ہے جہاں پر کہ وہ ایک طرف سب انبیاءؑ کو معصوم یقین کرتے ہیں اور پھر انبیاءؑ کے بعض واقعات کے ساتھ اس عقیدہ معصومیت پر اعتراض پڑتا ہے تو وہاں پر وہ یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ انبیاء سے ان افعال کا صدور بطور گناہ نہیں بلکہ یہ از قسم زلّت ہے تو ابو البشر کو بھی شیطان نے اسی قسم کا دھوکا دیا کیونکہ کون مومن ہے جو کہ فرشتہ ہونے یا جنّت میں ہمیشہ رہائش رکھنے کی خواہش نہ رکھتا ہو جو کہ رضاء الٰہی کا مورد اور محل ہے اور یہاں پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح وَصِیَّۃٌ اور نَصِیْحَۃٌ صورت میں ہمرنگ ہیں اسی طرح ان کے استعمال میں بھی یہ ہمرنگی ہے کہ عام طور پر وصیت مرنے والے شخص کی ایسی بات کو کہتے ہیں کہ جس پر عمل اس کی موت کے بعد کیا جائے لیکن قرآن مجید اور حدیث میں عموماً اس کے معنے مؤکد حکم اور بات کے آئے ہیں اسی طرح نصیحت کے عام طور پر کسی کو بھلی بات کہنے کے معنے ہوتے ہیں مگر قرآن مجید اور حدیث میں اس کے معنے اخلاص کے آتے ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے اَلدِّیْنُ النُّصْحُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِیْنَ[3]

اور ظاہر ہے کہ یہاں پر نصح کے عام مشہور معنے اللہ اور رسولؐ کے حق میں کسی طرح

---

[1]۔ آیت کے مطابق تَکُوْنُوْا ہونا چاہیے۔(از مرتب)

[2]۔(اے خدا) اپنے رحم کے ساتھ تو مجھے اپنے بزرگ بندوں میں داخل کر۔(تفسیر صغیر)

[3]۔ دین اخلاص ہے اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور تمام مومنین کے لئے۔ نوٹ: حدیث میں یہ الفاظ ملتے ہیں الدین النصیحة قالوا لمن قال لله ولرسوله ولائمة المؤمنین (مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 879 مسند عبد اللہ بن عباس حدیث 3281 مطبوعہ عالم الکتب بیروت 1998ء) ترجمہ: دین اخلاص ہے۔(صحابہ) نے پوچھا کہ کس کے لئے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے پیشواؤں کے لئے۔(از مرتب)

درست نہیں ہو سکتے بلکہ یہاں پر اس کے معنے اخلاص کے ہیں اور اس آیت کریمہ میں دونوں معنے ہو سکتے ہیں اور محض اعتبار دلانے کے لئے جس کی بنا پر کوئی دھوکا دے سکتا یا دوسرا دھوکا کھا سکتا ہے اس نے ناصح ہونے کا اظہار کیا اور پھر قسم کھا کر اس کا یقین دلایا ہے تو جب وہ ناصح ہونے کا اعتبار ان کو قسم کے ذریعہ دلا چکا اور اس اعتبار سے انہوں نے اس کی اس بات کو کہ مَا نَهٰىكُمَا الخ ناصحانہ بات سمجھ کر قابل اور مستحق عمل سمجھ لیا اور یہی اس کا دھوکا تھا جس پر انہوں نے عمل کر کے اس ممنوع شجرہ کو چکھ لیا جو کہ ان کو ان کے درجہ سے اتارنے والا تھا لہٰذا خداوند تعالیٰ نے اس کے بعد فَالا کر فرمایا) تو پھر اس نے دھوکے کے ساتھ ان کو اتار دیا یا جرأت دلا دی۔

دَلّٰی سے مفسرین کی مراد

(مفسرین نے لکھا ہے کہ دَلّٰی۔ دَلَی، اَلدَّلْوُ سے ہے جس کے معنے ہیں ڈول کے لٹکانے کے اور اس صورت میں اس کے ایک معنے تو یہ کئے ہیں کہ اس نے ان کو درجہ سے اُتار دیا۔ دوم یہ کہ اس نے ان کو جھوٹی طمع دلائی جیسا کہ پیاسا کنویں میں ڈول پانی کی طمع سے لٹکائے اور پھر ڈول خالی کا خالی آئے اور بعض نے اس کو دَالَّةٌ سے لیا جس کے معنے جرأت کے ہیں جیسے کہ اس شعر میں ہیں اَظُنُّ الْحِلْمَ دَلَّ عَلَیَّ قَوْمِیْ: وَقَدْ یُسْتَجْهَلُ الرَّجُلُ الْحَلِیْمُ[1] اور پھر دوسرے لام کو الف سے بدل دیا ہے جیسا دَسّٰی اور تَقَضّٰی میں کہ اصل میں دَسَّسَ اور تَقَضَّضَ تھے۔ لیکن بے تکلف معنے پہلے ہی ہیں دوسرے دونوں میں بناوٹ کو دخل ہے لیکن پہلے معنوں میں بھی مطلب یہ لینا کہ درجہ سے اُتار دیا صحیح نہیں اور نہ درجہ سے اُتارنے کو لٹکانے کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ تین معنے قصد ہوا کرتے ہیں اول حقیقۃً لٹکانا جو کہ یقیناً یہاں پر مراد نہیں اور پھانسی دے دینا اسی کا کامل فرد ہے لہٰذا یہ بھی مراد نہیں ہو سکتا۔

دوم کسی چیز کی طرف نہایت درجہ کا مائل کر دینا کہ جس طرح لٹکایا ہوا خود تو نیچے ہی

[1]۔ میں گمان کرتا تھا کہ حلم نے میری قوم کو جرات دلائی اور بعض اوقات حلیم انسان کو جاہل سمجھا جاتا ہے۔ (از مرتب)

جاتا ہے ہاں کوئی دوسرا اس کو اوپر کھینچ لے تو یہ جدا بات ہے اسی طرح وہ بھی خود واپس نہ ہو سکتا ہو ہاں کوئی دوسرا ہاتھ اس کو روک لے تو روک لے۔

سوم دو حالتوں کے درمیان معلّق کر دینا کہ لٹکائے ہوئے کی طرح وہ خود کسی ایک طرف نہ ہو سکتا ہو بلکہ اب دوسرا اس کو جس طرف کر دے کر دے اور یہ دونوں یہاں پر درست اور نہایت موزوں ہیں اس میں شک نہیں کہ آدمؑ کو شیطان نے اس قدر اس شجرہ کی طرف مائل کر دیا تھا کہ اب وہ خود نہیں رُک سکتا تھا جب تک کہ خداوند تعالیٰ کا ہاتھ نہ روکے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس کے دھوکے سے آدمؑ اب دو حالتوں کے درمیان معلق تھا۔ کھانے سے پہلے تو کھانے اور نہ کھانے میں عقل و روح اور نفس و شیطان کا مباحثہ ہو ہی رہا تھا اور کھانے کے بعد خداوند تعالیٰ چاہے تو اس کو پھر اُٹھالے اور چاہے تو ردّ کر دے۔ چنانچہ آدمؑ اور ابلیس دونوں سے قصور ہوا پر آدمؑ کو چن لیا اور ابلیس کو ردّ کر دیا۔

پس دَلّٰی کے معنے ہیں لٹکانے کے اور اس کا مطلب ہے سخت مائل کرنا یا دو حالتوں کے درمیان معلق کر دینا۔ اس کے بعد یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ ابلیس کی اس دھوکا دہی میں جو غرض تھی وہ حاصل ہو گئی فرمایا (تو جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کے لئے ان کی شرمگاہیں یا ان کی برائیاں ظاہر ہو گئیں اور لگے اپنے پر جنّت کے پتوں سے چپٹانے (شرمگاہوں کے ننگا ہونے پر پتوں کا چپٹانا بظاہر خوب چسپاں ہے لیکن مَیں نے بتایا ہے کہ نہ وہ ابلیس کی غرض کے مناسب ہے اور نہ ان کے ان پر پوشیدہ ہونے کے کچھ معنے بنتے ہیں اور پھر اس میں بھی شک نہیں کہ بلحاظ اصل مادہ کے اس کے معنے بھی بدی بلکہ فاحش بدی کے ہیں ہاں شرمگاہ کو بھی سَوْءَۃٌ کہتے ہیں جیسا کہ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا[1] (الاعراف:27) میں ہے مگر اسی وجہ سے کہ وہ اس کے اصل معنوں کا سب سے زیادہ محل و مصداق ہے۔

طَفِقَا سے مراد

البتہ طَفِقَا الخ ان اصلی معنوں پر بظاہر چسپاں نہیں بلکہ دوسرے معنوں پر چسپاں ہے

[1] ۔ ہم نے تمہارے لئے ایک ایسا لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری چھپانے والی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت (کا موجب بھی) ہے۔ (تفسیر صغیر)

لیکن اس میں کچھ حرج کی بات نہیں کیونکہ نہ تو قرآن مجید کے الفاظ میں یہ آیا ہے کہ وہ اپنی شرم گاہوں پر جنّت کے پتے چمٹانے اور لپیٹنے لگے کہ اس سے خاص شرمگاہوں کا ننگا ہونا سمجھا جاتا اور نہ یہی تصریح فرمائی ہے کہ پتوں کا چپٹانا اور لپیٹنا خاص ستر کی غرض سے تھا اور نہ واقعہ میں ان کے لپیٹنے کی غرض کوئی اسی ستر میں منحصر ہے بلکہ یہ غرض بھی ہو سکتی ہے کہ شرم کی وجہ سے اپنے منہ ان کے ساتھ چھپاتے ہوں یا ان کو لپیٹ کر اپنی ہیئت بدلاتے ہوں کہ دوسرا کوئی ہمیں نہ پہچان سکے بلکہ حق عبارت تو یہ تھا کہ اگر سَوْءَۃٌ کے معنے شرمگاہ کے تھے اور ابلیس نے ان کی شرمگاہوں کو برہنہ کرنا چاہا اور پھر برہنہ کر دیا تو یوں کہا جاتا کہ لگے اپنی شرمگاہوں پر جنّت کے پتے لپیٹنے۔ پر یہ نہیں کہا بلکہ اس کے بجائے اپنے پر فرمایا۔

پس ثابت ہوا کہ یہ کہنا بھی ان پہلے معنوں کا کچھ قرینہ نہیں بلکہ دوسرے معنوں پر بھی بخوبی چسپاں ہو جاتا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ دوسرے معنوں پر ہی بخوبی چسپاں ہوتا ہے۔ تو جب ان سے یہ کمزوری سرزد ہو چکی اور ابلیس اپنے منصوبہ کو پورا کر چکا تو خداوند تعالیٰ نے ان دونوں کو عتاب اور توبیخ کی۔ چنانچہ فرمایا) اور ان دونوں کے ربّ نے ان دونوں کو پکارا کہ کیا مَیں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور مَیں نے تم کو نہیں کہا تھا کہ یقیناً شیطان تم دونوں کے لئے کھلا یا جدا کرنے والا دشمن ہے۔

(اس سورۃ میں بے شک اس درخت سے منع کرنا تو پہلے مذکور ہوا ہے لہٰذا غلطی سرزد ہونے کے بعد مخالفت نہی پر عتاب کرنے کے لئے اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ کہنا درست ہے لیکن شیطان کے ان دونوں کے لئے عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ہونے کا پہلے بالکل ذکر نہیں آیا تھا لہٰذا یہاں پر شیطان کی بات پر دھوکا کھانے پر عتاب کرنے کے لئے وَ اَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہنا بظاہر ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کیونکہ پہلے اس کا ذکر نہیں آیا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سورۃ میں اس کے پہلے مذکور نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعہ میں بھی نہ فرمایا ہو اور نہ یہ کوئی ضروری ہے کہ اگر واقعہ میں ہو تو پھر یہاں پر ضرور ذکر ہو کیونکہ قرآن مجید کوئی تاریخ نہیں کہ واقعات کا استیعاب کرے بلکہ جن مقاصد کے لئے کسی واقعہ کا ذکر کرتا ہے تو جن امور کو ان میں دخل ہوتا ہے ان کو اور خاص انہی کو ذکر

فرما دیتا ہے اور باقی امور کو چھوڑ دیتا ہے اور اس کے واقعہ میں ہونے کا ثبوت سورۂ طٰہٰ سے ہوتا ہے کہ وہاں پر قصور کے سرزد ہونے سے پہلے یوں فرمایا ہے اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى[1] (طٰہٰ:118) تو وہاں پر اس کی عداوت ہی کا ذکر نہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ تم کو جنّت سے نکالنے کے درپے ہے۔ تو اس عتاب کا وہ کیا جواب دے سکتے تھے بجز اس کے کہ وہ اپنے قصور کا اعتراف کر کے معافی کے خواستگار ہوں چنانچہ فرمایا) ان دونوں نے کہا کہ اے ہمارے ربّ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہی ہم خسارہ پانے والوں سے ہو جاویں گے۔ (ظلم کی بحث تو ابھی مکرر گذری ہے۔ باقی مسئلہ عصمت کی پوری بحث پہلے گذر چکی ہے اور مفسرین کا عام زلّت والا جواب تو ابھی یہاں پر بھی گذر چکا ہے۔ تو اس استغفار پر) خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ اُتر جاؤ کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہو اور تمہارے لئے اس زمین ہی میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور نفع اُٹھانا ہے۔ فرمایا اسی میں تم زندگی بسر کرو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ھبوط سے مراد:

(اِهْبِطُوْا کے جمع ہونے میں مفسرین کے جو بہت سے اقوال ہیں کہ کوئی شیطان کو آدمؑ اور حوا کے ساتھ ملاتا ہے اور کوئی سانپ کو اور کوئی آنے والی نسل کو جو کہ ان کے ضمن میں تھی اور جمع کو بمعنے تثنیہ لیتا ہے اور جو پسندیدہ بات ہے ان سب کی تفصیل پہلے پارہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ نیز یہ پہلے بھی گذرا ہے اور تشریح میں بھی گذرا ہے کہ اِهْبِطُوْا کے ارشاد سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آدمؑ والی جنّت آسمان پر تھی۔

البتہ یہ بات یہاں پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پہلے پارہ میں جو آدمؑ کا واقعہ مذکور ہے اس میں دو دفعہ اِهْبِطُوْا کا ارشاد ہوا ہے اوّل تو قصور سرزد ہونے پر۔ دوم فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ[2] (البقرۃ:38) کے بعد اور وہاں پر مَیں نے بتایا ہے کہ اوّل بطور حکم

---

[1] ۔ یہ (ابلیس) یقیناً تیرا اور تیرے ساتھیوں کا دشمن ہے۔ پس تم دونوں (گر وہوں) کو یہ جنت سے نہ نکال دے کہ اس کے نتیجہ میں تو (اور تیرا ہر ساتھی) مصیبت میں پڑ جائے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے کچھ (دعائیہ) کلمات سیکھے (اور ان کے مطابق دعا کی) تو وہ اس کی طرف (پھر فضل کے ساتھ) متوجہ ہوا۔ (تفسیر صغیر)

ہے اور دوم اس امید کے قطع کے لئے جو کہ قبول توبہ پر فوراً داخل ہونے کی ہو سکتی تھی اور مفسرین نے گو ان کلمات کی نسبت بہت سے مختلف بیان درج کئے ہیں لیکن زیادہ تر اسی کو پسند کیا ہے کہ وہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الخ ہیں جو کہ یہاں مذکور ہوئے ہیں اور پہلے پارہ میں پہلے اِهْبِطُوْا کے ساتھ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ[1] الخ (البقرۃ:37) کو ذکر کیا ہے اور پھر اس کے بعد تلقیٔ کلمات کو ذکر کیا ہے جو کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ الخ کے بجائے ہے۔ لیکن یہاں پر ایک ہی اِهْبِطُوْا ہے اور اس کے ساتھ پھر اِسْتِقْرَارٌ فِي الْاَرْضِ کا ذکر ہے لیکن رَبَّنَا ظَلَمْنَآ الخ کے بعد ہے۔ اب اس تقدیم و تاخیر کی نسبت یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان واقعات میں کوئی ترتیب نہیں اس لئے جہاں چاہا رکھ دیا بلکہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسا پہلے پارہ میں اِهْبِطُوْا دو دفعہ ذکر ہو کر یہ بتاتا ہے کہ قبول توبہ سے پہلے اور اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ان کو اس کے ساتھ خطاب فرمایا ہے اسی طرح وہاں اور یہاں کے بیانوں کے ملا کر دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِهْبِطُوْا کے ساتھ اِسْتِقْرَارٌ فِي الْاَرْضِ وغیرہ کا جس طرح قبل از توبہ ذکر ہوا ہے اسی طرح اس کے بعد جو اِهْبِطُوْا ہے اس کے ساتھ بھی استقرار وغیرہ تھا تو اس صورت میں خواہ دونوں جگہ مذکور ہو جیسا کہ پہلے پارہ میں اِهْبِطُوْا دونوں جگہ ذکر ہوا ہے یا دونوں میں سے ایک میں ہو خواہ اوّل میں یا آخر میں تو یہ سب درست ہے اور اس میں کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔

اور بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کی نسبت بھی لکھا گیا ہے کہ عموماً اس کو آئندہ کے لئے بطور سزا تسلیم کیا گیا اعنی اس کا ایک بُرا اثر یہ ہو گا کہ تم انسان یا انسان اور شیطان یا انسان۔ شیطان، سانپ ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور یہ بھی کہ یہ ان کے ہبوط اور اخراج کی علّت اور سبب اور باعث ہے اعنی چونکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور یہ جنتی زندگی کے منافی ہے لہٰذا تم یہاں سے نکل جاؤ اور یہی زیادہ پسند ہے۔

[1]۔ اور (یاد رکھو کہ) تمہارے لئے ... اسی زمین میں جائے رہائش ... ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 27 تا 32: یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا ؕ وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰی ۙ ذٰلِکَ خَیۡرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّہُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ مِّنَ الۡجَنَّۃِ یَنۡزِعُ عَنۡہُمَا لِبَاسَہُمَا لِیُرِیَہُمَا سَوۡاٰتِہِمَا ؕ اِنَّہٗ یَرٰىکُمۡ ہُوَ وَ قَبِیۡلُہٗ مِنۡ حَیۡثُ لَا تَرَوۡنَہُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۔ وَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَۃً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَیۡہَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔ قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَ اَقِیۡمُوۡا وُجُوۡہَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ ادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ؕ کَمَا بَدَاَکُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ۔ فَرِیۡقًا ہَدٰی وَ فَرِیۡقًا حَقَّ عَلَیۡہِمُ الضَّلٰلَۃُ ؕ اِنَّہُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ۔ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَ اشۡرَبُوۡا وَ لَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۔

تشریح الفاظ:

اَنۡزَلۡنَا ۔ اِنۡزَالٌ سے ہے جو کہ نُزُوۡلٌ سے ہے جس کے معنی اُترنے کے کیے جاتے ہیں تو اس لحاظ سے اِنۡزَالٌ کے معنے اتارنے کے ہونے چاہئیں چونکہ نزول وہ لفظ ہے جس کی وجہ سے حضرت مسیحؑ کی زندگی تسلیم کی گئی ہے اور باوجودیکہ ان کی وفات کی ثبت کثرت کے ساتھ قرآنی اور حدیثی اور عقلی اور قیاسی دلائل اور نصوص موجود تھے پھر بھی اس لفظ نزول کی وجہ سے ان سب کو رڈ کیا گیا اور پھر کئی آیتوں کو مروڑ توڑ کر ان کی حیات کے لیے دلیل بنایا گیا پر اصل بنیاد اس کی اور ان کے بذاتِ خود دوبارہ آنے کی یہی لفظ نزول ہے۔ لہٰذا

یہاں پر مَیں اس کے معنوں کی تحقیق پیش کرتا ہوں جس سے حضرت مسیحؑ کی حیات اور دوبارہ بذاتِ خود آنے پر بخوبی روشنی پڑ جائے۔ یہاں پر انزالِ لباس کا ذکر ہے جیسا کہ سورۂ حدید میں انزالِ حدید کا اور آیت وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَ مَا نُنَزِّلُہٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ [1](الحجر:22) میں سب اشیاء کے انزال کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ لباس کوئی اوپر سے اُن معنوں کے ساتھ نہیں اُترتا جو کہ مسیحؑ کے حق میں تسلیم کئے جاتے ہیں اور اسی طرح حَدِیْد اور دوسری چیزیں۔

تو اب ان سب مقاموں میں انزال کے ایک ہی معنے ہوں گے لیکن ہم یہاں پر خاص انزالِ لباس کی نسبت وہ معنے لکھتے ہیں جو کہ مفسرین نے لکھے ہیں۔ تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا اَیۡ خَلَقۡنَا لَکُمۡ ذٰلِکَ بِاَسۡبَابٍ نَازِلَۃٍ مِّنَ السَّمَاءِ کَالۡمَطَرِ یُنۡبِتُ بِہِ الۡقُطۡنُ الَّذِیۡ یُجۡعَلُ لِبَاسًا۔ قَالَہُ الۡحَسَنُ۔ [2]تو جب اِنۡزَالٌ کے یہ معنے ہوئے تو نزول کے معنے یہ ہوئے کہ پیدا ہو گا الخ۔ پس اگر مولوی صاحبان خدا کا خوف کریں اور حدیث رسول اللہؐ میں وہی معنے کریں جو کہ کلام اللہ میں ان کے بزرگوں نے کیے ہیں اور وہ خود بھی کرتے ہیں تو پھر مسیحؑ کی حیات اور بذاتِ خود آنے کا فیصلہ ہو جائے کیونکہ اس کے مطابق یہ معنے ہوں گے کہ مسیحؑ پیدا ہو گا اور اس کے پیدا ہونے ہی سے سب فیصلہ ہو جاتا ہے اور سب مشکلات حل ہو جاتے ہیں۔ مگر خوفِ خدا کہاں سے آئے پھر مولوی صاحبان کے پاس ہندی فارسی کی مثل ہے کہ عقل چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید۔ [3]

اور اسی تفسیر میں دوسرے معنے ابو مسلم سے یہ نقل کیے ہیں کہ اَعۡطَیۡنَاکُمۡ ذٰلِکَ وَوَھَبۡنَاہُ لَکُمۡ [4] وَ کُلَّمَا اَعۡطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِعَبۡدِہٖ فَقَدۡ اَنۡزَلَہٗ عَلَیۡہِ مِنۡ غَیۡرِ اَنۡ یَّکُوۡنَ ھُنَاکَ

---

[1]۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے (غیر محدود) خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ لیکن ہم اسے ایک معین اندازے سے ہی اتارا کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ہم نے تمہارے لئے ایک ایسا لباس پیدا کیا ہے یعنی ہم نے یہ ایسے اسباب کے ذریعہ سے پیدا کیا ہے جو آسمان سے نازل ہوتے ہیں جیسے بارش جس سے کپاس اگائی جاتی ہے جس سے لباس بنایا جاتا ہے۔ یہ حسن کا قول ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ عقل کا کیا کام ہے کہ مردوں کے سامنے آئے (احمقانہ بات کرنے والے کی نسبت بطور طنز بولتے ہیں) (از مرتب)

[4]۔ روح المعانی میں وَوَھَبۡنَا لَکُمۡ آیا ہے۔ (از مرتب)

عُلُوٌّ اَوْ سِفْلٌ بَلْ هُوَ جَارٍ مَجْرَى التَّعْظِيْمِ كَمَا تَقُوْلُ رَفَعْتُ حَاجَتِيْ اِلٰى فُلَانٍ وَقِصَّتِيْ اِلَى الْاَمِيْرِ وَلَيْسَ هُنَاكَ نَقْلٌ مِّنْ سِفْلٍ اِلَى عُلُوٍّ[1]۔ اس کے مطابق وہاں پر یہ معنی ہوں گے کہ مسیحؑ تم کو ملے گا اور خدا کی طرف سے اور اس کی عنایت و بخشش سے ملے گا۔

پھر تیسرے معنی یوں بیان کئے ہیں وَقِيْلَ الْمُرَادُ قَضَيْنَا لَكُمْ ذٰلِكَ وَقَسَمْنَاهُ لَكُمْ وَقَضَايَاهُ وَقَسْمُهُ تُوْصَفُ بِالنُّزُوْلِ مِنَ السَّمَاءِ حَيْثُ كَتَبَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ[3] یہ معنی لیے جاویں تو تب بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ پھر ان تین معنوں کے بعد لکھا ہے وَعَلٰى كُلٍّ فَالْكَلَامُ لَا يَخْلُوْ عَنْ مَجَازٍ وَ يُحْتَمَلُ اَنْ يَّكُوْنَ فِي الْمُسْنَدِ (یعنی اَنْزَلَ میں) وَهُوَ الظَّاهِرُ۔ وَيُحْتَمَلُ اَنْ يَّكُوْنَ فِي اللِّبَاسِ اَوِ الْاِسْنَادِ[4]۔

لِبَاسٌ کہتے ہیں مَا يُلْبَسُ کو اور پوشیدہ کرنے اور پوشیدہ کرنے کے ذریعہ کو مَا يُلْبَسُ کو بھی۔ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ پوشیدہ کرنے کا وہ ذریعہ ہوتا ہے۔

يُوَارِيْ۔ مُوَارَاةٌ سے ہے جس کے معنے ڈھانپنے اور پوشیدہ کرنے کے ہیں۔

سَوْاٰتٌ۔ سَوْءَةٌ کی جمع ہے، شرمگاہ اور فاحش بدی۔

رِيْشٌ اصل میں پرندہ کے پر کو کہتے ہیں اور چونکہ وہ اس کے لئے موجب زینت ہوتا ہے اس لئے جو لباس بطور زیب و زینت کے پہنا جاتا ہے اس کو بھی رِيْشٌ کہتے ہیں۔

خَيْرٌ۔ خَيْرًا کا مخفف ہے جیسا کہ شَرٌّ۔ أَشَرٌّ کا مخفف ہے۔

يَذَّكَّرُوْنَ اصل میں يَتَذَكَّرُوْنَ تھا۔ تاء کو ذال بنا کر ادغام کیا گیا ہے اور یہ تَذَكُّرٌ سے ہے جو ذِكْرٌ سے بنایا گیا ہے جس کے معنی یاد کرنے اور نصیحت اور وعظ کرنے کے ہیں لہٰذا تَذَكُّرٌ کے معنی ہیں یاد کرنا اور نصیحت پکڑنا۔

---

[1]۔ ہم نے تمہیں یہ عطا کیا اور ہم نے تم پر انعام کیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطا فرماتا ہے تو وہ اس نے اس پر نازل کیا ہے بغیر وہاں کوئی اونچائی یا اترائی کے۔ بلکہ یہ بطور عزت کے ہے جیسے تم کہتے ہو کہ میں نے اپنی حاجت فلاں کے سامنے اور اپنا قصہ امیر کے سامنے اٹھایا اور وہاں کوئی نیچے سے اوپر کی طرف حرکت موجود نہیں ہوتی۔ (از مرتب)

[2]۔ روح المعانی میں وَقَسَمْنَاهُ وَقَضَايَاهُ تَعَالٰى آیا ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد ہم نے تمہارے لئے یہ فیصلہ کیا اور تمہارے لئے تقسیم کیا۔ اور اس کے فیصلے اور اس کی تقسیم کو آسمان سے نزول کا نام دیا جاتا ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ (از مرتب)

[4]۔ اور ان سب میں کلام مجاز سے خالی نہیں ہوتا اور ممکن ہے کہ وہ (مجاز) مسند میں ہو جیسا یہاں ظاہر ہے۔ اور ممکن ہے کہ لباس میں ہو یا جس کی طرف اسناد ہو۔ (از مرتب)

لَایَفْتِنَنَّ کے آخر میں نون مشدد نون تاکید ہے اور یَفْتِنُ۔ فِتْنَۃٌ سے ہے جس کے معنی ہیں مفتون کرنے (مصیبت اور فتنہ میں ڈالنے، کندن کرنے کے۔

کَمَا اَخْرَجَ میں ما مصدر یہ ہے لہٰذا اس کے معنے ہوں گے کَاِخْرَاجِہٖ۔

اَبَوَیْ اصل میں اَبَوَیْنِ تھا جو أَبٌ کا تثنیہ ہے اور اس کا نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے اور أَبٌ کے معنی باپ کے ہیں اور اَبَوَیْنِ کے معنے ہوئے دو باپ اور ظاہر ہے کہ جنّت سے بنی آدم کے دو باپ نہیں نکالے گئے بلکہ ایک باپ اور ماں نکالے گئے ہیں پس اس کے معنی یہاں پر ماں باپ کے ہیں اور اس کو تغلیب کہتے ہیں اور عربی زبان میں ایسا بہت ہوتا ہے جیسا کہ شَمْسَیْنِ اور قَمَرَیْنِ وغیرھما۔

یَنْزِعُ۔ نَزْعٌ سے ہے نکالنا اور چھیننا۔

یُرِیَ۔ اَرَاءَۃٌ سے ہے کسی کو کوئی چیز دکھانا اور یَرٰی۔ رُؤْیَۃٌ سے ہے دیکھنا۔

قَبِیْلٌ کے معنی مطلق جماعت کے ہیں ہاں قَبِیْلَۃٌ اس جماعت کو کہتے ہیں جو کہ ایک باپ سے ہو اور حَیْثُ ظرف مکان ہے۔

اَوْلِیَاءُ۔ وَلِیٌّ کی جمع ہے اور یہاں پر وَلِیٌّ کے قرین اور ساتھی کے معنی ہیں نہ وَلِیُّ الْاَمْر اور تسلط رکھنے والے کے کیونکہ گو خداوند تعالیٰ نے اس کے ادعاء کے جواب میں کہ مَیں بنی آدم کو گمراہ کروں گا یہ فرمایا ہے کہ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ[1] (الحجر:43) جس سے کوئی یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہاں پر تو مخلص بندے دوسری آیات کے قرینہ سے مراد ہیں اور اس صورت میں اس سے یہ مفہوم ہوگا کہ غیر مخلص لوگوں پر تسلط ہے اور یہاں پر بھی وہی غیر مخلصوں کے لئے اولیاء قرار دیا ہے پس اس کے معنی اولیاء الامر اور تسلط رکھنے والوں کے ہوں لیکن پ13 ع16 میں انہی غیر مخلص اور گمراہ شدہ لوگوں کی نسبت اس کا اظہار یوں آیا ہے مَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ[2] (ابراہیم:23) جس سے ان غیر مخلصوں کی نسبت بھی تسلط کی صریح نفی موجود اور مسلم ہے۔

---

[1]۔ جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کبھی بھی تسلط نہیں ہوگا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ میرا تم پر کوئی تسلط نہ تھا۔ (تفسیر صغیر)

فَاحِشَةٌ۔ فُحْشٌ سے اسم فاعل مؤنث ہے اور فُحْشٌ کے معنی ہیں حد سے گذرنا اور کھلا کھلا ہو جانا اور فَاحِشَةٌ چونکہ اسم فاعل ہے جو کہ صفات سے ہے اور صیغہ جات صفات کا ضرور کوئی موصوف ہوتا ہے خواہ مذکور ہو یا مقدر۔ لہٰذا اس کا بھی کوئی موصوف ضرور ہونا چاہیے اور وہ عام طور پر انہی دو میں سے کوئی ہوتا ہے۔ فَعْلَةٌ۔ قَبِيْحَةٌ اعنی بدکاری یا امرأۃ اعنی بدکار عورت اور یہاں پر اوّل ہے اور یہی حال فُحْشَاءُ کا ہے البتہ یہ اَفْحَشُ بمعنے فَاحِشٌ کی مؤنث ہے جیسے سَوْدَاءُ اور حَمْرَاءُ، أَسْوَدُ اور أَحْمَرُ کی مؤنث ہیں۔

قِسْطٌ اصل میں عدل و انصاف اور وَسَطٌ کو کہتے ہیں اور امام راغبؒ نے کہا ہے جو نصیب اور حصہ عدل کے ساتھ ہو اس کو قِسْطٌ کہتے ہیں اور قِسْطٌ جو مصدر ہے قَسَطَ يَقْسُطُ کا اس کے معنی کبھی دوسرے کے حصہ کے لینے کے آتے ہیں جس طرح کہ اِقْسَاطٌ جو کہ أَقْسَطَ۔ يُقسِطُ کا مصدر ہے۔ دوسرے کا حصہ دینے کے معنوں میں آتا ہے اور ظاہر ہے کہ اوّل ظلم ہے اور دوم انصاف ہے۔ اسی وجہ سے قَسَطَ فُلَانٌ کے معنے ہوتے ہیں جَارَ فُلَانٌ اور اَقْسَطَ فُلَانٌ کے معنے ہوتے ہیں عَدَلَ فُلَانٌ جیسا ایک جگہ فرمایا ہے اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا[1] (الجنّ:16) اور دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[2] (المائدہ:43) ہے اور جب قِسْطٌ کے معنے ظلم کے ہوئے اور باب افعال کبھی سلب کے لئے آتا ہے تو اِقْسَاطٌ کے معنے ہوں گے ظلم کے سلب کرنے کے جو کہ بلفظ دیگر عدل اور انصاف ہے۔

اَقِيْمُوْا۔ اِقَامَةٌ سے امر ہے۔

وُجُوْهٌ۔ وَجْهٌ کی جمع ہے جس کے معنے منہ اور توجہ کے ہوتے ہیں اور یہاں پر ثانی ہیں۔

مَسْجِدٌ میں تین احتمال ہو سکتے ہیں (1) مصدر میمی ہو بمعنے سجدہ (2) ظرف زمان ہو بمعنے وقت سجدہ (3) ظرف مکان ہو بمعنے جائے سجدہ اور ہر ایک احتمال کی طرف مفسرین میں سے گئے ہیں اور بمعنے سجدہ لے کر اس سے صَلٰوةٌ بھی لی ہے۔

---

[1]۔ اور جو ظلم کرتے ہیں وہی جہنم کا ایندھن بنتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اُدْعُوْا۔ دُعَاءٌ سے ہے اور دُعَاءٌ بمعنے پکارنے اور کبھی بمعنے مطلق عبادت اور طاعت کے ہوتی ہے اسی وجہ سے اکثر مفسرین نے اُدْعُوْہُ کی تفسیر اُعْبُدُوْہُ وَاَطِیْعُوْہُ کے ساتھ کی ہے۔

بَدَأَ۔ بَدْءٌ سے ہے، شروع اور ابتدا اور انشاء کرنا۔

تَعُوْدُوْنَ۔ عَوْدٌ سے ہے، لوٹنا۔

فَرِیْقٌ۔ ایک گروہ اور حصہ۔

حَقَّ۔ بمعنے ثَبَتَ۔

وَاسْتَقَرَّ زِیْنَۃٌ تو آرائش کو کہتے ہیں لیکن یہاں پر سب نے اس سے لیا ہے اور مسجد سے مکان سجدہ جس کو اُردو میں بھی مسجد کہتے ہیں یا سجدہ اور اس سے صَلٰوۃٌ۔

لَاتُسْرِفُوْا۔ اِسْرَافٌ سے ہے جس کے معنے بے جا صرف کرنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اے آدمؑ کی اولاد یقیناً ہم نے لباس اُتارا ہے جو کہ شرمندہ کرنے والی (باتوں یا چیزوں) کو ڈھانپتا ہے (یا ڈھانپے گا) اور زینت (یا پر) ہے اور تقویٰ کا لباس وہ بہت اچھا ہے۔ وہ اللہ کے نشانوں سے ہے تا ہو کہ وہ نصیحت پکڑیں (یا یاد کریں) اے آدمؑ کی اولاد یہ شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو اس باغ سے نکالا وہ ان دونوں کا لباس اُتارتا ہے تا کہ وہ ان کو ان کی رنجدہ چیزیں (یا باتیں) دکھائے۔ بے شک ٹھیک بات تو یہ ہے کہ وہ اور اس کا لشکر تم کو اس جگہ (یا طور) سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کے لئے ساتھی بنا دیا ہے جو کہ ایمان نہیں لاتے۔

اور جب کوئی حد سے بڑھی ہوئی بدی کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اس پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ تم کہو کہ یقیناً حد سے بڑھی ہوئی بدی کا اللہ حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ تم کہو کہ میرے ربّ نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اپنی توجہوں کو ہر ایک مسجد (یا سجدہ کرنے) کے پاس قائم کرو اور تم اس کے لئے اس کے دین کو خالص کرنے والے ہو کر اس کو پکارو۔ جیسا کہ اس نے تم کو پہلے پیدا کیا ہے (ویسے ہی) تم لوٹو گے۔ کسی گروہ کو اس نے راستہ پر لگایا ہے اور کوئی گروہ ہے کہ ان پر گمراہی پختہ

ہو گئی ہے۔ بے شک انہوں نے اللہ کے سوا شیطانوں کو ساتھی بنایا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے آدمؑ کی اولاد تم ہر مسجد کے پاس اپنی آراستگی لو اور تم کھاؤ اور پیو اور بیجا صرف نہ کرو۔ یقیناً وہ بیجا صرف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تفسیر:

سیاق کے ساتھ تعلق

مفسرین کے طریق پر ان آیتوں کا ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ آدمؑ کا قصہ جو کہ بنی آدم کی عبرت کے لئے مذکور ہوا ہے ختم ہو گیا ہے اور اس میں آدم کے لباس کا بھی ذکر آیا تھا جو کہ آدم کی طرح بنی آدم کو بھی عنایت ہوا ہے اور جو کہ ان عظیم الشان فضلوں اور انعاموں سے تھا جن کا نظر اعتبار سے ملاحظہ کرنا انسان کی اپنی طبیعت کو ان کے دینے والے کی طرف مائل کرنے اور اس کے مخلصانہ سچے اتباع اور تشکر کی طرف جذب کرنے میں مقناطیس کا کام دیتا ہے جو کہ یہاں پر اصل مقصد ہے۔ نیز اس لباس کے انعام کی یاد دہانی تقویٰ الٰہی کے لئے وہ اعلیٰ درجہ کی تمہید ہوتی تھی جس سے اس کی طرف نہایت بدیہی اور موثر طور پر انتقال ہوتا تھا اس لئے آدم کے لباس کے ذکر کے بعد بنی آدم کو ان کے لباس کا انعام یاد دلایا اور بعض نے لکھا ہے کہ پہلی آیتوں سے چونکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ شرمگاہوں کے ننگا کرنے کے لئے شیطان نے اغواء دے کر آدم کا لباس اتارا تھا تو اس کی اولاد پر احسان رکھنے کے لئے ان کے بعد یہ بتایا کہ تمہاری شرمگاہوں کے ڈھانپنے کے لئے ہم نے لباس اُتارا اور ایک یہ روایت کی ہے کہ عرب ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی اور آدم کے واقعہ کو ساتھ رکھ کر یہ بتایا کہ شرمگاہوں کا ننگا ہونا تو پہلا دُکھ ہے جو کہ انسانوں کو پہنچا۔

نیز یہ کہ یہ ایک قصور کا پھل تھا اور شیطان کے اِغْوَاءٌ سے تھا اور کشاف نے لکھا ہے کہ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا[1] الخ (الاعراف:23) کے بعد اس کا ذکر محض امتنان

[1]۔ ان کے ننگ ان پر ظاہر ہو گئے۔ (تفسیر صغیر)

کے لئے ہے کہ شرمگاہوں کا ننگا ہونا ذلت و رسوائی ہے (جیسا کہ پہلے آدمؑ کے قصہ سے ثابت ہے) اور ہم نے لباس اُتار کر تم کو اس ذلت و رسوائی سے بچالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے لِيُبْدِيَ[1] الخ (الاعراف: 21) اور بَدَتْ الخ فرمایا اور یہاں پر يُوَارِي الخ فرمایا تو اس انعام کو یاد دلانے کے لئے فرمایا کہ) اے آدم کی اولاد بلفظ دیگر اُس شخص کی اولاد جس کے لباس کا پُر عبرت واقعہ ابھی تم سُن چکے ہو الخ اور اسی نکتہ کے لیے يٰاَيُّهَا النَّاسُ اور يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وغیر ہما عنوانوں پر اس عنوان کو اختیار کیا ہے) یقیناً ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو کہ تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس یہ بہت بہتر ہے۔ یہ اللہ کے نشانوں سے ہے تو ہو کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

لباس اور ریش کی حقیقت:

(مفسرین نے عام طور پر لِبَاسٌ سے حقیقی لباس ہی لیا ہے اور رِيْشٌ سے بعض نے زینت لی ہے اور ابن زید سے یہی مروی ہے۔ اس صورت میں لباس کی دو صفتیں مذکور ہوں گی ایک سَوْاٰتٌ کا ڈھانپنا دوم زینت اور بعض نے لباس زینت لیا ہے اس صورت میں جُدا جُدا دو قسم کے لباس مذکور ہوں گے ایک لباس ستر عورت اور دوم لباس زینت اور ابن عباسؓ، مجاہدؒ، سدیؒ سے مروی ہے کہ اس سے مال مراد ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے تَرَيَّشَ الرَّجُلُ اور اس کے معنے ہوتے ہیں تَمَوَّلَ الرَّجُلُ[2] اور أَخْفَشْ سے آسایش اور معاش اس کے معنے مروی ہیں اور طبریؒ[3] نے کہا ہے بِجَمِيْعٍ مَّا يَحْتَاجُ اِلَيْهِ[4] اس سے مراد ہے اور ان معنوں کے لحاظ سے لباس کے علاوہ یہ ایک اور انعام کی یاد دہانی ہو گی اور لباس التقوی سے ابن زیدؒ نے وہ لباس لیا ہے جو کہ ستر عورت کر دے اور زید بن علی بن الحسینؓ نے اس سے جنگ کا لباس زرہ خود اور آلات حرب لیا ہے اور اسی کو ابو مسلم نے پسند کیا ہے اور حبائی نے لباس حج اور تواضع کا لباس اور اچھا خوبصورت لباس لیا ہے۔ ان سب صورتوں میں اس سے

---

[1] ۔ تاکہ... اس کو ظاہر کر دے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ مرد مالدار ہو گیا۔ (از مرتب)
[3] ۔ تفسیر روح المعانی میں طبرسی ہے۔ (از مرتب)
[4] ۔ وہ سب کچھ جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ (از مرتب)

لباس ہی مراد ہو اجیسا کہ اوّل سے مراد ہے البتہ اوّل سے مطلق اور اس سے خاص اور مقید مراد ہے اور لباس کی اضافت تقویٰ کی طرف غُلَامُ زَیْدٍ کی طرح لازمی ہو گی اعنی وہ لباس جو کہ تقویٰ کے لئے ہے اور ابن عباسؓ نے اس سے عمل صالح اور عروہؒ اور زبیرؒ نے خشیۃ اللہ اور حسنؒ نے حیاء اور قتادہؒ اور سدیؒ نے ایمان لیا ہے اور یہ سب امور چونکہ تقویٰ ہیں اس لئے یہ اضافت بیانیہ ہو گی اعنی لباس جو کہ تقویٰ ہے۔ اور جب لباس سے یہی ظاہری لباس مراد ہو اتو پھر سَوْاٰتٌ سے بھی شرمگاہیں ہی مراد ہوں گی اور یہ ظاہری لباس جو کہ ستر عورت کرتا ہے یا جو کہ موجب زیب و زینت ہوتا ہے اوپر سے اُترتا ہوا نہیں پایا جاتا اس لئے اَنْزَلْنَا کے مفسرین نے خَلَقْنَا لَکُمْ ذٰلِكَ بِاَسْبَابٍ نَازِلَةٍ مِّنَ السَّمَآءِ[1] اور اَعْطَیْنَا کُمْ وَوَهَبْنَا لَکُمْ ذٰلِكَ[2] اور قَضَیْنَا لَکُمْ وَقَسَمْنَا لَکُمْ ذٰلِكَ[3] کیے ہیں جیسا کہ تشریح میں بیان ہوا۔ لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ٹھیک یہی معلوم ہوتا ہے کہ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا[4] (الاعراف:21) میں سَوْاٰتٌ سے ان کی کمزوریاں اور قصور مراد ہیں اور جس لباس کے اُتارنے سے وہ ظاہر ہوئیں وہ لباس التقویٰ ہے۔

پھر پہلے پارہ میں قبولیت توبہ کے بعد اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا[5] (البقرۃ:39) فرمانے کے بعد فرمایا ہے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ[6] الخ (البقرۃ:39) قبول توبہ سے پھر جنّت میں فوراً داخل ہونے کی امید ہوتی تھی تو توبہ کے بعد اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فرما کر اس خیالی امید کو قطع کر دیا مگر فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی الخ فرما کر اس جنّت سے اعنی جنّت میں خَالِدُوْنَ اور لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ والے اعلیٰ درجہ کے دخول کا طریقہ بتایا۔ تو وہاں پر اس محل میں اتیان ہدایت کا ذکر

---

[1]۔ ہم نے تمہارے لئے اسے پیدا کیا آسمان سے نازل ہونے والے اسباب کے ذریعہ۔ (از مرتب)

[2]۔ اسے ہم نے تمہیں عطا کیا اور تمہیں دعا۔ (از مرتب)

[3]۔ ہم نے تمہارے لئے فیصلہ کیا اور اسے تمہارے لئے تقسیم کیا۔ (از مرتب)

[4]۔ کہ جو کچھ ان کے ننگ میں سے ان پر چھپایا گیا تھا اس کو ظاہر کر دے۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ سب کے سب اس میں سے نکل جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ (اور یاد رکھو کہ) اگر پھر کبھی تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی (آئندہ کا) خوف ہو گا اور نہ وہ (سابق کوتاہی پر) غمگین ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے مقامات اس واقعہ کے بیان میں اس محل پر اگر کسی چیز کے اُتارنے، دینے، بھیجنے، آنے وغیرہا کا ذکر ہو گا تو اس سے اسی ہدایت کا اِتّیَانْ مراد ہو گا نہ کچھ اور۔ نیز اگر ہم لباس اور ریش سے بھی ہدایت مراد لے لیں جو کہ یقیناً لباس التقویٰ ہے اور وہ یقیناً خیر ہے اور پھر یقیناً آیات اللہ سے ہے تو پھر اَنْزَلْنَا میں توجیہات مذکورہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ ان وجوہات سے اور ان کے ماسوا اور بہت سے قرائن سے میرا خیال یہی ہے کہ لِبَاسًا سے یہی ہدایت مراد ہے جس کے پہننے اور اوڑھنے سے قصوروں اور کمزوریوں کا ستر ہوتا اور جو کہ خدا تک اور اس کی رضا کے پانے تک پہنچانے اور مزین کرنے کے لئے ایسی ہے جیسے پرندوں کے لئے پَر ہوتے ہیں اور اس مراد کی تعیین کرنے کے لئے عطف تفسیر لا کر فرمایا ہے کہ یہ لباس اور ریش کوئی اور چیز نہیں بلکہ یہ لباس التقویٰ ہے اور پہلی قوموں کو بھی لباس التقویٰ ہم دیتے رہے ہیں مگر یہ لباس التقویٰ جو کہ ہم نے تم پر اُتارا ہے یہ سب سے بہتر ہے اور پھر لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ[1] (بنی اسرائیل:89) اور پھر خارق عادت اثر رکھنے اور نصرت الٰہیہ پر مشتمل ہونے سے جن سے یہ دنیا کا رنگ بدل دے گا یہ آیات اللہ میں سے آیت عظیمہ ہے۔ ان معنوں کی رو سے ماقبل سے ارتباط بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ ہم نے جس طرح آدم کو ایک لباس دیا تھا جو کہ اس کے اور اس کے جوڑے کے سَوْاٰتٌ ڈھانپنے والا تھا پھر شیطان نے اس کا وہ لباس اُتارا اور ان کے سَوْاٰتٌ ننگے ہوئے اور دکھ میں پڑے۔

پھر اس کے تائب ہونے کے بعد ہم نے اس کو کہا تھا کہ آئندہ بھی ہم یہ لباس اُتاریں گے اور اس پہلے تجربہ سے اس وقت فائدہ اُٹھانا سو اس کے مطابق اب ہم نے تم پر نہایت اعلیٰ اور اکمل لباس اُتارا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ) اے آدم کی اولاد یہ شیطان تم کو فتنہ میں نہ ڈالے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو اس باغ سے نکالا کہ وہ ان سے ان کا وہ لباس اُتار رہا ہے تا کہ وہ ان کو ان کے رنج دہ امور دکھائے (مطلب یہ کہ جب آدم پر یہ لباس ہم نے نازل کیا تھا تو شیطان نے اس کو دھوکا دے کر یہ اس سے اُتارا اور جنّت سے نکالا تھا پھر جب اُس نے توبہ کی اور وہ قبول ہوئی تو ہم نے اس کو کہا کہ اب تم سب اُترے

[1]۔ وہ اس کی نظیر نہیں لا سکیں گے۔ (تفسیر صغیر)

رہو گے اور جب میری ہدایت آئے گی تو جو اس کو قبول کر کے اس کے مطابق چلیں گے ان کو ہم اعلیٰ درجہ کے جنّت میں اعلیٰ درجہ پر داخل کریں گے اور جو ایسا نہ کریں گے ان کو ہم نکالے ہی رکھیں گے بلکہ اس پر مزید یہ ہو گا کہ جہنم میں داخل کریں گے۔ سو اب ہم نے اس وعدہ کے مطابق ہدایت بھیجی ہے پس جس طرح شیطان نے تمہارے ماں باپ سے کیا ایسا تم سے بھی نہ کرے کہ پھر جس طرح وہ اس لباس سے ننگے ہو کر نکالے گئے تو تم بھی اس سے ننگے ہو کر وعدہ کے مطابق اور پہلے تجربہ کے موافق اس سے نکلے رہو بلکہ مزید براں جہنم میں داخل ہو۔

غفلت اور ہوشیاری کی وجہ سے شیطان کا حملہ آور ہونا

چونکہ انسان عام طور پر اپنی ہوشیاری پر اعتبار کر کے غافل ہو جاتا ہے اور پھر دشمن کی زد میں آجاتا ہے اور اسی اعتماد کی وجہ سے پہلے ہی سے دشمن سے چنداں خطرہ نہیں رکھتا خواہ اس کو ناصح بہت کچھ ڈرائے۔ تو فرمایا) وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور (یا جگہ) سے دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے (لہٰذا وہ حقیر نہ سمجھنے کے قابل ہے اور نہ اس کے مقابل پر غفلت اور اپنی تدابیر اور ہوشیاری پر اعتماد درست ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اس سے بچنے کے لئے ایک ہی ذریعہ ہے جیسا کہ اس کے گمراہ کرنے کا ایک ہی راستہ ہے فرمایا) بے شک ہم نے شیاطین کو ان کے لئے ساتھی بنا دیا ہے جو کہ ایمان نہیں لاتے (جو خداوند تعالیٰ اور اس کے احکام اور باتوں کو سرے سے نہ مانے پھر تو شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے اور ہر ایک نافرمانی اور ہر ایک بدی اس سے سرزد ہوتی رہتی ہے۔ پر جس کو ان سب پر ایمان ہو گو باوجود اس ایمان کے جب خداوند تعالیٰ اور علیم و خبیر وغیر ہما صفات سے اور یا جزاء و سزا سے یا احکام الٰہیہ سے کسی وقت ذہول و نسیان ہو کر شیطانی راہ پر چل پڑتا ہے اور کوئی بدی اس سے سرزد ہو جاتی ہے لیکن یہ ایمان ضرور کسی وقت ان کو رفع دیتا ہے۔ تو پھر وہ چوکس ہو کر شیطان کے داؤ سے نکل جاتے ہیں اور شیطان ان کا ہمیشہ ساتھی نہیں ہو سکتا۔ اسی کو اس سورۃ کے اخیر میں یوں بیان فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ[1]۔ (الاعراف:202)

[1]۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے اس وقت تقویٰ اختیار کیا جب ان کو شیطان کی طرف سے آنے والا کوئی خیال محسوس ہوا اور وہ ہوشیار ہو گئے اور ان کی آنکھیں کھل گئیں (وہ ہدایت پا جاتے ہیں)۔ (تفسیر صغیر)

ترجمہ: بے شک جو لوگ بچاؤ حاصل کرتے ہیں (اعنی ایمان لائے ہوئے ہوتے ہیں) جب کوئی گھومتا ہوا شیطان ان کو چھوتا ہے تَذَكَّرُوْا یاد کر لیتے ہیں پھر تو اچانک وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ گو وہ غفلت کی حالت میں کبھی شیطان کی زد میں آجاتے ہیں پر اُن کے اثر سے فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں اور پھر اس کی زد سے ایسے نکل جاتے ہیں گویا کہ وہ اس کو دیکھنے والے ہیں اور شیطان ان کا ساتھی اور ہمیشہ کا ہمراہ نہیں ہوتا جیسا کہ ایمان نہ لانے والوں کے لئے ہوتا ہے۔

مضامینِ سورت

ابتداء سورۃ سے یہ تو صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل غرض تو اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ[1] (الاعراف:4) ہے مگر ساتھ ہی بتایا کہ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ[2] (الاعراف:4) اور قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ[3] (الاعراف:11) پھر عدم تذکّر کا عبرتناک نتیجہ بتانے کے لئے وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا[4] الخ (الاعراف:5) فرمایا اور عدم تشکر کی نسبت آدمؑ کا واقعہ سنایا جس میں ابلیس جیسے جری عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ نے بعثت تک مہلت حاصل کرکے صاف کہہ دیا تھا کہ تُو بعثت اس لئے کرے گا کہ وہ شکر گذار ہوں پر مَیں لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ[5] الخ (الاعراف:17) جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وَ لَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ[6] (الاعراف:18) پھر آدمؑ کے واقعہ سے کچھ ضمنی نصیحت کرکے اخیر میں یہ بتایا کہ شیطان کا دعویٰ کن لوگوں پر صادق آئے گا تو بتایا کہ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعنی جو اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ کی پیروی نہ کریں گے اور مَآ اُنْزِلَ پر ایمان نہ لائیں گے انہی پر اس کا دعویٰ صادق آئے گا۔ پس لَا يُؤْمِنُوْنَ وہ ہوئے جو

---

[1]۔ (ہم ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ) جو (کلام) تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو۔ اور اس (خدا) کے سوا جو (تمہارے خیال میں) دوسرے کارساز ہیں ان کی اتباع نہ کرو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ لیکن تم بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ مگر تم شکر بالکل نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ میں ان (انسانوں) کے لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (تفسیر صغیر)

اِتَّبِعُوْا الخ کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں اور اِتَّبِعُوْا الخ کے بالمقابل وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ فرما کر یہ بتایا تھا کہ اِتَّبِعُوْا کی خلاف ورزی کرنے والے اَوْلِیَاء مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی پیروی کرنے والے ہوں گے۔

لہٰذا اب لَا یُؤْمِنُوْنَ پر بالطبع یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ کی پیروی نہیں کرتے وہ ضرور اولیاء کی پیروی کرتے ہوں گے تو وہ اولیاء کون ہیں تو ان کے بتانے کے لئے فرمایا) اور جب وہ کوئی حد سے بڑھی ہوئی بدی کریں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم نے اس پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے (یعنی ظاہر میں وہ اپنے بڑوں کو اَوْلِیَاء مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ٹھہراتے ہیں گو حقیقت میں ان کے اولیاء شیاطین ہوتے ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔ پس حقیقۃً تو وہ شیاطین کا اتباع کرتے ہیں اور ظاہر میں اپنے بزرگوں کا کرتے ہیں۔ مگر انسان کی فطرت غلطی پر ضرور متنبّہ کر دیتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے ان کی فطرتوں نے ان کو متنبّہ کیا کہ بذاتِ خود ان کا تعامل تو کوئی واجب یا جائز الاتباع نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو کہ ان کو اس ذات نے یہ حکم دیا ہے جس کے حکم کی یہ شان ہو اور گو حقیقۃً یہ حکم دینے والا تو شیطان تھا جیسا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ[1] (البقرۃ:269) مگر ان کی فطرت خوب جانتی ہے کہ اس کے حکم کو یہ شان حاصل نہیں بلکہ وہ جانتی ہے کہ یہ شان بجز حکم الٰہی کے اور کسی حکم کو ہر گز حاصل نہیں ہے لہٰذا ساتھ ہی کہتے ہیں) اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔

مفسرین کی بحث

(مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ وَاِذَا الخ جملہ مستانفہ ہے اور نحویوں کا مستانفہ تو وہ ہوتا ہے جو کہ باعتبار اعراب ماقبل سے تعلق نہ رکھتا ہو اور معانی والوں کے نزدیک وہ ہوتا ہے جو کہ کسی مقدر سوال کا جواب ہو اور کتب تفاسیر میں یہی مراد ہوتا ہے لیکن مفسرین نے وہ مقدر سوال نہیں کھولا پر ہم نے اللہ کے فضل سے خود کلام الٰہی سے وہ سوال

[1]۔ شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کی تلقین کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

بتا دیا ہے اور بعض نے اس کو مستانفہ نہیں بنایا بلکہ اس کو لَا یُؤْمِنُوْنَ پر عطف کیا ہے جس سے عبارت یوں ہو جائے گی لِلَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً الخ اور ہمارے معنے اس کے بھی مطابق ہیں جیسا کہ ان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے۔

اور کفار نے گو فاحشہ پر عمل پیرا ہونے کے بظاہر دو ثبوت پیش کئے ہیں ایک اپنے بزرگوں کا اس پر پانا۔ دوم اللہ کا حکم دینا مگر چونکہ نہ حقیقت میں آباء کا اس پر پانا کوئی حجت اور ثبوت ہے اور نہ خود انہوں نے اس کو مستقل حجت ٹھہرایا ہے کیونکہ اُنہوں نے اس کے حجت ہونے کو اس پر مبنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یعنی ہمیں اور ہمارے بزرگوں کو اس کا حکم دیا تھا لہٰذا یہاں پر اس کی ضرورت نہیں تھی کہ دونوں ثبوتوں کا جدا جدا جواب دیا جائے بلکہ دوسرے ثبوت کے جواب سے پہلے کا بھی جواب ہو جاتا ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے ان کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اور بالذات اور ہر ایک جواب دینے والے مومن کو ثانیاً اور بالتبع یوں ہدایت فرمائی کہ) تم کہو کہ یقیناً اللہ (جو کہ سب نقائص سے منزہ اور جملہ صفات کمال سے متصف ہے جس پر کہ یہی لفظ اللہ دال ہے) حد سے بڑھی ہوئی بدی کا حکم نہیں دیا کرتا (کیونکہ جب ادنیٰ بدی کا حکم بھی اس کی شان سے بعید ہے وجہ یہ کہ یہ بڑا نقص اور قابل ملامت امر ہے اور وہ ہر ایک نقص سے پاک بلکہ اس کے بالمقابل ہر ایک کمال سے متصف ہے تو پھر جو بدی کہ حد سے متجاوز اور کھلی کھلی بدی ہو اس کا کس طرح وہ حکم دے سکتا ہے۔ یعنی اس کا فاحشہ ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے نہیں بلکہ یہ بنی آدم کے پرانے جدی دشمن کے حکم سے ہے کیونکہ فُحْشَاء کا حکم دینا اسی کا کام ہے تو جب یہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے نہ ہوئی بلکہ شیطان کے حکم سے ہوئی تو پھر تمہارا یہ کہنا غلط ہو گیا کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جب یہ غلط ہو گیا تو پھر آباء کا اس پر پایا جانا اس پر عمل پیرا ہونے کا مجوز اور مثبت نہ ہو سکا۔

پس گو یہ ظاہراً دوسری بات کا جواب تھا لیکن حقیقت میں اس کے ساتھ دونوں کا جواب ہو گیا اور اکثر مفسرین کو یہ بات سمجھ نہیں آئی اس لئے انہوں نے اور راہیں اختیار کیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی نے کہا کہ چونکہ پہلی محض تقلید تھی اور وہ ایک فاسد چیز

ہے لہٰذا دوسری کا جواب دیا ہے اور اس سے اعراض کیا گیا ہے اور جب یہ ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تو ان کا یہ کہنا اللہ تعالیٰ پر افتراء ٹھہرا اور افتراء یہی ہوتا ہے کہ کسی کی طرف وہ بات نسبت کی جائے جس کا اس سے ہونا معلوم اور ثابت نہ ہو۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا) کیا تم اللہ پر وہ کہتے ہو جو کہ تم نہیں جانتے (کہ اللہ سے وہ صادر ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا علم تو اسی طور پر ہوتا کہ خداوند تعالیٰ خود ان کو الہام اور وحی کرتا یا ان کے بزرگوں کو کرتا اور پھر آیات کے ساتھ ان کو اس کی تصدیق کرا دیتا لیکن نہ ان کے لئے یہ ذریعہ پایا گیا اور اس کے فاحشہ ہونے کی وجہ سے نہ اس کا احتمال ہے۔ بلکہ انہوں نے تو محض اپنے بزرگوں کے اس پر عمل پیرا ہونے سے فاحشہ کو جائز اور مامور بہا خیال کر لیا ہے اور بس۔

خلاصہ جواب

اس جواب کا خلاصہ تو اس قدر ہے کہ تم کہتے ہو کہ اللہ نے ہمیں اس فاحشہ کے کرنے کا امر کیا ہے حالانکہ یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ اللہ فاحشہ کا حکم نہ دیتا ہے اور نہ یہ حکم دینا اس کی شان قدوسیت کے مناسب اور شایاں ہے۔ پر واقعہ میں اس سے بھی بڑھ کر موجود ہے کیونکہ جیسا یہ ثابت ہے کہ وہ فاحشہ کا امر نہیں کرتا اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ اس نے اکثر فحشاء کو صراحۃً منع فرمایا ہوا ہے جیسے شرک، زنا، چوری یا کم از کم فاحشہ کے مقابل کا حکم دے کر اس کے مقابل جو فاحشہ کا فرد ہے اس کی ممانعت فرمائی ہوئی ہے مثلاً جب توحید کا حکم دیا تو شرک جو کہ فاحشہ کا فرد ہے اور توحید کے مقابل ہے اس کی ممانعت اس کے ضمن میں کی ہوئی تھی یہی حال ہے زنا، چوری وغیرہما کا اور ظاہر ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم نہ کرنے سے اَللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا کا جواب ہو جاتا ہے اسی طرح اس کی تصریح یا ضمنی ممانعت کے ساتھ بہت صاف اور اعلیٰ درجہ کا جواب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پہلے جواب سے ترقی کر کے فرمایا کہ) تم کہو کہ میرے ربّ نے عدل کا حکم دیا ہے اور (یہ کہ) ہر ایک مسجد کے پاس اپنی توجہوں کو قائم کرو اور اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو۔

مشرکین کی بڑی بدیاں اور خرابیاں

(جن کا پہلے ذکر ہوا ہے ان میں بڑی بھاری جو بدیاں اور خرابیاں تھیں وہ عام طور پر یہ تھیں کہ وہ بعض عاجز مخلوق کو جو کہ ذوالجلال والاکرام کے مقابلہ میں کچھ حقیقت اور حیثیت نہ رکھتی تھی ظلم کر کے خداوند تعالیٰ وجل وعز شانہ کا ہمسر قرار دیتے تھے اور اشرف المخلوقات پر پتھر وغیرہ ارذل اشیاء کی عبادت اور غایت درجہ کی تعظیم واجب قرار دیتے اور یہ حد سے بڑھی ہوئی بدی اور انتہاء کو پہنچا ہوا ظلم تھا اور اسی وجہ سے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ [1] (لقمان:14) فرمایا ہے۔ پھر علاوہ اور نافرمانیوں کے بڑے بڑے حقوق العباد کو تلف کیا کرتے تھے۔ قتل و غارت اَكْلُ الْمَالِ بِالْبَاطِلِ [2] ان کارات دن کا قابل تعریف مشغلہ تھا اور انہی امور کے ساتھ مدح کرنا ان کے مدحیہ قصاید کا موضوع ہوتا تھا تو ان فواحش کی ضمنی ممانعت کے لئے تین ارشادات الٰہیہ یہاں پر ذکر فرمائے ہیں:

(1) یہ کہ خداوند تعالیٰ نے عدل کا حکم دیا ہوا ہے جس سے صاف صاف ان سب عقاید و اقوال و اعمال کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے جو عدل کے منافی اور کسی قسم کے ظلم پر مشتمل ہوں جیسے مذکور بالا عقاید و اعمال جو صریح بے اعتدالی اور ظلم پر مشتمل ہیں۔

(2) یہ کہ خداوند تعالیٰ نے حکم دیا ہوا ہے کہ تم ہر ایک مسجد کے پاس اپنی توجہوں کو قائم کرو اور عبادت کرو اور اس میں اپنی توجہ کو سب چیزوں اور کاموں سے پھیر کر خاص اپنے حقیقی معبود اور ربّ اور مالک کی طرف لگا دو اور ادھر اُدھر ہرگز نہ ہونے دو۔ تو شرک چونکہ ظلم عظیم ہے اور اسی کی ممانعت اہم ترین مقصد ہے لہٰذا جس طرح اس کی ممانعت پہلے حکم کے ضمن میں بشمولیت دیگر ظلموں اور بے اعتدالیوں کے ہوئی ہے اسی طرح اس دوسرے حکم کے ضمن میں خصوصیت کے ساتھ بھی کی گئی ہے اور پھر اسی اہمیت کی وجہ سے مزید تاکید ممانعت اس تیسرے حکم کے ساتھ فرمائی ہے جو کہ یہ ہے۔

---

[1] ۔ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ جھوٹ کے ذریعہ مال کھانا۔ (از مرتب)

(3) کہ اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے اس کو پکارو اور یہ بھی بالخصوص ظلم عظیم کی ممانعت کی شہادت دیتا ہے۔

تفاسیر میں بیان

اور تفسیروں میں لکھا ہے کہ ابو مسلم نے کہا ہے کہ اَلْقِسْطُ سے یہاں پر سب طاعات اور قربات مراد ہیں اور ضحاک اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ توحید اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا مراد ہے اور مجاہدؒ اور سدی اور دیگر بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے استقامت اور امور میں عدل کرنا مراد ہے اور جبائی نے کہا ہے کہ مسجد یہاں پر بمعنے وقت سجود یا مکان سجود ہے اعنی ظرف زمان یا ظرف مکان ہے اور بعض نے کہا کہ مسجد بمعنے سجدہ اور سجدہ سے مراد نماز ہے۔ پھر اقامت وجوہ سے بعض نے یہ مراد لی ہے کہ اپنی توجہوں کو عبادۃ اللہ کی طرف مستقیم کرو اور غیر اللہ کی طرف بالکل التفات نہ کرو اور بعض نے یہ لیا ہے کہ تم نماز میں اس جہت کی طرف متوجہ ہو کہ جس کا خداوند تعالیٰ نے تم کو حکم دیا اور وہ کعبۃ اللہ ہے اور مغربیؒ نے اس کو پسند کیا ہے کہ جب کسی مسجد کے پاس تم کو نماز ملے تو اسی میں نماز کو ادا کرلو اور اس وجہ سے تاخیر نہ کرو کہ اپنی مسجد میں جا کر پڑھیں گے اور بعض نے یہ لیا ہے کہ تم ہر ایک نماز کے وقت مسجد کا قصد کیا کرو اعنی باجماعت نماز پڑھا کرو۔ اسی طرح وَادْعُوْهُ الخ کو بمعنے اُعْبُدُوْهُ بھی لیا ہے اور بعض نے بمعنے دُعَاءٌ اور نِدَاءٌ کے لیا ہے۔

كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ الخ کا ما قبل سے ربط

چونکہ پہلے فرشتوں اور آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے جن میں سے پہلے دو تو وہ ہیں جنہوں نے ضد اور تکبر کو چھوڑا اور ہدایت کو پا کر خداوند تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے مورد بنے اور گو بعض سے کچھ کمزوری بھی سرزد ہوئی لیکن وہ ان کے لئے مستوجب عقاب نہ ٹھہری۔ پر اخیر وہ ہے جو کہ اپنی ضد اور تکبر کے باعث دائمی ضلالت کا فتویٰ لے کر ہمیشہ کے لئے مورد لعنت اور مستوجب عقاب ہوا اور یہ واقعہ سلسلہ بنی آدم کی ابتداء میں واقعہ ہوا تھا۔

اور جس طرح طبعیات کے علماء کے نزدیک یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ اجسام کی طبعی شکل

کروی ہے اسی طرح تاریخ عالم کے ماہروں کے نزدیک بھی یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ تاریخ عالم دوری واقع ہوئی ہے کہ جو کچھ پہلے دور میں واقع ہوا ہے وہی بشکل دیگر دوسرے دور میں واقع ہوا کرتا ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ نَسِیَ اٰدَمُ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُہٗ۔[1]

(سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الاعراف، حدیث 3076)

اور یہ بھی آیا ہے کہ آدم کی سرشت چونکہ مختلف قسم کی مٹی سے واقع ہوئی ہے اس واسطے اس کی ذریت بھی مختلف قسم کی واقع ہوئی ہے۔

اور اس قسم کی حدیثوں میں بھی اسی مسئلہ کو حقیقت میں بعبارات مختلفہ بیان کیا گیا ہے اور اس بنا پر لازم تھا کہ ان ابتدائی واقعات کا انسانی نسل میں اعادہ ہوتا رہے اور ایک حقیقت بین نظر انسانی حالات پر نظر کرکے یہ انداز لگا سکتی ہے کہ فلاں شخص فرشتوں یا آدم کے قدم پر ہے اور فلاں ابلیس کے قدم پر ہے اور اسی سے ان کے احکام کا بھی پتہ لگا سکتا ہے۔ تو اسی وجہ سے ان واقعات کے بعد فرمایا کہ) جیسا تم کو ابتداءً پیدا کیا ہے ویسے ہی تم لوٹو گے۔

(کچھ تو فرشتوں اور آدمؑ کے مظہر ہوگئے اور کچھ ابلیس کے۔ یہی وجہ ہے کہ) ایک گروہ کو تو اس نے ہدایت دی ہے اور ایک گروہ ہے کہ ان پر گمراہی کا فتویٰ پختہ لگ چکا ہے (اور چونکہ اس کی وجہ شیطان کا مظہر ہونا تھا اور اس کا مظہر وہی ہوتا ہے جو کہ شیطان کو اپنا ولی بنائے لہٰذا اس فتویٰ اور حکم کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ) بے شک انہوں نے اللہ کے سوا شیطانوں کو اپنے دوست بنایا ہے۔

وَیَحْسَبُوْنَ الخ کی یہاں پر لانے کی وجہ

(یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قصور وار اور راستہ سے بھٹکا ہوا خیال کرتا ہے آخر وہ کبھی نہ کبھی پشیمان ہو کر تائب ہوتا ہے اور اپنی اصلاح کر لیتا ہے جس طرح کہ آدمؑ سے قصور ہوا اور اس نے اپنے آپ کو قصور وار سمجھا اور پھر توبہ کی اور اصلاح کر لی اور جو باوجود قصور وار اور بہکا ہوا ہونے کے اپنے آپ کو بے قصور اور سیدھے راستہ پر چلنے والا

[1]۔ آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ (از مرتب)

یقین کرتا ہے وہ ہمیشہ اپنی گمراہی پر مصر رہتا ہے اور نہ توبہ کرتا ہے اور نہ اصلاح کرتا ہے جس طرح ابلیس نے نافرمانی کی اور سجدہ نہ کرنے کی وجہ پیش کرکے اپنے آپ کو حق پر ظاہر کیا تو ابدی ضلالت کا فتویٰ پایا۔ تو اس کے مطابق اگر یہ لوگ آدمؑ کی طرح اپنے قصور کے قائل ہوں تب تو آیندہ ان کی توبہ اور اصلاح کی بھی امید ہو سکتی ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو ہدایت پر خیال کرنے والے ہوں تب شیطان کی طرح ان پر بھی ضلالت کا فتویٰ ہمیشہ کے لئے مستحکم ہونا چاہیے تو اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے فرمایا) اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یقیناً وہ (اعنی ہم) ہدایت پانے والے ہیں۔

كَمَا بَدَأَكُمْ کے وہ معنے جو کہ مفسرین نے لکھے ہیں

(مفسرین نے كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ کے معنے یہ لکھے ہیں کہ جس طرح اللہ نے تم کو ابتداءً پیدا کیا ہے تم اللہ کی طرف لوٹو گے پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا لہٰذا تم اس کے اوامر کو بجالاؤ اور عبادت کو اس کے لئے خالص کرو اور قتادہ نے اس کے معنے کیے ہیں کہ جس طرح تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر مٹی میں واپس جاؤ گے اور بعض نے کہا کہ جس طرح بدون کسی ملکیت کے پیدا کیا ہے اسی طرح بدون ملکیت تم قیامت کے دن مبعوث ہوگے اور محمد بن کعب نے کہا ہے کہ سعادت اور شقاوت پر جس طرح ابتداءً خلقت ہوتی ہے آخر اسی پر انسان لوٹ آتا ہے گو درمیان میں وہ اس کے خلاف بھی عمل کرے اور اسی کے قریب قریب ابن جبیر سے بھی مروی ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس طرح تم دنیا میں مومن اور کافر ہوا اسی طرح قیامت میں بھی ہوگے۔

لیکن جو معنے یہاں پر زیادہ مناسب تھے وہ ہم نے پہلے لکھ دیئے ہیں اور جو یہ ذکر ہوا ہے کہ "باوجود یہ کہ انہوں نے شیاطین کو والی بنایا ہوا ہے اور پھر بھی خیال کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں۔" اس کی نسبت یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ ہدایت تو یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی کے حکم کو بالذات واجب الاتباع یقین کیا جائے اور پھر اس کے حکم کی پیروی کی جائے اور کسی دوسرے حکم کو بالاصالہ واجب الاتباع خیال کرنا یا خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف چلنا یہ شیطان کا اتباع اور گمراہی ہے۔ لیکن بعض لوگ اور خصوصاً بے دین لوگ

اپنے خیالی بزرگوں کی پیروی کو اور اس طریق پر چلنے کو کہ جس کو ان کی ناقص عقل پسند کرتی ہو ہدایت قرار دیتے ہیں خواہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو یا کم از کم خداوند تعالیٰ نے نہ اس کا اور ان کی پیروی کا حکم دیا ہو۔ جیسا کہ ابلیس سجدہ نہ کرنے میں الٰہی حکم کی نافرمانی کر رہا ہے جو کہ ہلاک کرنے والی گمراہی ہے لیکن اپنی عقلی وجہ کے باعث اس ضلالت کو ہدایت سمجھ رہا ہے اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت لوگ ملنگ فقیروں کی طرح برہنہ رہنے اور بہت سی کھانے پینے کی چیزوں کے ترک کرنے اور حرام بنانے کو ہدایت اور موجب ثواب قرار دیتے ہیں حالانکہ بعض احکام الٰہیہ کے خلاف ہیں اور بعض اگر خلاف نہیں تو کم از کم ان کا حکم بھی خداوند تعالیٰ نے نہیں دیا جس کی پیروی ہدایت اور موجب ثواب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ کے بعد فرمایا ہے کہ (اے آدمؑ کی اولاد تم ہر ایک مسجد کے پاس اپنی زینت کو لو اور کھاؤ اور پیو اور حدود الٰہیہ سے تجاوز نہ کرو (کیونکہ) یقیناً اللہ حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (یعنی تم جو اپنے بزرگوں کے رسم و رواج یا اپنے خیالات سے ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے اور عبادت کرنے کو اور بعض کھانے اور پینے کو ترک کرنے کو ہدایت اور موجب ثواب خیال کیا کرتے ہو۔

(جیسا کہ تفسیروں میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگ مرد و عورت بیت اللہ کا طواف ننگے ہو کر کیا کرتے تھے تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اسی طرح کلبی سے مروی ہے کہ حج کے زمانہ میں وہ لوگ قوت قدر کھاتے اور چرب غذا وغیرہ کا استعمال نہ کرتے تھے تو اہل اسلام نے کہا کہ یا رسول اللہ نَحْنُ اَحَقُّ بِذٰلِكَ[1]۔ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی) چونکہ یہ حکم الٰہی نہیں اس لئے یہ نہ کوئی ہدایت ہے اور نہ موجب ثواب ہے بلکہ حکم الٰہی تو یہ ہے کہ جس طرح شاہی درباروں میں تم اپنی زینت کو لیکر اور مزین ہو کر اعنی ستھرا لباس پہن کر اور میل کچیل اور گند کو دور کر کے حاضر ہوا کرتے ہو اسی طرح مسجدوں کے پاس طواف کرنے اور نماز پڑھنے کے وقت جو کہ دربار الٰہی میں حضور کا وقت اور موقعہ ہوتا ہے اپنی زینت لے لیا کرو اور گند اور میل دور کر کے اور ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہن کر جایا

[1]۔ ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ (از مرتب)

کرو اور کھاؤ اور پیو اور خداوند تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ وہ ان حدود سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ مفسرین میں سے بعض نے زینت سے خاص ستر عورت کرنے والا لباس لیا ہے تب خُذُوْا کا امر وجوب کے لئے ہو گا اور بعض نے خوبصورت لباس لیا ہے اور یہی امام باقر اور حضرت امام حسن سے مروی ہے تب یہ امر استحباب کے لئے ہو گا اور بعض نے امام جعفر الصادق کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے زینت بالوں کو شانہ کرنا لیا ہے اور ابن عدی نے ابو ہریرہ کی معرفت آنحضرتؐ سے روایت کیا ہے کہ زینت لینے سے مراد جو تا پہن کر نماز پڑھنا ہے۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جلد 3 صفحہ 400 یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ... دار احیاء التراث العربی بیروت)

پر حق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا اور جو معنے ہم نے اسراف کیے ہیں ان میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہیں رہتا)

آیت 33 تا 40: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ۔ وَ قَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

زِیْنَۃٌ۔ خوشنما بنانا اور اس کے اسباب اور موجب۔

طَیِّبَاتٌ۔ طَیِّبَۃٌ کی جمع ہے، پسندیدہ اور ستھری چیز۔

فَوَاحِشُ۔ فَاحِشَۃٌ کی جمع ہے جس کی تحقیق پہلے گذر چکی ہے۔

بَطَنَ۔ بَطْنٌ سے ہے جس کے معنے پوشیدہ کرنے کے ہیں۔

اِثْمٌ۔ ذم اور ذنب اور اس کام اور امر کا جو موجب مذمت ہو اور شراب جُوا اور ناجائز کام کرنے کو کہتے ہیں۔

بَغْیٌ۔ زنا اور خصوصاً عورت اور لونڈی کا زانیہ ہونا اور حق سے عدول کرنا ہے اور جب اس کے بعد عَلٰی ہو تو اس کے معنے ظلم اور دست درازی کرنے اور جھوٹ بولنے کے ہوتے ہیں اور بَغْیٌ فِی الْمَشْیِ مٹک مٹک کر چلنے اور تیز چلنے کے معنوں میں آتا ہے۔

سُلْطَانٌ۔ غلبہ اور حجت و برہان اور والی اور قدرت والی اور یہ اکثر مؤنث استعمال ہوتا ہے اور والی کے معنوں میں کبھی مذکر بھی آجاتا ہے۔

اَجَلٌ۔ وقت معین موت اور اداء دین کے لئے اور ہر ایک چیز کا وقت۔

یَسْتَأْخِرُوْنَ۔ اِسْتِیْخَارٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو تاخیر چاہنے کے ہیں اور کبھی بمعنے تاخیر کرنے کے آتا ہے اور اسی طرح یَسْتَقْدِمُوْنَ۔ اِسْتِقْدَامٌ سے ہے جس کے اصل معنے تقدیم چاہنے کے ہیں اور کبھی بمعنے تقدم کے بھی آتا ہے۔

اور سَاعَۃٌ۔ لغت میں تو زمانہ کے ایک چھوٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں اور اصطلاح منجمین میں تین سو ساٹھ درجہ میں سے پندرہ درجوں کے زمانہ کا نام ہے اور امتیاز کے لئے اس کو ساعت مستویہ اور ساعت فلکیہ بولتے ہیں اور ایک فقہاء اور اہل طلسمات کی اصطلاح میں دن اور رات کے چھٹے حصہ کے نصف زمانہ کا نام ہے اور امتیاز کے لئے اس کو معوجہ اور زمانیہ بھی کہتے ہیں اور قرآن مجید میں لغوی معنے ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

رُسُلٌ۔ رَسُوْلٌ کی جمع ہے جس کے لغوی معنے تو مطلق بھیجے ہوئے کے ہیں اور شرع میں اس کے معنے ہیں اصلاح خلق کے لئے خداوند تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا۔

باقی رہے وہ قیود جو کہ اہل تفاسیر و شراح احادیث و شراح کتب علم کلام نے لگائے ہیں سو ان کا لغت اور شرع سے کوئی ثبوت اور پتہ نہیں ملتا۔

یَقُصُّوْنَ۔ قِصَصٌ سے ہے جس کے معنے بیان کے ہیں۔

یَحْزَنُوْنَ۔ حُزْنٌ سے ہے جس کے معنے کُڑھنے کے ہیں اور اس صورت میں خوف اور حزن میں نمایاں فرق ہے اور جنہوں نے ان میں یہ فرق کیا ہے کہ اول آیندہ کی نسبت ہوتا ہے اور دوم گذشتہ کی نسبت تو انہوں نے اس کے استعمال پر پوری نظر نہیں کی ورنہ قرآن مجید میں ہی صاف آیا ہے اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ[1] (یوسف:14)

اِسْتَكْبَرُوْا۔ اِسْتِكْبَارٌ سے ہے جس کے معے بڑائی چاہنے اور تکبر کرنے کے ہیں اور تکبر کے معنے بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ[2] صحیح حدیث میں آئے ہیں۔ جو کہ بارہا پہلے ہم لکھ چکے ہیں۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم الکبر وبیانہ، حدیث 147)

خَالِدُوْنَ۔ خَالِدٌ کی جمع ہے جو کہ خُلْدٌ سے ہے جس کے معنے مدت دراز تک رہنے کے ہیں اور تفسیر بیضاوی وغیرہ میں اس کے بمعنے دوام ہونے کو باطل کیا ہے اور یہی معنے کیے ہیں جو کہ ہم نے لکھے ہیں۔

اَظْلَمُ۔ ظُلْمٌ سے ہے صیغۂ تفضیل ہے جس کے معنے زیادہ ظالم کے ہیں۔

اِفْتَرٰی۔ اِفْتِرَاءٌ سے ہے، عمداً گھڑنا۔

یَنَالُ۔ نَیْلٌ سے ہے پانا اور پہنچنا اور پائی اور پہنچی ہوئی چیز کو بھی نَیْلٌ کہتے ہیں جیسا کہ اس کو نَائِلٌ بھی کہتے ہیں۔

نَصِیْبٌ۔ حصہ اور مقدر اور مقسوم۔

اور کِتَابٌ۔ اکثر تو بمعنے مکتوب آتی ہے اور کبھی بمعنے مکتوب فیہ کے آتی ہے۔

حَتّٰی۔ انتہاء اور غایت کے لیے آتا ہے اور کبھی عطف اور ابتداء واستیناف کے لیے بھی آیا کرتا ہے۔

---

[1]۔ تمہارا اسے (اپنے ساتھ) لے جانا مجھے یقیناً فکر مند کرتا ہے اور میں (اس بات سے بھی) ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسی حالت میں کہ تم اس سے غافل ہو اسے (کوئی) بھیڑیا (ہی آکر نہ) کھا جائے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ تکبر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے حق کا انکار کرنا ہے اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (از مرتب)

یَتَوَفَّوْنَ۔ تَوَفِّیٌ سے ہے اور اس کے معنوں کی تفصیل اور تحقیق سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

اَیْنَمَا۔ میں سے اَیْنَ ظرف مکان استفہام کے لیے ہے جس کے معنے کہاں کے ہیں اور مَا اسم موصول بمعنے جو کے ہے۔

تَدْعُوْنَ۔ دَعْوَۃٌ سے ہے جس کے معنے پکارنے اور کبھی عبادت کرنے کے ہوتے ہیں۔

ضَلُّوْا۔ ضِلَالٌ سے ہے، بہکنا اور گم جانا اور غائب ہو جانا۔

اُمَمٍ۔ اُمَّۃٌ کی جمع ہے اور اُمَّۃٌ کبھی بمعنے جماعت آتی ہے جیسا اُمَّۃً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ[1] (القصص:24) اور کبھی بمعنے اتباع انبیاءؑ جیسے امۃ محمدؐ اور کبھی بمعنے اور جامع الخیر کے جس کی اقتداء کی جاتی ہو جیسے اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً[2] (النحل:121) اور کبھی بمعنے دین و ملت جیسے اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ[3] (الزخرف:23) اور گاہے بمعنے حین اور زمان کے جیسے اِلٰٓی اُمَّۃٍ مَّعْدُوْدَۃٍ[4] (ہود:9) یا وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّۃٍ[5] (یوسف:46) اور نیز بمعنے قامت جیسے فُلَانٌ حَسَنُ الْاُمَّۃِ[6] اور کبھی بمعنے اس آدمی کے جو اکیلا ایک دین رکھنے والا ہو جیسا حدیث میں آیا ہے یُبْعَثُ زَیْدُ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَیْلُ اُمَّۃً وَحْدَہٗ[7]۔

(الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، تفسیر سورۃ ہود، آیت 8، جلد 1، صفحہ 1552، مطبع: دار ابن حزم)

اور بمعنے اُمٌّ جیسے اُمَّۃُ زَیْدٍ[8]۔

خَلَتْ۔ خُلُوٌّ سے ہے جس کا فاعل اگر مکان ہو تب بمعنے فارغ ہونے کے ہوتا ہے اور

---

[1]۔ لوگوں کا ایک گروہ... جو (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے تھے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ ابراہیم یقیناً ہر (اِک) خیر کا جامع... تھا۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ اس بات پر مصر ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا تھا۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ ایک اندازہ کی ہوئی مدت تک۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ اور (جس نے) ایک عرصہ کے بعد (یوسف کے ساتھ جو اس کا معاملہ گذرا تھا اسے) یاد کیا۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ فلاں اچھے قد والا ہے۔ (از مرتب)

[7]۔ زید بن عمرو بن نفیل ایک امت کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ (از مرتب)

[8]۔ زید کی ماں۔ (از مرتب)

جب زمان ہو تو بمعنے گذرنے کے ہوتا ہے جیسا فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ[1] (الحاقۃ:25) اور جب انسان ہو تو بمعنے مرنے کے ہوتا ہے جیسے خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ[2] (البقرۃ:215) اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ[3] (آل عمران:145) اور جو یہاں پر بمعنے گذرنے کے لیتے ہیں وہ بھی بمعنے موت ہی ہوتا ہے اور کبھی قرینہ ہو تو بمعنے خلوت میں جانے کے بھی آتا ہے جیسے وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِہِمْ قَالُوْٓا[4] الخ (البقرۃ:15)

جِنٌّ۔ کے اصل معنے خفاء اور پوشیدگی ہیں اور جنوں کو بھی اسی وجہ سے جن کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک مخفی مخلوق ہے اور ضرور ہے اور جنون کو بھی اسی وجہ سے جنون کہا جاتا ہے کہ وہ بھی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔

اِنْسٌ۔ انسان واحد اِنْسِیٌّ اور جمع اَنَاسِیُّ۔

لَعَنَتْ۔ لَعْنٌ سے ہے جس کے معنے ہیں لعنت کی دعا کرنا یا لعنت کرنا اعنی رحمت اور شفقت سے ہمیشہ کے لیے دور کر دینا اور کبھی لعنت بمعنے ملامت بھی آتی ہے جیسے اَبَیْتَ اللَّعْنَ اِنَّ سَکَّابَ عِلْقٌ نَفِیْسٌ لَا یُعَارُ وَلَا یُبَاعُ۔[5]

اُخْتٌ۔ بہن کو کہتے ہیں اور کبھی بمعنے مشابہ اور مثیل کے بھی آتی ہے۔

اِدَّارَکُوْا۔ اصل میں تَدَارَکُوْا تھا جو کہ تَدَارُکٌ سے ہے اور یہ دَرَکٌ سے بنا ہوا ہے جس کے معنے لحوق اور ملنے کے ہیں اور تَدَارُکٌ کے معنے تَلَاحُقٌ کے ہیں۔ تو قاعدہ صرف کے مطابق تاء کو دال سے بدل کر ساکن ہوئی اور پھر پہلی دال کو دوم میں ادغام کر کے ابتداء میں سکون آنے کے باعث زیر والا ہمزہ ابتداء میں لایا گیا۔

اُخْرٰی مؤنث ہے آخِرٌ کی، پچھلی۔

اُوْلٰی مؤنث ہے اَوَّلٌ کی، پہلی۔

---

[1]۔ گذشتہ زمانہ میں جو اعمال تم نے کیے تھے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اس سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اور جب وہ اپنے سرغنوں سے علیحدگی میں ملیں تو کہہ دیتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ تو ملامت سے پاک ہے یقیناً سکاب گھوڑا قیمتی ہے نہ عاریۃ دیا جاتا ہے اور نہ بیچا جاتا ہے۔ (از مرتب)

هٰٓؤُلَآءِ میں ھاء حرف تنبیہ ہے جس کے سامعین کو ہوشیار کیا جاتا ہے اور أُوْلَآءِ اسم اشارہ ہے جمع کے لیے۔

اَضَلُّوْا۔ اِضْلَالٌ سے ہے ضلالت کی طرف بلانا، ضال بنانا اور ضلالت کا فتویٰ لگانا۔

ضِعْفٌ۔ دوچند اور کبھی بمعنے مطلق زیادت کے آتا ہے۔

ترجمہ:

تم کہو کہ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جس کو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالا ہے اور رزق سے پسندیدہ چیزوں کو۔ تم کہو کہ وہ نزدیک زندگی میں ان کے لیے ہے جو کہ ایمان لائے اس حال میں کہ وہ قیامت کے دن خالص ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو ان لوگوں کے لیے مفصل بیان کرتے ہیں جو کہ جانتے ہیں۔ تم کہو کہ میرے ربّ نے تو کھلی بدیوں کو ہی حرام کیا ہے (خواہ) جو ان میں سے ظاہر ہو اور جو پوشیدہ ہو اور گناہ کو اور حق سے عدول کرنے کو اور اللہ کے ساتھ اس کے شریک کرنے کو جس کے ساتھ اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی اور اللہ پر وہ کہنے کو جو تم نہیں جانتے اور ہر ایک قوم کے لیے تباہی کا وقت مقرر ہے۔ تو جب ان کی تباہی کا وقت آئے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہوں گے اور نہ آگے بڑھیں گے۔

اے آدمؑ کی اولاد اگر کبھی تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں جو کہ تم پر میری آیتیں بیان کریں تو جو بچے گا اور اصلاح کرے گا سو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کڑھیں گے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو وہ آگ والے ہیں وہ اس میں مدتوں رہنے والے ہیں۔ سو اس سے کون بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ پر کوئی جھوٹ باندھا یا اس نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جو ہیں سو ان کو اس نوشتہ سے ان کا حصہ ملے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ان کو مارتے ہوئے ہمارے فرشتے آئیں گے تو وہ کہیں گے کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے ہیں اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ بے شک وہ کافر تھے۔ وہ کہے گا کہ ان قوموں میں ہو کر جو کہ جن وانس میں سے تم سے پہلے مر گئے ہیں۔ اس آگ میں داخل ہو۔ جب کبھی کوئی قوم داخل ہو گی تو وہ

اپنی مثل پر لعنت کرے گی۔ یہاں تک کہ جب وہ سب اس میں مل جاویں گے تو ان میں سے پچھلی ان میں سے پہلی کو کہیں گی اے ہمارے ربّ ہاں یہ ہیں جنہوں نے ہم کو بہکایا ہے سو تو ان کو آگ سے زائد عذاب دے۔ وہ کہے گا کہ سب کے لیے زائد ہے ولیکن تم نہیں جانتے۔ اور ان میں سے پہلی ان میں سے پچھلی کو کہیں گی تو پھر تمہارے لیے ہم پر کوئی فضیلت نہ تھی تو پھر تم اس کے سبب سے جو تم کماتے تھے اس عذاب کو چکھو۔

تفسیر:

سیاق کے ساتھ تعلق

جب ان کی ننگے ہو کر طواف بیت اللہ اور مسجدوں میں عبادت الٰہیہ ادا کرنے کی بدرسم کو اور کھانے پینے یا خاص بعض اشیاء طیب کے استعمال کے ترک کے متدعانہ فعل کو خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ [1] الخ (الاعراف:32) کے ساتھ رفع فرمایا تو اس کے بعد یہ بتانے کے لیے جن وجوہات سے تم ان کو ممنوع خیال کرتے ہو وہ ان کی ممانعت کے لیے کافی نہیں خصوصاً جب کہ ان کے بالمقابل جواز استعمال کے زبردست وجوہات موجود ہیں اور پھر ان وجوہات کے بتانے کے لیے نیز یہ بتانے کے لیے کہ ممانعت کا استحقاق کس کو ہے اور کس کو نہیں فرمایا کہ) تم کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جس کو اس نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لیے نکالا ہے اور رزق سے پسندیدہ ستھری چیزوں کو۔ تم کہو کہ یہ قیامت کے دن خالص ہو کر ان کے لیے نزدیک زندگی میں ہیں جو کہ ایمان لائے ہیں (بتایا کہ ان اشیاء کا نفع مند اور باعث اور موجب زینت ہونا اور رزق (خداوند حکیم و علیم اور سبوح وقدوس کی طرف سے بندوں کو دیا ہوا اور نصیب اور بخشش کیا ہوا) اور طیب (عقل اور عرف عام میں پسندیدہ اور ستھرہ) ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ اشیاء فِیْ حَدِّ ذَاتِہَا حرام اور ممنوع نہیں ہیں بلکہ ان کا استعمال نافع اور مطابق منشاء الٰہی اور موافق حکمت و فطرت سلیم کے ہے اور بلحاظ مستوجب شکر الٰہی ہونے کے زیادہ مستحسن ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے ان اشیاء کو اپنے بندوں کے فائدہ کے لیے نکالا ہے۔

[1]۔ زینت (کے سامان) اختیار کر لیا کرو۔ (تفسیر صغیر)

تو پھر اوّل تو بوجوہات مذکورہ یہ کسی طرح حرام ہو ہی نہیں سکتیں پر بفرض محال اگر حرام ہوتی بھی تو کسی کے حرام کرنے سے ہوتی اور وہ خداوند تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسی نے اپنے بندوں کے فائدہ کے لیے ان کو نکالا ہے پس اور کسی کی مجال نہیں کہ خداوند تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ان میں تصرف کرے اور ان کو حرام کر سکے اور ظاہر ہے کہ اس نے تو ان کو حرام نہیں کیا اور دوسرا کوئی کر سکتا ہی نہیں پھر حرام کس طرح ہوئیں اور پھر ان کے نقصان اور خسارہ کو ظاہر کرنے کے لیے وہ قیامت کے دن میں مؤمنوں کے لیے خالص نزدیک زندگی میں مؤمنوں کے لیے ہیں۔ تو جب وہ قیامت کے دن مومنوں کے لیے مخصوص ہوئیں تو پھر تو جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے ارشادوں پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے بزرگوں کی رسوم اور اولیاء من دون اللہ کی پیروی کر کے دنیا میں ان کو حرام سمجھتے اور ان سے محروم رہتے ہیں وہ جس طرح دنیا میں ان سے محروم ہوئے ہیں اس کی سزا میں اسی طرح قیامت کے دن بھی ان سے محروم ہی رہیں گے۔ ہاں اگر دنیا میں ترک کرنے کے عوض قیامت میں ان کو یہ ملتیں تب تو ترک کرنا بھی کچھ وجہ رکھتا لیکن ایسا ترک کرنا جس کی سزا میں ابدی زندگی میں بھی ان سے محروم کیے جاویں گے تو خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ[1] (الحج:12) کا صاف اور صریح مصداق ہے۔

اور اس بیان کے آخر میں فرمایا کہ) اسی طرح ہم آیتوں کو ان لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ جو جانتے ہیں (تاکہ یہ بتایا جائے کہ ان لوگوں کا باوجود ہمارے بیان کرنے کے پھر بھی نہ ماننا اس بات کی دلیل نہیں کہ بیان میں کوئی نقص ہے بلکہ جس طرح ہم نے یہاں پر بتفصیل بیان کیا ہے اسی طرح ہمیشہ آیتوں کو بتفصیل بیان کیا کرتے ہیں پر چونکہ نہ یہ لوگ توجہ کرتے ہیں کہ سمجھیں اور نہ یقین کرتے ہیں اس لیے ان کو نہیں مانتے جیسا کہ یہاں پر نہیں مانا۔ پر کچھ لوگ تدبر سے سننے والے اور یقین کرنے والے ہوتے ہیں لہٰذا وہ مان لیتے ہیں اور ان کی نسبت ہمارا بیان مفصل ہوتا ہے گو دوسرے نہ ماننے والوں کے لیے وہ مفصل نہیں ہوتا۔

[1]۔ وہ دنیا میں بھی گھاٹے میں پڑ جاتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ (تفسیر صغیر)

حلت کی وجوہات واسباب

اور عدم حرمت کے وجوہات اور اس کے موانع یا بلفظ دیگر حلت کے وجوہات و اسباب اور اصول و قوانین بیان فرمائے تو اس کے بعد حرمت اور عدم حلت کے وجوہات و اسباب اور اصول و قواعد بتانے کے لیے تاکہ دونوں کے یکجا مستحضر ہونے سے پورا پورا امتیاز اور امر متنافیہ[1] کا اچھی طرح فیصلہ ہو جائے فرمایا کہ) تم کہو کہ میرے ربّ نے تو سوا کھلی بدیوں کے جو کہ ان میں سے ظاہر ہوا ہے اور جو پوشیدہ ہوا ہے اور گناہ اور ناحق کے ساتھ حکم عدولی کرنے اور اللہ کے ساتھ تمہارے اس کے شریک بنانے کے جس کے ساتھ اس نے کوئی حجت نازل نہیں کی اور جو تم نہیں جانتے اس کے اللہ پر کہنے کے اور کچھ حرام نہیں کیا (یعنی ممنوع اور حرام ہونے کی یہی وجوہات ہیں کہ فاحشہ ہو یا اثم ہو یا بَغْیٌ بِغَیْرِ الْحَقِّ ہو یا ایسی چیز کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانا ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کوئی حجت نازل نہیں فرمائی یا اللہ تعالیٰ پر بدون علم کے بات کہنی ہو تو جس طرح زینت اور رزق اور طیب ہونا اس کا نشان ہیں کہ یہ حرام نہیں اسی طرح فاحشہ، اثم، بغی وغیرہا ہونا اس کی دلیل ہیں کہ یہ حرام ہیں۔

مفسرین کی آراء

اور فواحش، اثم، بغی وغیرہ کے معانی اور مطالب ظاہر بھی ہیں اور ہم نے بیان بھی کر دیئے ہیں لیکن جس طرح مفسرین کی عادت ہے ان میں بھی بہت کچھ اختلاف مذکور ہے چنانچہ فواحش کی نسبت اکثروں نے تو یہی کہا ہے کہ اس سے وہ سب امور مراد ہیں جن کا قبح بہت زائد ہو۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ اس سے وہ گناہ مراد ہیں جو فرج کے متعلق ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مَا ظَهَرَ سے مراد علانیہ زنا ہے اور مَا بَطَنَ سے مخفی زنا مراد ہے اور وہ لوگ اول کو بُرا سمجھتے تھے اور دوسرے کا ارتکاب کیا کرتے تھے لہٰذا دونوں کو برابر کیا گیا اور مجاہد سے مروی ہے کہ اول سے برہنہ ہو کر طواف کرنا اور دوم سے زنا اور بعض نے کہا ہے کہ اول سے مردوں کا عورتوں کے ساتھ طواف مراد ہے اور دوم سے

[1]۔ متنازعہ فیہ ہونا چاہیے۔ (از مرتب)

عورتوں کا رات میں ننگے ہو کر طواف کرنا مراد ہے اور اثم سے اکثروں نے عام طور پر وہ امور لیے ہیں کہ مذمت کو مستلزم ہوں تو جب فواحش کے پہلے معنوں کے ساتھ ان معنوں کو لیا جائے تو پھر اثم کا بعد میں ذکر کرنا محض تعمیم کے لیے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے شراب بالخصوص مراد ہے اور ابن عباسؓ اور حسن سے یہی مروی ہے اور اکثر اہل لغت سے بھی یہ مروی ہے اور ابوحیان وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور شراب کی حرمت احد کے بعد مدینہ میں واقع ہوئی ہے نیز جب اثم سے خاص شراب ہی لی گئی تو پھر اِنَّمَا سے جو حصر ثابت ہوتی ہے کہ یہی امور حرام ہیں اور قائم نہ رہیں گی اور تاویل کرنی پڑے گی کہ حصر اضافی ہے نہ حقیقی اور بغی سے عام طور پر ظلم اور دست درازی لی گئی ہے اور کہا ہے کہ جب فواحش کے عام معنی ہوں یا اثم کے عام ہوں جن میں یہ داخل ہے تو پھر ان کے بعد اس کا ذکر زجر میں مبالغہ کرنے اور بالخصوص اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہو گا۔ لیکن تشریح الفاظ میں مَیں نے کتب لغت سے لکھا ہے کہ بغی کے معنی کسی پر ظلم اور دست درازیکرنے کے تب آتے ہیں کہ جب اس کا صلہ علیٰ ہو۔ پر ظاہر ہے کہ یہاں پر اس کا صلہ علیٰ نہیں ہے اور مقدر ماننا خلاف اصل اور خلاف ظاہر ہے اور مطلق ہونے کی حالت میں جو معانی ہوتے ہیں ان میں سے حق سے عدول کرنا یہاں پر زیادہ موزون ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ الخ کا اپنے ماقبل کے ساتھ لطیف ربط:

اور جو جو محرمات الٰہیہ ان کا یہاں پر ذکر ہوا ہے یہ وہی ہیں جن کا ارتکاب مخالفین میں شائع وزائع تھا۔

اور جو ان سب کے آخر میں مذکور ہوا ہے اعنی مَالَا يَعْلَمُوْنَ کا قول علی اللہ یا بلفظ دیگر تَقَوَّلْ اور افتراء علی اللہ یہ وہ مہلک جرم تھا کہ جس شخص یا قوم میں یہ پایا جائے بشرطیکہ عمداً بذات خود اس کا ارتکاب کرنے سے مجرم کو اس کے تَقَوَّلْ اور افتراء ہونے کے علم ہو یا اگر ایسا نہ ہو تو نبی کے آیات وبینات کے ساتھ اتمام حجت کر دینے سے اس کا علم حاصل ہو تو ضرور اس کو تباہ اور ناکام کیا جاتا ہے جیسا کہ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا[1] الخ (الحاقۃ:45) اور آیات

[1]۔ اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا۔ (تفسیر صغیر)

افتراء سے صاف ظاہر ہے اور مخالفین پر اتمام حجت ہو کر اس کا علم حاصل ہو چکا تھا چنانچہ پہلی آیتوں میں بھی یہی بیان فرمایا ہے کہ جن امور کی نسبت تم کہتے ہو کہ اَللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا کہتے ہو ان کا اس نے ہر گز حکم نہیں دیا بلکہ تم اس پر افتراء کرتے ہو۔ اور آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ[1] (الحاقۃ:45تا47) اور دیگر بہت سی آیات افتراء علی اللہ سے صاف صاف یہ ثابت ہوتا ہے مفتری علی اللہ بہت جلد ناکام اور تباہ کیا جاتا ہے۔ تو اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اگر میں مفتری ہوتا تو ضرور میں ناکام ہوتا اور میری امت بھی تباہ اور پراگندہ ہو جاتی اور ناکام ہو کر پھر تباہ بھی ہو جاتا۔ پر ایسا ہر گز نہیں ہو گا بلکہ تم تباہ ہو گے جو کہ تمہارے مفتری علی اللہ اور مکذب آیات اللہ ہونے کا بین ثبوت ہو گا مگر اس میں کوئی تقدیم تاخیر نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ خدا کی مقرر کردہ اجل ہے۔ فرمایا) اور ہر ایک گروہ کے لئے مقرر کردہ تاریخ ہے۔ (اعنی ان کی تباہی اور استیصال کے لئے ایک وقت مقرر ہے) تو جب ان کی تاریخ مقرر آجاتی ہے تو وہ ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں کر سکتے اور نہ وہ آگے کر سکتے ہیں۔

(مفسرین نے لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کو لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ پر عطف کیا ہے۔ اور چونکہ وہ اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ کی جزاء اور اس کے ساتھ مقید ہے لہٰذا یہ دوم بھی اس کے ساتھ مقید ہو گا اور معنے یہ ہوں گے کہ جب ان کی اجل آجائے تو پھر وہ مقدر نہیں کر سکتے۔ اور ظاہر ہے کہ آجانے کے بعد تو مقدم کرنے کے کچھ معنے ہی نہیں ہو سکتے۔ تو پھر اس کے جواب میں بہت سی وجوہات بیان کی ہیں لیکن کوئی ان میں سے ٹھیک نہیں ہاں بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اس کا عطف لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ پر نہیں بلکہ سارے جملہ شرطیہ اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ الخ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب ان کی اجل آجائے تو تاخیر نہیں کر سکتے۔

اور اسی طرح اگر کبھی اس اجل کے آنے سے پہلے تقدیم چاہیں تو یہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن انہوں نے انہی اجل والوں کو تاخیر اور تقدیم کرنے والا قرار دیا ہے لیکن حق یہ ہے کہ

[1] ۔ اور اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا خواہ ایک ہی ہوتا۔ تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ اور اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔ (تفسیر صغیر)

اجل والے تو تاخیر کو چاہتے ہیں اور ان کے مخالف تقدیم کو چاہا کرتے ہیں۔ اور عام طریق تو یہی ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص یا کوئی جماعت تکالیف سے تنگ آکر اور برداشت سے عاجز آکر اور بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنے لئے موت چاہتے ہیں۔ اور یہ شاذو نادر ہی واقعہ ہوتا ہے۔ پس حق یہ ہے کہ یَسْتَاْخِرُوْنَ اور یَسْتَقْدِمُوْنَ کی ضمیریں مطلق لوگوں کی طرف راجع ہوں اور لِكُلِّ اُمَّةٍ میں وہ مطلق ہی ذکر بھی ہوئے ہیں اور معنے یوں ہوں کہ نہ کوئی اس مقرر تاریخ سے پہلے اس تباہی کو لا سکتے ہیں اور نہ جب وہ آجائے تو اس سے مؤخر کر سکتے ہیں۔ اور چونکہ قاعدہ ہے کہ جو امر اہم ہوتا ہے وہ مقدم کیا جاتا ہے اس لئے یہاں پر چونکہ ان کی تباہی مقصود ہے جس پر وہ تاخیر چاہتے ہیں تو اس کو تقدیم پر مقدم کیا ہے اور دوسرے مقام پر ایسا نہ تھا اس لئے وہاں پر یَسْتَقْدِمُوْنَ کو مقدم کیا گیا۔

اور اِنْ شَآءَ اللّٰہ اس مقام پر اس کی مفصل وجہ ذکر ہو گی۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب ان کے تقدم و تأخر سے ان کی موت اور تباہی کا تقدم و تأخر مراد ہو لیکن اگر بجائے اس کے ان کی ذات کا اجل پر تقدم اور اس سے تأخر لیا جائے جو کہ نظم قرآنی کا اصل مفہوم ہے۔ اور اجل سے مراد ان کی موت اور تباہی کا مقرر وقت آئے گا تو وہ ایک گھڑی اس سے پیچھے ہوں گے اور نہ اس سے آگے بڑھیں گے اور مطلب یہ ہو گا کہ تباہی کے مقرر شدہ وقت کے آنے پر یہ اس تباہی سے یوں بچ سکیں گے کہ اس سے یا اس کے وقت سے پیچھے ہٹ آئیں اور اس طرح کہ اس سے بھاگ کر آگے بڑھ جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان معنوں پر نہ وہ مذکورہ بالا اعتراض وارد ہو سکتا ہے اور نہ اس کے جواب کی ضرورت پڑتی ہے۔

بنی آدم کو رسولوں کی تصدیق کی ہدایت

اس کے بعد یہ بتانے کے کہ جس طرح سب بنی آدموں کو ارشاد ہو چکا ہے کہ اگر تمہارے پاس رسول آئیں جو ہماری ہدایت تم کو پہنچائیں تو پھر جو ان کی مانے گا اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے گا اور اصلاح کرے گا تو اس پر نہ کوئی خوف و خطر ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کریں گے تو وہ اصحاب النار ہو کر اس میں رہ پڑیں گے۔ اور پہلی امم کی نسبت تم خود اس کو تسلیم کرتے ہو اسی طرح تم کو بھی (جو

کہ محمد رسول اللہ کی امت دعوت ہو اور قیامت تک رہے گی) بنی آدم ہونے کے لحاظ سے یہی ارشاد ہے۔ فرمایا) اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس ہمارے بھیجے ہوئے آئیں جو کہ میری آیتیں تم پر بیان کریں پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اس نے اصلاح کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کڑھیں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے انہوں نے تکبر کیا وہی آگ والے ہیں وہ اس میں مدتوں رہنے والے ہوں گے۔

یا بنی آدم کے متعلق مفسرین کا اختلاف

(مفسرین نے لکھا ہے کہ یا بنی آدم سے جو لوگ مراد ہیں ان میں اختلاف ہے پس بعض نے کہا ہے کہ سب لوگ مراد ہیں اور ابن جریر نے اس کی نسبت ایک روایت لکھی ہے کہ خدا خداوند تعالیٰ نے آدمؑ کو اور اس کی سب ذریت کو اپنے ہاتھ میں لے کر ان کو فرمایا تھا کہ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ الخ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس کی حکایت ہے جو کہ ہر ایک قوم کے ساتھ ہوا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ سے خاص امت محمدؐیہ مراد ہے لیکن اس پر دوسرے مفسروں نے فقط یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے بعد رسل بصیغۂ جمع مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ اگر امت محمدیہؐ مراد ہوتی تو پھر رسل کی بجائے رسول ہوتا ہے کیوں کہ اس امت میں فقط حضرت محمدؐ رسول اللہ ہی تشریف لائے ہیں جو کہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا۔

لیکن اگر انسان ذرہ بھر بھی نظم قرآنی پر نظر کرے اور عربیت کا واقف بھی ہو وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ اگر سب لوگ مخاطب ہوتے اور یہ کوئی وہ خطاب ہوتا جو کہ قبل از پیدائش خدا نے ان کو ہاتھ میں لے کر کیا تھا یا یہ اس کی حکایت ہوتا جو کہ ہر ایک نبی کی قوم سے جدا جدا اس کے وقت میں ہوا تھا تو پھر ضرور اس کے ماقبل کوئی ایسا لفظ ہوتا جو کہ اس کے نقل اور حکایت و روایت ہونے پر دال ہوتا جیسا فرمایا ہے وَاِذۡ اَخَذَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ[1] (الاعراف:173) اور وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ[2] الخ (البقرۃ:31) وَاِذۡ

[1]۔ اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں میں سے ان کی اولادوں کو لیا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اور (اے انسان! تو اس وقت کو یاد کر) جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا۔ (تفسیر صغیر)

اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ[1] الخ (المائدۃ:112) پر یہاں پر اس کے نقل وحکایت ہونے کی طرف اشارہ تک بھی نہیں ہے۔

پس جب قرآن مجید میں لوگوں کو خطاب کر کے کوئی ارشاد کیا گیا ہو اور اس کے ماقبل کوئی اشارہ اس بات کا نہ ہو کہ یہ خطاب اور ارشاد پہلے لوگوں کو ہوا تھا اور یہاں پر اس کی روایت اور حکایت ہے تو پھر بجز اس کے اور اس کا کوئی مفہوم نہیں لیا جا سکتا کہ یہ خطاب اور ارشاد امت محمدؐیہ کو ہے اور بس۔ کیوں کہ جب یہاں پر کوئی اشارہ نہیں کہ ہم نے پہلے کبھی سب کو یا کسی قوم کو فرمایا تھا بلکہ قرآن مجید میں جو کہ پہلے نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہی نازل ہوا ہے اس میں حکایت کے طور پر نہیں بلکہ از سر نو یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ الخ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے تو پھر سوائے ان لوگوں کے جو کہ اس کے نزول کے وقت موجود تھے یا آئندہ آئیں گے اور کوئی ہر گز مخاطب نہیں سکتا۔ جیسا مثلاً پہلے پارہ میں سوائے کسی ایسے لفظ کے جو کہ حکایت پر دال ہو خداوند تعالیٰ نے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ[2] الخ (البقرۃ:22) فرمایا ہے تو گو النَّاسُ پہلے اور پچھلے سب لوگوں کو شامل ہو سکتا ہے اور اعْبُدُوْا الخ کا ارشاد بھی سب کو ہو سکتا ہے مگر پھر بھی کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہاں پر سب لوگ یا پہلے انبیاءؑ کی قومیں مراد ہیں اور اعْبُدُوْا کا ارشاد سب کو یا پہلے انبیاء کی قوموں کو ہے بلکہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ امت محمدؐیہ کے لوگ مخاطب ہیں اور انہی کو یہ ارشاد ہے اور بس۔ اسی طرح قرآن مجید میں جہاں جہاں حکایت کے سوا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[3] (البقرۃ:105) کے ساتھ خطاب کر کے کثرت کے ساتھ حکم دیئے گئے ہیں وہاں پر مومنین امت محمدؐیہ ہی مخاطب ہیں اور انہی کو وہ حکم بھی دیا گیا ہے اگرچہ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا پہلی قوموں کے مومنین پر بھی صادق آسکتا اور ان کو شامل ہو سکتا اور وہ حکم بھی ان کو شامل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی گو یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ سب اور پہلے لوگوں کو شامل ہو سکتا ہے اور اس کے بعد کا ارشاد بھی سب لوگوں کو اور پہلی قوموں کو

[1]۔ اور (اس وقت کو یاد کر) جب میں نے (تیرے) حواریوں (یعنی شاگردوں) کو وحی کی۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اے لوگو! اپنے (اس) رب کی عبادت کرو۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ اے ایمان دارو!۔ (تفسیر صغیر)

دیا جاسکتا ہے لیکن جب اس کے ساتھ حکایات پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ نہیں تو پھر نہ یہ ان کو خطاب ہے اور نہ یہ اس ارشاد کی نقل اور حکایت ہے جو کہ ان کو دیا گیا تھا بلکہ خطاب بھی خاص امت محمدؐیہ کو ہے اور ارشاد بھی۔

اور پھر یہاں پر اسی قدر نہیں بلکہ امت محمدؐیہ کو خطاب اور ارشاد ہے چنانچہ اس سے پہلے بار بار آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوا ہے کہ قُلْ مثلاً ایک جگہ فرمایا ہے قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ[1] الخ (الاعراف:29) پھر فرمایا قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[2] الخ (الاعراف:30) پھر فرمایا قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الخ پھر ہے قُلْ ھِیَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ پھر فرمایا قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ الخ پھر اس کے بعد اور اس کی ذیل میں فرمایا ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ الخ تو جب آنحضرت ﷺ کو قُلْ کا ارشاد ہوا اور اس کی ذیل میں یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ الخ آیا ہے۔

پس یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خطاب امت محمدؐیہ کو ہے نہ عام اور نہ اس سے پہلی امتوں کو اور نہ یہ اس کی حکایت ہے۔ پھر اس سے پہلے اسی عنوان کے ساتھ آیا ہے یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[3] الخ (الاعراف:32) وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ[4] (الاعراف:30) تو باوجود یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ کے ساتھ خطاب ہونے کے پھر بھی یہاں پر یقیناً امت محمدؐیہ ہی مراد ہے اور مفسرین نے بھی یہی مانا ہے۔

اب رہا یہ اعتراض کہ رُسُلٌ جمع لایا گیا ہے اور یہ امت محمدؐیہ کے ساتھ مناسب نہیں کیوں کہ اس میں ایک ہی آنحضرت ﷺ آئے ہیں۔ اس کی متعلق پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ جب یہاں پر حکایت ہونے پر کوئی لفظ دال نہیں اور اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ کے ابتداء میں ان ہے اور یَاْتِیْ کے بعد نون ثقیلہ ہے دونوں استقبال کے لئے ہیں اور استقبال وقت تکلم کے بعد کو کہتے ہیں پس اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ اس پر دال ہو گا کہ جب یہ آیت آنحضرت ﷺ پر

---

[1]۔ تو کہہ دے اللہ کبھی بری باتوں کا حکم نہیں دیتا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ تو کہہ دے میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر مسجد کے پاس اپنی توجہ درست کر لیا کرو۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے قریب زینت (کے سامان) اختیار کر لیا کرو۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ اور اللہ کی عبادت کو خالص اسی کا حق قرار دیتے ہوئے اسی کو پکارو۔ (تفسیر صغیر)

نازل ہوئی ہے اس کے بعد اگر رسول آئیں گے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ تو اس کے نزول کے بعد نہیں آسکتے تو جب حضورؐ اس کے نزول کے بعد نہیں آسکتے تو پھر اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ الخ حضورؐ کی آمد کو شامل نہیں ہو سکتا۔

پس اس میں جن رسولوں کی آمد بتائی گئی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے سوا ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں پر بجائے یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ کے یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ (الانعام:131) فرمایا ہے کہ وہ آیتیں نازل تو پہلے ہوئی ہیں البتہ ان کا کام فقط ان کا بیان کرنا ہے اور بس۔ اور یہ بالکل سچی اور پکی صداقت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی آیات احکام جدیدہ نازل نہیں ہو سکتیں ہاں آپ کے بعد رسول آسکتا ہے اور خاتم النبیین کے اوّل تو یہ معنے ہی نہیں کہ آپ نبیوں کے آخر ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول نہ آئے گا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اور پھر حضورؐ کے زمانہ میں حضورؐ کے اہل علم خدام نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہوا ہے بلکہ اس کے معنے ہیں کہ آپ انبیاءؑ کی مہر ہیں۔ یا آپ سب کمالات کے جامع ہیں۔ اور حضرت عائشہؓ کی حدیث جو کہ مجمع البحار میں ہے کہ قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔[1]

(مجمع بحار الانوار جلد 5 صفحہ 502 مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ۔1994ء)

(تم کہو کہ آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں) یہ اس کی صریح اور واضح دلیل ہے کہ خاتم النبیین کے معنے یہ نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا اور یہ بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ[2]۔

(صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل حدیث 3455)

یا تو ان الفاظ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی حدیث نہیں بلکہ اس کے الفاظ کچھ اور تھے جن کا مفہوم صحیح اور درست تھا لیکن روایت بالمعنے کر کے ان الفاظ کے ساتھ مشہور کر دیا گیا۔ جن کا مفہوم بموجب ارشاد حضرت عائشہ کے صحیح نہیں اور اگر ہے تو پھر اس کے وہ معنے

[1] ۔ مجمع بحار الانوار میں خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ کے الفاظ ملتے ہیں۔ (از مرتب)
[2] ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (از مرتب)

نہیں جو کہ ظاہر الفاظ سے نکلتے ہیں یعنی میرے بعد کوئی نبی کسی قسم کا نہ آئے گا۔ بلکہ اس کے کوئی اور معنے ہیں جو کہ عام فہم نہیں تو اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے منع فرمادیا کہ یہ نہ کہا کرو۔
(مصنف ابن ابی شیبہ جلد 5 صفحہ 336 حدیث 26653 مکتبۃ الرشد ریاض)

پس لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی حدیث سے اوّل تو خود حضرت عائشہؓ کی حدیث جواب دے رہی ہے۔ پھر وہ صحیح حدیثیں اس کے معارض اور منافی ہیں جن میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکر الدجال... حدیث (2937))

پھر جب اس آیت کریمہ کے معارض حدیث نہیں ہو سکتی کیوں کہ آیت کے معارضہ میں حدیث قابل اعتبار نہیں ہو سکتی بلکہ یا ردّ کی جاتی ہے یا اس کے ایسے معنے کئے جاتے ہیں جو کہ آیت کے مطابق ہوں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس کے ایسے معنے کئے ہیں جو کہ نہ ایسی آیتوں کے مخالف ہیں۔ جو کہ نبی اور رسول کی آمد کی خبر دیتی ہیں اور نہ ان صحیح حدیثوں کے معارض ہیں جن میں مسیح موعودؑ کو نبی اللہ کہا گیا ہے بلکہ دونوں کے موافق ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ ”میرے بعد کوئی شارع نبی نہیں۔“ پس حق یہی ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد شارع نبی اور شارع رسول نہ آئے گا اور نہ آسکے گا اور جہاں جہاں نبی یا رسول کے آپ کے بعد آنے کی نفی ہو وہاں اسی شارع نبی اور رسول کے آنے کی نفی ہے۔ اور غیر شارع نبی اور رسول آسکتا ہے اور جہاں جہاں نبی اور رسول کی آمد کا ذکر ہے وہاں پر اسی غیر شارع نبی اور رسول کی آمد مراد ہے۔
(تفسیر القرآن جلد 7 نمبر 3 بابت اکتوبر تا دسمبر 1912ء صفحہ 201 تا 300 مطبع میگزین قادیان)

انڈیکس

تفسیر سروری جلد 5

1۔ آیات..... 1

2۔ احادیث..... 11

3۔ مضامین..... 13

4۔ اسماء..... 20

5۔ مقامات..... 26

6۔ کتابیات..... 27

آیات

الفاتحه

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (7) 64

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (5) 285

البقرة

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (3) 121

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ... (4) 121

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ ... (5) 122

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (6) 15

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاءٌ ... (7) 406

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ... (8) 355

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ... (9) 122، 172

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ... (15) 68، 109، 128، 512

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ ... (19) 271، 406

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ ... (22تا23) 194، 338، 341، 521

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ... (27) 313، 348

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ ... (30) 465

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (31) 520

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ ... (36) 477

ذٰلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (37) 486

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ ..... (38) 485

اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ... (39) 469، 495

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ ... (45) 443

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (60) 394

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ضُرِبَتْ (62) 105، 459

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ (76) 68

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ ... (81) 43، 65، 124،

بَاۗءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ (91) 102

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (105) 521

نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا (107) 434

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (116) 467

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ ... (121) 84، 101

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ (122) 367، 368

نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِمَ ... (134) 304

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (137) 369

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ... (174) 12، 411

يُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... (205) 172

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ (211) 436، 438

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (215) 512

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (256) 182، 183

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (258) 289

اِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ ...(259) 290

وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (260) 290

خُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ...(261) 290

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ (269) 499

آل عمران

وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (44) 94

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (54) 139

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (65) 193

لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ (76) 138

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ ...(82تا83) 122، 428

اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ (97) 310

مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ ...(145) 109، 127، 128، 512،

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ (182) 104

النساء

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (49) 419

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ ...(60) 122

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (65) 122

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (66) 122

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ...وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (70) 130

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ (106) 352

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ ...(116) 122

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ... (118تا119) 103

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (146) 172

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ... (151تا152) 122

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً (154) 125، 158،

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (159) 172

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ (177) 6

المائدہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ... ... (1تا6) 1، 2، 19

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ ....عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (7تا12) 20

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ ...(8) 34، 63، 185،

كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ ...(9) 64

اُذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ...(12) 64

وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ (13تا20) 31، 32

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ (19) 124، 126، 138، 317،

يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ ...(21) 64

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ ...(21تا27) 46

اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (25)35، 137،

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ ... (28تا35) 53

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ... (36تا44) 62،61

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ...(45تا51) 73،72

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا (49) 121

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا..... (52تا57) 81

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ ...(52) 93

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا ...(58) 99،93

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا... (58تا67) 96،95

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا ...(60) 137

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ... (65) 105، 111، 126،

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ (67) 120

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ ...(68تا78) 107، 108

مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ....(68) 116

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ(68) 113

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (68) 119

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ...(72) 125

لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاءَ قَوْمٍ ...(78) 142

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ ...(79تا87) 133

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (79) 102

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا ... (88تا94) 140

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ (88) 192

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ (91) 192

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...(94) 192

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ ...(95تا101) 146

لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ ... (95) 149، 192

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ (100) 156

لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ ... (102) 16

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا ... (102تا109) 153، 154

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا....(102) 164

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِ (103) 170

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ (104) 192

حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (105) 193، 195

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (109) 171
يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ... (110تا116) 168
يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ ...(110) 185، 453، 455
وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (112) 520
هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ (113) 173 ،177
فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ (116) 177
وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ... (117تا121) 175
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ ... (118) 184
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...(121) 191، 192، 198

الانعام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۔... (1تا11) 188
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ (3) 447
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (4) 373
كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ ...(7) 447
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ...(12تا21) 206
كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (13) 447
قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ (15) 214
وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ...(22تا31) 218
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ ... (32تا42) 225
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ (35) 370
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (36) 232
ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (37) 233
وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ... (43تا51) 237
وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا ...(52تا56) 243
لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ...(52) 245
وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا ...(55) 254
قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...(57تا61) 252
وَ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (62تا71) 262
اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (63) 268
لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (65) 271
وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ ...(69) 273، 281
مَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ ...(70) 281
وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا ... (71) 274، 281
قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ...(72تا83) 276، 277
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ(76) 289، 290، 291

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (80) 294
اَتُحَاجُّوْنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ...(81)294
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ...(83) 297، 298
وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ ... (84تا91) 299
كُلًّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (86) 305
كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (87) 306
مِنْ اٰبَآئِهِمْ ....(88) 306
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ...(92تا95)309
وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ ... (92) 313، 320، 325،
سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓى ... (94) 319، 325
اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ (96تا101) 322
وَهُوَالَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ... (100) 322، 352
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ ...(102تا111) 335
لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ... (109) 266، 350
وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ ... (111) 355، 361
وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ... (112تا122) 356
اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا ...(123تا130) 375
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ...(131تا141)388، 389
يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ...(130تا131) 523
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ (131) 523
حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ (141) 409
وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ ... (142تا145) 401
ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ (144) 409
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ ...(145) 410
قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا ... (146) 12، 373
قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ ...(146تا151) 407
قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ ... (152تا155) 422
وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ ...(156تا166) 430، 431
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا ...(154) 447
وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ (156) 447
لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ (158) 313
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (160) 447
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (161) 447
ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ ...(165) 447
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (166) 447، 448

الاعراف

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ المّص
کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ ...(1تا11) 444
اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ...
(4) 498
وَ کَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا (5) 498
وَ لَقَدۡ مَکَّنّٰکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلۡنَا
لَکُمۡ ...(11) 476، 498
وَ لَقَدۡ خَلَقۡنٰکُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰکُمۡ ثُمَّ ...
(12تا26) 457، 458
لَاَقۡعُدَنَّ لَہُمۡ صِرَاطَکَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ
(17) 498
وَ لَا تَجِدُ اَکۡثَرَہُمۡ شٰکِرِیۡنَ (18) 498
لِیُبۡدِیَ ...(21) 494
بَدَتۡ لَہُمَا سَوۡاٰتُہُمَا (23) 493
قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا ...(27)483
یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا
...(27تا32) 487
لَا یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ (29) 419، 522
قُلۡ اَمَرَ رَبِّیۡ بِالۡقِسۡطِ ...(30) 522
خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ ...(32) 514، 522
قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ
لِعِبَادِہٖ (33تا40) 508
جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ
(70) 447
جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ (75) 447
فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ (101) 271
اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰہِ یُوۡرِثُہَا مَنۡ یَّشَآءُ ...
(129) 88
وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ...
(154) 447
بِمَا کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ (163) 394
وَسۡـَٔلۡہُمۡ عَنِ الۡقَرۡیَۃِ (164) 446
وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ...
(173) 285، 361، 393، 446، 520
کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ ہُمۡ اَضَلُّ (180) 191
فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ (186) 129
اِنَّمَا عِلۡمُہَا عِنۡدَ رَبِّیۡ (188) 470
اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ ...
(202) 497

الانفال

لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ ہٰذَا (32) 319، 320
مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ (34) 361، 397
لِیَہۡلِکَ مَنۡ ہَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّ یَحۡیٰی
مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ (43) 45
وَ اِذۡ زَیَّنَ لَہُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَہُمۡ ...
(49) 352، 395
وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ ...(59) 37

التوبہ

ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (20) 15
قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ (29) 37
اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ...
(111) 7
فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗۤ اَنَّہٗ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ (114) 295

یونس

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (19) 221، 350
فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (33) 129
لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ ... (63) 121
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (71) 394

هود

اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ (9) 511
فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (108) 198

یوسف

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا ... (10) 480
اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ ... (14) 510
وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ (46) 511
وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ ... (107) 298

الرعد

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ ... (12) 267

ابراهیم

مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (23) 490
رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (42) 274

الحجر

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا (4) 274
لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ (8) 360
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ... (22) 488
فَاخْرُجْ مِنْهَا (35) 459
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (41) 474
جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ (92) 24

النحل

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً (121) 511

ابراهیم

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (8) 27

بنی اسرائیل

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ ... (21) 421
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ ... (32) 425
قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ ... (63) 469
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (89) 496
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (93) 381

الکهف

فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (65) 252

طٰهٰ

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ... (110) 182، 184
اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ ... (118) 485
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (122) 460

الأنبیاء

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (38) 257
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ ... (45) 221
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً ... (108) 417

الحج

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (12) 515
مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ ... (32) 184

المؤمنون

هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (4) 184
وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ (13) 320
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً ... (15) 320، 465

النور

اَلزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ ...(4) 19
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ...(56) 117

الفرقان

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا ... (22) 360، 436
يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ ...(23) 437
وَ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ ... (26تا27) 437

الشعراء

وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (215) 318

النمل

اَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ (20) 481

القصص

لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (9) 478
اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ (22) 511
حَرَمًا اٰمِنًا (58) 37
وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَا ذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ...(66تا67) 453، 455

الروم

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (53) 271

لقمان

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (14) 247، 298، 398، 419، 477، 502،
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...(26) 194

السجدة

نُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا (15) 352
وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ...(29تا30) 437

سبا

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (14) 475

فاطر

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (25) 381
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا ... (33) 477
عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (39) 369
وَ لَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ (44) 376

یٰسٓ

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (8) 439
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ (15) 44
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (83) 286

الصّٰفّٰت

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ...(89 تا 90) 297

وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ (105) 459

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (111) 305

هُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ (173) 15

صٓ

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (81 تا 82) 470

الزمر

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ ...(4) 350

اِنَّ اللّٰهَ ...لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (8) 419

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ ...(76) 191

الشوریٰ

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (53) 380

الزخرف

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ (23) 511

الدّخان

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ (37) 360

محمد

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا ...(39) 89

الحجرات

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (14) 467

الذّٰریات

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (57) 203

النّجم

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوٰى (3) 460

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (39) 247

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ ...(29) 419

الرّحمٰن

لَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ ...(40) 454

الواقعة

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (80) 370

الحدید

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (20) 130

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ ...(22) 90

الحشر

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ (25) 465

الممتحنة

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ ...(5) 171

الصف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ...(15) 137، 138

الجمعة

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (5) 467

المنافقون

اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ (5) 171

التحریم

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ (13) 130

القلم

حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ـ هَمَّازٍ (11، 12) 296

الحاقه

فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ(25) 512

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ(45) 517، 518

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (45تا47) 518

الطلاق

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ (11تا12) 459

المدثر

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا(12) 274

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً(53) 382

القيامة

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى(45) 203

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ(17) 314

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (21تا22) 314

الانفطار

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (11تا12) 267

الم نشرح

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (2) 44

احادیث

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ 201

اِتَّقُوْا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ 379

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُم 328

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ 118

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ۔۔۔۔ 474

حضرت عائشہؓ کا قول کہ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَأَی رَبَّہٗ (سُبْحَانَہٗ) فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَی اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ) الفِرْیَۃَ 344

الضَّبُعُ صَیْدٌ وَفِیْہِ شَاۃٌ 150

فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَا دُمْتُ فِیْھِمْ. فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ۔۔۔ 177

فَاِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سُؤَالِھِمْ وَاخْتِلَافِھِمْ عَلٰی اَنْبِیَاءِھِمْ 158،156

قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ 523

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ 361

لَا رَھْبَانِیَّۃَ فِی الْاِسْلَامِ۔۔ 142

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ 524،523

مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلَی قَلْبِ بَشَرٍ۔ (بخاری) 27

مَسَحَ عَلَی الْخُفَّیْنِ یَا عَلَی الْجَوْرَبَیْنِ 25

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ 480

نَسِیَ اٰدَمُ فَنَسِیَتْ ذُرِّیَّتُہٗ 504

نُوْرٌ أَنَّی أَرَاہُ 346

وَاٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَۃَ۔۔ (بخاری) 64

وَأَنَا الدَّھْرُ (بخاری) 41

احادیث بالمعنی

سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (مسند احمد) 23

حضورؐ نے رفع یدین نہیں کیا۔ اور ہاتھ نیچے باندھے۔ اور آمین آہستہ کہی یا کہ ایسا حکم دیا۔ (ترمذی، ابی داؤد) 24

حضورؐ نے رفع یدین کیا۔ اور ہاتھ سینہ پر باندھے۔ اور آمین بلند کہی اور اسی طرح بعض صحابہ نے بھی۔ (بخاری، ترمذی، ابن ماجہ) 24

نماز خوف اور اس کا پس منظر (مسلم) 29

(وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ) یہ آیت نازل ہوئی تو اپنے پہرہ داروں کو فرمایا کہ اب پہرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ نے میری عصمت کا خود ذمہ لے لیا ہے 119

بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ (حق کو پھینک دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا)۔۔ 138
قیامت کے دن دوسری اُمتوں پر گواہ... 139
قسم کا کفارہ۔۔۔ 144
حضرت جبرائیلؑ کا بصورت انسان آنا اور پوچھنا ایمان کیا؟ پھر اسلام؟ احسان کیا۔۔۔ 343
شرح صدر کسے کہتے ہیں 383
حدیث قدسی: میں سب شریکوں سے بڑھ کر غنی ہوں۔۔۔ 398
تین امور کفر ہیں کفر بعد الایمان، زنا بعد الاحصان اور نفس معصومہ کا قتل۔۔۔ 426
قرب قیامت کی دس نشانیاں۔۔ 438
شیطان ابن آدم کے لئے اس کے راستوں پر بیٹھا۔۔۔ 472
تکبر کے معنی 510
آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا۔۔ 524

مضامین

آ۔ا

ابطال

ابطال شرک اور ابطال ولد کے دلائل 338

احسان

احسان کیا ہے؟ 343

ادراک

ادراک کے معنی 345

اسباب

حلت کی وجوہات و اسباب 516

کفار کو مال و اسباب ملنے کی وجہ 234

اصحاب سبت

اصحاب سبت 102

اقسام

خدا کے علم کی دو اقسام 149

عذاب کی اقسام 269

مفتری کا انجام اور اسکی اقسام 319

انجام

مفتری کا انجام اور اسکی اقسام 319

انکار

ابو جہل کا عصبیت کی وجہ سے آنحضرتؐ کا انکار کرنا 381 تا 382

اہل شام

حضرت جعفرؓ کے ہمراہ آٹھ اہل شام بھی مدینہ آئے اور انکے نام۔۔۔ 138

ایمان

غرباء و ضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت۔۔۔ 247

مامور پر محض لفظی ایمان کافی نہیں 396

آسمان

آسمان کے لئے جمع اور زمین کے لئے مفرد کیوں؟۔۔۔ 196

ابراہیمؑ کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دکھانے میں حکمت 289

آیت

قرآن مجید کی سب سے مشکل آیت اعراب اور حکم کے لحاظ سے۔۔۔ 165

وفات مسیح کی بابت اصل آیت 179

ب۔پ

بحث

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بحث 344

بحیرہ

بحیرہ اور سائبہ بنانے والوں کی تفصیل 159

بدر

فتح بدر اور ملائکہ کا حاضر ہونا 437

بعثت

بعث بعد الموت۔۔۔ 260

بندر

سؤر اور بندر بننے کی حقیقت 102

بیٹے / اولاد

حضرت ابراہیمؑ کو اولاد دینے کا ذکر و حکمت 304

آدم کے بیٹوں کی قربانی کی تفصیل 56 تا 58

پادری

سیالکوٹ کے ایک پادری کا قرآن کی طباعت کی غلطیاں نکالنا اور۔۔۔ 370

ت۔ث

تردید

خلافت علیؓ (بلا فصل) کی تردید 114

تڑپ

رسول کریمؐ کی اپنی قوم کے لئے تڑپ 201

تعارف

سورۃ الانعام کا تعارف اور پچھلی سورۃ سے اس کا تعلق۔۔۔ 190

تفصیل

آدم کے بیٹوں کی قربانی کی تفصیل 56 تا 58

غدیر خم کا خطبہ اور اسکی تفصیلات 114

ثبوت

حشر اجسام کا ثبوت 286

کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت 317

ج۔چ۔ح۔خ

جواب

مسیح کا قیامت کے دن لاعلم لنا۔۔۔ کہنے کی ایک توجیہہ مخالفین کی طرف سے اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب۔۔۔ 185

مشرکین کی شرک پر دلیل اور جواب 288

چاند

صبح، رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت 327

چرانا

کس قدر مال چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے، 66

حج

آنحضرت ﷺ کا وعظ اور حج کی فرضیت ارشاد فرمانا۔۔، 157

حرمات

حرمت والی اشیاء 411

حلال حرام کی بابت آنحضرتؐ سے ایک مکالمہ 372

حلت کی وجوہات واسباب 516

حشر

حشر اجسام کا ثبوت، 286

حقوق

والدین کے حقوق تورات و قرآن کا بیان، 425

حقیقت

سؤر اور بندر بننے کی حقیقت 102

لباس اور ریش کی حقیقت 494

حکم

قرآن مجید کی سب سے مشکل آیت اعراب اور حکم کے لحاظ سے۔۔۔ 165

حکمت

ابراہیمؑ کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دکھانے میں حکمت 289

توراۃ کے باوجود قرآن کے نزول میں حکمت 433

حضرت ابراہیمؑ کو اولاد دینے کا ذکر و حکمت 304

صبح، رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت 327

خاتم النبیین

آنحضرتؐ کے خاتم النبیین سے مراد 523

خطبہ

غدیر خم کا خطبہ اور اسکی تفصیلات 114

خلاف بلافصل

شیعہ عقیدہ خلافت بلافصل 91

خلافت علیؓ (بلافصل) کی تردید 114

د۔ر۔ز

دلیل / دلائل

ابطال شرک اور ابطال ولد کے دلائل 338

مشرکین کی شرک پر دلیل اور جواب 288

بیہقی کے دلائل 100

دیکھنا / دکھانا

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بحث 344

ابراہیمؑ کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دکھانے میں حکمت 289

رات

رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت 327

رحیمیت

رحیمیت اور ربوبیت میں فرق 235

ریش

لباس اور ریش کی حقیقت 494

زمین

آسمان کیلئے جمع اور زمین کیلئے مفرد کیوں؟ 196

س۔ش

سابقین

غرباء و ضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت۔۔۔ 247

سازش

بنو نضیر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازشیں 30

سائبہ

بحیرہ اور سائبہ بنانے والوں کی نسبت کچھ تفصیل۔۔۔ 159

سجدہ

آدم کے لئے سجدہ کرنے کا مفہوم، 465

سؤر

سؤر اور بندر بننے کی حقیقت، 102

سورج

صبح، رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت، 327

شجرہ

شجرہ سے مراد۔۔۔ 477

شرک / مشرک

ابطال شرک اور ابطال ولد کے دلائل 338

مشرکین کی بڑی خرابیاں 502

مشرکین کی شرک پر دلیل اور جواب 288

شعائر اللہ

شعائر اللہ اور محرمات 9

شکایت

کفارِ قریش کا حضرت ابو طالب کے پاس آنحضرتؐ کی بابت شکایت کیلئے جانا۔۔، 351

شیعہ

شیعہ عقیدہ خلافت بلافصل 91

ص۔ض۔ع۔غ

صبح

رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت 327

ضعفاء

غرباء و ضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت۔۔۔ 247

ظلم

ظالم شخص اور قبر میں اسکی حالت 229

عذاب

عذاب کی اقسام 269

عذاب جلدی نہیں آتا 256

عصبیت

ابو جہل کا عصبیت کی وجہ سے آنحضرتؐ کا انکار کرنا 381 تا 382

عقیدہ

شیعہ عقیدہ خلافت بلا فصل 91

علم

خدا کے علم کی دو اقسام 149

عرب کی بجائے فارس کا علوم دنیا میں حصہ 90

غدیر خم

غدیر خم کا خطبہ اور اسکی تفصیلات، 114

غرباء

غرباء و ضعفاء کا سابقین بالایمان ہونے میں حکمت۔۔ 247

غلطی

سیالکوٹ کے پادری کا قرآن کی طباعت کی غلطیاں نکالنا اور۔۔۔۔ 370

ف۔ق

فتح

فتح بدر اور ملائکہ کا حاضر ہونا 437

فتنہ

فتنہ کے مختلف معانی 70

فرض

آنحضرتؐ کا وعظ فرمانا اور حج کی فرضیت 157

فرق

رحیمیت اور ربوبیت میں فرق 235

قانون

ہدایت دینے کا خدائی قانون 232

قبر

ظالم شخص اور قبر میں اسکی حالت 229

قتل

بنو نضیر کی آپؐ کو قتل کرنے کی سازشیں 30

قربانی

آدم کے بیٹوں کی قربانی کی تفصیل 56 تا 58

قوم

رسول کریمؐ کی اپنی قوم کے لئے تڑپ 201

گیارہ مرتد اقوام کا ذکر 88

قیامت

مسیح کا قیامت کے دن لاعلم لنا... کہنے کی ایک توجیہہ مخالفین کی طرف سے اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب 185

ک۔گ

کفار

کفارِ قریش کا حضرت ابو طالب کے پاس آنحضرتؐ کی بابت شکایت کیلئے جانا۔ 351

کفار کو مال و اسباب ملنے کی وجہ 234

کیفیت

اضطراری کیفیت سے کرار، 15

گروہ

انبیاءؑ کے تین گروہ 305

ل۔م

لاعلم لنا

مسیح کا قیامت کے دن لاعلم لنا۔۔۔ کہنے کی ایک توجیہہ مخالفین کی طرف سے اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب 185

لباس

لباس اور ریش کی حقیقت، 494

مال

کس قدر مال چرانے سے ہاتھ کاٹا جائے 66

کفار کو مال واسباب ملنے کی وجہ 234

ملائکہ

فتح بدر اور ملائکہ کا حاضر ہونا 437

مامور

مامور پر محض لفظی ایمان کافی نہیں 396

مائدہ

حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والا مائدہ۔۔ 174

مثال

رات اور سورج چاند کی مثال میں حکمت 327

محرمات

شعائر اللہ اور محرمات 9

مخالف / مخالفین

مسیح کا قیامت کے دن لاعلم لنا۔۔۔ کہنے کی ایک توجیہہ مخالفین کی طرف سے اور حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے جواب۔۔۔ 185

مراد

اللہ اور رسول کو برا بھلا کہنے سے مراد 351

آنحضرتؐ کے خاتم النبیین سے مراد 523

لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ میں الَّذِیْنَ سے مراد 350

وسیلہ سے مراد 64

بنی اسرائیل میں ملوکیت سے مراد 48

شجرہ سے مراد 477

مرتد

گیارہ مرتد اقوام کا ذکر 88

مضمون

سورۃ اعراف کے مضامین 498

معنی

ادراک کے معنی 345

فتنہ کے مختلف معانی 70

مفتری

مفتری کا انجام اور اسکی اقسام 319

مکالمہ

حلال حرام کی بابت آنحضرتؐ سے ایک مکالمہ 372

ملوکیت

ابراہیمؑ کو مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ دکھانے میں حکمت 289

بنی اسرائیل میں ملوکیت سے مراد 48

منجانب اللہ

کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت 317

موت

بعث بعد الموت 260

ن۔و۔ی

نام

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد کے نام کی بابت روایات 278

حضرت جعفرؓ کے ہمراہ آٹھ اہل شام بھی مدینہ آئے اور انکے نام۔۔۔۔ 138

نبی

انبیاءؑ کے تین گروہ 305

حضرت عیسیٰؑ سے آپؐ کے درمیان انبیاء 44

نزول

توراۃ کے باوجود قرآن کے نزول میں حکمت 433

حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والا مائدہ۔۔174

ہدایت

ہدایت دینے کا خدائی قانون 232

والد/والدین

کیا آزر حضرت ابرہیمؑ کے والد تھے؟ 295

والدین کے حقوق تورات و قرآن کا بیان 425

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد کے نام کی بابت روایات۔۔۔ 278

وجہ

ابو جہل کا عصبیت کی وجہ سے انحضرتؐ کا انکار کرنا 381 تا 382

حلت کی وجوہات و اسباب 516

کفار کو مال و اسباب ملنے کی وجہ 234

وسیلہ

وسیلہ سے مراد 64

وضو

وضو کے مسائل 23

وعظ

آنحضرت ﷺ کا وعظ اور حج کی فرضیت ارشاد فرمانا۔۔ 157

وفات مسیح

وفات مسیح کی بابت اصل آیت۔۔۔ 179

اسماء

آ۔ا

ابراہیمؑ 4، 5، 108، 124، 159، 160، 204، 278، 280، 289، 290، 291، 294، 295، 296، 298، 299، 300، 301، 302، 303، 304، 305، 315، 428، 433، 442
ابرھۃ 138
ابن ابی حاتم 229
ابن جریر 48، 50، 77، 84، 93، 229، 282، 300، 414
ابن حبان 471
ابن سلام 91
ابن عدی 507
ابن قتیبہ 162
حضرت ابو بکر صدیقؓ 30، 88، 89، 92، 93، 282
ابو بکر نقاش 93
امام ابو حنیفہؒ 66، 67، 150، 374
ابو سعید خدریؓ 48، 115
ابو عبداللہؓ 26
ابو علی حمزہ 26
ابو نعیم 93
حضرت ابو ہریرہؓ 26، 157، 507
ابو بصیر 26
ابو جعفر طوسی 26
ابو جہل 57، 351، 381
حضرت ابو ذر غفاریؓ 299، 346
حضرت ابو سفیانؓ 351
حضرت ابو طالب 351
حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ 162
ابی ثور 66
ابی خلف 351
حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ 89
امام احمد بن حنبلؒ 298، 471
اخطوب بن العجوز 300
ادریس 138
آدم 54، 56، 300
آزر 278، 294، 295
ازن بن برکیا 300
حضرت اسحاقؑ 299، 300، 304، 305
بنو اسد 88

حضرت اسمٰعیلؑ 300،304،305
اسود بن البحتری 351
اسود عنسی ذوالحمار 88
اشرف 138
اشعثؓ بن قیس 89
اقرع بن حابس 157
اقلیما 56
اکثم بن الجون 159
مرزاامام الدین 57
امیۃ 351
انس 24
اوزاعی 66
ایمن 138
حضرت ایوبؑ 300
امام باقر 24،507

ب۔ت

بحری بن عمرو 43
بحیری راہب 138
امام بخاریؒ 48،298
بریدۃ الاسلمی 115
حضرت بلالؓ 245
بیہقی 100،471
پولوس 43
تارح 278
تارخ 278
امام ترمذیؒ 298
علامہ تفتازانی 165
تمام 138
بنو تمیم 89
تیرح 278
مولوی ثناءاللہ صاحب 181،182،183

ج۔ح۔خ

حضرت جابرؓ 29
جبائی / ابو علی 66،139،158،298
حضرت جبرائیلؑ 30،343،381
جبلۃ بن ایہم 89
امام جعفر صادق 507
حضرت جعفرؓ 138
جلال الدین سیوطی 191
حسن بصریؒ 24
حضرت امام حسنؓ 507
حسنؓ 18، 48، 70، 89، 136،270،495
حضرت حمزہؓ 88

بنو حنیفہ 88
خالد بن سنان 44
حضرت خالد بن ولیدؓ 89
حضرت خبابؓ 245

د۔ر۔ز

حضرت داؤدؑ 300
درید 138
امام راغب 458
رفاعۃ بن زید 100
روح القدس 43
حضرت زبیرؓ 495
زجاج 49،70،162،278
حضرت زکریاؑ 300
علامہ زمخشری 125،166
حضرت زید بن اسلمؒ 23،48

س۔ش۔ص۔ض

حضرت سارہ 299
سبرۃ بن الفاکہ 471
سجاح بنت المنذر 89
سُدّیؒ 70،89،100،158،229، 282،334،351،414،494،495
سعید بن المسیب 160
سعید بن جبیر 330
بنو سلیم 89
حضرت سلیمانؑ 300
سوید بن الحرث 100
شاش بن عدی 43
امام شافعیؒ 23،66،150،162
حضرت شاہ ولی اللہؒ 312
شریف رضی 27
شعبی 24
حضرت صالحؑ 158
حضرت صہیبؓ 245
ضحاکؒ 70،89،322،382
طبرانی / احمدؒ 245،299
طلیحۃ بن خویلد 88

ع۔ف

حضرت عائشہؓ 344،442،523،524
عبد الرحمٰن بن سمرہؓ 328
عبد الکریم مرتد 293
حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ 16،24،26، 49، 77، 100، 106، 114، 115، 136، 139، 158، 162، 228، 300، 322، 330، 334،345،346،381،414،441،494،

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ 12، 162، 245، 298

حضرت عبداللہ بن زید انصاریؓ 88

عبداللہ بن سعد بن ابی السرح 320

حضرت عبداللہ بن عمرؓ 18، 48

بنی عبس 44

حضرت عثمانؓ 92

حضرت عروہؒ 495

عزیر 18، 43

عقبہ بن ابی معیط 351

عکرمہ 24,93، 345، 346، 372

حضرت علیؓ 12، 30، 89، 92، 93، 114، 115، 298،

حضرت عمارؓ 245

حضرت عمرؓ 30، 89، 92

عمرو بن العاص 351

عمرو بن لحی 159

عمرو بن امیہ 29

عوج بن عنق 50

عیاشی 26

حضرت عیسیٰؑ 1، 38، 40، 42، 44، 74، 78، 125، 134، 136، 158، 170، 172، 173، 176، 177، 301، 304، 306، 438

حضرت عیینہؓ بن حصین 89

غطفان 89

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (مسیح موعودؑ) 4، 57، 65، 179، 183، 293، 296، 523، 524،

فحاص بن العیزار بن ہارون 300

امام فراء 162

فزارہ (قوم) 89

حضرت فیروز دَیلمیؓ 88

ق۔ک۔گ

قابیل 56

قتادہؒ 16,70، 89، 106، 160، 278، 334، 414، 441، 495،

قثم 138

امام قطب الدین رازی 165، 308

قفال 24

کالب یُفنّہ 35، 50، 52

کعب بن اشرف 136

کلبی 26

کندہ 89

گوسالۂ سامری 102

ل۔م۔ن

حضرت لقمانؑ 298

حضرت لوطؑ 300
امام مالکؒ 23
مالک بن نویرہ 89
متی 300
مجاہد 50، 106، 136، 138، 160، 312، 414، 494،
محمدؐ بن کعب قرظی 40
محمد باقرؒ 93
محمد بن اسحاق 114، 160
محمد بن اسحاق 162، 298
محمد بن الحسن الصفار 26
محمد بن جریر طبری 24
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم
3، 6، 27، 28، 29، 30، 43، 44، 48، 57، 60،
67، 68، 69، 70، 80، 86، 87، 89، 91، 92،
103، 104، 111، 116، 117، 125، 126،
128، 139، 144، 156، 157، 158، 159،
163، 177، 202، 204، 215، 220، 239،
241، 242، 250، 255، 283، 303، 307،
308، 312، 319، 320، 325، 328، 343،
351، 363، 365، 380، 380، 410، 417،
471، 488، 500، 506، 520، 521، 522
بنو مدلج 88
امام مسلمؒ 298
حضرت مسیحؑ 18، 43، 179،
185، 293
مسیلمۃ الکذاب بن حبیب 88، 89، 320
حضرت معاذ بن جبلؓ 50، 88
مقاتل 158، 381
امام مہدی 92
حضرت موسیٰؑ 35، 48، 50،
52، 76، 89، 125، 158، 184، 300،
311، 312، 315، 344، 396، 397،
428، 478
نجاشی شاہ حبشہ 138
نسائی / امام 471
نضر بن الحارث 351
نعمان بن آصی 43
حضرت نوحؑ 300، 396
حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب (خلیفۃ المسیح الاوّلؓ) 406
امام نووی 300

ہ۔و۔ی

ہابیل 56
حضرت ہاجرہ 300
ہاران بن آزر 300

حضرت ہارونؑ	300
واحدی	165،372
وحشی غلامؓ	88
یازر	278
حضرت الیاسؑ	300
حضرت یحییٰؑ	300،125
بنو یربوع	89
یزید بن طلحۃ	114
حضرت الیسعؑ	300
یٰسین بن فحاض	300
حضرت یعقوبؑ	305،304،300،299
امام یوسف	150
حضرت یوسفؑ	300
حضرت یوشع بن نونؑ	52،50،35
حضرت یونسؑ	300

مقامات

ا۔ب۔ج

اردن 50
بیت المقدس 125،49
بیر معونہ 29
جحفہ 114

د۔ر۔ش

دشت سینا 35
دمشق 49
دہلی 57
رام پور 183
شام 89

غ۔ف۔ق

غسان 89
فارس 90
فرات 50
فلسطین 50
قادسیہ 89

م۔ی

موضع مُد 183
مدینہ 100،16
مصر 50
مکہ 471،312،114
یمن 114،89،88

کتابیات

ا۔ب۔ت

صحیح ابن حبان 472

سنن ابن ماجہ 24

انجیل 7، 75، 119

بائبل 36، 52

تفسیر بحر المحیط 100

صحیح بخاری 24، 27، 41، 64، 139، 177، 361، 474، 480، 523

تفسیر بغوی 383

سنن الترمذی 24، 1990، 379، 504

التفسیر الکبیر لامام رازی 328

تورات 7، 35، 74، 75، 77، 119

ج۔د۔ر۔ز

الجامع لشعب الایمان 201، 472

دار قطنی 157، 158

سنن ابی داؤد 24، 25، 426

تفسیر الدر المنثور 48، 89، 106، 160، 164، 229، 270، 352، 438، 507

تفسیر روح المعانی 43، 115، 159، 171، 278، 439، 442،

ش۔ط۔ف

تفسیر طبری 216

فوز الکبیر 312

ق۔ک

قاموس 161

قرآن مجید 6، 7، 13، 25، 35، 56، 66، 71، 75، 78، 79، 83، 90، 91، 94، 98، 101، 111، 113، 114، 117، 119، 120، 121، 128، 129، 131، 139، 150، 155، 157، 159، 165، 180، 181، 182، 183، 204، 208، 215، 220، 223، 244، 251، 260، 270، 275، 295، 296، 298، 304، 308، 312، 313، 314، 317، 319، 320، 325، 332، 333، 338، 348، 352، 361، 366، 368، 370، 384، 405، 412، 425، 428، 433، 435، 436، 450، 453، 454، 470، 473، 480، 481، 484، 509، 510، 521

تفسیر قرطبی 320

کشاف 308

م۔ن

صحیح مسلم 29، 144، 156، 157، 158، 344، 346، 398، 510، 524

مسند احمد بن حنبل 23، 115، 118،
298، 472،
مشکاۃ المصابیح 115
مصنف ابن ابی شیبۃ 524
مجمع بحار الانوار 523
تفسیر مظہری 150، 202، 343
المعجم الاوسط 300
المعجم الکبیر للطبرانی 246
سنن نسائی 472
نہج البلاغہ 27